عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوف ایک ایسا موضوع ہے جس پر ہر دور میں کام ہوا، کسی بھی دور میں اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکا، حالیہ دور میں اِس پر کتابی شکل میں کی گئی عملی کاوشیں اُن لوگوں کی زیادہ ہیں جنھوں نے ردِ تصوف پر کام کیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ایسی کوئی اصلاحی تحریک نہیں ہے جو اسلام کے روزِ اول سے قائم ہو اور تزکیہ نفس کا کام کر رہی ہو، انہوں نے اِس کے لیے بنیاد بھی عام تحریکوں اور اُن کے وجود سے لی اور اُن ہی کی بنیاد پر اِس کے متعلق بھی فیصلہ صادر فرمایا۔

تصوف پر تنقید کرنے والوں نے اِس پر تین مختلف قسم کی تنقیدیں کی، پہلی تنقید وجودِ تصوف پر کی گئی کہ جس میں اِس کو یونانی فلسفہ کہا گیا اور اِس کی جڑیں لغت اور گرائمر میں تلاش کی گئیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ لفظ تصوف ہمارے ہاں یونان سے آیا ہے، جس کی بنیاد لفظ "صوف" ہے اِس مقدمہ کی بنیاد پر ہی ساری عمارت کھڑی کی گئی۔ دُوسری تنقید احوالِ تصوف یا اسباقِ تصوف پر کی گئی جن کو منازلِ تصوف یا منازلِ سلوک بھی کہا جاتا ہے۔ اِس قسم میں یہ ثابت کرنے کی سعیِ لاحاصل کی گئی کہ انسان کے لیے اِن منازل کا طے کرنا ممکن نہیں اور تزکیہ نفس کے لیے اِن منازل کی کوئی ضرورت نہیں۔ تیسری اور آخری قسم کی تنقید صوفی کی شخصیت پر کی گئی کہ انسان کے لیے یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اتنی مُشکل منازل طے کرلے اور اِس مَقام تک پہنچ جائے؟ علاوہ ازیں اُن شخصیات کے کردار، افکار اور عمل کو بھی حرفِ تنقید بنایا گیا، اِس میں بھی شک نہیں کہ تصوف کو زیادہ نقصان تصوف کا لبادہ اوڑھنے والوں نے پہنچایا ہے اور ناقدین کو مواد بھی اُن ہی کے کردار سے میسر آیا، جس سے انہوں نے اپنے مضمون کی بنیادیں اُٹھائیں، لیکن اِس کے ساتھ ساتھ ایک دُوسری حقیقت بھی موجود رہی جس سے صرفِ نظر کیا گیا اور وہ یہ کہ اہلِ تصوف کی طرف سے سینکڑوں سال پہلے لکھی گئی کتابوں میں اِن تمام امور کی نشاندہی کی گئی کہ تصوف اور اہلِ تصوف کو ایسے حالات کا سامنا ہے کہ کچھ لوگ جن کا اِس نظام سے کوئی تعلق نہیں وہ اِس کے دعوے دار بن بیٹھتے ہیں اُن کے لیے حضرت علی ہجویریؒ المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ اور دیگر بزرگانِ تصوف نے "مُستَصوِف" کی اصطلاح استعمال کی ہے اور اُن سے متنبہ فرمایا ہے۔ ناقدین نے اگر صاحبانِ کُتب کی شہرہ آفاق کتابوں سے استفادہ کیا بھی تو محض اِس کو اپنے مقصد میں استعمال کرنے کے لیے اور اُس سے حق واضح کرنے کے بجائے اُس کو اپنے رنگ میں پیش کیا ہے۔ لیکن ایسے افراد بھی معاشرے میں موجود رہے جنھوں نے ہر دور میں اپنے کردار سے اِس نظام کی عملی تصویر پیش کی اور کسی کو اُن کے کردار پر بات کرنے کی جرات نہیں ہوئی، انہوں نے اپنے عمل سے واضح کیا کہ تصوف اسلام کا نظام اخلاق ہے اور یہ چودہ سو سال سے قائم واحد نظام ہے جو پہلے مسلمان ہونے والے مَردِ جناب سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ سے شروع ہوا اور قیامت تک قائم رہے گا۔ اس دوران اسلام میں مختلف تحریکیں اٹھیں مگر وہ آخر کار اپنے اپنے انجام سے دوچار ہوئیں۔ لیکن تصوف نظامِ اخلاق کی وہ واحد تحریک ہے جو سیدنا صدیق اکبرؓ سے شروع ہوئی اور آج تک قائم

ہے۔اِس میں کسی بھی دور میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی جس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ اِس کا نظامِ انتقال کتابیں ہیں نہ ہی زبان۔ بلکہ یہ قلب سے قلب تک فاصلہ طے کرنے والی تحریک کا نام ہے، جو بیرونی عوامل کی آمیزش سے پاک ہے۔ اس میں سب سے پہلے زبان بند اور آنکھ کھلتی ہے، اس منزل کا راہی جیسے جیسے منازل طے کرتا جاتا ہے، خاموش ہوتا جاتا ہے، مگر کچھ ایسے اولیا اللہ بھی موجود رہے ہیں جنھیں اِن باتوں کے اظہار کی اجازت ملی اور انہوں نے اس کا بیان بھی فرمایا گزشتہ صدیوں میں جناب حضرت سلطان باہوؒ، جناب میاں محمد بخشؒ، جناب وارث شاہؒ، جناب بلھے شاہؒ نے اپنی شاعری کے ذریعے اِس کی تعلیمات اپنی علاقائی زبانوں میں بیان فرمائی ہیں اور اِس منزل کے راہیوں کو پیش آنے والے حالات سے آگاہ بھی فرمایا ہے۔ اُن کے کلام کے ساتھ حالیہ صدیوں میں جو سب سے بڑا ظلم روا رکھا جارہا ہے وہ یہ کہ اُن کے کلام کو منازلِ عشقِ حقیقی کا مینارۂ راہ سمجھنے کے بجائے اُن کو عشقِ مجازی کی بنیاد بنا کر تصوف کی مزید دھجیاں بکھیرنا شروع کر دی گئی ہیں اور اب صوفی نائٹس اور تصوف کے نام پر وہ بے حیائی شروع ہو چکی جس کا تصور بھی اہلِ دل کے ہاں ممنوع تھا۔ دُوسری طرف نُقّاد نے اِس لُچر پَن کو صُوفی اِزم کہہ کر اِس کے لتّے لینا شروع کر دیئے ہیں۔ اس بے حیائی کو کبھی تصوف کی آڑ میں اور کبھی تہذیب کے نام پر زور وشور کے ساتھ پروان چڑھایا جارہا ہے، ایسے میں ضروری ہے کہ عَامۃ النّاس کے لیے ان چیزوں کی وضاحت کی جائے تاکہ اُن کے علم میں آسکے کہ تہذیب اور صوفی ازم کے نام پر فروغ پانے والی بے حیائی کا تصوف اور اہل تصوف کے ساتھ دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے یہ سب کرنے والے اس علم کے دعوے دار تو ہوسکتے ہیں مگر ان کا عمل اِس بات کی نفی کرنے کے لیے دلیلِ قطعی ہے کہ انہیں اِس علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

ایسے میں ہم آپ کے لیے اہل تصوف کی مستند اور مشہور زمانہ تصانیفکشف المحجوب شریف، اِحیاءُ العلوم، غُنیۃ الطالبین، رِسَالہ قشیریہ اور دیگر سے چند اسباق (جو حالیہ سالوں (2013/14) میں ایک ولیِ کامل کی نشست میں موضوعِ گفتگو رہے پیش کررہے ہیں) آپ کے لیے بیانیہ انداز میں پیش کیا ہے اِن میں کسی بھی قسم کا اضافہ یا کمی نہیں کی گئی تاکہ آپ تک اُن کی گفتگو مِن وعَن پہنچائی جاسکے اور ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہو، البتہ جملوں کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے اگر انتہائی ضروری قطع وبرید [ایڈیٹنگ] کی گئی تو اُس میں بھی اِس بات کالحاظ رکھا گیا ہے کہ گفتگو متاثر نہ ہو اور قارئین تک یہ پیغام بنا کسی آمیزش کے پہنچے۔ اِس کے علاوہ جو ایک خصوصی انتظام کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ ادارہ ایک ویب سائٹ پر کام کر رہا ہے جس پر صاحبِ درس جناب صاحبزادہ الحاج ڈاکٹر حافظ محمد فرخ حفیظ صاحبؒ کے بیانات کو اَپ لوڈ کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی صاحبِ ذوق اِن دروس کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ اُن کی آڈیو سننا چاہے گا تو اُس کو یہ سہولت بھی میسر ہو گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ جناب حضرت صاحبؒ کی شخصیت کا اجمالی خاکہ اور اُن کا شجرہ طریقت بھی اِس کتاب میں پیش کیا جائے گا تاکہ قارئین اُن کی شخصیت کا اندازہ فرماسکیں، اِس سلسلہ میں صرف ایک بات عرض کرنا چاہوں گا کہ جناب قبلہ حضرت صاحبؒ کو چاروں سلاسل عالیہ میں بیک وقت بیعت فرمانے کی اجازت تھی، مگر آپؒ سلسلہ قادریہ یا نقشبندیہ میں بیعت فرماتے تھے۔ جناب حضرت صاحبؒ کے ہاں ادب کس درجہ میں پایا جاتا اُس کا صرف ایک واقعہ آپ کی نظر کرتا ہوں ایک مرتبہ آپ کے مُرشد سراج السالکین صوفی عبدالغنی صاحب المعروف باباجی سرکارؒ نے آپؒ سے فرمایا کہ نماز تازہ وضو کے ساتھ ادا کرنا اچھا ہوتا ہے، اُس نماز سے

لے کر زندگی کی آخری نماز تک آپؒ نے سفر، حضر اور بیماری کے باوجود تمام نمازیں ہمیشہ تازہ وضو کے ساتھ اور باجماعت ادا فرمائیں، گزشتہ پچیس [25] سال میں جناب حضرت صاحبؒ کی ایک بھی نماز قضا تو دور کی بات تکبیر اولیٰ تک ضائع نہیں ہوئی۔ آپؒ کی نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ عصر اور عشا کی سنتیں ادا فرمائیں اور اپنے معتقدین کو بھی اِس بات کی خصوصی تلقین فرماتے، اِن سنتوں کے متعلق فرماتے کہ یہ سنتیں انسان کے محاسبہ کا بہترین ذریعہ ہیں کہ وہ ہر روز خود اپنا محاسبہ کر سکے کہ اُس میں حُبِ مصطفیٰ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کس درجہ میں پائی جاتی ہے۔ آپؒ کی شخصیت کے کئی روشن پہلو ہیں اور کتاب کا ابتدائیہ اِس بات کا متحمل نہیں کہ وہ آپؒ کی شخصیت کا احاطہ کر سکے، اِس کے لیے کئی دفاتر درکار ہیں، جو وقت آنے پر قارئین کی نظر کیے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ صرف یہ عرض کر کے اِس بات کو یہاں پر ختم کرتا ہوں کہ بعض اوقات پابندِ صوم وصلوۃ اور نیک لوگ بھی جس فعل کو محض اس لیے ترک کر دیتے ہیں کہ یہ سنت عمل ہے اگر رہ بھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، جناب حضرت صاحبؒ نے زندگی بھر اُن تمام افعال کی شدت کے ساتھ پابندی فرمائی کیونکہ وہ سنتِ مصطفیٰ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہیں۔ اِن دروس کو پڑھ کے بعد قارئین اندازہ فرمائیں گے کہ تصوف در حقیقت کیا ہے اور ستمانِ حق کرنے والے حضرات اِس کو کس رنگ میں پیش کر رہے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ انہیں اِس نظام کا علم ہی نہیں اور وہ اپنی لاعلمی کی بنیاد پر یہ سب کچھ کر رہے ہیں تو یہ بات شاید اتنی سادہ معلوم نہیں ہوتی ہے، کیونکہ اِس منزل کی جانب قدم بڑھانے کی نیت کرنے والے کسی بھی شخص کے لیے یہ سمجھنا قطعاً مشکل نہیں کہ یہ ایک عملی سبق ہے جس کی بنیاد عمل پر ہے اور آگے بڑھنے کے لیے پہلی منزل کو کامیابی کے ساتھ عبور کرنا لازم ہے، صوفی کہلانے کا دعویٰ کرنا تو انتہائی آسان ہے جبکہ اِس پر عمل پیرا ہونا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، لہذا اِس لیے بھی اِس کو حرفِ تنقید بنایا جاتا رہا کہ دین کی کتابیں پڑھ کر ابتدائی علم تو حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن اُس پر عمل کرنا ایک مشکل کام ہے اور اسی مشکل سے بچنے کے لیے دین کے ظاہری علوم حاصل کرنے والوں نے بھی تزکیہ نفس کے اس طریقہ کار کو نہیں بخشا اور اپنی محافل میں اس کی زیادہ زور و شور کے ساتھ نفی کی کہ کہیں اُن کے عقیدت مَند اُن کے کردار پر سوال نہ اُٹھادیں اور اُن کا سلسلہ روزگار جو دین کے متعلق چند کتابیں پڑھ لینے سے شروع ہوا تھا متاثر نہ ہو جائے، اُن کے اسی رویہ سے معاشرہ میں تشدد پروان چڑھا ہے اور عدم برداشت کو فروغ ملا[1]۔ ہمارے اِس سسکتے مُعاشرے کی پریشانی کا اگر کوئی حل ہے تو وہ حل صرف نظامِ تصوف میں پوشیدہ ہے جو ہر انسان کو اُس کی ذات کی اصلاح کی تبلیغ کرتا ہے اور انسان کی توجہ دوسروں کے بگاڑ کے بجائے اپنی اصلاح پر مرکوز کرواتا ہے، یہ نظام مالک کائنات کی تخلیق کردہ ہر چیز کے احترام کا سبق دیتا ہے اور لازم ہے کہ انسان کا احترام اُن میں سب سے مُقدم ٹھہرے، یہ اِس کی خوبیوں میں ایک خوبی ہے کہ یہ ہر انسان کی عزت سب سے پہلے بطور انسان کرنے کا درس دیتا ہے اور اپنے راہیوں کو اِس پر عمل پیرا کرواتا ہے، کیونکہ یہ ایک عمل کا نام ہے صرف کتابی بات نہیں، میں یقینِ کامل کے ساتھ عرض گزار ہوں کہ راہِ حق کے طالبوں کے لیے یہ کتاب ایک رہنما دستاویز ثابت ہو گی۔

---

[1]- بخدا ہمارا مقصد کسی کو حرفِ تنقید بنانا نہیں ہے بلکہ معاشرے میں شدت پسندی کا جو ایک عمومی رویہ پروان چڑھا ہے محض اُس کا بیان کیا گیا ہے اور جس وجہ سے وہ پروان چڑھ رہا ہے اس کی مختلف وجوہات میں سے ایک وجہ بیان کی گئی ہے۔

یہ کتاب ایک انسانی کاوش ہے اس لئے غلطیوں سے مبرا نہیں ہو سکتی، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے بہترین صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود سہواً رہ جانے والی غلطیاں بھی ہماری غفلت کا نتیجہ ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ ایسی کوئی بھی غلطی پائیں تو اُس سے آگاہ فرمائیں۔ تاکہ آئندہ اشاعت اس غلطی سے پاک ہو۔ آپ کی طرف سے موصول ہونے والی تجاویز اور رہنمائی پر ہم آپ کے پیشگی شکر گزار ہیں۔

ای میل برائے رابطہ: journalistibd@gmail.com

عدیل حیدر گھمن

جناب صاحبزادہ الحاج ڈاکٹر حافظ محمد فرخ حفیظ صاحب ؒ کا مختصر تعارف

الحاج ڈاکٹر حافظ محمد فرخ حفیظ صاحب 25 نومبر 1955ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام حضرت محمد عبد الحفیظ صاحب ؒ اور والدہ ماجدہ کا نام محترمہ انور فاطمہ صاحبہ ؒ ہے۔ دونوں کا تعلق دو عظیم اور قدیم مذہبی و روحانی خانوادوں کے ساتھ تھا۔

ننھیال

ننھیالی خاندان کے سربراہ حضرت محمود قادری چنابی ؒ جو سومرو خاندان سے تعلق رکھتے تھے تقریباً پونے چار سو سال قبل سندھ سے تشریف لا کر لاہور اندرون مستی گیٹ اس جگہ پر قیام فرما ہوئے جس کا حکم ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بصورتِ خواب ملا تھا۔ اس بات کا ذکر ان کے نواسے اور جناب ڈاکٹر صاحب کے جد امجد حضرت میاں نور محمد چنابی ؒ نے اپنی کتاب شرح قصیدہ امالی میں کیا ہے۔

حضرت محمود قادری چنابی ؒ نے لاہور میں تبلیغ دین اور روحانی تربیت کے جس سلسلے کا آغاز کیا وہ ان کی اولاد میں صدیوں تک جاری رہا۔ ان کا مزار پنجاب یونیورسٹی لاہور کے نواح میں اب بھی موجود ہے۔

ددھیال

حضرت محمود قادری چنابی ؒ گجرات کے موضع راجیکی میں تشریف لائے تو وہاں سے اس علاقے کی ایک معروف شخصیت حاجی احمد کے نوجوان صاحبزادے عبد الرحیم چنابی ؒ کو بغرض تعلیم و تربیت اپنے ساتھ لاہور لے آئے۔ اور ان کی روحانی تربیت کی۔ تکمیل پر اپنی صاحبزادی ان کے عقد میں دے دی۔ ان کے ہاں ایک ہونہار فرزند پیدا ہوا جس کا نام محمد یحییٰ ؒ رکھا گیا (جو الحاج ڈاکٹر حافظ محمد فرخ حفیظ صاحب کے جد امجد ہیں)۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے نانا جان حضرت محمود قادری چنابی ؒ کی آغوش شفقت میں حاصل کی اور اس کی تکمیل پر ان کو اپنے علاقہ گجرات میں لوگوں کی اصلاح اور خدمت خلق کا فریضہ سونپا گیا۔

حضرت محمد یحییٰ چنابی ؒ نے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی بنا پر اپنے علاقے کے عوام کی اصلاح، تعلیم اور اخلاقی تربیت کا فریضہ سر انجام دیا۔ ان کے زہد و تقویٰ اور تعلق باللہ کا اثر ان کی چہرے پر نمایاں تھا اور پیشانی سے نور جھلکتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت اور وابستگی کی وجہ سے ان کی پہچان عوام الناس میں نور محمد چنابی ؒ کے نام سے ہوئی اور ان کا یہی نام اب تک معروف ہے۔ ان کا مزار ضلع گجرات کے موضع راجیکی شریف میں ہے جو، مرجع خلائق ہے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت

جناب الحاج ڈاکٹر حافظ محمد فرخ حفیظ صاحب نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔ آپ کی والدہ محترمہ اور والد ماجد دونوں دینی اور

دنیاوی تعلیم سے آراستہ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے اپنے والد گرامی قطب الاقطاب حضرت حافظ شفیق احمد صاحبؒ (جناب ڈاکٹر صاحب کے نانا جان جو اپنے دور کے جلیل القدر ولی اللہ تھے اور جن کا مزار قبرستان میانی صاحب لاہور میں اب تک مرجع خلائق ہے) کی رہنمائی میں زہد وورع کے بلند مقامات حاصل کیے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی والدہ نے ایجوکیشن اور علوم اسلامیہ میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ماسٹر ڈگریز بھی حاصل کر رکھی تھیں۔ والدہ ماجدہ کی یہی قابلیت جناب ڈاکٹر صاحب کی تعلیم اور تعمیر کردار کی بنیاد بنی جس نے بچپن سے ہی ان کو عشق رسول ﷺ کی راہ گزر پر ڈال دیا۔

والدہ محترمہ نے اپنے بیٹے جناب ڈاکٹر صاحب کو نہ صرف عبادت و ریاضت کے رموز سے آشنا کرایا بلکہ اس سلسلے میں بہت سے مشکل مقامات اپنی نگرانی میں ہی طے کروائے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی تعلیم و تربیت میں آپ کے والد ماجد نے بھی بھرپور کردار ادا کرتے ہوئے آپ کو بچپن ہی سے آداب بندگی اور تعمیر شخصیت کی ساخت و پرواخت کی بنیاد رکھ دی، جس کی بدولت آغاز جوانی سے ہی جناب ڈاکٹر صاحب نے بقول علامہ اقبالؒ ، "نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز" کے رخت سفر کا آغاز کیا۔

جناب ڈاکٹر صاحب نے میٹرک کے امتحان میں مشن ہائی سکول لاہور کی طرف سے 1970 میں نمایاں پوزیشن حاصل کی اور 1972 میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔

پیشہ ورانہ تربیت اور اس پر عملدرآمد

ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد نشتر میڈیکل کالج ملتان سے میڈیکل گریجویشن اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی لاہور اور اس کے ملحقہ اداروں سے امراض چشم کے علاج کی خصوصی تربیت حاصل کی اور اس کے بعد پنجاب پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد شعبہ امراض چشم میو ہسپتال لاہور میں بحیثیت ریذیڈنٹ میڈیکل آفیسر، پروفیسر ڈاکٹر منیر الحق صاحب کی نگرانی میں امراض چشم کی عملی تربیت کا آغاز کیا۔

1- دوران تربیت دو امراض میں ریسرچ کا کام کیا اور ان کے علاج کی نئی سمتیں متعین کیں۔ جن میں سے ایک Refractive Errors & its treatment (نظر کی کمزوری اور اسکا علاج) اور دوسرا (آنکھ کے حساس پردے کی سوزش اور اسکا علاج) Cystoid Macular Odema & its treatment شامل ہیں۔ تربیت کی تکمیل پر شعبہ امراض چشم میو ہسپتال لاہور کی طرف سے پہلی مرتبہ فلوروسین انجیوگرافی (Fluorescein Angiography) آنکھ کے حساس پردے میں خون کی نالیوں کی کیفیت کا مطالعہ) کے شعبہ کا آغاز کیا۔

2- شعبہ امراض چشم میو ہسپتال لاہور کی طرف سے پہلی مرتبہ فری موبائل آئی سروس کے شعبے کی ابتداء کی۔

3- دوران ملازمت شعبہ ادویات میو ہسپتال کی نگرانی کا فریضہ سونپا گیا تو ادویات کی تقسیم میں ہونے والی چوری روکنے کے لیے ادویات کے تقسیم کار کے طریقے میں بنیادی تبدیلیاں کیں جس کی وجہ سے ادویات کی چوری کا سدباب ہو گیا۔

4-اپنے استاد پروفیسر ڈاکٹر منیر الحق صاحب کی قیادت میں آفتھلمالوجیکل سوسائٹی آف پاکستان (Ophthalmological Society of Pakistan) کی طرف سے ہونے والی پچاس (50) سالہ بین الاقوامی ماہرین امراض چشم کانفرنس کا انعقاد کیا جس پر حکومت پاکستان کی طرف سے خصوصی شیلڈ پیش کی گئی

5-اسی تجربے کی روشنی میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی کی 125 سالہ بین الاقوامی کانفرنس کے انتظامات میں نمایاں حصہ لیا۔

6-ماہرین امراض چشم کی ایفروایشین (AFRO-ASIAN) افریقہ اور ایشیاء کی مشترکہ بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد کے فرائض سرانجام دیئے۔ بعد ازاں آپ کو (Ophthalmological Society of Pakistan) آفتھلمالوجیکل سوسائٹی آف پاکستان کی طرف سے لائف ممبرشپ دی گئی۔

7-جناب الحاج ڈاکٹر صاحبؒ کا میو ہسپتال تعیناتی کے دوران یہ معمول رہا کہ آپ خصوصی طور پر میو ہسپتال کی ایمرجنسی میں رات کی ڈیوٹی لگواتے تھے اور بڑے شوق ولگن سے یہ فریضہ سرانجام دیتے، جس رات آپ کی ہسپتال کی ایمرجنسی میں ڈیوٹی میں نہ ہوتی وہ رات آپ دربار حضرت داتا صاحبؒ بسر فرماتے تھے۔

تصوف کے معاملات

1988ء میں والد ماجد کی وفات کے بعد سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے کر معروف روحانی مرکز آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب کدھر شریف (منڈی بہاؤالدین) کی سربراہی کا فریضہ سنبھالا۔ ملازمت سے استعفیٰ کے بعد دینی اور روحانی معاملات کی تکمیل کے لیے ایک عظیم القدر ولی اللہ، سراج السالکین، حضرت صوفی محمد عبد الغنی صاحبؒ المعروف باباجی سرکار سے شرف بیعت حاصل کیا اور تعمیر کردار کے لیے 10 سال تک دشت نوردی کرتے ہوئے دنیاوی معاملات سے کنارہ کش ہو کر تعلق باللہ (منازل سلوک) کے سلسلہ میں مشقتوں اور ریاضتوں میں گزارے اور اس کے بعد اپنے مرشد کے حکم پر عوام الناس کی اصلاح اور تربیت کے سلسلے کا آغاز کیا جو تاحال جاری ہے۔

تقریباً پچاس ہزار (50,000) سے زائد افراد نے شرف بیعت حاصل کر کے اس سلسلے کا حصہ بن چکے ہیں۔ تصوف کے 3 بنیادی عوامل

(1) تعلیم القرآن (2) انفرادی اور اجتماعی تعمیر کردار (3) خدمت خلق سے عوام الناس کو روشناس کیا اور اصول تصوف کو اجاگر کیا۔

اس پورے عرصے کے دوران جناب حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے سیاست، فرقہ واریت، مفاد پرستی اور حصول زر سے کلیۃً اجتناب کیا ہے اور اسی چیز کا عوام الناس کو درس دیا ہے۔ اُن کا نعرہ (Slogan) ہے

”کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا

اس کی دولت ہے فقط نقش کف پا تیرا“

دوران طالب علمی شروع کیا جانے والا فری میڈیکل کیمپس کا تسلسل شعبہ امراض چشم سے وابستگی کے بعد فری آئی کیمپس میں بدل گیا۔ جو اس تمام عرصہ میں جاری رہا اور اب تک جاری ہے جس کے تحت ملک کے طول و عرض میں لاتعداد فری میڈیکل اور آئی کیمپس کا اہتمام کیا گیا۔

طبی خدمات

1-زمانہ طالبعلمی میں 1975ء سے فری میڈیکل کیمپس کا آغاز کیا۔ جو ملک کے طول و عرض میں لگائے گئے اور ان کیمپس کی نگرانی کے لیے المصطفیٰ ﷺ ہسپتال آرگنائزیشن کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کا مقصد صرف فری میڈیکل کیمپس کا انتظام و انصرام اور ان میں کام کرنے والے ڈاکٹر صاحبان اور میڈیکل سٹوڈنٹس کی آپس میں Co-ordination رابطہ بحال رکھنا تھا۔ ان کیمپس سے لاکھوں کی تعداد میں مریضوں نے استفادہ کیا۔

1982ء میں شعبہ امراض چشم میو ہسپتال لاہور میں شمولیت کے بعد فری آئی کیمپس کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا اور کچھ عرصے بعد فیضان ویلفیئر آرگنائزیشن کے نام سے امراض چشم اور امراض نسواں، زچہ و بچہ کے شعبہ میں فری کیمپس کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ ان کیمپس میں امراض چشم اور امراض نسواں، زچہ و بچہ کے دیگر سپیشلسٹ ڈاکٹروں کو بھی شامل کیا گیا۔ فیضان ویلفیئر آرگنائزیشن کے تحت پاکستان کے مختلف علاقوں میں لگنے والے بے شمار کیمپس کے ساتھ ساتھ شعبہ گائنی میں 3 کل وقتی اور امراض چشم میں 7 جز وقتی مستقل خدمات کے مراکز قائم کیے گئے۔ ان آئی کیمپس میں ابتدا سے لے کر اب تک ڈاکٹر حافظ محمد فرخ حفیظ صاحب آنکھوں کے آپریشنوں کے ساتھ ساتھ ہمہ جہتی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں[2]۔ ان کیمپس میں صرف محترم ڈاکٹر صاحبؒ نے اب تک چالیس لاکھ (40,00,000) سے زائد مریضوں کا معائنہ، مشورہ اور علاج اور تقریباً چار لاکھ پچاس ہزار (4,50,000) سے زائد امراض چشم کے مریضوں کے آپریشن کیے۔ اس تمام تر کارکردگی کا کچھ ریکارڈ تو موجود ہے اور شروع کا کچھ ریکارڈ حوادث زمانہ کی نظر ہو گیا ہے۔

مذہبی و روحانی خدمات۔

1-مرشد کامل کی رہنمائی میں مقامات سلوک کی تکمیل کے بعد تعمیر کردار کے شعبہ میں خدمات کا آغاز کیا۔ اب اس سلسلے میں بے شمار لوگ قرب الٰہی کے حصول کے لیے اپنی کاوش میں مصروف ہیں۔

2-میلاد النبی ﷺ، معراج النبی ﷺ، تحریک کربلا اور سلسلہ تصوف پر تحقیقی کام کیا اور قرآن پاک اور حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں ان حقائق کے وہ اہم ترین پہلو جنہیں اب تک اجاگر نہ کیا گیا تھا ان پر تحقیقی مقالے پیش کر کے تاریخ اسلام کی درخشندہ روایات میں اہم اضافہ کیا۔

---

[2] یہ مضمون جناب ڈاکٹر صاحبؒ کی حیات میں لکھا گیا، البتہ بزرگانِ دین کی پیشگوئیاں، وصال اور سجادہ نشین کے زیر عنوان لکھی گئی تحریر آپؒ کے وصال کے بعد شاملِ تحریر کی گئی ہے۔ ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۵ء ذوالحجہ کے تیسرے جمعۃ المبارک کو مسجد شریف کے یوم تاسیس کے موقع پر محفل نعت کے دوران جب قصیدہ بردہ شریف پڑھا جارہا تھا اس وقت جناب ڈاکٹر حافظ محمد فرخ حفیظؒ ہزاروں افراد کی موجودگی میں اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے، اناللہ وانا علیہ راجعون۔

3- عوام الناس کے ذہنوں میں اپنی تعلیمات کے ذریعے ناپسندیدہ رسوم، غیر اخلاقی رجحان اور حدود اللہ کی پامالی کے خلاف شعور بیدار کیا اور ان کے اخلاق اور کردار سنوارنے کی جستجو کی۔

4- جمعۃ المبارک اور آستان پر ہونے والے دیگر مذہبی اجتماعات میں تفسیر قرآن پاک اور اصلاحی موضوعات پر 2500 سے زائد لیکچر دیئے جن میں اکثر کا آڈیو ریکارڈ موجود ہے جسے ترتیب دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

5- عوام خصوصاً نوجوانوں میں تعلق باللہ اور قرب الٰہی کا ادراک پیدا کرنے کے لیے تحریک تہجد کا آغاز کیا۔ جس کو لوگوں خصوصاً نوجوانوں کی بڑی تعداد نے لبیک کہا اس کی وجہ سے ان کی سوچ بھی بدلی اور ان کے اخلاق و کردار میں بھی تبدیلی آرہی ہے۔ دیگر فرقہ وارانہ نفرت، اسٹیٹس کو (Status Quo) اور پرسنل پروجیکشن (Personal Projection) کے رجحان میں بتدریج کمی کے آثار پائے جاتے ہیں۔

6- عوام کے مختلف طبقوں خصوصاً دیہات میں خاندانی رقابتوں، باہمی رنجشوں اور جاہلانہ فتنہ وفساد و قتل وغارت میں بھی نمایاں کمی دیکھنے میں آئی۔

7- زمانہ ءطالبعلمی میں مساجد کے پورے گراونڈ فلور پر مارکیٹوں کی تعمیری بدعت کو ختم کرنے کے لیے مربوط جدوجہد کی جس کے نتیجے میں اس بدعت کا خاتمہ ہوا اور اس کے بعد کسی بھی بڑی مسجد کے گراونڈ فلور کو مارکیٹ میں تبدیل نہیں کیا گیا۔

8- الیکٹرونک میڈیا کے مزاحیہ پروگراموں میں شعائر اسلامی کے غلط استعمال کا نوٹس لیا اور سوشل میڈیا کے ساتھ ساتھ لاہور ہائیکورٹ سے اس تکلیف دہ عمل کے خلاف رولنگ پاس کروائی۔ تاکہ آئندہ کوئی الیکٹرونک میڈیا اپنے مزاحیہ پروگراموں میں اسلامی شعائر کی بے حرمتی نہ کرسکے۔

9- اپنے قرب وجوار میں تقویٰ کی بنیاد پر بہت ساری مساجد کی تعمیر میں حصہ لیا اور خصوصاً منگووال غربی (ضلع گجرات) کے نواح میں تن، من، دھن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایسی مسجد کی تعمیر کا آغاز کیا جو تعمیری مراحل سے گزرتے ہوئے ایک عالمی شاہکار کی حیثیت اختیار کرچکی ہے۔

مسجد پاک بگھ شریف کے نام سے موسوم یہ مسجد اسی جگہ تعمیر ہو رہی ہے جہاں ڈاکٹر حافظ محمد فرخ حفیظ صاحب کے جدامجد حضرت حافظ محمد یحییٰ المعروف میاں نور محمد چنابی صاحب راجیکی شریف ضلع گجرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ یہ مسجد ملک و قوم کا وقار ہے اور مرجع ءخلائق بھی۔

بزرگانِ دین کی پیشگوئیاں

1- قطب الاقطاب حضرت حافظ محمد شفیق احمد صاحبؒ[3] المعروف حضرت جی سرکارؒ کے مریدین ڈاکٹر حضرت حافظ محمد فرخ حفیظ صاحبؒ کے بچپن کے زمانہ میں خصوصی طور پر جنابؒ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے تھے، آپؒ کے دریافت کرنے پر وہ کہتے کہ قطب الاقطاب حضرت حافظ محمد شفیق احمد صاحبؒ فرماتے تھے کہ چالیس برس کی عمر تک پہنچنے تک ڈاکٹر حضرت حافظ محمد فرخ حفیظ صاحبؒ اُن کی جگہ رشد وہدایت کا کام کریں گے۔

[3]- قطب الاقطاب حضرت حافظ محمد شفیق احمد صاحبؒ جناب ڈاکٹر حضرت حافظ محمد فرخ حفیظ صاحبؒ کے دادا مرشد ہیں اور نانا حضور بھی ہیں۔

2- جناب حضرت حافظ محمد فرخ حفیظ صاحبؒ کے ڈاکٹر ہونے کے متعلق بھی قطب الاقطاب حضرت حافظ محمد شفیق احمد صاحبؒ نے پیشن گوئی فرمائی تھی۔(بروایت والدہ صاحبہؒ حضرت صاحبؒ)

3- 1974 میں معراج شریف کے عرس پاک کے موقع پر محمد حسین مرحوم سکنہ گوجرانوالہ مرید خاص حضرت میاں محمد سعید صاحبؒ (حضرت کے پردادا جان) کے حوالہ سے کہا کہ حضرت صاحب (میاں محمد سعید صاحبؒ) نے فرمایا تھا کہ حضرت صاحب کے وقت میں اس سڑک پر آنے والی ہر گاڑی ڈیرہ شریف خالی ہو جائے گی یعنی کثرت سے عوام الناس اکتسابِ فیض کے لیے آئیں گے۔

وصال

۲ اکتوبر ۲۰۱۵ کو بھی ذوالحجہ کا تیسرا جمعۃ المبارک تھا، لیکن آج کی صبح کچھ نئے انداز سے طلوع ہوئی تھی، ہر کام معمول سے ہٹ کر ہو رہا تھا[4]۔یومِ تاسیس کی تقریبات کی تیاریاں جاری تھیں۔ مہمان جوق در جوق تشریف لا رہے تھے، گھڑی کی سویاں رفتہ رفتہ ڈھل رہی تھیں، عصر، مغرب اور پھر عشا کا وقت آن پہنچا، سٹیج سج چکا تھا، نعتوں کی گونج نے حاضرین کو محصور کر رکھا تھا، ہزاروں افراد جمع ہو چکے تھے، مرد تو مرد خواتین کے پنڈال میں بھی جگہ کم پڑتی نظر آ رہی تھی، چاردیواری کے اندر ہزاروں افراد تشریف لا چکے تھے، باہر والوں کی تعداد بھی کم نہ تھی، ایسے بھی بہت تھے جو چاہتے ہوئے بھی شرکت نہ کر سکے اور ان کا بھی شمار نہیں جو ابھی راستہ میں تھے۔

عشا کا وقت آن پہنچا اور شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے ابھی تک نمازِ عشا ادا کی ہو، محفل میں ہزاروں کی تعداد میں بیٹھے لوگ اور خاموشی، خاموشی بھی ایسی کہ مکمل سکوت، صرف نعت شریف کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ایسے میں جناب حضرت ڈاکٹر الحاج حافظ محمد فرخ حفیظ صاحبؒ چند احباب کے ساتھ اپنے چیمبر کی جانب سے تشریف لائے اور خلافِ معمول مسجد شریف کے سامنے پہنچ کر ایک لمحہ کے لیے رکے، مسجد شریف پر نگاہ ڈالی، ذائرین نے مرشد کو سامنے پایا تو بے قرار ہو کر اٹھ کھڑے ہونے کو بے تاب ہوئے، جناب حضرت صاحبؒ نے حسبِ معمول سب کی طرف مسکرا کر دیکھا اور دونوں ہاتھ ہوا میں بلند فرما کر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا، تمام لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے اور آپؒ آن کی آن میں وہاں سے سٹیج کی جانب تشریف لے آئے، سٹیج پر آ کر فرمایا کہ!

<u>"عزیزان گرامی! ہم اس پاک بیگھہ مسجد شریف جس کی نسبت حضور علَیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلامُ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ ہے اس کے یوم تاسیس کے موقع پر موجود ہیں، 19 ذوالحجہ 2002ء کو بروز جمعہ اس کی بنیاد رکھی گئی، سال میں جب بھی یہ دن آتا ہے، اس روز بے شمار لوگوں نے انوار و تجلیات ملاحظہ کیے ہیں، اس سے زیادہ میری زبان بیان نہیں کر سکتی، ہم اس تقریب کا آغاز اپنے رب کریم کے حضور نماز کی ادائیگی کے ساتھ کریں گے، اور اس سلسلے میں ہمیں سب سے پہلے آقا کریم محبوبِ ربِ کائنات ﷺ کی سنت ادا کرنا ہے، تمام حاضرین کی خدمت میں درخواست ہے کہ آج نمازِ عشا کی سنتیں کوئی بھی نہ چھوڑے، آئیں سب سے پہلے مل کر عشا کی سنتیں ادا کریں"</u>

---

[4]- جن کی تفصیلات یہاں بیان نہیں کی جا سکتیں ہیں۔

آپؒ نے مزید فرمایا کہ ہماری زندگیوں کا مقصد احیائے سنتِ مصطفی ﷺ ہے، آیئے اس کی ابتدا نمازِ عشا کی چار رکعت نماز سنت پڑھ کر کرتے ہیں، آپؒ نے نمازِ عشا کی چار رکعت سنت کی نیت فرمائی اور ہزاروں افراد نے جنابؒ کے ساتھ سنت نماز ادا کی۔ سنتوں سے فارغ ہو کر قاری غضنفر صاحب نے تکبیر پڑھی اور جنابؒ نے نمازِ عشا کی جماعت کروائی، مُکَبِر جانتا تھا نہ مُقتَدِی کہ اپنے امام کے پیچھے آخری نماز پڑھ رہے ہیں، کل پھر ایک نماز ہو گی جس کی اذان اور تکبیر کئی دہائیوں پہلے پڑھی جاچکی ہے۔ بعد از نماز اس پر وقار اور روحانی تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا اس مبارک تقریب کا آغاز جناب نے ان الفاظ میں فرمایا !

” تمام مہمانانِ گرامی کو میں اس پاک مسجد کے ادنٰی دربان کی حیثیت سے خوش آمدید کہتا ہوں، انتظامیہ کی خدمت میں التماس ہے کہ جتنے لوگ آرہے ہیں ان کو حتی الامکان جگہ فراہم کی جائے، خالی جگہ کو پر کیا جائے، اور جو لوگ آس لے کر آئے ہیں ان کو زیادہ سے زیادہ سہولت دی جائے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ آنے والے تمام لوگ سرکار ﷺ کے بلائے ہوئے مہمان ہیں، یہ مسجد بھی ان ہی کے نام ہے اور یہ محفل بھی ان ہی کے نام ہے، اس محفل میں جتنا اہتمام کیا گیا، منگووال سے لے کر پاک بیگھ شریف تک جن برکت والے ہاتھوں نے یہ محفل سجائی، ان کے بارے میں صرف یہ عرض کر سکتا ہوں کہ محبوب کی محفل کو محبوب سجاتے ہیں، ان سب کو مبارک ہو، ان تمام افراد کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے مقامِ محبوبیت عطا ہونے کی توقع ہے، آپؒ نے مزید فرمایا کہ آپ سب نے دیکھا کہ ہم نے نہ کوئی اعلان کیا، نہ اشتہار چھاپا اور نہ کوئی بینر لگایا، آتے ہیں وہی جنہیں سرکار بلاتے ہیں، آپ سب ان کے مہمان ہیں اور ان کے بلائے ہوئے آرہے ہیں، اپنی قسمت پر ناز کریں۔ اللہ پاک آپ کے دلوں کی مرادیں پوری فرمائے،[5] اس محفل کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہو گا، پھر نعت رسول مقبول ﷺ پھر تلاوت بارِ دیگر، پھر چند گزارشات ہوں گی اور اس کے بعد جو اس مسجد شریف کا معروف تبرک ہے وہ تقسیم کیا جائے گا۔ نقابت کے لیے میں عطائے مصطفیٰ ﷺ جناب مرزا عارف نعیم صاحب کو درخواست کرتا ہوں، کہ وہ نقابت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں“

جناب مرزا عارف نعیم صاحب نے نقابت کی ذمہ داری سنبھالی، اور تلاوت کلام پاک کے لیے تیمور سلطان صاحب کو دعوت دی، پھر نعت خوانی کا سلسلہ شروع ہوا، لاہور سے تشریف لائے ہوئے نعت خواں حضرات نے ہدیہ نعت پیش کیا، اس کے بعد جناب ذیشان اظہر صاحب نے نعت شریف پڑھی، اسی نعت کے دوران جناب حضرت صاحبؒ نے منتظمِ سٹیج عتیق الرحمان صاحب سے پروگرام کا شیڈول طلب فرمایا اور اس میں ایک جگہ پر اپنے قلم سے لائن لگا کر اس پر لفظ ” خادم “ تحریر فرمایا بقول عتیق الرحمان صاحب وہ سوچ میں پڑ گئے کہ خادم نامی کون سے ایسے نعت خواں ہیں جو آج محفل میں تشریف لائے ہیں اور میں ان سے آشنا نہیں، اسی سوچ و بچار میں گم وہ نقیب محفل جناب مرزا عارف نعیم کے پاس تشریف لے گئے تا کہ جناب حضرت صاحبؒ کا پیغام ان کو پہنچا دیں، ابھی پیغام پہنچایا نہیں تھا کہ اچانک خیال آیا کہ جناب حضرت صاحبؒ نے اپنے لیے لفظ ” خادم “ تحریر فرمایا ہے، اور اس کا مطلب ہے کہ جن لوگوں

---

[5] اس کے بعد جناب حضرت صاحبؒ نے پروگرام کا شیڈول بیان فرمایا۔

کے بعد جناب حضرت صاحبؒ نے اپنے لیے لفظ خادم تحریر فرمایا ہے ان کے بعد جناب حضرت صاحبؒ خطاب فرمائیں گے۔ عتیق الرحمان صاحب کو جونہی پیغام واضح ہوا انہوں نے فوری طور پر اس بات کا بندوبست کیا کہ جناب حضرت صاحبؒ کا بیان شروع کروایا جائے۔ جناب حضرت صاحب کے خطاب سے پہلے دوبارہ تلاوت کلام پاک کی سعادت قاری سیف الرحمان صاحب کو عطا کی گئی، دو نعتیں پڑھیں گئیں، اور اس کے بعد!

وہ لمحات آن پہنچے جب مسیحاملت، لاکھوں دلوں کی دھڑکن، عاشق رسول ﷺ، جنہوں نے اپنی زندگی اس اصول پر گزاری کہ!

"کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا

اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا"

جناب حضرت صاحبؒ کو دعوتِ خطاب دی گئی، آپؒ تشریف لائے اور بیان فرمایا[6]۔ اس کے بعد نعت خواں حضرات نے قصیدہ بردہ شریف پڑھنا شروع کیا اور تبرک تقسیم کرنے والے افراد تبرک لے کر عوام الناس تک پہنچنا شروع ہو گئے، جن افراد کے ذمہ سٹیج پر موجود مہمانوں کی تواضع تھی انہوں نے بھی جگہیں سنبھال لیں۔ قصیدہ بردہ شریف جاری تھا جناب حضرت صاحبؒ سٹیج پر تشریف فرما تھے، لبوں پر تبسم تھا، نعت خواں حضرات نے قصیدہ بردہ شریف کے اختتامی اشعار پڑھے، نیا نعت خواں مائک سنبھالنے کے لیے اٹھا ہی چاہتا تھا کہ اسی دوران جناب حضرت صاحبؒ نے نعت خواں حضرات کو اشارہ فرمایا کہ وہ کلام شریف جاری رکھیں، انہوں نے دوبارہ اسی عقیدت و احترام کے ساتھ قصیدہ بردہ شریف پڑھنا شروع کر دیا، قصیدہ شریف جاری تھا آپؒ محبت و عقیدت سے جھوم رہے تھے اور وہ لمحہ آن پہنچا، جب نعت خواں حضرات نے یہ شعر پڑھا" یارب بالمصطفیٰ ﷺ بلغ مقاصدنا" اسی شعر کے دوران آپؒ نے ہزاروں افراد کے سامنے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی، اور آپؒ کا سر مبارک ساتھ بیٹھے شخص جناب اعتزاز الدین صاحب کی گود میں چلا گیا اور آپؒ سجدہ میں تشریف لے گئے، فوراً سرکاری خادمین نے آپؒ کو سیدھا کیا مگر آپؒ پیچھے کی جانب لیٹ گئے، اور تمام کوششیں ناکام و نامراد لوٹ آئیں۔ خادمین جب یہ کوشش کر رہے تھے تو سٹیج ڈیوٹی پر موجود ذمہ دار ذائرین اور سٹیج پر موجود افراد کے درمیان کھڑے ہو کر ایک پردہ حائل کر چکے تھے، نعت خواں قصیدہ بردہ شریف پڑھ رہے ہیں۔ سٹیج پر موجود ڈاکٹر ناصر چوہدری صاحب، ڈاکٹر عقیل صاحب، اور دیگر جناب حضرت صاحبؒ کے پاس تشریف لے جا چکے ہیں، ڈاکٹر عقیل (ہارٹ سپیشلسٹ) جناب حضرت صاحبؒ کا سینہ مبارک دبا رہے ہیں، جناب حضرت صاحبؒ سرکاری خادم ابصار رانجھا صاحب کی گود میں ہیں، دوسرے سرکاری خادم عدنان صادق صاحب برق رفتاری سے جناب کا میڈیکل باکس اٹھائے ہانپتے ہوئے دوڑے آ رہے ہیں، مگر اسی دوران ڈاکٹر عقیل صاحب اور ڈاکٹر ناصر صاحب نظروں نظروں میں وہ سب کچھ کہہ گئے جس کو کان سننے کے لیے تیار تھے، آنکھ دیکھنے کے لیے، نہ دل و دماغ تسلیم کرنے کے لیے، مگر وہ ہو چکا تھا۔ مسجد شریف کی شمالی جانب چارپائیوں کی لمبی لائن موجود تھی جس پر

[6]- جناب حضرت صاحبؒ کا بیان من و عن اس کتاب کے آخری باب میں شامل کیا گیا ہے۔

ذائرین کو پیش کرنے کے لیے تبرک کے کیک پڑے ہوئے تھے، انہی چارپائیوں میں سے ایک خالی چارپائی کو فوری طور پر صاف کر کے سٹیج پر لایا گیا اور جنابؒ کا جسدِ خاکی اُس پر رکھا گیا۔ ہم سب کے جناب حضرت صاحبؒ اس دارِ فانی سے کوچ فرما چکے تھے۔

''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ''

آپؒ کے جسد خاکی کو ایمبولینس کے ذریعہ گجرات ہسپتال اور پھر آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب کدھر شریف منتقل کیا گیا، جہاں ہفتہ کے روز بعد از نماز ظہر لاکھوں عقیدت مندوں نے اپنے صاحب کی نماز جنازہ ادا کی۔ نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت خطیب جامع مسجد دربار داتا علی ہجویریؒ لاہور جناب قاری رمضان سیالوی صاحب کو حاصل ہوئی۔

سجادہ نشین

آپؒ کے جنازے کے موقعہ پر جناب حضرت صاحبؒ کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ محمد شاہد حفیظ نے غم زدہ مریدین کو دلاسہ دیا اور بتایا کہ جناب حضرت صاحبؒ اور باباجی سرکارؒ کے احکامات کے عین مطابق آپؒ کے اکلوتے بیٹے جناب صاحبزادہ حافظ محمد احسن صاحب کو آپؒ کا سجادہ نشین مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد جنابؒ کے ختم قل کے موقع پر ہزاروں افراد کے مجمع میں صاحبزادہ محمد شاہد حفیظؒ صاحب نے صاحبِ سجادہ جناب صاحبزادہ حافظ محمد احسن صاحب کے حوالہ سے بزرگان دین کی پیشگوئیاں بھی بیان فرمائیں۔ جناب حضرت صاحبؒ کے سجادہ نشین جناب صاحبزادہ حافظ محمد احسن صاحب انتہائی تدبر اور جانفشانی سے اپنے مرشد کامل اور والد ماجد علیہ الرحمۃ کا مشن جاری رکھے ہوئے ہیں، آپ نے اس کارخیر کے لیے اپنے شب وروز مختص کر دیئے ہیں۔ اللہ پاک آپؒ کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے (آمین)

یہ جناب حضرت صاحبؒ کی شخصیت کا اجمالی خاکہ تھا جو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، اس کے بعد جناب حضرت صاحبؒ کے اشجار عالیہ اور اُن کے بعد جناب کی مجلس میں تصوف کے موضوع پر ہونے والی گفتگو قارئین کی نظر کی جائے گی۔

شجرہ شریف، سلسلہ عالیہ قادریہ	
1۔ الٰہی بحرمت سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ	2۔ الٰہی بحرمت اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ
3۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابو نصر حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	4۔ الٰہی بحرمت خواجہ حبیب عجمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
5۔ الٰہی بحرمت خواجہ داود طائی رحمۃُ اللہ علیہ	6۔ الٰہی بحرمت خواجہ شیخ معروف کرخی رحمۃُ اللہ علیہ
7۔ الٰہی بحرمت خواجہ عبداللہ سری سقطی رحمۃُ اللہ علیہ	8۔ الٰہی بحرمت شیخ جنید بغدادی رحمۃُ اللہ علیہ

9۔ الٰہی بحرمت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃُ اللہ علیہ	10۔ الٰہی بحرمت شیخ عبد الواحد بلخی رحمۃ اللہ علیہ
11۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عبد العزیز رحمۃُ اللہ علیہ	12۔ الٰہی بحرمت حضرت شیخ ابو الفرح طرطوسی رحمۃُ اللہ علیہ
13۔ الٰہی بحرمت شیخ ابو الحسن علی ہنکاری رحمۃُ اللہ علیہ	14۔ الٰہی بحرمت شیخ ابو سعید بن مبارک مخزومی رحمۃُ اللہ علیہ
15۔ الٰہی بحرمت غوث صمدانی محبوبِ سبحانی پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃُ اللہ علیہ	16۔ الٰہی بحرمت حضرت شیخ سُلطان احمد رحمۃُ اللہ علیہ
17۔ الٰہی بحرمت شیخ عبد الوہاب رحمۃُ اللہ علیہ	18۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ سیف الدّین رحمۃُ اللہ علیہ
19۔ الٰہی بحرمت سید ابو نصر دین رحمۃُ اللہ علیہ	20۔ الٰہی بحرمت سید صوفی کمال رحمۃُ اللہ علیہ
21۔ الٰہی بحرمت سیّد احمد رحمۃُ اللہ علیہ	22۔ الٰہی بحرمت سیّد مسعُود رحمۃُ اللہ علیہ
23۔ الٰہی بحرمت سیّد علی شاہ رحمۃُ اللہ علیہ	24۔ الٰہی بحرمت سیّد محمُود رحمۃُ اللہ علیہ
25۔ الٰہی بحرمت شاہ امیر الدّین رحمۃُ اللہ علیہ	26۔ الٰہی بحرمت سیّد شمسُ الدّین رحمۃُ اللہ علیہ
27۔ الٰہی بحرمت سیّد غوث معظم رحمۃُ اللہ علیہ	28۔ الٰہی بحرمت حضرت سیّد مُبارک رحمۃُ اللہ علیہ
29۔ الٰہی بحرمت حضرت سیّد معروف و عرفان رحمۃُ اللہ علیہ	30۔ الٰہی بحرمت سخی شاہ سلیمان رحمۃُ اللہ علیہ
31۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت نوشاہ پاک رحمۃُ اللہ علیہ	32۔ الٰہی بحرمت شیخ پیر محمّد صاحب سُچیار رحمۃُ اللہ علیہ
33۔ الٰہی بحرمت شاہ شریف رحمۃُ اللہ علیہ	34۔ الٰہی بحرمت شیخ صدّیق محمّد رحمۃُ اللہ علیہ
35۔ الٰہی بحرمت سیّد ثابت شاہ رحمۃُ اللہ علیہ	36۔ الٰہی بحرمت بلبل گلستان محمّدی حضرت حافظ گل محمّد رحمۃُ اللہ علیہ [7]
37۔ الٰہی بحرمت حضرت حافظ ابو البرکات امام بخش رحمۃُ اللہ علیہ	38۔ الٰہی بحرمت حضرت ابو الفیض حافظ نُور جمال رحمۃُ اللہ علیہ [8]
39۔ الٰہی بحرمت مبدء فیض ابو الشفیق حافِظ خیر محمّد رحمۃُ اللہ علیہ [10]	40۔ الٰہی بحرمت سراج السالکین منبع فیض قبلہ حضرت حافِظ ابو الرّیاض شفیق احمد صاحب قادری رحمۃُ اللہ علیہ [9]
41۔ الٰہی بحرمت سُلطان السالکین زبدۃ العارفین قطب الاولیاء منبع جُود و سخا مظہر انوار الحق حضرت قبلہ صُوفی عَبد الغنی صاحب قادری رحمۃُ اللہ علیہ	42۔ الٰہی بحرمت سند الواصلین، سر تاج الاولیاء حضرت قبلہ سیّدنا و مُرشدنا الحاج حافظ ڈاکٹر محمّد فرخ حفیظ صاحب قادری دامہ اللہ ظلال برکاتہٗ رحمۃُ اللہ علیہ

7۔ جد الاجداد حضرت حافظ شفیق احمد صاحبؒ

8۔ دادا جان حضرت حافظ شفیق احمد صاحبؒ

9۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر محمد فرخ حفیظ صاحب کے نانا جان صاحبؒ

10۔ والدِ بزرگوار حضرت حافظ شفیق احمد صاحبؒ اولادِ حضرت محمود قادری چنابیؒ

شجرہ شریف سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ

1-الٰہی بحرمت سیّد المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین حضرت محمد ﷺ	2-الٰہی بحرمت خلیفۃ المسلمین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ
3-الٰہی بحرمت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ	4-الٰہی بحرمت حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ
5-الٰہی بحرمت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ	6-الٰہی بحرمت حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃُ اللہ علیہ
7-الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃُ اللہ علیہ	8-الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابوالقاسم گرگانی رحمۃُ اللہ علیہ
9-الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابو علی فارمدی رحمۃُ اللہ علیہ	10-الٰہی بحرمت خواجہ ابویُوسف ہمدانی رحمۃُ اللہ علیہ
11-الٰہی بحرمت خواجہ جہاں خواجہ عبدالخالق غجدانی رحمۃُ اللہ علیہ	12-الٰہی بحرمت خواجہ عارف ریواکری رحمۃُ اللہ علیہ
13-الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمود رحمۃُ اللہ علیہ	14-الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عزیزان علی رامتینی رحمۃُ اللہ علیہ
15-الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمّد باباسّاسی رحمۃُ اللہ علیہ	16-الٰہی بحرمت حضرت خواجہ سیّد امیر کلال رحمۃُ اللہ علیہ
17-الٰہی بحرمت شیخ المشائخ پیرِ پیراں حضرت خواجہ بہاوالدین نقشبند بخاری رحمۃُ اللہ علیہ	18-الٰہی بحرمت حضرت خواجہ علاالدیّن عطّار رحمۃُ اللہ علیہ
19-الٰہی بحرمت مولانا یعقوب چرخی رحمۃُ اللہ علیہ	20-الٰہی بحرمت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃُ اللہ علیہ
21-الٰہی بحرمت خواجہ مولانا محمّد زاہد رحمۃُ اللہ علیہ	22-الٰہی بحرمت خواجہ درویش رحمۃُ اللہ علیہ
23-الٰہی بحرمت خواجہ خواجگی امکنگی رحمۃُ اللہ علیہ	24-الٰہی بحرمت خواجہ باقی باللہ رحمۃُ اللہ علیہ
25-الٰہی بحرمت امام ربّانی مجدّد الف ثانی حضرت خواجہ شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃُ اللہ علیہ	26-الٰہی بحرمت خواجہ محمّد معصوم رحمۃُ اللہ علیہ
27-الٰہی بحرمت شیخ سیفُ الدّین رحمۃُ اللہ علیہ	28-الٰہی بحرمت حضرت خواجہ حافظ محمد محسن رحمۃُ اللہ علیہ
29-الٰہی بحرمت خواجہ سیّد نور محمّد بدایونی رحمۃُ اللہ علیہ	30-الٰہی بحرمت خواجہ شمسُ الدین حبیب اللہ رحمۃُ اللہ علیہ
31-الٰہی بحرمت خواجہ مرزا جانِ جاناں مظہر شہید رحمۃُ اللہ علیہ	32-الٰہی بحرمت خواجہ عبداللہ عرف غلام علی دہلوی رحمۃُ اللہ علیہ
33-الٰہی بحرمت خواجہ ابوسعید احمدی رحمۃُ اللہ علیہ	34-الٰہی بحرمت خواجہ احمد سعید احمدی رحمۃُ اللہ علیہ
35-الٰہی بحرمت خواجہ حاجی دوست محمّد قندھاری رحمۃُ اللہ علیہ	36-الٰہی بحرمت خواجہ خواجگان خواجہ محمّد عثمان صاحب دامانی رحمۃُ اللہ علیہ
37-الٰہی بحرمت خواجہ سراج الحق والدین خواجہ سراج الدین رحمۃُ	38-الٰہی بحرمت خواجہ مظہر فیض الرحمٰن خواجہ حافظ احمد سعید رحمۃُ

اللہ علیہ	اللہ علیہ
39-الٰہی بحرمت سیّدناو مخدو منا منبع فیض قبلہ حضرت ابوالریاض خواجہ حافظ شفیق احمد صاحب نقشبدی رحمۃُ اللہ علیہ	40-الٰہی بحرمت شیخ المشائخ مظہر اللہ التام الصمد حضرت خواجہ صوفی عبد الغنی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ
41-الٰہی بحرمت خواجہِ خواجگان حضرت قبلہ سیّدناومُرشدنا الحاج الحافظ خواجہ محمّد فرخ حفیظ صاحب نقشبندی دام قبالہ رحمۃُ اللہ علیہ	

سِلسلہِ نسب	
حضرت حاجی احمد رحمۃ اللہ علیہ	حضرت خلیفہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ
حضرت میاں نور محمّد رحمۃ اللہ علیہ	حضرت میاں محمّد عبد الغفور رحمۃ اللہ علیہ
حضرت میاں محمّد رحمۃ اللہ علیہ	حضرت میاں حاجی احمد رحمۃ اللہ علیہ
حضرت محمّد پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ	حضرت میاں محمّد شمسُ الدین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت میاں محمّد سعید رحمۃ اللہ علیہ	حضرت میاں محمّد عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ
حضرت میاں محمّد عبد الحفیظ رحمۃ اللہ علیہ	حضرت حافظ محمد فرخ حفیظ مد ظلہ العالیٰ

درس تصوف۔ 1

دورانیہ: 52 منٹ۔ تاریخ: 23-05-2013

بمقام۔ مسجد۔ آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب، کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم!

تمام تر مصروفیات، ذمہ داریوں اور دیگر معاملات کے ساتھ ساتھ اس موضوع پر گفتگو کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ پہلے اس بارے میں کچھ گزارش کرنی مقصود ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس منبعِ ہدایت ور ہنمائی ہے اور مخلوق اور خالق کے درمیان واسطہ ہے۔ ان کی سنت کی پیروی سے انسان کی نجات ہے اور اس سے اعراض کرنے والے انسان کے واسطے خسارہ، تباہی اور بربادی ہے۔ اکثر اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ بزرگوں کے پاس سے کیا لینا ہے، سنت پر عمل کریں۔ نہ جانے کہنے والے لوگ اپنی کہی ہوئی گفتگو کے معانی نہیں جانتے۔ سنت رسول ﷺ کے دو اجزا ہیں۔ ایک طریقت اور دوسرا شریعت مصطفی ﷺ۔ اگر ان کو دوسرے نام کے ساتھ یاد کیا جائے تو ایک ایمان اور دوسرا عمل۔ اور عمل بغیر ایمان کے ایسے ہی ہے جیسے کوئی پودا بغیر جڑ کے ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ عمل کے ساتھ ایمان مل جاتا ہے تو ایسا شخص جہالت کا شکار ہے۔ کیوں کہ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ پہلے درخت کے برگ وبار لگیں اور جڑ بعد میں بنے۔ فطرت کا اصول ہے کہ پہلے جڑ بنتی ہے، اس کے بعد تنا اور پھر پھل، پھول اور پتے وغیرہ۔ لہٰذا ایمان اور تعمیرِ باطن عمل کے واسطے ضروری ہیں اور اسی چیز کا نام علمِ طریقت ہے۔

علم شریعت اور علم طریقت کے درمیان گہرا تعلق ہے۔ جب تک طریقت انسان پر اثر انداز نہیں ہوتی اِس کے تمام تر اعمال فقط ریاکاری ہیں اِن کی حیثیت ظاہری نمود ونمائش کی سی رہ جاتی ہے۔ اِس کے واسطے طریقت کی ضرورت ہے۔ دورِ حاضر میں طریقت کو عملاً پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔

انفرادی طور پر دُنیا میں کئی جگہ اِس پر کام ضرور ہو رہا ہے لیکن مِن حَیثُ القوم اِس حقیقت کو پسِ پشت ڈال دیا گیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کے اعمال جانتے ہوئے یا انجانے میں فقط ریاکاری تک محدود ہو کر رہ گئے، لغو ولہو کو ثقافت کا نام دے دیا گیا، دھوکہ دہی کو عقل مندی کا نام دے دیا گیا، ریاکاری کو بزرگی کا نام دے دیا گیا، اور اس طرح دین کی شکل تبدیل ہو گئی۔ جب تک طریقت سے آگاہی حاصل نہ ہو، شریعت پر عمل درآمد محض کارروائی تک محدود ہے۔ اس کی اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کی کوئی صورت ہے اور نہ وہ انسان پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ جڑ ہو گی تو درخت ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا کہ درخت پہلے بن جائے اور جڑ بعد میں نکل آئے۔ الٹی گنگا کبھی نہیں بہتی۔ لہٰذا اس ضرورت کا پورا ہونا سب سے زیادہ ضروری ہے۔

ماضی میں ہر دور میں ایسے لوگ موجود رہے جنہوں نے اِس حقیقت کو زندہ رکھا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ سُنت لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ اگر ہم تاریخ اُٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ان کی کاوشیں بڑی معروف تصنیفات کی صورت میں موجود ہیں۔ جن میں ''قوت القلوب، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، غُنیۃ الطالبین، کشف المحجوب، کتاب العماء، عوارف المعارف'' اور اس طرح کی دیگر عظیم کتابیں آج بھی موجود ہیں۔ جن کے اندر حقیقت کے علوم کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔

آج کا ہمارا سوال یہ ہے کہ علم طریقت کے حصول کی ضرورت کیا ہے؟۔ حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں کہ ''عمل بغیر علم کے ممکن نہیں''۔ جس طرح ظاہری عباداتِ شریعہ کے واسطے شریعت کا علم ہونا ضروری ہے۔ مثلاً اگر کسی بندے کو پتہ ہی نہیں کہ وضو کے لیے کون سی شرائط ضروری ہیں، یا نماز کی شرائط کون سی ہیں، قبلہ کس سمت ہے، اُس کی نماز درست نہیں ہو سکتی۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ عمل کے واسطے ضروری ضروری علم کا ہونا ضروری ہے، جتنا اُس کی عبادت کے اوپر اثر انداز ہوتا ہو۔ اسی طرح ایمان کے واسطے بھی علم کی ضرورت ہے۔ جب تک علمِ باطن حاصل نہیں ہوتا اُس وقت تک ایمان کے خدوخال اور اُس سے کماحقہٗ آشنائی ممکن نہیں ہوتی۔ لہٰذا شریعت کے علم کے ساتھ ساتھ طریقت کے علم کی بھی ہر شخص کو ضرورت ہے۔ اگر طریقت کا علم حاصل نہیں کرے گا تو ایمان کی منازل طے کرنا اُس کے واسطے ممکن نہیں ہو گا۔ علم عمل کا علمبردار ہے، علم ہو گا تو عمل ہو گا۔ جس چیز کا علم ہی نہ ہو اُس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے۔ اِس ضرورت کے واسطے ہم نے کچھ گھڑیاں علمِ حقیقت کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کے لیے مختص کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جن کو ہدایت کے راستہ پر گامزن کرے، اُن کو کسی نہ کسی جگہ پر یقیناً اِن علوم کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ اس کے ساتھ ہی ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ میں نے اس ضرورت کو اپنے واسطے ضروری جانتے ہوئے اور اپنی تشنگی کو کماحقہٗ تسکین دینے کے واسطے اس سلسلہ کا آغاز کیا ہے اور اس کو بصورت محفل اس واسطے کیا ہے کہ دیگر جو لوگ اللہ کا راستہ اختیار کرنے کے واسطے آستانہ پر آئیں ان کو بھی کوئی نہ کوئی رہنمائی مل سکے۔ انسان کے جو اپنے ذاتی خیالات اور رجحانات ہیں ان پر اور اپنے زن پر عمل کرتے رہنا، انسان کو بے منزل کر دیتا ہے۔ لہٰذا وہ اصول جو بزرگان دین نے حصولِ ایمان کے لیے مرتب فرمائے ہیں، ان کا علم ہونا اَز حد ضروری ہے۔ اِس کے واسطے ہم نے مختصراً تھوڑی دیر کے لیے ہفتہ میں ایک مَرتبہ کچھ لمحات اِس کام کے لیے مختص کیے ہیں۔ کسی نے اِس میں سے کیا حاصل کرنا ہے اس کا دارومدار اُس کی طلب پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہتے دریا میں سے کوئی شخص ٹینکر بھر لے، کوئی گھڑا بھر لے، کوئی پیالہ بھر لے اور ہو سکتا ہے کہ کسی کے ہاتھ کچھ بھی نہ آئے۔ اس میں اپنے اپنے نصیب اور اپنے اپنے رجحان کی بات ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ ''کشف المحجوب'' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ علمِ حقیقت یعنی باطن کے علمِ اصول کے تین رکن ہیں۔ پہلا ذات باری تعالیٰ، اُس کی واحدانیت اور غیر سے اس کی مشابہت کی نفی کرنا، دُوسرے اللہ تعالیٰ کی صفتیں اور اُس کے احکامات جو اُس تک رسائی کے واسطے ضروری ہیں اُن کا علم حاصل کرنا۔ اور تیسرے اللہ کریم کے افعال یعنی تقدیر الٰہی اور اُس کی حکمت کا علم حاصل کرنا، یہ علم حقیقت ہے۔ علم شریعت

الکتاب یعنی قُرانِ پاک کا علم اور شریعت مصطفی ﷺ کے اندر سُنت مصطفی ﷺ کا علم۔ سُنت دونوں چیزوں پر منحصر ہے۔ سُنت کے اندر شریعت بھی آتی ہے اور طریقت بھی۔ صرف شرعی احکامات تمام تر سُنت نہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ساری ساری رات اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر عبادت کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کے اندر سوجن آجاتی تھی۔ جب اُن سے پوچھا جاتا کہ آپ تو اللہ کے بخشے ہوئے ہیں اتنی محنت کیوں فرماتے ہیں؟ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے تھے کہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟۔ اب شریعت کے اندر ان محنتوں کا کوئی تذکرہ نظر نہیں آتا۔ اِن کا تعلق طریقت کے ساتھ ہے کہ انسان اللہ کے رجوع میں کِس قدر غرض و غایت اور کِس قدر ہمت کرتا ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سُنت طریقت اور شریعت دونوں پر حاوی ہے۔ صرف شریعت کو سُنت کہہ دینا بے علمی کے مترادف ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بزرگوں کے پاس کیا لینے جاتے ہیں تو اِس کا جواب یہ ہے کہ سُنت مصطفی ﷺ کو شروع سے لے کر آخر تک سارے کی جستجو ہمیں ان کے پاس لے کر جاتی ہے۔ تاکہ ہم شریعت اور اس کی جڑ (مُڈھ / بنیاد) کا حصول کریں۔ شریعت کا دارومدار طریقت کے اوپر ہے۔ جیسے کہ درخت کا دارومدار جڑ پر ہے۔ طریقت مثال جڑ کے ہے اور شریعت مثال پودے کے ہے۔ جب تک طریقت کسی شخص کے اوپر کماحقہُ اثرانداز نہیں ہوتی شریعت پر عمل اُس کے واسطے ممکن نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص نماز کے اندر کھڑا ہوتا ہے اور نیت سے لیکر سلام تک اُس نے نماز کے تمام ارکان درست ادا کیے، لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس کی نماز درست تھی یا کہ نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ " لاصلوۃ الا الخشوع"۔ نماز نہیں جب تک اُس کے اندر اللہ رب العزت کی طرف بندے کی حضوری کی حالت پیدا نہ ہو۔ شریعت حضوری کی حالت پیدا کرنے کا طریقہ بتانے سے قاصر ہے۔ جو سُنت یہ طریقہ بتاتی ہے اُسے طریقت کہتے ہیں۔ وہ نماز کو مکمل کرنے کے واسطے ضروری ہے۔ جب تک انسان کی پوری توجہ، اُس کا باطن خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہو اُس کی نماز اُٹھک بیٹھک تک محدود رہتی ہے۔ نہ اُس کا کوئی ثواب ہے اور نہ ہی اُس کی قبولیت ہے۔ اگرچہ نہ پڑھنے والے سے بہتر ہے۔ اصل نماز وہ ہی ہے جس میں اُس کا دل بھی حاضر ہو جسم بھی حاضر ہو۔ ان دونوں چیزوں کو حاضر کرنے کے واسطے علم طریقت اور علم شریعت دونوں کی ضرورت ہے۔ اللہ رب العزت نے کلام مجید میں کامیابی کی نوید بھی ان مسلمانوں کو دی ہے جن کی نماز میں خشوع ہو، اللہ کریم نے فرمایا!

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۞ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون؛2،1)

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ علم شریعت کے بھی تین رکن ہیں۔ ایک الکتاب، قُرانِ پاک کا علم، دُوسرے اتباعِ رسول ﷺ کا علم اور تیسرا اجماع اُمت، کہ اُمت کے جو امام ہیں انہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اِس شریعت کو کس طریقے سے بیان فرمایا ہے۔ ہماری یہ محافل اور تُمام تَر گفتگو اس پہلے حصہ پر مشتمل ہوگی، کیونکہ شریعت کے مسئلوں پر کثرت کے ساتھ کتابیں بھی موجود ہیں اور ہر عالم جو کہ علما ظاہر ہیں اُن کو تمام تَر شریعت کے مَسَائل کا علم ہے۔ ہم اپنے محدود وقت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے زیادہ توجہ اپنے باطن کے علم کی طرف مبذول

کریں گے۔ اگر کسی نے کوئی سوال کرنا ہو تو وہ صرف طریقت کے اصولوں پر، تعمیرِ باطن یا تصوف کے سلسلہ میں کرے تا کہ اِس وقت کو ہم کما حقہٗ صرف کر سکیں۔ اگر ہم شریعت کے مَسَائل میں پڑ گئے تو پھر ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے گا ،اُس میں اختلافات اور بہت سی دُوسری چیزیں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان تمام تر اختلافات کو بھلا کر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہوں اور وہ پلیٹ فارم ہے "ایمان کی منزل"۔ اُس کے بعد عمل جس طرح مرضی کریں، اگر اُن کا ایمان درست ہو گا تو اُن کا عمل اُس ایمان کے تابع ہو گا اور اُن کو ایمان یہ علم دے دے گا کہ کون سا کام کس طرح کرنا ہے، یہ رہنمائی خود بخود نصیب ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اِن محافل کی غرض و غایت علم حقیقت کا حصول ہے۔ اس واسطے اپنی توجہ صرف اس کی طرف مبذول رکھی جائے۔

تصوف صوفیائے کرام کے اختیار کردہ راستہ کو کہا گیا ہے۔ مختلف بزرگوں نے اِس کی تعریفیں (Definitions) مختلف طریقوں سے کی ہیں۔ لیکن حضرت داتا گنج بخشؒ نے اِس کی تعریف بڑے مختصر مگر انتہائی جامع الفاظ میں فرمائی۔ " التصوف حسن الخلق"۔ تصوف حسن اخلاق کا نام ہے۔ اخلاق کے اچھے ہونے کا نام تصوف ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ اخلاق دو طرح کا ہے۔ ایک اللہ کے ساتھ اور دُوسرا اُس کی مخلوق کے ساتھ۔ اللہ کے ساتھ اخلاق یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل پیرا ہو اور جن چیزوں سے اُس نے منع کیا انسان اُن سے منع ہو جائے، اُس کے حکم کی تعمیل بغیر کسی اعتراض کے کرے یہ اللہ کے ساتھ اخلاق ہے۔ مخلوق کے ساتھ اخلاق یہ ہے کہ مخلوق کی خدمت مخلوق کی طرف سے کسی بھی قسم کی حوصلہ افزائی یا اُن سے کوئی معاوضہ لیے بغیر کرے۔ یہ مخلوق کے ساتھ اخلاق ہے اور یہ ہی طریقہ کار ہے جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے اِس اُمت کو منتقل ہوا ہے۔ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا!

"وَإِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ "(القلم:68)

اے میرے محبوب ﷺ ہم نے آپ کے اخلاق سب سے اعلیٰ کر دیئے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کے اخلاق صحابہ کرام کو ہر انداز میں ملے۔ لیکن اُن میں سے ایک طبقہ وہ تھا جس نے دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ اُن کو اصحابِ صُفہ کہا گیا ہے۔ تصوف انہی اَصحابِ صُفہ کے طریقہ کار کو کہا جاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے تصوف کی چند بنیادی خصلتیں بیان فرمائی ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اُن خصلتوں کو حضرت جنید بغدادیؒ کی روایت کے ساتھ فرمایا کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ نے تصوف کی بنیاد آٹھ حصوں پر رکھی ہے۔

سخاوت، رضا، صبر، اشارہ، غربت، گدڑی، سیاحت اور فقر۔ فرمایا کہ یہ آٹھوں نبیوں کی اقتداء کے اندر ہیں۔ تصوف کوئی اختیاری چیز نہیں بلکہ اخلاق ہماری زندگی کا ایک اہم ترین حصہ ہے، اخلاق صرف اچھی بول چال کو نہیں کہتے بلکہ جسم کے ہر عضو کا اپنا اخلاق ہے، جیسا کہ ہاتھ کا اخلاق، زبان کا اخلاق، آنکھ کا اخلاق یہ ہے کہ وہ غیر محرم کو نہ دیکھے، جن سے رب کریم نے منع فرمایا ہے ان کو نہ دیکھے یہ آنکھ کا اخلاق ہے، اسی

طرح ہاتھ کا اخلاق، منہ کا اخلاق، زبان کا اخلاق اور دل کا اخلاق یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں کبھی بھی کوئی بری سوچ نہ رکھے۔ اگر یہ فقیر یہ کہے کہ اللہ تعالی کی کسی بھی مخلوق بشمول جانور تک کا ادب اور احترام کرے کہ یہ ہمارے مالک کی بنائی ہوئی مخلوق ہے اور ہم نے ان کی تحقیر نہیں کرنی تو یہ دل کا اخلاق ہے۔ ان اخلاق پر عمل درآمد باطن کی تعمیر کا حصہ ہے اور ایمان کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ایمان ہو گا تو عمل ہو گا، ایمان نہیں تو عمل نہیں۔ ایمان کا دارومدار انہی اخلاق کے اوپر ہے۔ اللہ کے ساتھ اخلاق اور اس کی مخلوق کے ساتھ اخلاق۔ یہ اخلاق صرف زبان کا نہیں بلکہ جسم کے ہر عضو کا اخلاق ہے۔ اس چیز کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ تصوف حُسنِ اخلاق کا نام ہے۔ یہ ہی وہ واحد راستہ ہے جو انسان کے ایمان کی تکمیل کرتا ہے۔

دورِ حاضر میں اس شعبہ کو اپنوں اور غیروں نے اِس قدر نقصان پہنچایا کہ آج آستانے بقول علامہ اقبال کہ!

"زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن"

آج کل اکثر آستانوں پر اِس اخلاق کا تذکرہ بھی نہیں ہوتا جس کی تعلیم اُن کے بزرگوں نے فرمائی تھی، اُس پر عمل درآمد تو کجا رہ گیا۔ اکثر مشائخ عظام دُنیاداروں کی خوشامد اور کاسہ لیسی کے اندر اِس قدر مصروف ہوگئے ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں کے آستانوں پر آنے والے لوگوں کی دلجوئی تک نہیں کر سکتے۔ اُن کے دکھ نہیں بانٹ (share) سکتے۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ رَفتہ رَفتہ نہ صرف اِس نظام سے بلکہ اِس نظام کے علمبردار اولیا اللہ سے بھی متنفر ہو گئے۔ اب اگر آپ کسی بزرگ کا نام لیں تو آپ کو شرک شرک کی آوازیں سنائی دیں گی۔ حالانکہ یہ ہی بزرگ تھے جنہوں نے ہمیں شرک کی گہری وادیوں میں سے نکال کر ایمان کی روشنیوں سے سرفراز کیا۔ فقط اِس سمت سے قطع نظر کرنے، اِس علم کو بالائے طاق رکھنے اور تصوف کو پسِ پشت ڈال دینے سے ہمیں اتنا نقصان پہنچا ہے کہ آج لوگ اِس کا نام سننا بھی گوارہ نہیں کرتے اور اِس کو استہزاء کے طور پر لیا جاتا ہے حالانکہ یہ عوام الناس کی اصلاح کا واحد ادارہ تھا۔ اب پیروں کا ذکر لطیفے کو طور پر کیا جاتا ہے اور تحقیر کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے۔

ان حالات میں اگر ہم نے اِس اہم حقیقت کی طرف توجہ نہ دی تو آنے والی نسلیں روزِ قیامت ہمارے دامن گیر ہوں گی اور یہ پوچھیں گی کہ رسول کریم ﷺ کی امانت تم نے ہمارے تک کیوں منتقل نہیں کی تھی، ہمیں اِس امانت کو آنے والی نسل تک پہنچانے کے واسطے کمربستہ ہو جانا چاہیے اور ہر سننے (اور پڑھنے)[11] والے کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے کہ ہم نے علم حقیقت سیکھنا بھی ہے اور اِس کو آنے والی نسل تک پہنچانا بھی ہے۔ اگر ہم نہیں سیکھیں گے تو نہ ہم عمل کر سکیں گے اور نہ پیچھے آنے والے عمل کر سکیں گے۔ نتیجتاً اخلاق ضائع ہو کر رہ جائیں گے اور مسلمان فقط نام کا مسلمان رہ جائے گا۔ علامہ اقبال کو "حکیم الاُمت" کہا جاتا ہے۔ یقیناً اُنہوں نے اُمت کی نبض پر ہاتھ رکھا تھا۔ علامہ اقبال جن کا کلام اب باوجوہ منظرِ عام سے غائب کیا جا رہا ہے، جو یقیناً لمحہ فکریہ ہے۔ انہوں نے ابلیس کی مجلس شوریٰ کا واقعہ بیان کیا ہے، جس میں اُس

[11]- پڑھنے کا لفظ تحریر میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ اب یہ دروس آپ کتابی شکل میں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

کے سارے چیلے فرداً فرداً آکر اِس دُنیا کے مختلف واقعات کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں اور فکر مند ہوتے ہیں۔ شیطان ہر کسی کو تسلی دیتا ہے کہ یہ سارے میرے ہی چھوڑے ہوئے ہیں اور کہتا ہے کہ اگر مجھے خطرہ ہے تو صرف ایک طرف سے ہے اگر تم اُس کا سدباب کر سکتے ہو تو کر لو۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ شیطان نے اپنے مشیروں کو کیا مشورہ دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ !

"یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا

رُوحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو"

اب یہ رُوحِ محمد ﷺ ہم میں سے نکالنے کی جستجو جاری ہے، اِس کو نکلنے سے روکنا ہے اور یہ ہم میں ہر کسی کی ذمہ داری ہے۔ جس کسی کو بھی اللہ تعالیٰ اِس چیز کا احساس عطا فرمادے اُس پر یہ ذمہ داری ہے۔ رُوحِ محمد ﷺ یہ ہے کہ ہم سرکار ﷺ کی سُنت کو کماحقہٗ اپنائیں۔

ہم پر لازم ہے کہ فقط ظاہری اعمال کو مدِ نظر نہ رکھیں بلکہ سُنت کا اصل دارومدار انسان کے باطن پر ہے۔ ہمیں اِس اہم حقیقت کو مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب نماز کے اندر کھڑے ہوتے تھے اُن کی کیفیت کیا ہوتی تھی۔ اُن کے اخلاق کیسے تھے۔ اِن چیزوں کو ہم نے ملحوظ خاطر رکھنا ہے۔ صرف اپنا ظاہر سنوار کر، اپنی آنکھوں میں سرمے ڈال کر، پگڑیاں باندھ کر یا دانتوں پر مسواک پھیر کر سُنت پر عمل ممکن نہیں۔ جب تک طریقت مصطفیٰ ﷺ ہمارے دل کی گہرائیوں تک نہ پہنچ جائے۔ اور یہ کس طرح پہنچے گی؟ ہمیں جب اِس کا علم ہو گا یہ تب ہی ہمارے دل کی گہرائیوں تک پہنچے گی۔ اگر یہ ہی پتہ نہ ہو کہ نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے، نماز کے طریقہ کا ہی پتہ نہ ہو، قبلہ کی سمت کا ہی پتہ نہ ہو، تو نماز بھی نہیں پڑھی جاسکتی۔ اِسی طرح طریقت اور باطن کی تعمیر کے واسطے بھی کسی علم کی ضرورت ہے اور اِس علم کو زیرِ بحث لانے، اُس کے احیاء، انتقال اور تبادلہ کے لیے ہم نے اِن محافل کا اہتمام کیا ہے اور یہ ہی اِن محافل کی غرض و غایت ہے۔

ہم ابتداء اپنے محسن اور مخدوم، مخدوم الاولیاء سیدنا علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ کی کتاب "کشف المحجوب سے کرتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً انشاء اللہ تعالیٰ دیگر کُتب جو اِس علم پر لکھی گئی ہیں اُن کا تذکرہ بھی ہو گا۔ دورِ حاضر میں یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ آج یونیورسٹیوں کے اندر لغو علم تو پڑھائے جاسکتے ہیں لیکن علمِ باطن کا یہ خزانہ نظروں سے اوجھل ہے، باوجود اس کے کہ پنجاب یونیورسٹی کے اندر حضرت علی ہجویریؒ کی چیئر بنائی گئی لیکن تصوف کی تعلیم نہیں دی جارہی۔ یہ لمحہ فکریہ ہے۔ اِس چیز پر ہر اُس دل کو فکر مند ہونا چاہیے جو درد رکھتا ہے۔ ہم اس کتاب کشف المحجوب شریف سے اپنے اُن اسباق کا آغاز کرتے ہیں۔ پہلے جو گفتگو کی گئی وہ اِن محافل کی غرض و غایت کے متعلق تھی۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی کتاب کشف المحجوب کے ابتدائیہ کے اندر رقمطراز ہیں کہ اے طالب راہِ حقیقت اللہ تعالیٰ تمہیں دونوں جہانوں کی سعادت مندی نصیب فرمائے۔ جس وقت تم نے اپنے سوال کے ذریعے کتاب کی درخواست کی تو میں نے استخارہ کیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے یہ کتاب اپنے ایک رفیق حضرت ابو سعید ہجویریؒ کی درخواست پر لکھی تھی۔ حضرت ابو سعید ہجویری غزنویؒ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کی خدمت میں یہ سوال کیا تھا کہ !

" مجھے تحقیقی طور پر یہ بیان فرمایا جائے کہ طریقت و تصوف، اُن کے مقامات کی کیفیت اور اُن کے مذاہب و اقوال اور رموز و اشارات کیا کیا ہیں۔"

یعنی طریقت اور تصوف کے مقامات، اُن کی کیفیت اور اس سلسلہ میں بزرگانِ دین نے جو ارشادات فرمائے ہیں اُن کے بارے میں مجھے آگاہ کیا جائے۔ اُن کے سوال کا ایک حصہ تو یہ ہے۔ جبکہ دُوسرا حصہ یہ ہے کہ "اہل طریقت و تصوف اللہ تعالی کے ساتھ کس طرح محبت کرتے ہیں اور اُن کے دلوں پر تجلیات ربانی کے اظہار کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔" جو لوگ اہل طریقت و تصوف ہیں ان کا اللہ رب العزت کے ساتھ محبت کا طریقہ کار کیا ہے۔ اُن کے دلوں کی اس محبت کے ساتھ کیا کیفیت ہوتی ہے۔ یہ تھا وہ سوال جس کے جواب میں حضرت علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب شریف تصنیف فرمائی۔

سادہ بات ہے کہ جس کو علم ہو گا وہ ہی سمجھ پائے گا کہ دُوسرے شخص کے دل میں محبت ہے یا کہ نہیں ہے۔ یہ ہی بات حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمائی آپؒ نے فرمایا کہ علم عمل کے واسطے ضروری ہے۔ چونکہ ہم ایمان کے راہی ہیں ایمان ہو گا تو عمل ہو گا اور ایمان کے حصول کے واسطے ہمیں علم کی ضرورت ہے۔ اور ہم اِس کتاب میں سے اُتنا ہی علم زیر بحث لائے ہیں جتنا علم ہمیں حاصل کرنا ہے جتنا ہمارے ایمان کے واسطے ضروری ہے اور ہمیں اتنا ہی علم حاصل کرنا ہے وگرنہ علم کی تو کوئی حد نہیں۔ لیکن اللہ تعالی نے فرمایا

"وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلاً"(الاسراء:85)

میں نے تم کو تھوڑا سا ہی علم دیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس تھوڑے سے علم میں سے اتنا حاصل کر لیں کہ ہمیں ایمان کا پتہ تو چل جائے کہ ایمان کس ذاتِ اَقدَس کا نام ہے اور اِس کی کیفیات کیا ہیں۔ سیدنا ابو سعید ہجویریؒ کے سوال کا دُوسرا حصہ یہ تھا کہ اہل طریقت و تصوف اللہ تعالی کے ساتھ کس طرح محبت کرتے ہیں۔ ان کے دلوں کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ پھر اُن کا سوال یہ تھا کہ صوفیاء کرام کی رُوحوں کو اللہ تعالی کی معرفت کے ساتھ جو سرور اور لطف عطا ہوتا ہے اُس کی کیا کیفیت ہے اور یہ کس طرح مل سکتا ہے۔ اِس ضمن میں جن جن باتوں کا جاننا ضروری ہے وہ بھی بیان فرمائیں۔ یہ اُنہوں نے حضرت داتا گنج بخشؒ سے سوال کیا تھا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کا یہ مقام تھا کہ آپ کے بارے میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے وہ شہرہ آفاق شعر ارشاد فرمایا:

"گنج بخش فیضِ عالَم مظہرِ نُورِ خُدا　　　　نَاقصاں رَا پیرِ کَامِل کَامِلاں رَا رَاہنما"

کہ سیدنا علی ہجویریؒ "ناقصاں" کے مُرشد کامل ہیں اور "کامل" کے واسطے بھی رہنما ہیں۔

آپؒ نے جو کتاب تحریر فرمائی آپؒ نے فرمایا کہ یہ کتاب رہتی دُنیا کے واسطے، تمام اہل طریقت کے واسطے اور تمام ان لوگوں کے واسطے جو ایمان کے متلاشی ہیں کشف حجاب کا کام دے گی۔ کشف کہتے ہیں کھولنا۔ حجاب کہتے ہیں پردے کو۔ یہ پردے ہٹائے گی اور ان کو حقیقت کے ساتھ آشنا کرے گی۔ اس کتاب کا یہ مقام ہے۔ میں اِس کتاب کی پہلی کرامت عرض کر دوں کہ گزشتہ ہفتہ کے دوران جس دن میں نے پہلی دفعہ اِس مقصد کے لیے اِس کتاب کا مطالعہ شروع کیا، اُس سے پہلے بھی اگرچہ مطالعہ مجھے نصیب ہو چکا ہے لیکن اِس مقصد کے واسطے جب میں نے اِس

کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے ایک نقطہ کی سمجھ نہ آئی۔ غنودگی طاری ہوئی اور میں کتاب سرہانے رکھ کر سو گیا۔ خواب کے اندر جتنی دیر نیند قائم رہی اُس نقطہ پر گفتگو جاری رہی تا آنکہ مجھے اُس نقطہ کی سمجھ آ گئی اور اِس بات کی بھی سمجھ آ گئی کہ "ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما"۔ حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی اِس کتاب کے ذریعے بھی اور بغیر کسی ذریعے کے بھی آج بھی ہماری رہنمائی کے واسطے کمر بستہ ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اے طالب راہ حقیقت اللہ تعالی تمہیں دونوں جہانوں کی سعادت مندی نصیب فرمائے۔ جس وقت تم نے مجھے اپنے سوال کے ذریعے اس کتاب کی درخواست کی تو میں نے استخارہ کیا اور خود کو دِلی واردات اور باطنی القاء کے حوالے کر دیا۔ کوئی جتنا اعلیٰ درجہ پر ہو اس کا اسلوب بیان بھی اس کے مطابق ہوتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ تصوف، طریقت اور معرفت الٰہی کی اعلیٰ ترین منزلوں پر فائز ہیں۔ لہذا اُن کے انداز تحریر میں بھی بے حد بلاغت، فصاحت اور اختصار پایا جاتا ہے۔ گویا کوزے میں سمندر سمو دیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خود کو دِلی واردات اور باطنی القاء کے حوالے کر دیا۔ آپؒ خود ہی اس حقیقت کی تشریح فرماتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میرا یہ کہنا کہ " میں نے خود کو دلی واردات اور باطنی القاء کے حوالے کر دیا" اِس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام میں نفسانی اغراض شامل ہوتی ہیں اُس کام سے برکت اُٹھ جاتی ہے اور صراطِ مستقیم سے دل ہٹ کر کج روی اختیار کرتا ہے اور انجام بخیر نہیں ہوتا۔ یعنی آپؒ نے استخارہ سے پہلے اپنی ذاتی اغراض سے اپنے آپ کو پاک کر لیا۔ اس کتاب کے لکھنے میں ان کا کوئی ذاتی مفاد نہ رہا اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رہنمائی ملنی تھی خود کو اُس رہنمائی کے حصول کے واسطے مخصوص کر دیا۔ خود کو دلی واردات اور باطنی القاء کے حوالہ کر دیا اِس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی ذاتی اغراض سے جدا ہو گیا اور اس کو اللہ تعالی کی رہنمائی کے ساتھ مخصوص کر دیا کہ اب جو کچھ بھی میں لکھوں گا اس کے اندر میری غرض شامل نہیں ہو گی اور اللہ کی طرف سے مجھے جو رہنمائی ملے گی اس کے مطابق میں تحریر کروں گا۔ اِس کی بھی اُنہوں نے تشریح کی لیکن وہ انشاء اللہ بعد میں عرض کی جائے گی۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ جب استخارہ میں اذن الٰہی حاصل ہو گیا تو میں نے تمہاری مقصد براری کی خاطر اِس کتاب کے لکھنے کا مکمل ارادہ کر لیا۔ عزم صمیم یعنی پکا ارادہ کر لیا۔ پہلے آپؒ نے باطنی طور پر اپنی نیت بنائی، اُس کے بعد استخارہ کیا، ایک ایک بات میں کتنے کتنے معانی ہیں، کتنے کتنے سبق ہیں۔ کہ جس وقت بھی کوئی کام شروع کریں تو سب سے پہلے اس کے اندر اللہ کی رضا دیکھیں، اپنی غرض کو ایک طرف کر دیں۔ پھر استخارہ کریں اور اس استخارہ کے ذریعے اللہ کی مرضی معلوم کریں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب استخارہ میں اذن الٰہی حاصل ہو گیا تو میں نے کتاب کے لکھنے کا عزم صمیم (پکا ارادہ) کر لیا اور اِس نوشتہ کا نام "کشف المحجوب" رکھا، اُمید ہے کہ اَربابِ فہم و بصیرت اِس کتاب میں اپنے سوالات کا جواب علیٰ وجہ الکمال پائیں گے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اِس کتاب کا نام "کشف المحجوب" رکھا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالی نے سمجھ عطا فرمائی ہے اور بصیرت عطا کی ہے اِس کتاب کے اندر اپنے سوالات کا مکمل جواب پائیں گے۔ اِس بات کو بھی آگے جا کر انہوں نے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ میں نے جو یہ کہا کہ " اس نوشتہ کا نام "کشف المحجوب" رکھا تو اِس سے میری یہ مُراد ہے کہ کتاب کے نام سے ہی معلوم ہو جائے کہ کتاب کے اندر کس قسم کے مضامین موجود ہیں۔ جب اہل علم و بصیرت کتاب کا نام سنیں گے تو

سمجھ لیں گے کہ اس سے کیا مُراد ہے اور اس میں کیسے مضمون ہیں۔" اِس کے بعد وہ کشفِ حجاب کے بارے میں تفصیل بیان فرماتے ہیں۔ چونکہ تقریباً گھنٹہ گزر چکا ہے، ہم آج کے درس کے سلسلہ کا اکتفاء انہی الفاظ پر کرتے ہیں کہ جو مقصد لے کر ہم نے چند لمحے مل بیٹھنے کا ارادہ کیا ہے، اللہ پاک ہمارے اس مقصد کو اپنی بار گاہ میں قبول فرمائے اور تصوف کا یہ عظیم سلسلہ جس نے ایک دور کے اندر مسلمانوں کو پوری دُنیا پر حاوی کر دیا تھا ایک دفعہ پھر اس قابل کر دے کہ اللہ رب العزت کی مدد اور اس کی نصرت کے ساتھ مسلمان پھر غلبہ عالم کے لیے تیار ہو جائیں۔اس کے لیے ضروری ہے کہ باطن اور ظاہر دونوں اپنی اپنی جگہ پر عمل پیرا ہوں۔اگر کوئی صرف ظاہر کا مسلمان ہو تو اُس کو کوئی بھی اشارے کے ساتھ بھی جھکا سکتا ہے لیکن اگر اُس کا باطن بھی شامل ہو تو پھر" وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا۔رُوحِ محمد ﷺ اُس کے بدن سے نکال دو"۔ پھر شیطان کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوتی۔اللہ رب العزت جو کہا اور سنا گیا اپنی بار گاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ آج جو گزارشات کی گئی ہیں وہ بڑے آسان الفاظ میں، کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں مجھے اُمید ہے کہ اِن کی سب کو سمجھ آگئی ہو گی۔انشاء اللہ۔ بے شک آپ اِس کا تجزیہ کر لیں۔ آئندہ محفل کے اندر اِس سلسلہ میں کوئی سوال ہو تو وہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ آج ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ رجب شریف میں درود پاک بھی پڑھا جاتا ہے اور آج رش بھی بہت زیادہ تھا۔ یہ بھی تصوف کا ایک حصہ ہے۔ مخلوق کے ساتھ اخلاق کہ مخلوق کی حاجت براری اللہ کی رضا کے واسطے کرنا اور اُن کے ساتھ حُسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آنا ہر کسی کے دُکھ درد اور اُس کے غم کا مداوا کرنا، اُس کے دکھ کو شئیر کرنا یہ بھی تصوف کا ایک حصہ ہے، یہ بھی اخلاق کے اندر شامل ہے۔ سارا دن ہم اسی کام میں بحمد اللہ مصروف رہے اللہ تعالی ہماری اِس مصروفیت کو فقط اپنی جہت کے اندر اور اپنے حبیب ﷺ کی اُمت کی دِلجوئی کے سلسلہ میں قبول و منظور فرمائے۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔(دعا)

درس تصوف۔2

دورانیہ:54منٹ۔ تاریخ:2013-05-30

بمقام:مسجد۔ آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب، کدھر شریف

جو پچھلی دفعہ گفتگو کی گئی مُناسب ہے کہ پہلے مختصراًاُس کے بارے میں گزارش کر دی جائے۔اس محفل جس کا اب آغاز ہو رہا ہے اِس کے منعقد کرنے کی غرض وغایت یہ ہے کہ ہم ان علوم کے بارے میں جان سکیں جن کے متعلق اولیااللہ نے نہ صرف کتابیں تحریر کی ہیں بلکہ بے شمار لوگ اُن سے فیض یاب ہوئے ، اُن علومِ حقیقت کی وجہ سے ہی ہمارے دلوں میں اللہ اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تا حال موجود ہے۔گُزشتہ محفل میں اِس کی غرض وغایت اور اہمیت پر گفتگو کی گئی۔اُس کے بعد تصوف اور علم حقیقت کے سلسلہ میں جو معروف کتابیں ہیں ان میں سے اہم اور بڑا نام ”کشف المحجوب شریف“ ہے جو حسن اتفاق سے ہمارے برصغیر پاک وہند کے سب سے بڑے بزرگ اور جلیل القدر ولی اللہ حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر ہے۔آپؒ نے اپنے زمانہ میں پوری اسلامی دُنیا کے سفر کیے اور جگہ جگہ سے اکتساب علم اور اکتساب فیض کیا۔تا آنکہ آپؒ کو مُرشد کامل کا در مل گیا اور جب وہ در حاصل ہو گیا تو پھر اسی در کے ہو کر بیٹھ گئے۔آپؒ نے تصوف اور علم حقیقت پر جو شہرہ آفاق کتاب لکھی وہ نہ صرف ہمارے پاک وہند بلکہ پوری اسلامی دُنیا اور اس کے علاوہ غیر مسلم ممالک کے واسطے بھی ایک بڑی سبق آموز اور اہمیت رکھنے والی کتاب ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کے ترجمے تقریباً دُنیا کی 80 زبانوں میں ہو چکے ہیں۔جن میں جرمن، روسی، ایرانی، فارسی شامل ہیں، فارسی میں تو کتاب پہلے ہی موجود تھی، موجودہ جدید فارسی میں بھی اس کو لکھا جا چکا ہے۔اس کے اردو ترجمے ہمارے برصغیر پاک وہند میں با آسانی میسر ہیں۔یہ کتاب علمِ حقیقت کا خزانہ ہے اور ان اصولوں پر مشتمل ہے جن پر عمل پیرا ہو کر کوئی بھی شخص اپنے باطن کی اصلاح کر سکتا ہے۔ایمان کا حصول کر سکتا ہے اور اپنی منزل کو پا سکتا ہے۔کشف المحجوب شریف کے سِلسلہ میں پہلے سبق کا آغاز کیا گیا۔اِن اسباق کو بیان کرنے سے سب سے پہلے میں نے جیسے پچھلی دفعہ عرض کیا تھا کہ میں خود بھی اپنی تشنگی دور کرنے کے لیے ان بزرگان دین کے اقوال کا بچپن سے مطالعہ کرتا آرہا ہوں، ہر دفعہ ان کے اندر نئی تازگی، نئی دلچسپی اور نئے انوار محسوس ہوتے ہیں۔میں بھی اُن سے حصولِ فیضان کا خواہشمند ہوں اور میری یہی تمنا ہے کہ جو لوگ اس حقیقت کے طالب ہیں ان کو بھی معلومات حاصل ہو جائیں۔کیونکہ کشف المحجوب کا اندازِ بیان، حضرت داتا گنج بخشؒ کا انداز بیان ہے، آپؒ جس پائے کے بزرگ ہیں ان کا اندازِ بیان اسی طرح کا ہونا چاہیے۔اس راہ پر چلتے ہوئے بعض اوقات کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کو آسان الفاظ میں ہر کسی شخص کے لیے بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔اس لیے ہم نے اس کو بصورتِ درس اختیار کیا ہے۔گزشتہ درس میں کشف المحجوب کے سِلسلہ میں گزارش کی گئی تھی کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے ایک رفیق حضرت شیخ ابوسعید ہجویریؒ نے آپؒ کی خدمت میں کچھ سوال کیے تھے اور ان سوالوں کے جواب میں آپؒ

نے یہ کتاب تحریر فرمائی۔ وہ سوال میں نے پچھلی مرتبہ گزارش کیے تھے۔ اب ان کے جواب میں حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ اے طالبِ راہِ حقیقت اللہ تعالیٰ تجھے دونوں جہانوں کی سعادت مندی نصیب فرمائے۔ جب تم نے اپنے سوال کے ذریعے اس کتاب کی درخواست کی تو میں نے استخارہ کیا اور خود کو دلی واردات اور باطنی القاء کے حوالے کر دیا، جب استخارہ میں اذنِ الٰہیٰ حاصل ہو گیا تو میں نے تمہاری مقصد براری کے واسطے اس کتاب کے لکھنے کا عزم صمیم کر لیا اور اس کا نام کشف المحجوب رکھا۔ اُمید ہے کے اربابِ فہم و بصیرت اس کتاب کے اندر اپنے سوالات کا جواب علیٰ وجہ الکمال پائیں گے۔ کیونکہ یہ کتاب نہ صرف ایک شخص کی سمجھ اور اس کے سوال کے جواب میں تھی بلکہ آپؒ نے آگے اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ یہ کتاب قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے رہنمائی کا فریضہ انجام دے گی۔ کشف المحجوب کے بارے میں انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس شخص کو بھی مُرشدِ کامل نہ ملے وہ کشف المحجوب کا مطالعہ کرے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو مُرشد کامل کا ساتھ نصیب فرما دے گا۔ سب سے پہلے آپؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں میں نے اپنا نام سب سے پہلے لکھا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ شروع میں جو اپنا نام میں نے تحریر کیا اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک وجہ خاص لوگوں کے واسطے دُوسری عام لوگوں کے واسطے۔ خاص لوگوں کے بارے میں آپؒ بیان فرماتے ہیں کہ خاص کی وجہ یہ ہے کہ جب مصنف کا نام ہو تو پھر اہل علم اس مصنف کی حیثیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اگر مصنف اس قابل نہ ہو کہ اس کی تحریر پڑھی جا سکے۔ تو وہ اس کی تحریر نہیں پڑھتے۔ عام لوگوں کے بارے میں آپؒ نے فرمایا کہ جب اس علم سے بے بہرہ اور ناواقف لوگ کوئی نئی کتاب دیکھتے ہیں تو اس مصنف کا نام ان کے واسطے رہنمائی کا ذریعہ بن جاتا ہے، وہ اپنی دعاؤں کے اندر اور اپنے الفاظ میں مصنف کو دعائے خیر کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ دو دفعہ میرے ساتھ ایسا حادثہ پیش آ گیا کہ میری لکھی ہوئی تحریریں دُوسرے لوگوں نے اپنے نام کے ساتھ شائع کر دیں۔ اُن میں سے پہلا یہ کہ ایک شخص میرے اشعار کا دیوان مانگ کر لے گیا پھر اس نے واپس نہ کیا اور میرے پاس اس نسخہ کے سوا اور کوئی نسخہ نہ تھا اُن صاحب نے میرے نام کو حذف کر کے اپنے نام سے اس دیوان کو شائع کر دیا اس طرح انہوں نے میری محنت ضائع کر دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ دُوسرے حادثے کے بارے میں آپؒ لکھتے ہیں کہ یہ پیش آیا کہ میں نے علم تصوف پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام " منہاج العابدین" رکھا، ایک کمینہ خصلت، چرب زبان شخص جس کا نام میں ظاہر نہیں کرنا چاہتا اس نے میرا نام مٹا کر اپنا نام درج کر لیا اور عام لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ یہ میری تصنیف ہے۔ حالانکہ اس کی قابلیت کے جاننے والے لوگ اس کی اس بات پر ہنستے تھے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر بے برکتی مسلط کر دی اور اپنی بارگاہ کے طالبوں کی فہرست میں سے اس کا نام خارج کر دیا۔ یہ دو وجوہات ہیں جس کی وجہ سے آپؒ نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے اپنا نام لکھا ہے کہ میں علی ہجویری اس کتاب کا تحریر کرنے والا ہوں۔ پھر آپؒ استخارے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ آپؒ کی ہر بات کے پیچھے حکمت پوشیدہ ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اس تصنیف کو شروع کرنے سے پہلے استخارہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس لیے کے اللہ کے حقوق اور اس کے آداب کی حفاظت پر عمل کیا جائے۔ استخارہ انسان کو درست سمت رہنمائی دیتا ہے۔ آپؒ سے سب سے پہلے ابو سعید ہجویریؒ نے سوال کیا کہ

آپؒ ایک ایسی کتاب لکھیں جس میں ان چیزوں کے بارے میں تمام معلومات موجود ہوں۔ سب سے پہلے آپؒ نے استخارہ کیا کہ کیا اس میں اللہ کی مرضی شامل ہے کہ نہیں۔ جس وقت ان کو استخارہ کے ذریعے اس چیز کا یقین ہو گیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب استخارہ کے ذریعے تمہارے سوالِ استدعا کا حق ہونا ظاہر ہو گیا تو میں نے عزمِ صمیم اور حُسنِ نیت کے ساتھ کامل طور پر جواب دینے کا ارادہ کر لیا۔ دُوسری بات جو انہوں نے لکھی کہ میں نے اپنے آپ کو دلی واردات اور باطنی القاء کے حوالے کر دیا۔ پچھلی دفعہ میں نے گزارش کی تھی کہ دلی واردات اور باطنی القاء سے مُراد یہ ہے کہ جس کے اندر انسان کی کوئی اپنی نفسانی خواہش نہ ہو۔ میں نے خود کو دلی واردات اور باطنی القاء کے حوالے کر دیا۔ یعنی اس کتاب کو لکھنے سے پہلے یہ ارادہ کر لیا کہ اس کتاب میں میری کوئی ذاتی غرض شامل نہیں ہو گی۔ فقط اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے اور جن علوم کی ضرورت ہے وہ بیان کرنے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ نفسانی اغراض کی دو صورتیں ہیں۔ اگر غرض پوری ہو جائے تو سمجھیں کہ وہ شخص ہلاکت میں پڑ گیا۔ اگر اس کی نفسانی غرض پوری نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک نے اس کو بچا لیا ہے۔ اگر اس بات پر تھوڑا سا غور کریں تو اس کی سمجھ آ جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس کی خواہش پر کوئی آرزو کرتا ہے اور اس کو تسکین پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس کی قسمت میں اس سے بچنا لکھا ہے اللہ ایسے اسباب پیدا فرما دے گا کہ اس کی وہ آرزو پوری نہیں ہو گی۔ لیکن اگر اس کی وہ آرزو پوری ہو جائے تو پھر آپؒ فرماتے ہیں کہ سمجھ لو کہ کہ وہ ہلاکت میں پڑ گیا۔ کیونکہ نفسانی اغراض کا حاصل ہونا دوزخ کی کنجی ہے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کیونکہ میری اس بات میں کوئی رکاوٹ نہیں آئی تو شاید میں کامیاب ہو گیا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے میرے سے صرف نظر فرما دیا۔ بلکہ کسی نفسانی خواہش کا پورا ہو جانا دوزخ کی چابی قرار دیا گیا ہے۔ یہ ہی دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی نفسانی آرزوں پر عمل پیرا ہونے سے محفوظ رکھے۔ جب کوئی غلط ارادہ کرے تو اللہ ایسے اسباب پیدا کر دے کہ اس کا ارادہ پورا ہو ہی نہ سکے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے۔ اگر اُس کا ارادہ پورا ہو جائے تو پھر وہ فتنہ میں پڑ سکتا ہے اور وہ فتنہ ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا ایمان ضائع کر دے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!

" وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى "(النازعات:41،40)

جس بندے نے اپنے نفس کو اپنی خواہش سے باز رکھا جنت صرف اُس کا مسکن ہے۔ پھر آپؒ لکھتے ہیں کہ میں نے اِس کتاب کے لکھنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اس واسطے کہ سوال کرنے والے نے مجھے اس کا اہل اور صاحب علم و بصیرت جانا ہے اور ایسے جواب کی درخواست کی ہے جس کے ساتھ نہ صرف اس کو بلکہ آنے والے لوگوں کو پورا پورا فائدہ حاصل ہو سکے، چاہے وہ کامل ہوں یا ناقص ہوں۔ چاہے اپنی منزل پر پہنچ چکے ہوں یا اس منزل کی ابتداء پر ہوں سب کے واسطے اِس کے اندر سبق موجود ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ پکی نیت کا کرنا اس عمل کے واسطے ضروری ہے کہ بندہ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو ابتدائے عمل کے اندر ہی اس کی نیت شامل ہو جاتی ہے اور نیت پر ہی عمل کا دارومدار ہے۔ اس کی مثال آپؒ دیتے ہیں کہ ایک شخص سارا دن فاقہ کرتا ہے روزہ رکھنے کی نیت نہیں کرتا اس کو صرف فاقہ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کوئی شخص

کچھ نہ کھائے پیئے فاقہ کرے لیکن نیت روزہ کی کرلے تو پھر اُس کو روزہ کا ثواب ملے گا۔اسی طرح اگر کوئی شخص کسی شہر کے اندر جاتا ہے اور وہاں مسلسل کافی عرصہ تک رہتا ہے لیکن قیام کی نیت نہیں کرتا تو وہ مسافر ہی قرار پائے گا لیکن اگر اس نے پہلے دن ہی یہ نیت کرلی کہ میرا قیام پندرہ دن کا ہے تو پھر اس کے احکام مختلف ہوں گے اور اس کو مقیم سمجھا جائے گا۔لہذا عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کے لکھنے کی نیت پختہ کرلی تاکہ اس کے اندر جتنا وقت صرف ہونا ہے اور جتنے الفاظ استعمال ہونے ہیں اور جتنی میری محنت ہونی ہے اللہ پاک مجھے اس ساری محنت کا اجر عطا فرمادے۔یعنی کتاب لکھنے کی ابتداء میں آپؒ نے جو نکات بیان کیے ہیں ان نکات کو اگر دیکھا جائے تو پھر کتاب کی اہمیت کا خود بخود اندازہ ہو جاتا ہے۔پھر آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا نام کشف المحجوب کیوں رکھا ہے۔اب میرا یہ کہنا کہ اس نوشتہ کا نام "کشف المحجوب" رکھا تو اس سے میری مُراد یہ ہے کہ کتاب کے نام سے ہی معلوم ہو جائے کہ کتاب کے اندر کس قسم کے مضامین موجود ہیں، خاص کر کے جب اہل علم و بصیرت کتاب کا نام سنیں گے تو سمجھ لیں گے کہ اس کے مضامین کا کیا مقام ہے اور کشف المحجوب سے کیا مُراد ہے۔کشفِ حجاب کے بارے میں آپؒ نے تفصیل بیان فرمائی کہ یہ دُنیا ماسوا طالبان الٰہی اور محبوبان بارگاہ ایزدی، اُن کے سوا باقی تمام لوگ اِس دُنیا کے اسرار سے ناواقف ہیں۔اُن کو اتنا ہی پتہ ہے کہ جو کچھ اُن کو اپنے حَواسِ خمسہ کے ذریعے محسوس ہوتا ہے۔دیکھنے ، چکھنے، سننے وغیرہ کی جو طاقت ہے یا سونگھنے کی، اس کے ساتھ جو علوم حاصل ہوتے ہیں، اُن کا علم صرف یہاں تک محدود ہے۔باقی سب کچھ پردے کے اندر ہے۔وہ پردے صرف ان لوگوں سے اٹھائے جاتے ہیں جو اس کی معرفت حاصل کرلیتے ہیں۔آپؒ فرماتے ہیں کہ حقائق اور اشیاء کے معنی اور مطلب اُسی پر کھلتے اور منکشف ہوتے ہیں جس کو اللہ تعالی نے اس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔اس کے سوا یہ ممکن نہیں ہے۔ حجاب پردے کو کہتے ہیں، آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ پردے ہر کسی پر نہیں کھل سکتے۔اس کی مثال وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ کیڑے جو سرکے کے اندر پیدا ہوتے ہیں اگر وہ سرکے میں سے نکال کر پانی میں ڈالے جائیں تو وہ مر جائیں گے اور وہ کیڑے جو سرکے میں پیدا نہیں ہوتے اگر ان کو سرکے میں ڈالا جائے تو وہ سرکے کے اندر مر جاتے ہیں۔اسی طرح اس عالم کے حجاب صرف ان لوگوں پر کھولے جاتے ہیں جن کو اللہ پاک نے اس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ!

"کل مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ" (سنن ابو داود: کتاب القدر)

ہر مخلوق کے واسطے وہ ہی چیز ہے جس کے واسطہ اس کو پیدا کیا گیا ہے۔آپؒ نے ان پردوں کو دو قسموں میں تقسیم کی ہے۔ایک حجاباتِ رینی اور دُوسرا حجاباتِ غینی۔آپؒ فرماتے ہیں کہ حجابات رینی وہ ہیں کہ جو کبھی اٹھ نہیں سکتے۔حجاب رینی کسی بھی حالت میں اور کبھی نہیں اٹھتا۔یہ ان لوگوں میں پایا جاتا ہے جن کو ہدایت کی بات اثر نہیں کرسکتی۔ان کی مثال آپؒ نے ایسے دی کہ اگر پتھر کو چمکایا جائے وہ شفاف نہیں ہو سکتا جتنی چاہے محنت کرلیں، لیکن اگر شیشہ میلا ہوا ہو اور اس کو چمکایا جائے تو شیشہ شفاف ہو جاتا ہے۔لہذا حجاب رینی جن کے اندر موجود ہے ان کے بارے میں اللہ پاک فرماتا ہے۔

" إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَ "(البقرة:6)

کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اُن کے واسطے برابر ہے کہ اے میرے محبوب ﷺ چاہے آپ ﷺ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں انہوں نے ایمان نہیں لانا۔ وہ لوگ حجاب رینی کا شکار ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جن کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا!

"خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ "(البقرة:7)

اُن کو میری اِس کتاب کا کوئی فائدہ نہیں اور وہ گروہ جو حجاب غینی کا شکار ہے۔ غین کہتے ہیں ہلکے پردہ کو۔ وصفی حجاب جو دور ہو سکے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جو حجابِ غینی کا شکار ہیں اگر اُن کو میری کتاب پڑھنے، سننے یا سمجھنے کا موقع مل جائے تو اُن کے پردے دور ہو سکتے ہیں۔ لہذا کشف المحجوب، اُن کے لیے کشف المحجوب ہے جن کی اللہ تعالی نے فطرت ایسی بنائی ہے کہ اگر اُن سے ہدایت کی بات کی جائے تو اُن پر اثر کرے۔ جن پر ہدایت کی بات اثر نہیں کرتی اُن کو میری اس کتاب سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔ اللہ پاک نے اُن کے بارے میں فرمادیا ہے کہ میرے محبوب ﷺ آپ ﷺ بھی چاہے اُن کو ڈرائیں اُن کو اثر نہیں ہو گا۔ اللہ کریم ایسی خصلت سے محفوظ رکھے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب ان لوگوں کے زنگِ کدورت کو دور کرنے کے لیے لکھی ہے جو حجابِ غینی یعنی پردہِ صَفاتی میں گرفتار ہیں۔ ان کے دلوں میں نور حق کا خزانہ موجود ہے۔ اگر وہ میری اس کتاب کا علم حاصل کریں تو اُس کی برکت سے اُن کے حجاب اور پردے دور ہو سکتے ہیں اور اُن کو حقیقت کی طرف رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ لوگ جن کی سرشت اور عادت ہی انکارِ حق اور باطل پر قائم رہنا ہے وہ مشاہدہِ حق سے ہمیشہ محروم رہیں گے۔ ان لوگوں کے لیے یہ کتاب کچھ فائدہ مند ثابت نہ ہو گی۔ یہ کشف المحجوب کا معانی ہے کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمان کی رتی موجود ہے لیکن وہ زمانہ کے حالات کی وجہ سے جاہلیت کا شکار ہو گئے یا ان تک علم نہ پہنچا۔ اگر اُن کو اِس کتاب کا علم مل جائے تو اُن کی راہِ حقیقت کی طرف رہنمائی ہو سکتی ہے۔ ہم نے اسی آرزو کو لے کر اِس کتاب کا مطالعہ شروع کیا ہے۔ کہ اللہ کریم ہمیں اس کتاب کی برکت سے اپنی ذات کے بارے میں رہنمائی عطا فرمادے اور ایمانِ کامل کی منزل کا حصول ممکن ہو سکے۔ پھر آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ جو کہا کہ اس نوشتہ میں تم اپنے سوال کا جواب علیٰ وجہ الکمال پاؤ گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہارے سوال کا مطلب اور اس کی غرض وغایت کو جان لیا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جواب دینے والے کو اگر سائل کے سوال کا مقصد اور اِس کی غرض وغایت معلوم نہ ہو تو وہ اپنے جواب کے ساتھ اُس کی تسلی اور تشفی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ سوال وہ ہی کرتا ہے جس کو کسی معاملے میں مشکل پیش آتی ہے۔ اور جواب وہ ہی دیتا ہے جس کو اُس مشکل کا حل پتہ ہو۔ اگر اس کو اس مشکل کے حل کا پتہ نہیں تو وہ اس سوال کا جواب دینے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ لہذا آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارے سوال کا مقصد اور اِس کی غرض وغایت کو جان لیا ہے اور الحمدللہ میں تیرے اس سوال کے جواب پر قدرت رکھتا ہوں اور اس کا ایسا جواب دوں گا جو اجمالی بھی ہو اور جامع بھی۔ کیونکہ جب سائل علم والا ہو، اُس کو اُس کے مراتب اور درجات نصیب ہوئے ہوں اُس کے واسطے جواب اور ہوتا ہے اور جو ابتداء میں ہو، جس کو ابھی کچھ پتہ نہیں اُس کو تفصیل کی حاجت ہوتی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے

دونوں درجوں کالحاظ رکھاہے، میری یہ کتاب صرف کاملوں کے واسطے نہیں بلکہ جو لوگ ابتداء کے اندر ہیں جن کو کچھ علم نہیں اُن کے واسطے بھی فائدہ مند ہوگی۔ اِس واسطے میں نے لکھاہے کہ اپنے سوال کا جواب علیٰ وجہ الکمال پاؤ گے۔ کیونکہ اِس کے اندر میں نے تفصیل کو اختیار کر کے تیرے سوال کے جواب میں یہ کتاب مرتب کی کہ اس میں سے ہر درجے اور ہر مقام اور ہر صفت کا آدمی جو حجابِ غینی کا شکار ہے وہ رہنمائی حاصل کر سکتاہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ یہ جو میں نے کہا کہ اللہ تعالی سے میں استعانت کرتا ہوں اور اُس سے توفیق کی استدعا کرتا ہوں اُس سے میرا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے سواء بندے کا کوئی مددگار نہیں اور حقیقی توفیق اللہ پاک کی دی ہوئی ہے۔ لہٰذا میں نے ارادہ تو کرلیا لیکن اب میں اُس کی توفیق کا طالب ہوں، مشائخ کی ایک جماعت کے نزدیک توفیق اُس قدرت اور طاقت کو کہاجاتاہے جو اللہ تعالی کسی پر راضی ہو کر اُس کو عطا فرمادیتاہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھنا چاہتاہے لیکن اپنی بہت ساری کمزوریوں کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتا اور کوئی شخص اگر نماز کا ارادہ کرتاہے انہی کمزوریوں کے باوجود اللہ پاک اُس کو توفیق دیتاہے اور وہ پڑھ لیتاہے تو یہ توفیق اللہ پاک کی دین ہے اور یہ اُس کی مہربانی پر مشتمل ہے۔ میں اپنے تمام تر علم ہونے کے باوجود اللہ تعالی کی توفیق کا طالب ہوں یہ بھی ہمارے واسطے ہدایت کا ایک لفظ ہے۔ کہ اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی شخص چاہے کسی چیز کے بارے میں کتنا ہی دعوے دار کیوں نہ ہو، جب تک اُس کو اللہ پاک توفیق نہ دے وہ اِس عمل کو نہیں کر سکتا۔ اِس واسطے ہم جب کوئی اچھا ارادہ کرتے ہیں اس کے ساتھ ہم لفظ ادا کرتے ہیں انشاء اللہ۔ اگر ہمارے رب نے چاہا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے ارادے کو اپنے رب کے حوالے کر دیا۔ کہ وہ ہمارے ارادے کو قبول کرے۔ ہمیں اتنی طاقت اور ہمت عطا کر دے کہ وہ ہمارے ارادے اور نیت کو قبول فرمالے۔ وہ طاقت اور ہمت جو اللہ کی طرف سے ارادے کے جواب میں حاصل ہوتی ہے اس کا نام توفیق ہے۔ کشف المحجوب نے ہمیں اس چیز کے بارے میں آگاہ کیا۔ اب ان کا سوال جو میں نے پچھلی دفعہ بھی گزارش کیا تھا وہ پھر دہرا دیتاہوں۔ حضرت ابو سعید ہجویریؒ نے جو سوال کیا تھا وہ یہ تھا کہ۔ ”تحقیقی طور پر بیان فرمائیں کہ طریقت و تصوف اور ان کے مقامات کی کیا کیفیت ہے اور بزرگان دین کے اقوال اور ان کے رموز و اشارات کیاہیں یہ کہ اہل طریقت و تصوف اللہ تعالی سے کس طرح محبت کرتے ہیں اور ان کے دلوں پر وارد ہونے والی تجلیات ربانی کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کی ماہیت کے ادراک سے عقلیں حجاب میں کیوں ہیں۔ بزرگان دین کو اس معرفت سے کیسے راحت ملتی ہے۔ نیز اس ضمن میں جن جن باتوں کا جاننا ضروری ہے ان کو بھی بیان کیا جائے“۔ کشف المحجوب اس سوال کو تفصیلاً بیان کرنے کی ایک صورت ہے۔ اس میں حضرت داتا گنج بخشؒ طریقت و تصوف کے مقامات اُن کی کیفیت، بزرگان دین کے رموز و اشارات اُن کے احوال اور اُن کی اللہ کے ساتھ محبت، ان کا مقام اور ان کی تجلیات ربانی کی کیفیت کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ اس سے ہمیں رہنمائی ملے گی کہ ہم رجوع الی اللہ کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ زندگی کا مقصد فقط یہ ہے جو کہ اللہ پاک نے قُرانِ پاک میں بیان فرمایاہے!

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ“(الذاریات:56)

اللہ پاک نے فرمایا کہ ہم نے جنوں اور انسانوں کو فقط اِس مقصد کے واسطے پیدا کیا کہ وہ ہمارے بندے بن جائیں۔ بند گی کیا ہے؟ بند گی حقیقت کے اندر انسان کی اور اللہ پاک کی اس مخلوق مثلاً جن اور فرشتہ کا اللہ تعالی کے ساتھ تعلق ہے۔ اُس تعلق کا پیدا ہونا انسان کی زند گی کے واسطے ضروری ہے۔ باقی تمام تر اِس کی زند گی کی ضروریات ہیں۔ یہ اُس کی اپنی ضرورت ہے۔ جیسا کہ میں اکثر مثال دیتا ہوں کہ اگر کوئی بندہ موٹر کار خرید تا ہے اُس کا مقصد موٹر کار کے اندر پٹرول ڈالنا، اُس کی صفائی کرنا، اُس کی سروس کرنا یا اُس کی حفاظت کرنا نہیں ہو تا بلکہ موٹر کار خریدنے کا مقصد یہ ہو تا ہے کہ انسان اِس کو اپنے سفر کے واسطے استعمال کرے اور ایک جگہ سے دُوسری جگہ جائے۔ پٹرول ڈالنا، اُس کی حفاظت کرنا، اُس کی سروس کرنا، اس کے پرزوں کو ٹھیک کروانا یہ موٹر کار کی ضرورت ہے۔ موٹر کار خریدنے والے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح انسان کے پیدا کرنے کا اللہ نے جو مقصد اور غرض و غایت بیان کی ہے وہ فقط یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کو پہچان لے اور اس کا اپنے رب کے ساتھ ایک تعلق بن جائے۔ اگر یہ تعلق نہ بنا تو وہ فرماتا ہے کہ!

"أُوْلَٰٓئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ "(الاعراف:179)

وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ ان سے گئے گزرے اس واسطے کہ جانور سے مواخذہ، پوچھ گچھ، حساب کتاب نہیں ہونا لیکن اگر بندہ اس دُنیا میں اپنے مقصد کو حاصل نہیں کرے گا تو اس سے اگلی دُنیا میں پوچھ گچھ لازمی ہو گی بلکہ اس کو اس پاداش میں عذاب کا شکار کیا جائے گا اور وہ اُس سزا کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔ اس واسطے یہ ضروری ہے کہ اگر اللہ نے ہمیں زند گی عطا کی ہوئی ہے تو تمام تر مقاصد، روزی کمانا، اپنی خوراک کا بندوبست کرنا، اپنا اور اپنے اہل و عیال کا نان و نفقہ اور دیگر تمام ضرورتوں کے ساتھ ساتھ ہم اپنی زند گی کا مقصد اپنے پیش نظر رکھیں۔ ہر بات میں اپنا مقصدِ حیات مدِ نظر رکھیں۔ جو بھی کام کریں اس کی غرض و غایت فقط رب کی رضا ہو۔ چاہے وہ کام اپنے واسطے ہو یا کسی اور کے واسطے اس کے اندر اللہ کی رضا کو مقصود رکھنا لازم ہے۔ یہ ہی اعلیٰ اخلاق ہیں۔ جیسا کہ داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ اعلیٰ اخلاق دو طرح کے ہیں ایک مخلوق کے ساتھ اور دُوسرا اللہ کے ساتھ۔ اللہ کے ساتھ اخلاق یہ ہے کہ بندہ اللہ کے ہر گرم و سرد، مشکل یا آسان، تکلیف یا راحت پر راضی ہو جائے اور مخلوق کے ساتھ اخلاق یہ ہے کہ انسان اللہ کی رضا کے واسطے مخلوق کی خدمت کرے۔ دونوں چیزوں میں اپنے رب کی رضا ہی مقصود ہے۔ جو شخص اپنی زند گی کے کسی بھی کام میں اللہ کی رضا کو مدِ نظر نہ رکھے تو یہ سمجھ لو کہ گویا اُس نے زند گی کا مقصد ضائع کر دیا۔ جو شخص پیدا ہوا ہے اُس نے ایک دن اس دُنیا کو چھوڑ کر جانا ہے اور جو جائے گا اُس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے دُنیا میں کیا کمائی کی ہے۔ انسان کو سب سے بڑا جواب یہ ہی دینا ہو گا کہ میں نے اپنی زند گی اللہ کے واسطے گزاری یا کسی اور کے لیے۔ اپنے ہر کام میں اللہ کی رضا کو مقصود رکھنا یہ ہی انسان کی زند گی کی غرض و غایت ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اِن ہی اسرار سے پردہ ہٹانے کے لیے یہ کتاب لکھی جو اسرار ہمارے اِس سفر کے واسطے ضروری ہیں۔ کوئی شخص کراچی جانا چاہتا ہو اس کو وہاں پہنچنے کے واسطے راستہ میں جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، اُس کے واسطے اُن چیزوں کا ادراک حاصل کرنا اور ان کا بندوبست کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح رجوع الیٰ اللہ کے طالب کے واسطے جن چیزوں کی

ضرورت ہے اُن کو اِس کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔اِس واسطے ہم نے اِس کتاب کا مطالعہ اختیار کیا ہے کہ ہم اپنے مقصدِ زندگی کو حاصل کر سکیں، یہ نہ ہو کہ زندگی ختم ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ!

"زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی"

یہ نہ ہو کہ کل اللہ پاک کی بارگاہ میں ہمیں شرمسار ہونا پڑے اور اُس سے بھی بڑھ کر بہت ساری مصیبتوں کا شکار ہونا پڑے۔ آج کی گزارشات کشف المحجوب لکھنے سے پہلے حضرت داتا گنج بخشؒ نے جن احتیاطوں کا ذکر کیا اُن کے بارے میں ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب کیوں لکھی گئی۔ جو گزشتہ محفل میں میں نے گزارشات کی تھیں یا جو آج کی ہیں اُس کے بارے میں کسی شخص کے ذہن میں کوئی سوال ہو وہ پوچھ سکتا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ ہم کشف المحجوب کے پہلے باب سے اِس کا آغاز کریں گے کہ دُنیا مقام اسرارِ الہیٰ ہے۔ اللہ پاک کی صفتیں، اُس کی ذات اور اُس کی صفات تک پہنچنے کے واسطے اِس دُنیا کو اللہ پاک نے میدانِ عمل بنایا ہے۔ اِس کے اندر ہی ہم نے اُس کی معرفت حاصل کرنی ہے۔ اگر بندہ اِس دُنیا سے آگے چلا جائے تو پھر بندہ اللہ کی معرفت کے لیے نااہل قرار پاتا ہے۔ لہذا وقت قلیل ہے اور کام بے شمار ہے، اِس کا حصول زندگی کا سب سے بڑا فریضہ ہے اور یہ ضروری ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ موٹر کار کا مقصد اُس کی خدمت کرنا نہیں بلکہ اُس کو استعمال کرنا ہے۔ اسی طرح انسان کی زندگی کا مقصد اپنی خواہشوں کو پورا کرنا نہیں بلکہ اپنے رب تک پہنچنا ہے۔ جو شخص اِس سفر کو شروع نہ کر سکا اللہ نے فرمایا کہ وہ جانور سے بھی گیا گزرا ہے کہ جانوروں سے اُن کے معاملات کی پوچھ گچھ نہیں ہونی لیکن غافل انسان کی نہ صرف پوچھ گچھ ہو گی بلکہ اِس کو عذاب کا شکار ہونا پڑے گا۔

"آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا"

آج اللہ پاک کے راستہ کے حصول کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اُس کی نیت کر لینی چاہیئے اور اُس کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بنا لینا چاہیے۔ اللہ کرے کہ ہمیں یہ مقصد نصیب ہو اور ہم اِس پر عمل درآمد کر سکیں۔ سب سے پہلے باب میں حضرت علی ہجویریؒ نے دُنیا کو مقامِ اسرارِ الٰہی فرمایا ہے اور تحصیلِ علم کی فضیلت اور اُس کی اہمیت کے بارے میں آپؒ نے یہ مضمون لکھا ہے۔ یہ ہی مضمون تصوف کی دیگر کتابوں میں بھی بیان ہوئے ہیں انشاء اللہ بشرطِ توفیق وقتاً فوقتاً ہم دیگر کتابوں سے بھی استفادہ کریں گے جو بچپن سے الحمد اللہ میرے زیر مطالعہ رہیں۔ اِن میں جو سب سے زیادہ معروف کتابیں ہیں، اُن میں قوت القلوب، احیاء العلوم، رَسالہ قشیریہ، عوارف المعارف اور دیگر کتب ہیں۔ جو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں لکھی گئی ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کی معرفت کو بیان کرتی ہیں۔ اِن کے اندر تمام تر شفافیت موجود ہے۔ انشاء اللہ آئندہ ہم اِن کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ آج کی گزارشات کے بارے میں کسی کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو وہ پوچھ سکتا ہے۔ تاکہ مجھے یہ معلوم ہو

کہ میں جو گفتگو کر رہا ہوں یہ آپ کے ذہنوں تک پہنچ رہی ہے اور آپ کی سمجھ میں آ رہی ہے۔ ورنہ میں علیٰحدہ بیٹھ کر اِس کتاب کا مطالعہ کر لوں۔ اِس کے بارے میں آپ سوالات کریں گے تو مجھے معلوم ہو گا کہ آپ لوگوں کی دلچسپی موجود ہے۔ ورنہ میں علیٰحدہ بیٹھ کر یہ کتابیں پڑھ لوں۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہ دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اِس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

شاہ صاحب کا سوال

استخارہ کا کیا طریقہ کار ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اِس بارے میں لکھتے ہیں کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا، جب آپ قُرانِ پاک پڑھو تو شیطان مَردود کی فریب کاریوں سے اللہ پاک کی پناہ مانگا کریں۔" فاذا قرات القران فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم "۔ استخارہ کی غرض و غایت سب سے پہلے بیان کرتے ہیں کہ استخارہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ جو بھی کام آپ کرنے لگے ہیں جان لیں کہ اُس کے اندر کوئی شیطانی مقصد موجود تو نہیں۔ کیا اُس کے اندر رب کی رضا ہے یا نہیں۔ اپنے تُمام کام اللہ پاک کے سپرد و حوالہ کر کے ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رہنے کے لیے اُس سے مدد حاصل کرو۔ حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں استخارہ کرنا اسی طرح سکھایا جس طرح قرآن کریم کی تعلیم دی۔ اِستخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ آپ دو نفل اِس نیت کے ساتھ ادا کریں کہ نفل بندگی کے ہوں اور اُن کے اندر کہا جائے کہ یہ اِستخارہ کے لیے ہیں۔ نیت کی میں نے اِس نماز کی پڑھنی خاص واسطے اللہ تعالیٰ کی۔ بندگی اللہ تعالیٰ کی۔ واسطے استخارہ کے۔ اللہ پاک مجھے اِس کے ذریعے یہ واضح فرما دے کہ میں جو بھی کام کرنا چاہتا ہوں اُس میں میرے لیے بہتری ہے کہ نہیں۔ یہ دو نفل ادا کر کے اُس کے بعد مختلف دعائیں مختلف کتابوں میں آئی ہیں لیکن سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اُس کے بعد 70 مَرتبہ درود پاک پڑھیں اور پھر 70 مَرتبہ استغفار پڑھیں تا کہ رسول پاک ﷺ کی توجہ اور اللہ کریم کی پناہ حاصل ہو جائے۔ "فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم"۔ یہ اِس کے اندر آ جاتا ہے۔ اور پھر 15 مَرتبہ تیسرا کلمہ پڑھ لیں۔ اُس کے بعد آپ استراحت فرمالیں، آرام کر لیں تا کہ اللہ تعالیٰ خواب کے اندر آپ کو یہ اشارہ دے۔ پہلے دن اگر نہ ہو تو دُوسرے دن کریں، دُوسرے دن نہ ہو تو تیسرے دن کریں۔ اُمید ہے کہ اِس وقت تک اللہ کریم لطیف پیرائے میں اشارہ ضرور دے دیتا ہے۔ اور یہ سمجھ نہ آئے تو پھر اپنے مُرشد سے اِس بارے میں وضاحت پوچھ لی جائے۔ وہ مزید وضاحت فرما دیں گے۔ اِستخارہ کرنے سے انسان ہر کام میں شیطانیت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ آپ جب سوال کرتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی دلچسپی بھی موجود ہے۔ اللہ کرے کہ آپ کی دلچسپی بڑھے، آپ کو شوق ہو تو پھر ہم اِس کے بعد رجوع اِلیٰ اللہ کی باتیں شروع کریں۔ یہ آج تک میں نے جو مضمون بیان کیے ہیں یہ صرف کشف المحجوب لکھنے کی وجہ ہیں۔ اصل مضمون آگے شروع ہوتا ہے۔ جس میں آپ علم کی معرفت کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ کہ علم کی حیثیت کیا ہے اور یہ کیوں ضروری ہے؟ پھر اُس کے بعد علمِ حقیقت اور علمِ شریعت اُس کے بارے میں تفصیلاً فرماتے ہیں اور پھر بزرگانِ دین کے علم کے بارے میں اقوال ہیں کہ اُن بڑے بڑے بزرگوں کا علم کے بارے میں کیا خیال تھا اُس کے بارے میں لکھتے

ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ بشرط توفیق ہم اِس بارے میں پڑھیں گے کہ علم کے بارے میں اُن کے خیالات کیا ہیں۔ علم کا حصول جیسا کہ میں نے پچھلی دفعہ عرض کیا تھا کہ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ عمل کے واسطے علم ضروری ہے۔ اگر آپ نے کسی خاص سمت پر سفر کرنا ہے اور کسی خاص منزل پر پہنچنا ہے تو آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ میں نے فلاں جگہ جانا ہے۔ اگر آپ کو علم نہیں ہوگا کہ میں نے جانا کس جگہ ہے تو آپ جتنی بھی محنت کریں گے تو اُس کو آوارہ گردی قرار دیا جائے گا وہ سفر شمار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر بندہ علم کے بغیر نماز پڑھتا ہے، اُس علم کے بغیر کہ طہارت کے کیا مسائل ہیں، نماز کے ارکان کتنے ہیں، قبلہ کس سمت ہے۔ اگر اُس کو یہ پتہ نہیں تو اُس کی نماز نہیں ہوگی۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ علم کا ہونا صرف شریعت کے ارکان کے لیے ضروری نہیں بلکہ ایمان کے حصول کے واسطے بھی ضروری ہے اور جب تک یہ علم نہیں ہوگا اُس وقت تک آپ اللہ رب العزت کے قُرب اور حصولِ ایمان کی جستجو نہیں کرسکتے ہیں اور نہ اِس کے بارے میں کوئی محنت کرسکتے ہیں۔ علم کی ضرورت کے بارے میں اُنہوں نے جو کچھ فرمایا ہم انشاء اللہ آئندہ بشرطِ توفیق اُس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کریں گے۔ اگرچہ یہ کتاب خواص اور عوام دونوں کے واسطے ہے لیکن وہ لوگ جو صرف شوق رکھتے ہیں کہ اُن کی زندگی صرف شرمندگی نہ رہے بندگی بن جائے اُن کے واسطے بھی ضروری ہے۔ اللہ کرے کہ ہم اِس کتاب کے علم کے ساتھ اِس قابل ہو جائیں کہ رب کے حضور کل کو پیش ہوں تو شرمندگی حاصل نہ ہو اور اِس دُنیا میں رہیں تو اللہ ہمیں ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھے اور اپنے قُرب کی نعمت عطا فرمائے۔ یہ دونوں چیزیں غرض وغایت ہیں۔ اللہ ہمیں یہ دونوں نعمتیں نصیب فرمائے۔ اِس حقیقت کے بارے میں کوئی بھی سوال کریں گے مجھے اِس سے خوشی ہوگی صرف اِس واسطے کہ مجھے یقین ہوگا کہ جو وقت میں نے سارا دن مخلوق کے ساتھ گفتگو کرکر کے تقریباً 1500 لوگوں کے ساتھ گفتگو کر کے اپنے جسم، گلے اور رُوح کو تھکایا ہے اُس کے باوجود آپ کے درمیان میں آکر بیٹھا ہوں کیا آپ کو اِس سے کوئی فائدہ حاصل ہوا ہے یا نہیں۔ اللہ کریم کے حضور دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک اِس کتاب سے ہمیں رہنمائی عطا فرمائے اور ہم زندگی کے اصل مقصد کو پا سکیں۔ یہ ہی آستانوں کے بنانے کا اصل مقصد ہے۔ دعا کرنا، تعویذ دینا، دم کرنا، گٹ کرنا یہ مقصد نہیں تھا یہ ریاضت کا حصہ ہے۔ یہ اُن لوگوں کے لیے عبادت ہے جو اِس ڈیوٹی پر مقرر ہیں۔ لیکن زندگی کا اصل مقصد یہ ہی ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف رجوع کرایا جائے۔ یہ ہی حقیقت ہے۔ انشاء اللہ آئندہ اِس پر مزید گفتگو کریں گے۔ اگرچہ اِس کے کچھ مضامین بظاہر مشکل ضرور ہیں لیکن حقیت تک پہنچنے کے واسطے ہر قسم کے سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ کرے ہمیں اِس کی سمجھ آنے لگ جائے۔ اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ جو کہا جو سُنا اللہ کریم اُس کو قبول فرمائے اور جن لوگوں نے اِس محفل میں اتنا وقت گزارا اللہ کریم اُن لوگوں کی اِس دلچسپی کو اپنی جناب میں قبول فرمائے اور اُن کو یہ سمجھ عطا کردے کہ وہ اللہ پاک کے قُرب کی لذتوں سے آشنا ہوسکیں (آمین)۔ وماعلینا الا البلاغ المبین۔ (دعا)

درس تصوف۔3

دورانیہ:50منٹ، تاریخ201 -06 -13

بمقام۔مسجد۔آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب، کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب سے پہلے تو معذرت کیونکہ اِس سلسلہ کا آغاز ہوا ہے اور روٹین بحال ہوتے ہوئے ابھی کچھ دیر لگے گی۔ آج نوچندی جمعرات تھی، ہم لاہور کی تمام تر ذمہ داریاں ادا کر کے پہنچے ہیں۔ انشاء اللہ اُمید ہے کہ ہم آئندہ عشا کے بعد بروقت اِس محفل کا انعقاد کریں گے۔ ڈوسری گزارش یہ جیسا کہ میں نے پچھلی دفعہ بھی عرض کیا تھا کہ یہ کوشش ہماری ضرورت ہی نہیں بلکہ ہماری مجبوری ہے، اِس واسطے کہ آج اگر ہم مسلمان ہیں، ہم رسول پاک ﷺ کے نام لیوا، اُن کا ذکر کرنے والے ہیں، اُس کا تمام تر کریڈٹ اِن بزرگوں کو جاتا ہے جنہوں نے ہمارے دلوں میں یہ محبت بھری ہے اور ایمان کی لذت ہمارے تک منتقل فرمائی۔ اگر وہ اپنے اپنے دور میں یہ محنت نہ کرتے تو آج ہم صرف نام کے مسلمان ہوتے، نہ ہمارے دلوں میں چین ہوتا، نہ یادِ الٰہی اور نہ یادِ رسول ﷺ سے ہم میں سے کسی کو بھی سکون ملتا اور نہ ہی آج معاشرے کی یہ صورت ہوتی۔ اب یہ ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ اگر کوئی قوم اُس کے احکام بجا نہیں لاتی اور قدرت کے اِس نظام میں اپنا کردار ادا نہیں کرتی، اُس کو سمیٹ دیا جاتا ہے، اُس کی جگہ کوئی نئی قوم آجاتی ہے۔ اللہ پاک نے اِس چیز کا ذکر قُرانِ پاک کے اندر بھی فرمایا ہے۔ اگر آپ اللہ کے حکموں کی حکم براری نہیں کریں گے، تابعداری نہیں کریں گے ہم تمہاری جگہ اور لے آئیں گے اور وہ پورا معاشرہ مِٹ جاتا ہے، اِس کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ دورِ حاضر میں بھی ایسا ہو تا رہا ہے اور ماضی میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ یہ قدرت کے قوانین ہیں اور اِن کے ساتھ جو بھی ٹکراتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اِس واسطے ہم یہ جانتے ہیں کہ ہماری بقا کا دارومدار انہی تعلیمات کے اوپر ہے، جو تعلیمات اِن اولیا کرام نے ایک سے ڈوسرے، ڈوسرے سے تیسرے، نسل در نسل ہمارے تک پہنچائی ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے دل بھی اللہ کی یاد میں دھڑکتے ہیں اور اِن بزرگوں کی قبروں پر بھی میلے لگے ہوئے ہیں۔

"نام فقیر تِنہاں دا باھُو قبر جنہاں دِی جیوے ھُو"

اِس سلسلہ نے قیامت تک چلنا ہے۔ جو شخص اِس کے واسطے فٹ نہیں ہوتا اُس کو زمانہ میں سے صاف کر دیا جاتا ہے اُس کی جگہ نئے لوگ آجاتے ہیں۔ اگر ہمیں اپنی بقا کی ضرورت ہے تو پھر ہمیں اللہ پاک تک رسائی کے واسطے اِن طریقوں سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے جس کے ذریعے اللہ رب العزت کا اِدراک، اُس کی سمجھ اور اُس کی عبادت کا طریقہ ہمیں پتہ چل سکے۔ صرف اپنے ظاہر کو سنوار لینے کو عبادت نہیں کہتے۔ اِن بزرگوں نے جو کتابیں تحریر کی ہیں یہ اُن کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ اَغیار کی سازش اور یہود و نصاریٰ کے

ایجنڈے کے تحت اِن کتابوں کو نہ صرف تعلیمی اداروں میں سے نکال دیا گیا بلکہ افسوس اِس بات کا ہے کہ دینی مدارس بھی اِن کتابوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور وہ کتابیں پڑھتے ہیں جن کی کوئی سَند صحیح جو Authentic اور اصولی ہے وہ موجود نہیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن کو ایک کے بعد دُوسرے زمانہ نے تسلیم کیا ہے۔ جس کتاب کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا ہے اِس کا تقریباً دُنیا کی بیشتر زبانوں کے اندر ترجمہ ہو چکا ہے۔ اگرچہ اُنہوں نے ترجمہ اِس واسطے کیا ہے کہ دیکھیں کے مسلمان آج تک اپنے رب کا اور اپنے رسول ﷺ کی محبت کا دم کیوں بھرتے ہیں۔ ہم اِس راز کو معلوم کریں۔ اُنہوں نے ہمارے راز معلوم کرنے کے واسطے اِن کتابوں کے ترجمے کیے ہیں۔ اصولاً ہمیں اُن کے ساتھ زیادہ وابستگی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ ہماری مجبوری ہے۔ پچھلی دفعہ میں نے حضرت داتا گنج بخشؒ کی کتاب ''کشف المحجوب'' کی غرض وغایت کے بارے میں گزارش کی تھی کہ آپؒ کے ایک ہم عصر بزرگ حضرت شیخ ابو سعید ہجویریؒ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کو علم وفضل کے اندر یکتا دیکھتے ہوئے اُن کی خدمت میں درخواست کی کہ براہ کرم آپؒ ایک ایسی کتاب تحریر کریں جو آپؒ کے دُنیا سے پردہ کرنے کے بعد بھی لوگوں کے واسطے علم، تحقیق اور رَب تک رسائی کا ذریعہ بنا رہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب اُن لوگوں کے زَنگِ کدورت دور کرنے کے لیے لکھی ہے جو حجابِ غینی میں شکار ہیں۔ اُن کے دلوں میں نورِ حق کا خزانہ موجود ہے لیکن وہ اِس کو نہ تو محسوس کر پاتے ہیں اور نہ اِس سے آگاہ ہیں۔ اِس کتاب کے پڑھنے کی برکت سے اِن سے یہ پردے اُٹھ جائیں گے اور حقیقت کی طرف اُن کو راستہ مل جائے گا۔ اپنے رب کی طرف رسائی یہ ہماری ضرورت ہی نہیں بلکہ ہماری مجبوری ہے۔ اگر ہم رب تک رسائی کی جستجو نہیں کریں گے، جس کو اللہ پاک نے فرض قرار دیا ہے تو ہمیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا کیونکہ جو یہ نہیں کرتا اُس کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا جاتا ہے۔ اُس کی جگہ نئی قومیں آجاتی ہیں۔ آپؒ نے اپنی کتاب کا پہلا باب ہی تحصیل علم کے بارے میں لکھا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ علم اِس لیے ضروری ہے کہ سارے عمل کا دارومدار علم پر ہے۔ اگر کسی نے اپنے رب تک رسائی حاصل کرنی ہے اُس کو یہ علم ہونا چاہیے کہ رسائی حاصل کرنے کا کیا طریقہ کار ہے۔ اُس علم کے حصول کو ہی حقیقت میں علم حقیقت یا علمِ تصوف کہا گیا ہے۔ گزشتہ محفل میں میں نے چند گزارشات کی تھیں اور پھر یہ پوچھا تھا کہ کسی شخص کے ذہن میں کوئی سوال آیا ہو اُس سے میری مُراد یہ تھی کہ میں آپ کی دلچسپی دیکھ سکوں کہ جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں، کیا یہ آپ کے ذہن نشین ہو رہا ہے، آپ کی اِس میں دلچسپی موجود ہے۔ بحمد اللہ مجھے بہت خوشی ہے کہ بہت سارے لوگ باوجود اتنی دیر ہونے کے اِس محفل میں موجود ہیں۔ یہ آپ کے شوق کا ایک اظہار ہے۔ لیکن اِس کے باوجود مجھے یہ تسلی کرنی بھی ضروری ہے کہ جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں، کیا یہ آپ کے دل تک پہنچتا ہے اور آپ کی سمجھ اِس کو قبول کرتی ہے۔ اِس واسطے سب سے پہلے پچھلی دفعہ جو تین چیزیں میں نے عرض کی تھیں ایک یہ کہ آپؒ نے فرمایا کہ میں نے خود کو دلی واردات اور باطنی القاء کے حوالے کر دیا۔ جس وقت ابو سعید ہجویریؒ نے اُن کی خدمت میں یہ عرض کی کہ ایسی کوئی کتاب لکھیں جس کے ساتھ بعد میں آنے والوں کو بھی پتہ چل سکے کہ رب کا راستہ کیا ہے۔ یہ نہ ہو کہ ہم بے علمی میں مارے جائیں۔ ہمیں کچھ علم تو ہو کہ ہم اپنے رب کے ساتھ اپنا ناطہ کیسے جوڑ سکتے ہیں۔ اُس کے جواب میں سیدنا علی ہجویریؒ نے فرمایا کہ آپ کے سوال کا جواب دینے

کے لیے سب سے پہلے میں نے خود کو دِلی واردات اور باطنی القاء کے حوالے کر دیا۔ فرمایا کہ میں نے سب سے پہلے اپنے آپ کو Dedicate کیا، اُس کے واسطے وقف کر دیا کہ جو کچھ میں کرنے جارہاہوں اُس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں۔ کچھ لوگ کتاب لکھتے ہیں کہ اُن کی مشہوری ہو۔ کچھ اِس واسطے لکھتے ہیں کہ وہ کتاب بِکے گی اور اُن کو مالی فوائد حاصل ہوں گے۔ بے شمار وجوہات ہیں۔ لیکن آپؒ فرماتے ہیں کہ میری اِس میں کوئی غرض نہیں۔ میں نے نفسانی غرض کو اپنے آپ میں سے نکال دیا ہے۔ اب میں سوال عرض کرتا ہوں کہ میں نے نفسانی غرض کے بارے میں جو عرض کی ہے اِس میں ایک سوال آتا ہے کے انسان یہ پوچھے کہ غرضِ نفسانی کی پہچان کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرے دل میں کوئی غرض ہو اُس کو کئی طریقے سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ خواہش کہا جاسکتا ہے، غرض کہا جاسکتا ہے، وسوسہ کہا جاسکتا ہے اور طریقت کی زبان میں خطرہ کہا جاتا ہے۔ یہ خواہش، خطرہ، وسوسہ کسی کو بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی بندہ میرے سے یہ پوچھے کہ یہ وسوسہ نفسانی کیا چیز ہے۔ اُس کی پہچان کیا ہے۔ کیا میں بھی نفسانی وسوسے کا شکار ہوا ہوں۔ آپؒ نے اِس میں نفسانی اغراض کے بارے میں عرض کیا۔ اِس کی تشریح کرتے ہوئے قُرانِ پاک کی آیت گزارش کرتا ہوں۔ اللہ کریم نے فرمایا!

"وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى ۞ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى"(النازعات:40،41)

جس نے اپنے نفس کو اُس کی خواہش سے روک کر رکھا اُس کا ٹھکانہ جنت ہے۔ یہ ہی اللہ پاک نے فرمایا تھا کہ!

"وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" (العصر:3)

صبر کا معنی یہ ہے کہ اپنے نفس کو غلط سمت پر جانے سے روک دینا۔ یہ صبر ہے۔ انسان کے اندر تین قسم کی خواہشات پیدا ہوتی ہیں، پہلی وسوسہ شیطانی، دُوسری وسوسہ نفسانی اور تیسری وسوسہ رحمانی۔ ہمیں اُن کی پہچان ہونی چاہیے۔ تاکہ ہم اپنے اندر کی شرارتوں سے آگاہ ہو سکیں اور اُن کو بروقت اپنے طور پر دور کر سکیں۔ یہ صرف پیرِ کامل کا کام ہے کہ وہ صرف تھوڑی سی توجہ دے دیں، تو یہ خواہشات انسان کو چھوڑ جاتی ہیں، لیکن اِس کے باوجود اِس کا علم بھی ہونا ضروری ہے۔ کیا خبر کہ انسان وسوسہ شیطانی کو وسوسہ رحمانی سمجھ کر اِس میں مبتلا رہے اور اپنی دُنیا اور اپنا دین برباد کر لے۔ آج مجھے اِس کے بارے میں عرض کرنا ہے۔ وسوسہ رحمانی وہ ہوتا ہے جس میں انسان کے دل کے اندر نہ اپنے کسی ذاتی مفاد کی غرض باقی رہتی ہے اور نہ اُس کے اندر کوئی شہوت ہوتی ہے۔ اگر کوئی خیال اُس کے دل کے اندر آئے، اُس کے اندر نہ کوئی نفسانی خواہش ہو، نہ کسی قسم کی شہوت پائی جائے بلکہ اُس کے ساتھ انسان کو راحت حاصل ہو اور اُس کے دل میں رِقّت پیدا ہو اور اُس کو اللہ کے قُرب کا احساس ہو، ایسی خواہش خواہشِ رحمانی یا وسوسہِ رحمانی ہے۔ خواہش شیطانی یہ ہے کہ انسان کے دل میں نیک کام کو روکنے کے واسطے مختلف طرح سے ترغیب دی جاتی ہے۔ میں اُس کی مثال بیان کرتا ہوں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے ہی وسوسہِ شیطانی کی مثال دی ہے۔ آپؒ نے فرمایا حضرت شیخ ابو سعیدؒ ایک دفعہ سفر کر رہے تھے۔ یہ ابو سعیدؒ اور ہیں جنہوں نے حضرت علی ہجویریؒ سے سوال کیا تھا وہ حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر حضرت داتا گنج بخشؒ کے ہم عصر بزرگوں میں سے ایک بزرگ ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ وہ ایک شہر سے دُوسرے شہر کو سفر کر رہے

تھے۔راستہ میں ایک گھاٹی آئی جس میں سخت سردی تھی۔ چونکہ اُن کی عمر زیادہ تھی۔ سردی اتنی شدید تھی کہ اُن کو اپنے پاؤں میں موزے اور جرابیں پہننے کے باوجود سردی لگنے لگی۔ اُن کے مُرید نے سوچا کہ میرے پاس ایک گرم چادر ہے۔ کیوں نہ میں یہ چادر پھاڑ کر شیخ ابو سعیدؒ کے پاؤں پر باندھ دُوں۔ تاکہ وہ سردی سے محفوظ رہیں۔ گرم چادر تھی بڑی قیمتی۔ لیکن پھر اُس کو خیال آیا کہ چادر بڑی قیمتی ہے کل کو مجھے بھی اِس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ میں اُس کو کیوں پھاڑوں۔ اِس میں میرا نقصان ہو گا۔ وقت گزر گیا، آپؒ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ ایک دن اُس درویش نے سوال کیا کہ جناب وسوسہِ شیطانی اور وسوسہِ رحمانی میں کیا فرق ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ چادر پھاڑ کر ابو سعیدؒ کے پاؤں پر باندھنے کا خیال آیا تھا وہ خیال رحمانی تھا اور جو یہ خیال آیا تھا کہ چادر کیوں پھاڑوں اُس میں میرا نقصان ہو گا یہ خیال شیطانی تھا۔ شیطانی خیال کے اندر ترغیب پائی جاتی ہے۔ انسان کو دُنیا کا لالچ دیا جاتا ہے۔ اِس لالچ کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے عمل سے محروم رہ جاتا ہے۔ یہ چیز ذہن نشین ہو جائے کہ جو ہمارے دل کے اندر خواہشات صبح سے لیکر شام تک پیدا ہوتی ہیں وہ تین قسم کی ہیں۔ ایک خیالات رحمانی، ایک خیالات شیطانی اور ایک خیالات نفسانی۔ شیطانی خیالات کے بارے میں حضرت شیخ ابو القاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بدلتے رہتے ہیں۔ شیطان کبھی کسی بات کی ترغیب دے گا، کبھی کسی کی دے گا، بدلتا رہے گا۔ لیکن جو خیالِ نفسانی ہے اُس کے اندر شہوت پائی جاتی ہے۔ پہلی بات یہ کہ وہ بدلتی نہیں دُوسرا یہ کہ وہ پکی ہوتی ہے۔ خیالات شیطانی آپ تیسرا کلمہ پڑھیں، وضو کریں، یا اپنی حالت کو تبدیل کریں ہو سکتا ہے کہ وہ جاتی رہے۔ اُس سے نجات مل جاتی ہے خیالِ شیطانی، وسوسہِ شیطانی، خطرہِ شیطانی، خواہش شیطانی اِس کے کئی نام ہیں۔ خیالات شیطانی کی یہ بھی پہچان ہے کہ یہ بدل سکتا ہے، دور ہو سکتا ہے اور اُس کو ٹالا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن خطرہِ نفسانی، خواہشِ نفسانی، خیالِ نفسانی یہ شدید ہوتا ہے، پکا ہوتا ہے، اُس کے اندر انسان میں اپنے اندر سے شہوت پائی جاتی ہے۔ شہوت صرف اور صرف جنسی نہیں ہوتی، بلکہ شہوت کا مطلب ہے اُس کا کسی بھی قسم کا لگاؤ جو اُس کو اللہ سے دور کرے۔ Attraction. لگاؤ، کشش، یہ صرف جنسی نہیں ہوتی بلکہ مثال کے طور پر کسی شخص کو اپنا ادب کروانے کا شوق ہوتا ہے، کسی کو یہ شوق پایا جاتا ہے کہ لوگ مجھے سلام کریں۔ لوگ مجھے اچھا سمجھیں۔ میرے اندر جو خامیاں ہیں میں اُن کو چھپالوں، پردہ ڈالوں تاکہ لوگ میری تعریف کریں۔ خوشامد پسندی بھی شہوت ہے۔ اِس قسم کی بے شمار شہوتیں ہیں۔ یہ شہوت تیسرا کلمہ پڑھنے سے، نفل پڑھنے سے یا وضو کرنے سے نہیں جاتی۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ نے فرمایا!

"گوڈے گٹے مَل مَل دھویں تیرے مَنوں نہ گئی پلیتی"

یہ پلیتی مَن میں ہوتی ہے، یہ ظاہری حیلے بھانے کرنے سے، استغفار پڑھنے سے اور زور زور سے جلیاں مارنے سے اِس کو کوئی فرق نہیں پڑتا، کہتے ہیں کہ!

"کوکے کوکے لہو پیے منگے چرب نَوالہ ہُو"

اِس چیز کو مارنے کے واسطے حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا!

"باجھ فقیراں کسے نہ ماریا باھُو چور اندر دا اُھو"

نفسانی خواہش اندر کا چور ہے۔ نفسانی خواہش جب پیدا ہو جاتی ہے پھر وہ اپنی تسکین چاہتی ہے۔ کسی نہ کسی طریقے سے۔ کوئی نہ کوئی چکر چلا کر۔ کسی نہ کسی طرح بندہ اپنے آپ کو justify کرتا ہے، اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی، جھوٹا اطمینان دینے کی کوشش کرتا ہے، کہ نہیں نہیں یہ بات ایسے نہیں بلکہ ایسے ہے۔ لیکن حقیقت اپنی جگہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کی مدد فرمائے تو پھر اِس کو اُس چور سے آگاہی ہو سکتی ہے۔ اُس کا علاج فقط ایک ہی ہے کہ بندہ اپنے مُرشد کے کورٹ میں آجائے، اُس کی حفاظت، اُس کی توجہ اور اُس کی نگرانی میں آجائے۔ وہاں پر آکر اُس کے نفس کی خواہش اُس کو چھوڑ جاتی ہے۔ شہوت اُس سے دور ہو جاتی ہے۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ پیر صاحب کسی جگہ رہتے ہیں، اُن کے آستانے پر بندہ رہنے لگ پڑے اور اُن سے پردہ بھی کرتا رہے، چھپاتا بھی رہے، یہ بھی کہتا رہے کہ اُس کو پتہ نہ چلے پھر اُس کو کوئی فائدہ نہیں۔ پھر وہ اپنے پاس ہی رہا اُس کے پاس نہ رہا۔

"سپردم بہ تو مایہ خویش را"

اپنا آپ اپنے مُرشد کے حوالے کر دے اور وہ کس طرح کر دے میں اس کو حضرت سلطان باہو صاحبؒ کی زبان میں بیان کرتا ہوں۔

"ہر خانے جانی وسدا باہو سَن صرف اوہ وکھیوے ہو"

مُرید جب تک مُرشد کے ساتھ اپنی سنگت کو یکجا نہیں کر لینا،

"تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دُوسرا نہیں ہوتا"

یہ بات سمجھنے کی ہے۔ اکیلا بندہ سو طرح کے فساد میں مبتلا ہوتا ہے، اُس وقت اپنے سجن کو بُلا کر اپنے پاس بٹھالے۔ اپنے خیال میں۔ نفس کا تعلق بھی باطن کے ساتھ ہے ظاہر کے ساتھ نہیں۔ اگر باطن میں اُس کو لے آئیں گے جو آپ کے رب کی نشانی ہے تو پھر شیطان اور نفس دونوں سے چھٹکارہ مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے!

"إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّي "(یوسف:53)

بے شک نفس امارہ بُرائی کی طرف انسان کو کشش کرتا ہے، ماسوا اُس کے جس پر رَب رحم کرے۔ جب تک انسان کے باطن میں اُس کے مُرشد کی موجودگی نہیں ہو گی اُس ظالم سے چھٹکارہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ نفسانی اغراض کے سِلسلہ میں جو پوچھنے والا سوال تھا وہ یہ تھا کہ نفسانی غرض کی نشانی کیا ہے۔ اُس کا توڑ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اِس ضمن میں میں نے آپ کو خواہشِ رحمانی، خواہشِ نفسانی اور خواہشِ شیطانی اُن کا بھی اجمالی تذکرہ کر دیا ہے۔ اصل موضوع نفسانی خواہش کے متعلق تھا۔ یہ ہی سب سے بڑا دشمن ہے۔ شیطان سے جان چُھڑائی جا سکتی ہے۔ شیطان تو رمضان میں ویسے ہی قید ہو جاتا ہے۔ جو اچھے نہیں ہوتے وہ رمضان میں اور زیادہ خراب ہو جاتے ہیں۔ نفس کُھل کھیلتا ہے۔ یہ بڑا دشمن ہے۔ اِس پر پکڑ ایسے ہی ممکن ہے کہ جس وقت تک اُس کا دشمن گھر نہیں بلائیں گے اُس نے گھر سے نہیں نکلنا۔ ایک گھر میں ایک وقت میں

ایک ہی پارٹی رہ سکتی ہے، دو اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ جب اُس کی مخالف پارٹی کو گھر بلالیں گے تو یہ خود بخود گھر سے نکل جائے گا۔ اِس کا جو طریقہ بزرگان دین نے بتایا ہے وہ تصور ''اسم ذات'' ہے۔ وہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ جو اِس کی پیاس رکھتے ہیں اُن کو بتایا بھی جا سکتا ہے۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ '' اسم ذات'' باتصور کرو۔ عُرس پر میں نے ''اسم ذات '' کے بارے میں بتایا ہے، باقی بات علیحدہ کرنے والی ہے۔ لیکن جب تک اُس نفس کا دشمن دل کے اندر، باطن میں نہیں لے کر آئیں گے، علامہ اقبال نے فرمایا !

''اپنے مَن میں ڈوب کر پاجا سُراغِ زندگی

میرا نہیں بنتا نہ بَن اپنا تو بَن''

اگر نفس قابو میں آجائے تو سارے مَسائل حل ہو جاتے ہیں۔

''بَاجھ فقیر اں کسے نہ مَاریا باہو چور اَندر دا ہُو''

اِس کے بارے میں مزید کوئی سوال، سوال در سوال۔ یہ سوال تھا جو پوچھنے والا تھا۔ اب اِس کے بعد میں نے حجاب کے بارے میں عرض کیا تھا۔ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا یہ وقت کی قلت کے باوجود اتنا بیان کیا ہے جتنا ضروری ہے۔ اگر اتنا بھی سمجھ آجائے تو تھوڑا سا حیلہ اور ہمت کرنے سے اس دشمن سے جان چھوٹ سکتی ہے۔ دُوسرا موضوع تھا وہ حجاباتِ رینی اور حجاباتِ غینی کے بارے میں تھا۔ حجاباتِ رینی آپؐ نے فرمایا وہ ہوتے ہیں جو پردے دور نہیں ہو سکتے اور حجاباتِ غینی وہ ہوتے ہیں جو پردے دور ہو سکتے ہیں۔ اب ہم سوچیں، میرے جیسا ایک عام آدمی سوچے کہ میں کِس حجاب کا شکار ہوں۔ ہم نے وہ موضوع بیان کرنا ہے جو ہمارے اُوپر قابل عمل ہو۔ ہم اِس میں سے گزر سکتے ہوں۔ ہم نے مافوق الفطرت اور اِس قسم کی گفتگو نہیں کرنی جس کا ہمارے ساتھ تعلق ہی نہیں۔ وہ پردہ جو دُور ہو سکتا ہے اور وہ پردہ جو دُور نہیں ہو سکتا اِس کی کیا نشانی ہے۔ ہم نے نشانی اِس لیے معلوم کرنی ہے کہ ہم اپنے باطن کو دیکھ سکیں کہ کیا ہم حجابِ رینی کا شکار ہیں یا حجابِ غینی کا۔ حجاب ہوتا ضرور ہے۔ کوئی شخص بھی جب اللہ تعالیٰ کے مشاہدے پر پہنچتا ہے اپنی جستجو کی آخیر پر، جب اس کے اور اس کے رب کے درمیان پردے آہستہ آہستہ ہٹتے جاتے ہیں اس حد تک ہٹ جاتے ہیں کہ دیکھنے والا جانے اور مالک جانے۔ لیکن ان دو پردوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری ہیں۔ حجابِ رینی جو نہیں ہٹ سکتا اور حجاب غینی جو ہٹ سکتا ہے۔ اُس کی نشانی مختصر اپنے اندر دیکھنے کے واسطے کہ میں کِس حجاب کا شکار ہوں۔ اگر کوئی شخص جس کو اللہ اپنی غلطیوں، کوتاہیوں پر پشیمانی، شرمندگی کی توفیق دے اور وہ شرمندہ ہو کر اللہ کی جناب میں معافی مانگے وہ سمجھ جائے کہ میرا پردہ رینی نہیں غینی ہے۔ یہ ہَٹ سکتا ہے۔ حجابِ رینی اُن لوگوں میں ہوتا ہے جن کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ اولیا اللہ کا مقولہ ہے کہ ''جو توبہ نہ کرے وہ اپنی بخشش کی اُمید نہ رکھے۔'' جس شخص کے اندر توبہ کی کچھ نہ کچھ خواہش پائی جائے اُس کا حجاب حجابِ غینی ہے اور یہ کسی بھی وقت اٹھ سکتا ہے، اللہ کی رحمت درکار ہے۔ جس وقت وہ چاہے اپنی رحمت سے ہٹا دے۔ ہم اپنے آپ کو ٹیسٹ کرتے رہیں۔ کیا صبح سے لیکر شام تک ہمیں اپنی کیے ہوئے کاموں پر کوئی شرمندگی ہوتی ہے، ہم اپنے طرزِ عمل پر پشیمان ہوتے ہیں یا نہیں۔ ہم اپنے

خالق کے بارے میں سوچ کر کہ کل اس کے سامنے پیش بھی ہونا ہے، اس سے معافی مانگ لیں کسی وقت پشیمان ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے، کیا خبر وہ معاف کر ہی دے۔ کسی وقت آنسو کا قطرہ آنکھ سے گر پڑے۔ اگر تو یہ کیفیت ہے تو پھر انشاء اللہ بخشش کی اُمید ہے ایسے شخص کو ہمت کرنی چاہیے۔ ایسا شخص ایسے برتن کی مثال ہے جس پر مختلف حالاتِ زمانہ کی وجہ سے زَنگ چڑھ جائے اور کسی کیمیکل یا کسی کوشش یا محنت کے ساتھ وہ زنگ اتر سکتا ہو، اُس شخص کی مثال ایسی ہے اور اُس کی مثال یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک توبہ کرتا ہے یا نہیں۔ توبہ کے بارے میں عرض کردوں کہ قُرانِ پَاک نے اِس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ حتیٰ کی نبیوں نے بھی اللہ کی جناب میں اِن الفاظ میں توبہ کی ہے، آپ غور فرمائیں۔

" رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنْ الْخَاسِرِينَ "(الاعراف:23)

نبی معصوم عن الخطاء جن سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ جو بخشے ہوئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام جن کے بارے میں توبہ کی حدیث بھی موجود ہیں۔ یہ ان کا قول ہے۔ اے ہمارے رب " رَبَّنَا ظَلَمْنَا " اے ہمارے رب ہم نے ظلم کر لیا، " أَنفُسَنَا " اپنی جانوں پر، " وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا " اگر آپ ہماری غلطی معاف نہیں فرمائیں گے، " وَتَرْحَمْنَا " اور ہمارے پر رحم نہیں فرمائیں گے، ہمارے پر تَرس نہیں کریں گے، " لَنَكُونَنَّ مِنْ الْخَاسِرِينَ " ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ نبیؑ نے بھی اللہ پاک کی بارگاہ میں توبہ کی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں یہ دعا فرمائی!

" لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنْ الظَّالِمِينَ "(الانبیاء:87)

اے اللہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، میرے مالک تیرے سواء کوئی معبود نہیں، " سُبْحَانَكَ " تو پاک ہے ہر عیب سے، " إِنِّي كُنتُ مِنْ الظَّالِمِينَ " بے شک میں ہی اپنی جان پر ظلم کر بیٹھا ہوں۔ غور فرمائیں یہ بات اللہ پاک کے نبی کہہ رہے ہیں، یہ قرآنِ پاک کا قول ہے۔ یہ دعا میرے آقا کریم ﷺ بھی پڑھتے رہے ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں دن میں ستر 70 مَرتبہ استغفار کرتا ہوں[12]۔ اب ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم دن میں کتنی دفعہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ حجابِ غینی کا دور ہونا ممکن ہے مگر اس کی نشانی یہ ہے کہ جس شخص کو اپنے عیب کا ادراک ہو جائے اور وہ اللہ کی بارگاہ میں پشیمان ہو، شرمندہ ہو کسی وقت بھی اس کی بھلائی اور بہتری کا امکان موجود ہے۔ وہ اپنے رب تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ جس کو یہ پتہ ہی نہیں کہ میں اچھا کرتا ہوں یا برا کرتا ہوں، جس نے کبھی توبہ کی ہی نہیں، پھر اُس کے واسطے راستہ " خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ "(البقرۃ:7)

اللہ پاک نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ چکا ہے۔ پھر فرمایا!

" فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمْ اللَّهُ مَرَضًا "(البقرۃ:10)

ان کے دلوں میں بیماری ہے، اللہ ان کی بیماری کو اور بڑھا دیتا ہے۔ ان کو یاد ہی نہیں ہوتا کہ ہم نے توبہ کرنی ہے۔ اس واسطے اس چیز کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ داتا صاحبؒ کی کتاب ان لوگوں کے لیے فائدہ مند ہے جو چوبیس گھنٹوں میں کسی نہ کسی وقت اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔ ان کے سامنے ان کے عیب موجود ہوں۔ میں اکثر و بیشتر اپنے آپ کو پہلے عرض کرتا ہوں جمعہ کے وعظ کے اندر اور دیگر مواقع پر بھی، کوئی اور سنے یا نہ سنے اپنے نفس کو ضرور بتاتا ہوں، حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنے عیب کی طرف متوجہ ہو جائے اُس کو کسی کے عیب نظر نہیں آتے۔ وہ گلہ گزاری اور اِس طرح کے تمام بیماریوں سے بچ جاتا ہے اور اِس طرح اُس کے نامہ اعمال کے اندر بہت ساری نیکیاں ہوتی ہیں اور گناہ تھوڑے ہوتے ہیں۔ یہ کچہریاں، عدالتیں اور تھانے یہ سارے اسی چیز کے ساتھ آباد ہیں کہ بندہ اپنے عیب نہیں دیکھتا اُس کو دُوسرے کے عیب نظر آتے ہیں اور پھر اُس کا Reaction ہوتا ہے۔ جب اپنے عیب نظر آجائیں تو کہتے ہیں کہ!

"دل دریا سمندروں ڈونگے کون دلاں دیاں جانے ہو"

پھر کسی اور کا عیب نظر نہیں آتا۔ بندہ انہی کو لے کر بیٹھا رہتا ہے، بندہ ہر وقت اللہ کی بارگاہ میں لرزاں و تَرساں رہتا ہے۔ بات میں سے بات نکل آئی، حضرت امام غزالیؒ نے اس صورت حال کو ایک نام دیا ہے۔ انہوں نے دو ناموں کو ایمان کی نشانی بتایا ہے۔ ایک فقر دوام اور دُوسرا دوامی التجاء۔ ہر وقت بندہ التجاء کرتا رہے۔ التجاء وہ کرے گا جس کو اپنے عیب نظر آئیں گے، جس کو اپنے عیب نظر آئیں اس کو دُوسرے کے نقص کبھی نظر نہیں آتے۔ جو بزرگ لوگ ہیں وہ ہمیشہ اس چیز سے محفوظ رہتے ہیں کہ وہ لوگوں کے عیب دیکھیں۔ اس لیے ان کے دل اللہ کے نور سے منور ہو جاتے ہیں۔ جو دوسروں کے عیب دیکھتا ہے اس کا دل کبھی بھی اللہ کے نور کو حاصل نہیں کر سکتا۔ پھر بات میں سے بات آئی۔ حضرت امام ابو القاسم قشیریؒ آپؒ نے حضرت جنید بغدادیؒ کا واقعہ بیان کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک جنازے میں شامل ہونے کے واسطے شونیزیہ کے قبرستان میں پہنچا۔ جنازہ ابھی نہیں آیا تھا۔ ایک بندہ جس کے چہرے سے عبادت کے اثرات ظاہر تھے وہ لوگوں سے مانگ رہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ بندہ اگر مانگتا نہ تو اچھا تھا۔ محنت مزدوری کر لیتا۔ اس کے بارے میں خیال کیا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت رات کو میں اپنی عبادت کے مصلے پر بیٹھا تو میرا دل عبادت سے اچاٹ ہو گیا اور میں بستر پر لیٹ گیا۔ لیٹا تو میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ میرے سامنے ایک طشت پیش کیا گیا اور اس میں وہی بندہ بھون کر رکھا ہوا تھا اور کوئی مجھے کہہ رہا تھا کہ اس کو کھالو۔ میں نے اس کو کہا کہ میں تو بندے کا گوشت نہیں کھا سکتا۔ اس نے کہا کہ دن کو تو تم نے کھا لیا تھا اب کھانے میں کیا حرج ہے۔ آپؒ فرمانے لگے کہ میں بڑا شرمسار ہوا، جاگ آگئی اور مجھے پسینہ آگیا۔ میں دوڑا ساری رات اُس بندے کو تلاش کیا۔ بالآخر وہ ایک جگہ دریا کے کنارے مجھے ملا۔ میری بات سنے بغیر اس نے مجھے کہا کہ اے جنید پھر زندگی میں کبھی ایسا خیال کرو گے۔ میں نے کہا کہ مجھے معاف کر دیں میں آئندہ ایسا خیال نہیں کروں گا۔ جو شخص کسی کے عیب دیکھے اللہ پاک اس کے دل کو اپنے نور کے واسطے نااہل قرار دے دیتا ہے۔ یہ غیبت میں شمار ہوتا ہے۔ کسی کے عیب دیکھنا غیبت میں شمار ہوتا ہے۔ جب بندہ اپنے عیب کی طرف توجہ رکھے تو اس کے نتیجے میں توبہ استغفار کرتا رہتا

ہے۔ التجائے دوام اس کو نصیب ہوتی ہے۔ وہ اس بیماری اور اس گناہ سے بچ جاتا ہے جو اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے جس کا نام غیبت ہے۔ غیبت صرف زبان کے ساتھ نہیں کی جاتی بلکہ غیبت دل کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔ کسی کے بارے میں دل میں برا گمان کرنا یہ بھی غیبت ہے۔ حجابِ غینی کے سِلسلہ میں میں نے یہ گزارش کی یہ بھی سوال بنتا تھا کہ حجابِ غینی کی پہچان کیا ہے؟ اور تیسرا جو سوال تھا وہ توفیق کا تھا۔ کہ توفیق کیا چیز ہے؟ کوئی شخص کسی بُرائی کا ارادہ کر لیتا ہے اور پھر اچانک کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، وہ رکاوٹ کوئی ظاہری رکاوٹ بھی ہو سکتی ہے، کوئی تیسرا بندہ اچانک آ گیا اور اس کا ارادہ رہ گیا یا وہ رکاوٹ قلبی بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ بصرہ کے اندر ایک رئیس تھا۔ اس نے اپنے باغ کی رکھوالی کے واسطے ایک مالی رکھا تھا۔ ایک دن وہ امیر آدمی اپنے باغ میں گیا تو مالی کی بیوی بھی موجود تھی۔ وہ اپنے خاوند کے ساتھ اس کی مدد کر رہی تھی۔ اس امیر آدمی کا خیال بدل گیا اس کی نگاہ گندی ہو گئی، اس نے مالی کو کسی کام کے واسطے بھیج دیا۔ عورت کو کہا کہ باغ کے دروازے بند کر دے۔ عورت سمجھ گئی۔ عورت نے آ کر کہا کہ جناب دروازے تو بند کر آئی ہوں مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہیں ہوا، رئیس نے پوچھا وہ کون سا دروازہ ہے، عورت نے کہا وہ دروازہ ہمارے اور خدا کے درمیان ہے۔ رئیس شرمندہ اور پشیمان ہو کر رونے لگا اور توبہ استغفار کرنے لگا اور اپنے خیال سے باز آ گیا۔ توفیق الٰہی یہ ہوتی ہے کہ انسان کو بُرے کام سے روک دے اور اچھے کام کا ارادے کے بغیر موقع دے دے۔ بُرے کام کا ارادہ کرنے کے باوجود اللہ مشکل پیدا کر دے اور اچھے کام کے واسطے بغیر ارادہ کے موقع عطا فرما دے۔ اس کو توفیق کہا جاتا ہے۔ بہر حال یہ تین سوال بنتے تھے۔ جن کے بارے میں میں نے سوچا کہ کچھ گزارشات کر دوں۔ اگر کسی نے یہ سوال نہیں کیے تو میں نے بہتر سمجھا کہ خود ہی یہ سوال کر دوں اور ان کا جواب دیا جائے۔ ممکن ہے کہ کسی سننے والے کو بھی ان سوالات سے فائدہ حاصل ہو۔ آج ہم صرف ان سوالات کے جوابات پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ چونکہ وقت کافی ہو چکا ہے۔ میرا آئندہ کا جو موضوع ہو گا، حضرت داتا گنج بخشؒ نے سب سے پہلے علم کے بارے میں ایک باب لکھا ہے۔ ہم نے اس کا آغاز کرنا ہے۔ میں اتنا عرض کر دوں کہ انہوں نے فرمایا کہ جو کچھ تم نے سوالات کیے تھے میں ان کا بیان شروع کرتا ہوں اور جو مقامات اور حجابات ہیں ان کا بیان لطیف پیرائے میں مرتب کرتا ہوں اور عجیب و غریب حکایتیں بیان کر کے سمجھنے میں تمہاری مدد کروں گا۔ بہ قدرے ضرورت اولیا اللہ کے اقوال کو اپنی کتاب میں شامل کروں گا تاکہ تمھاری اور جو لوگ اس کتاب سے فائدہ حاصل کرنا چاہیں ان کی مقصد براری ہو جائے اور ظاہری علوم کے علما کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ طریقہ تصوف کی جڑ مضبوط، اس کی شاخیں میوہ دار ہیں اور وہ اس حقیقت سے آشناء ہو جائیں کہ طریقت کے تمام مشائخ صاحبان علم و معرفت ہیں اور اپنے مُریدوں کو اس علم کے حاصل کرنے کا شوق دلاتے تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ ہر شیخ طریقت کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ ادا نہیں کرتا تو یہ کمی رہ جاتی ہے۔ اس کے واسطے اس کو ادا ہونا چاہیے۔ اللہ کرے تمام آستانوں پر اللہ کریم اس چیز کا ادراک عطا فرمائے۔ اور اللہ کرے کے آستانوں کو کچھ شیوخ بھی عطا ہو جائیں۔ کہ اکثر و بیشتر!

"زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن"

معاملہ بہت ہی دگرگوں ہو چکا ہے۔ دُنیا کے نظام بڑے بڑے خراب ہوئے ہیں، ہمارے ہاں ریلوے کا نظام خراب ہے، ریلوے کی پٹریوں کو زنگ لگ چکا ہے، ٹرینیں کوئی نہیں، انجن کوئی نہیں۔ فیکٹریاں ہونے کے باوجود نہ انجن بن رہے ہیں، نہ ٹرینیں بن رہی ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ شعبہ شعبہ تصوف سے بہتر ہے۔ شعبہ تصوف اس سے بھی زیادہ گیا گزرا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ہم مسجد آتے ہیں، نماز پڑھ کر ہم واپس جاتے ہیں، جیسے آئے ویسے ہی واپس چلے گئے، ہمارے میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ آپ اللہ کے فرمان کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھیں کہ!

"إِنَّ الصَّلاَةَ تَنْهَى عَنْ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ"(العنکبوت:45)

بے شک نماز روک دیتی ہے فحاشی اور بے حیائی کے کاموں سے۔ اگر کسی کو پھر ترغیب ہو تو وہ پھر توبہ کرتا ہے، پھر ترغیب ہوتی ہے پھر توبہ کرتا ہے۔ یہ پراسس چلتا رہتا ہے۔ جو نماز پڑھے اور اس کو احساس ہی نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نماز کوئی نہیں۔ اکثر اوقات ہماری یہ حالت ہو چکی ہے کہ ہم جیسے گھر سے چلتے ہیں، نماز پڑھ کر ویسے ہی واپس چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان کے مطابق نماز پنج وقتہ ایسے ہے جیسے بندہ پانچ دفعہ نہر میں نہائے اور اس پر کوئی میل نہ رہے۔ مگر ہم پر میل اسی طرح رہتی ہے۔ یہ اللہ پاک کی بارگاہ میں التجاء ہے کہ بشمول اس آستان کے تمام آستانوں کو اللہ پاک اپنی رحمت کے ساتھ نوازے اور اللہ کریم بشمول میرے تمام شیوخ کو اس چیز کی توفیق دے کہ ہم لوگوں تک اللہ کے احکام کو پہنچائیں اور لوگوں کو یہ توفیق ہو کہ وہ ان کو قبول فرمائیں۔ تا کہ اگلی نسل بھی نمازیں پڑھتی رہے، کلمہ پڑھتی رہے، درود شریف پڑھتی رہے۔ پچھلوں نے تو یہ امانت ہم تک پہنچا دی ہے۔ جیسے کہ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ!

"تھے تو وہ آباء تمہارے ہی تم کیا ہو ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو"

تم کیا کر رہے ہو۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے مستقبل کا انتظار کر رہے ہو۔ تمہیں مستقبل کی کیا فکر ہے۔

"نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں"

یہ جو میں نے بیان کیا میں بصد ادب کہتا ہوں کہ میں یہ اپنے آپ کو سنا رہا ہوں۔ اگر کوئی اور بھی اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہے فبھا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی ہدایت نصیب فرمائے۔ میں آپ کی محبت، آپ کی شفقت اور آپ کے شوق کی داد دیتا ہوں کہ رات کے بارہ بجے تک بھی آپ اپنی تمام مصروفیات اور آرام چھوڑ کر مسجد کے اندر تشریف فرما ہیں اللہ کی بارگاہ میں یہ ہی التجاء کرتا ہوں کہ یا اللہ!

"مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ"

یا اللہ ہم تیرے گھر آ بیٹھے ہیں ہم پر رحم فرما۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دعا)۔

درس تصوف۔4

دورانیہ۔72منٹ۔ تاریخ۔ 20-06-2013

بمقام۔ مسجد۔ آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب، کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

گزشتہ چند محافل اس سلسلہ میں منعقد ہوئیں۔ میں تمہیداً دوبارہ اُن نشستوں کی وجہ انعقاد بھی عرض کرتا چلوں کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھا اے طالب حق تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے زمانہ میں بالخصوص اس علاقے کے لوگ علمِ طریقت سے دور ہو کر ہوس کا شکار ہو چکے ہیں اور رضائے الٰہی سے کنارہ کش ہو کر علمائے حق کے طریقہ سے بھٹک چکے ہیں۔ اب جو لوگ طریقت و تصوف کے مدعی نظر آتے ہیں وہ بھی در حقیقت اس کے خلاف عمل کرتے ہیں اور طریقت کو بدنام کرتے ہیں۔ لہٰذا ایسی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ اِس مقام تک رسائی حاصل ہو سکے۔ کہ بندہ اپنے رب کے قُرب کے حصول کے واسطے جو مروجہ طریقے ہیں ان سے آگاہ ہو سکے۔ بحمد اللہ یہ ہی غرض و غایت ہماری اس محفل کے لیے ہے۔ سیدنا علی ہجویریؒ کا یہ فرمانا کہ ہمارے زمانہ میں خاص کر اس علاقہ کے لوگ توجہ طلب ہے، کیونکہ حضرت داتا گنج بخشؒ بھی اُس زمانہ میں موجودہ پنجاب کے علاقہ میں آچکے تھے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں جس طرح انحطاط عمل پذیر ہے اسی طرح راہ الیٰ اللہ کا جو طریقہ کار ہے اس میں بھی دن بدن انحطاط و قوع پذیر ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں لوگ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کو رجوع الیٰ اللہ کی کوششوں میں شامل کر دیتے ہیں۔ اس سے حقیقی تصوف اور طریقت کا راستہ زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اِس کے باوجود یہ ضروری ہے کہ ہم اِس سلسلہ کو جاری رکھیں۔ جیسا کہ میں نے پچھلی دفعہ عرض کیا تھا کہ ہمارے سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے یہ سارے کے سارے اصولِ طریقت ہمارے تک پہنچا دیئے ہیں۔ اگر ہم ان کو آگے نہیں پہنچائیں گے تو ہم آنے والی نسلوں کی نظر میں مجرم ثابت ہوں گے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ پاک کا قانون ہے کہ جو قوم اُس کے مقرر کردہ طریقہ کار سے ہٹ جاتی ہے اللہ کریم ان کو ختم کر کے ان کی جگہ نئے لوگ لے آتا ہے۔ اِس لیے ہماری بقاء اور آئندہ نسلوں کے واسطے بھی اس طریقہ کار سے آگاہی ضروری ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے یہ بھی لکھا کہ طریقہ تصوف کی جڑ مضبوط اور اس کی شاخیں میوہ دار ہیں۔ ظاہری علوم کے علما اِس حقیقت سے روشناس ہو جائیں کہ طریقت کے تمام مشائخ صاحبان علم و معرفت تھے۔ وہ اپنے مُریدوں کو اس علم کے سیکھنے کا شوق دلاتے اور اس پر قائم رہنے کا ذوق پیدا کرتے تھے۔ یہ طریقہ کار شروع سے چلا آرہا ہے۔ نبی پاک ﷺ کے زمانہ اقدس میں اِس کی ابتداء ہوئی تھی۔ جب اصحابہ صفہؓ نے اپنی تمام تر دنیاوی مصروفیات کو قطع نظر کر کے اور بالائے طاق رکھ کر اپنی ساری زندگیاں حصول راہ الیٰ اللہ کے واسطے وقف کر دیں، اُن کے مُرشد کامل اور رہبر کامل نبی کریم ﷺ بنفس نفیس خود تھے۔ انہوں نے جو کچھ علوم اور معرفت کے جو اصول حاصل کیے اُن کی

روشنی میں آج ہم زندگی گزار رہے ہیں اور قیامت تک اسلامی معاشرہ ان کے اس کردار کو ہمیشہ خراج تحسین پیش کرتا رہے گا۔ ان کی وجہ سے احکام دین ہمارے تک پہنچے۔ گزشتہ محفل میں یہ گزارش کیا تھا کہ چونکہ ہم رجوع الیٰ اللہ سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہ وہ طریقہ کار ہے جو اللہ تعالیٰ کو پانے کے واسطے اللہ کے محبوب ﷺ نے متعین فرمایا اور اولیائے کرام اور مشائخ عظام نے اس کو جاری رکھا ہم بھی اس سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہماری زندگیاں بھی اپنے مقصد کو پہنچیں۔ ہم بھی اپنے رب کے ساتھ رسائی کا شرف حاصل کر سکیں۔ اس مقصد کے واسطے ہم نے کشف المحجوب کا رہنما کتاب کی صورت میں انتخاب کیا ہے۔ ہم اپنے اِس عمل کو اِس کے اقتباسات کی روشنی میں مزید جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ (انشاءاللہ)۔ اس میں آپؒ نے جو پہلا باب [1] تحریر فرمایا ہے وہ تحصیل علم اور اُس کی فضیلت کے بارے میں ہے۔ آپؒ نے فرمایا اللہ کریم نے قُرانِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے!

"إِنَّمَا يَخۡشَى ٱللَّهَ مِنۡ عِبَادِهِ ٱلۡعُلَمَـٰٓؤُاْۗ "(فاطر:35)

بے شک اللہ کے بندوں میں سے صرف جاننے والے ہی اللہ کا خوف رکھتے ہیں۔"مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ " بندوں میں سے وہ بندے جو علم رکھتے ہیں انہی کو اللہ رب العزت کی خشیت سے سب سے زیادہ آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ خشیت حقیقتاً خوف کا نام نہیں۔ بے شک ہماری زبان، اردو زبان، انگلش یا پنجابی اپنے معانی کے اندر عربی سے مختصر اور محدود ہے، اس کے باوجود خشیت کا معانی صرف خوف نہیں بلکہ خشیت کا معانی عظمت الٰہی، اللہ پاک کی کبریائی کا ادراک ہونا۔ اس کا مطلب ایسے نہیں ہے کہ اللہ سے ڈرنا ایسے گویا کوئی شخص کسی دُوسرے سے ڈرے کہ وہ اس کو نقصان پہنچائے گا، مار دے گا، جلا دے گا، عذاب دے گا۔ اللہ پاک کی شان اس چیز سے بالاتر ہے کہ ہم اس کو ان محدود معانی میں لے آئیں۔ لہٰذا ترجمہ کرنے والوں کو شاید الفاظ کی کمی کا احساس ہے۔ خشیت "يَخْشَى اللَّهَ " اللہ رب العزت کی کبریائی، اس کی عظمت کا ادراک رکھنے والے بندوں میں وہ ہی لوگ ہیں جو علم رکھتے ہیں اور علم کے بغیر اس چیز کا حصول ممکن نہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ علم کی کوئی حد، اس کی کوئی غایت نہیں۔ ہماری زندگی محدود و مختصر ہے۔ ہر شخص پر ہر قسم کا علم فرض نہیں۔ لیکن اتنا علم سیکھنا جس سے انسان احکام شریعت اور احکام حقیقت دونوں پر عمل پیرا ہو کر اپنی منزل حاصل کر سکے یہ ضروری ہے۔ اس کے علاوہ غیر ضروری علوم کی اللہ پاک نے مذمت فرمائی ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ علم اور عمل دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ صرف علم کو تمام تر سمجھنے والا شخص اس طرح ہے گویا وہ چکی کے ساتھ بندھا ہوا ایک گدھا ہے۔ جو دوڑ تا بھاگتا رہتا ہے مگر اپنے ہی محور میں رہتا ہے۔ بغیر عمل کے علم کا اتنا ہی کردار ہے کہ وہ کسی بھی شخص کو کوئی ذاتی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ماسوائے اس کے کہ اس نے اپنے اوپر ایک بوجھ ڈال لیا ہے۔ علم کا بغیر عمل کے کوئی جواز نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص گھر سے نکلے اور اس کو یہ علم ہی نہ ہو کہ میں نے کہاں جانا ہے۔ وہ گھومتا پھرتا رہے۔ اس کے اس عمل کو آوارہ گردی یا وقت گزاری کہا جا سکتا ہے، اس کو نہ ہی سفر کہا جائے گا اور نہ ہی کسی قسم کی منزل کی جستجو کا نام دیا جائے گا۔ اسی طرح عمل بغیر علم کے ممکن نہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنا چاہے اس کے واسطے ضروری ہے کہ اس کو قبلہ سمت کا علم ہو، اس کو طہارت کے مَسائل کا علم ہو، اس کو نماز کی نیت کا علم

ہو،اس کو ارکان نماز کا علم ہو،اس کے بغیر اس کی نماز ٹھیک نہیں ہو سکتی۔اسی طرح زندگی کے ہر پہلو میں کسی بھی شخص نے جو بھی کام کرنا ہے اس کے واسطے اس کو علم کی ضرورت ہے اس سے پہلے کہ اس نے کیا کرنا ہے۔لہذا عمل بغیر علم کے ممکن نہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ عمل کی کیا ضرورت ہے صرف علم کافی ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ علم کی کیا ضرورت ہے صرف عمل کافی ہے ان دونوں کے نظریئے باطل ہیں۔ درحقیقت علم اور عمل دونوں ایک دُوسرے کے لیے ضروری ہیں۔ جب تک ہمیں یہ آگاہی نہیں ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کے قُرب کے لیے ہمیں کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ اس وقت تک ہم جستجو نہیں کر سکتے۔لہذا علم کا ہونا حقیقت تک رسائی کے واسطے ضروری ہے۔ اسی علم کو حاصل کرنے کے واسطے ہم نے اس محفل کا انعقاد کیا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے حضرت حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر مثال کے طور پر فرمایا ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے چار باتوں کا علم ہو گیا تو میں باقی تمام چیزوں سے بے پرواہ ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کونسی چار چیزیں ہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ جب مجھے یہ علم ہو چکا کہ میرا رزق مقدر ہے جس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی،لہذا میں زیادہ کی خواہش سے بے نیاز ہو گیا۔ اس کی وجہ سے میرے بہت سارے جھگڑے اور مشکلیں آسان ہو گئی ہیں۔ ذُوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا میرے پر حق ہے اور یہ حق میرے سوا کوئی ذُوسرا ادا نہیں کر سکتا۔ لہذا میں اس کی ادائیگی میں مشغول ہو گیا۔ تیسرا یہ کہ مجھے علم ہوا کہ کوئی میرا طالب ہے اور میرے انتظار میں ہے اور وہ میری موت ہے جس سے میں راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا،لہذا میں اس سے آگاہ ہو گیا اور بے سود کوشش کو ترک کر دیا کہ جب یہ وقت آئے گا مجھے اس زندگی کو چھوڑ کا اگلی زندگی میں چلا جانا ہے،اس کے واسطے میں بے سود منصوبہ بندیوں سے میں آزاد ہو گیا، چوتھی بات یہ کہ جب مجھے یہ علم ہوا کہ میرا کوئی مالک ہے جو ہر وقت مجھے دیکھ رہا ہے لہذا میں اس سے شرم کرتا ہوں اور اس کی نافرمانی سے باز رہتا ہوں۔ان چار چیزوں نے مجھے بے شمار تکلیفوں، مشکلوں، مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات دے دی۔ علم ہونا انسان کے واسطے فائدہ مند ہے کہ وہ بے سود اور بے فائدہ محنت سے بچ جاتا ہے، بے فائدہ فکروں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور بے فائدہ محنت سے اس کی جان چھوٹ جاتی ہے۔ اگر انسان کو اس طرح کی باتوں کا علم ہو جائے تو اس کی زندگی آسان ہو جاتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے علم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک علم حقیقت اور ذُوسرا علم شریعت۔ علم حقیقت میں پھر اس کے تین اجزا ہیں۔ ایک ذات باری تعالیٰ کی آگاہی۔ ذُوسرا اللہ پاک کی صفتوں کا علم ہونا اور تیسرا یہ کہ اللہ پاک کے افعال یا اس کے کاموں کی انسان کو آگاہی حاصل ہونا۔ یہ علم حقیقت کو حاصل کرنے کے واسطے انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقام رکھا ہے۔ یہاں پر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم کیا چیز ہے؟ اور اِس کے حصول کے ذرائع کیا ہیں۔ علم کسی اطلاع کا کسی شخص کی عقل میں سمو جانا ہے۔ یہ اطلاع آنکھ سے بھی ہو سکتی ہے، کان کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے اور اُس کے دیگر حواس خمسہ سے بھی ہو سکتی ہے مثلاً چھونے کے ساتھ بھی، دیکھنے کے ساتھ بھی اور سونگھنے کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ جو علم اِن ذرائع سے حاصل ہوتا ہے وہ علم ظاہری ہے۔ اُس کا نام knowledge ہے۔ اُس کے بعد عقل اُس علم کا تجزیہ کرتی ہے

اور اُس کو اپنی سمجھ کے مطابق پرکھتی ہے اور پھر اُس پر عمل کرتی ہے۔ اُس کا نام وژنVision، بصیرت ہے۔ پھر ایک علم اور ہے جس کا نام ہے اپروچApproach۔ یہ اللہ پاک کی دین ہے۔

''وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا''(الکھف:65)

اللہ پاک فرماتا ہے کہ ہم نے اُسے اپنی جناب سے علم عطا کر دیا ہے۔ یہ علم علمِ لدُنی ہے جو اللہ پاک کی عطا ہے اور اِس کا نام اَپروچ ہے۔ جو شخص اللہ پاک کے قُرب کی لذتوں سے آشنا ہو جاتا ہے اللہ پاک اُس کو یہ علوم عطا فرما دیتا ہے۔ یہ ایک علیحدہ موضوع ہے۔ اِس پر انشاء اللہ علیحدہ گفتگو کریں گے۔ علم کے حصول کے تین ذریعے ہیں۔ ایک اپنے حواس خمسہ کے ذریعے۔ دُوسرے اس علم کو عقل کے حوالے کر کے، عقل اس میں سے مختلف علوم دریافت کرتی ہے اور تیسرے وہ علم جو اللہ تعالیٰ براہ راست عطا کرتا ہے۔ جس میں حواس خمسہ کا کوئی رول یا کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ حقیقت کے علوم ہیں اور علم شریعت حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل ہونے والا علم ہے۔ آپؒ نے فرمایا علم شریعت کے بھی تین رکن ہیں۔ ایک کتاب اللہ، قرآن کریم کا علم۔ دُوسرا سُنت رسول ﷺ کا علم اور تیسرا اجماع اُمت کا علم۔ یہ علوم بھی ضروری ہیں۔ کیونکہ طریقت شریعت پر عمل کا نام ہے۔ شریعت کے علوم کا حاصل کرنا اُتنا جتنا کسی شخص کے واسطے ضروری ہے۔ اتنا ہی کافی ہے۔ مثلاً نماز کے اتنے مَسائل جن سے اُس کی نماز ٹھیک ہو سکے۔ زکوٰۃ کے اتنے مَسائل جس سے اُس کی زکوٰۃ کی ادائیگی ممکن ہو سکے۔ روزے کے وہ مَسائل جس سے اُس کا روزہ درست ادا ہو سکے، حج کے وہ مَسائل جس کے ساتھ وہ شخص مناسک حج ادا کر سکے۔ اِن مَسائل کا اتنا علم اُس شخص کے لیے کافی ہے۔ اِس سے زیادہ اگر کسی نے حاصل کرنا ہے تو وہ by profession اُس کا ذریعہ آمدنی بھی ہو سکتا ہے اور وہ اِس کا پیشہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر شخص کے واسطے اُتنے مَسائل جن پر وہ عمل کر کے اپنی بندگی کا اظہار کر سکے وہ کافی ہیں۔ علم باری تعالیٰ کے اندر حواسِ ظاہری کا بھی عمل دخل ہے، اپنے وژن اور بصیرت کا بھی عمل دخل اور اس کے بعد علم لدنی کا بھی عمل دخل ہے۔ یہ تین چیزیں اللہ پاک کی ذَاتِ اَقدَس، اس کی صفتیں اور اس کے افعال اس کی طرف انسان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس کے بعد ایک مرحلہ آتا ہے جس کا نام مشاہدہ ہے۔ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ وہ صفت عطا کر دیتا ہے، وہ ادراک دے دیتا ہے، باطن کی وہ آنکھیں عطا کر دیتا ہے جس کے ساتھ وہ ذات باری تعالیٰ کا ادراک کر سکے، اُس کی صفتیں اُس کو محسوس ہوں۔ اُس کے افعال کا اُس کو علم ہو سکے۔ یہ مشاہدہ اِن تین علوم کے بعد آتا ہے۔ اِس سِلسلہ میں اگر کوئی سوال کسی کے ذہن میں ہو، آج نہیں تو آئندہ محفل میں تاکہ آپ کی شمولیت کا اظہار ہو سکے۔ گزشتہ محفل میں میں نے تین سوالوں کا جواب دیا تھا جو میں نے خود ہی اٹھائے تھے۔ علم کے بارے میں اگر کسی شخص کو کوئی بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔ علم عمل کے واسطے ضروری ہے اور عمل دو چیزوں کے واسطے ضروری ہے، ایک ایمان کے واسطے اور دُوسرا اس پر عمل درآمد کے واسطے علم کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر نہ ہی ایمان حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل درآمد ہو سکتا ہے۔ علم کے جو مختلف ذرائع ہیں میں نے وہ عرض کیے ہیں اور علم کی تعریفDefinition بتائی ہے کہ

علم کیا چیز ہے۔ علم کا وجود انسان کے واسطے ضروری ہے۔ جس کے ساتھ نہ صرف اُس کی منزل آسان ہو جاتی ہے بلکہ غیر ضروری بوجھ اُس سے اتر جاتے ہیں۔ اللہ پاک نے قُرانِ پاک میں اپنے محبوب ﷺ کی شان بیان فرمائی ہے کہ وہ ان پر سے غیر ضروری بوجھ اتار دیں گے۔

"وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالأَغْلاَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ " (الاعراف:157)

یہ میرے آقا ﷺ کی برکت ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی حاصل ہو گئی ہے۔ اُن کے نسبت سے اور اُن کی نسبت رکھنے والے اُن افراد سے جن کو اُنہوں نے اِس علم کی اجازت بخشی ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں علم تک رسائی نصیب کرے اور اس کے واسطے جستجو کرنے کی ہمارے اندر ہمت پیدا فرمائے اور اِس علم کے حصول کو ہمارے لیے آسان کر دے جس کے ساتھ ہم اس کے مقرر کردہ ظاہری احکام پر عمل کر سکیں اور اس کی ذات تک بھی ہماری رسائی ہو سکے۔ علم ان دو چیزوں پر محیط ہے۔ اس کے بغیر ان دونوں تک رسائی ممکن نہیں۔ نہ ہی شریعت پر عمل ہو سکتا ہے نہ اللہ تعالیٰ کے قُرب اور اس کی صفتوں اور اس کی حکمتوں تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ ان سب کے واسطے جو ذریعہ استعمال ہوتا ہے اس کا نام علم ہے۔ اور ہم علم حقیقت اور علم شریعت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ علم اس کے علاوہ بھی بے شمار ہیں۔ جتنے بھی دُنیاوی علم ہیں سب کے سب انسان کے ظاہری پانچ حواس کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ یا پھر اُن کے اندر کسی بھی شخص کی بصیرت کو عمل دخل ہوتا ہے۔ جیسا کہ سائنس، میڈیکل یا انجینئرنگ یا اِس طرح کے دیگر شعبے، بے شمار شعبے ہیں۔ علم کی کوئی حد نہیں۔ اِن سب کا منبع اور ذریعہ انسان کے حواس خمسہ ہیں۔ وہ دیکھ کر یا اُن پانچ حواس سے کام لے کر اِن علوم کو حاصل کرتا ہے اور اُن کو اپنی عقل سے پرکھتا ہے۔ اُس کے بعد وہ اپنی بصیرت کے ذریعے اِن علوم کو ایک نئی شکل دے دیتا ہے۔ جیسا کہ نیوٹن نے سائنس کو سٹڈی Study کیا اور اُس کے بعد اپنی بصیرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اُس نے یہ تھیوری Theory دی کہ مادے کو فنا کیا جا سکتا ہے اور ایٹم کو توڑا جائے تو انرجی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اُس کی بصیرت تھی لیکن ایک علم اِس سے بھی آگے ہے اور اُس علم کا دارومدار Approach رسائی پر ہے۔ یہ رسائی "وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا "(الکھف:65) یہ اللہ کی طرف سے براہ راست حاصل ہوتی ہے۔ اِس کے طریقے مختلف ہیں۔ ظاہری حواس خمسہ سے لیکر بصیرت بھی اُس میں شامل ہے۔ اللہ رب العزت نے اِس کے اندر اِس کے علاوہ بھی ذرائع عطا فرمائے ہیں جن میں باطن کا ایک بہت بڑا عمل دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے باطن کو ایسی حِس عطا فرما دیتا ہے کہ وہ ان باتوں سے واقف ہو جاتا ہے جس سے دُوسرے اپنی ظاہری تمام تر استعداد حاصل کر کے بھی واقف نہیں ہو سکتے۔ اس علم کے بارے میں ہم نے جستجو کرنی ہے۔ ہمارا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہم ذاتِ باری تعالیٰ جو اس کائنات کی جان ہے اور جس کی عبادت ہم پر فرض کی گئی جس کی بندگی کا اقرار ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ ہم اس کے قُرب کی لذتوں سے آشنا ہو سکیں اور ہم اس کی صفتوں اور اُس کی حکمتوں سے باخبر ہو کر اپنی اس زندگی کو کماحقہُ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ڈھال سکیں۔ یہ علم ہر شخص کے واسطے فرض عین ہے اور ضروری ہے۔ باقی تمام تر علوم اِس ظاہری زندگی کے واسطے ہیں لیکن جو علم میں اب گزارش کر رہا ہوں، علم حقیقت یہ انسان کی ظاہری زندگی اور باطنی زندگی دونوں کے واسطے ضروری ہے۔ اس سے نہ صرف انسان کی ظاہری زندگی کے بوجھ کم ہو جاتے ہیں بلکہ اس کی

خوشیاں بڑھ جاتی ہیں، تکلیفیں ختم ہو جاتی ہیں، اس کو اپنے خالق، مالک تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ لامحدود قوتوں کی حد تک پہنچ کر ان کے ساتھ آشنائی اختیار کرتا ہے اور ضرورت پڑنے پر ان قوتوں کا حصول اس کے واسطے ممکن ہو سکتا ہے۔ اقبالؒ نے فرمایا کہ!

"کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُن کے زورِ بازو کا　　　نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"

علم حقیقت انسان کو لامحدود قوتوں تک لے جاتا ہے اور زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ [پچ] بھی دیتا ہے، جس سے اللہ کی بارگاہ میں حضوری کا شرف بھی حاصل ہوتا ہے۔ یہ علم انسان کی آخرت بھی کامیاب کر دیتا ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ ہم علم حقیقت کی جستجو کریں۔ اس کے حصول کے واسطے قدم بڑھائیں۔ آج کا موضوع کیوں کہ صرف علم کی اہمیت کے بارے میں تھا اس لیے اس کے بارے میں کچھ باتیں گزارش کی گئیں۔ کیونکہ سارا دن بے شمار لوگوں سے ملاقات کرنا یہ بھی میرے فرائض میں شامل ہے۔ آج بھی تقریباً ڈیڑھ ہزار لوگوں سے زائد افراد کے ساتھ ملاقات کر کے اب میں آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ لیکن بہر حال ہر چیز کا اپنا مقام ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کام کے اندر مصروف رہے تو اس کا کھانا پینا اپنی جگہ پر ضروری ہے، اس کا آرام اپنی جگہ ضروری ہے۔ یہ علم حقیقت تک رسائی ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت صرف اس دُنیا کی نہیں اس سے اگلی دُنیا کے بارے میں بھی ہے۔ اس واسطے ہمیں اس علم کے لیے جستجو کرنے کا اپنے اندر ارادہ، حوصلہ اور ہمت پیدا کرنی ہے۔ تاکہ ہم اپنے مقصد پیدائش کو پا سکیں، اللہ نے ہمیں کس مقصد کے واسطے پیدا کیا ہے، فرمایا!

" وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ"(الذاریات:56)

ہم اپنی زندگی کے مقصد کو پا سکیں۔ ہم اپنی زندگی کے بوجھ اور اس کی مشکلوں سے نجات حاصل کریں اور ہم مقصودِ کائنات اور مقصودِ زندگی اللہ رب العزت تک رسائی حاصل کر سکیں اور یہ اس علم حقیقت کے بغیر ممکن نہیں۔ کوئی شخص اپنی جگہ لاکھ سوچتا رہے اس کی مثال حضرت داتا گنج بخشؒ نے ایسے گدھے کی دی ہے جو آٹے کی چکی پر بندھا ہوا ہو اور سارا دن ایک محور پر گھومتا رہے اور نہ آگے جا سکے نہ پیچھے آ سکے۔ بہر حال اس علم کے حصول کے واسطے فقط ایک ہی راستہ ہے کہ انسان اپنے رہبر کے ذریعے حقیقت کی جستجو کرے، نیت بنائے، ربط کرے اور پھر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے۔ "سپردم بہ تو مایہ خویش را۔ تو دانی حساب کم و بیش را"۔ جب تک انسان اپنے آپ کو اس کے سپرد نہیں کرتا اس وقت تک یہ منزل حاصل کرنی ممکن نہیں۔ پچھلی محفل میں میں نے یہ ہی گزارش کی تھی کہ!

"جس دے نال میں نیوہ لگایا اُوہدے وَرگی ہوئی"

اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان مکمل Faith کا مظاہرہ کرے، اس پر تمام تر اعتماد کا اظہار کرے اور اپنی منزل کو پالے۔ جو شخص کسی منزل کے واسطے کسی رہبر کا انتخاب نہیں کرتا وہ راستہ میں رُل جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ!

"راہ دے راہ دے ہر کوئی آکھے، میں وی آکھاں راہ دے　　　بن رہبر کامل راہ ہتھ نہ آوے رُل مرسیں وچ راہ دے"

جب تک یہ چیز اختیار نہ کی جائے انسان کا سفر شروع ہوتا ہے اور نہ اس کی منزل مل سکتی ہے۔ علم کا پہلا درجہ یہ ہی ہے کہ انسان رہبر کامل پر مکمل اعتماد کرلے اور پھر جو کچھ وہ بتاتا جائے وہ اس کے مطابق کرتا جائے۔ اللہ رب العزت اس کی رہنمائی خود فرماتا ہے اور اس کو اپنی منزل تک لے جاتا ہے۔ جو کہا گیا اور جو سنا گیا اللہ رب العزت اس کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ اگرچہ کشف المحجوب کے اندر علم کے سلسلہ میں مزید مضمون بھی موجود ہیں۔ لیکن ہم صرف اتنا ہی بیان کر رہے ہیں جتنا ہمیں عملی طور پر ضرورت ہے۔ کیونکہ حضرت داتا گنج بخشؒ کا یہ مقام ہے کہ ''ناقصاں راپیر کامل، کاملاں را رہنما''۔ انہوں نے اس کتاب کے اندر ہر درجے پر پہنچے ہوئے شخص کی رہنمائی کی ہے۔ جس وقت جس منزل کا اس شخص کا وقت آئے گا اس کو اس سے رہنمائی حاصل ہو جائے گی، انشاء اللہ۔ علم کی اہمیت کے بعد آپؒ نے اس میں کچھ بزرگوں کے اقوال بیان فرمائے ہیں۔ کہ مختلف مشائخ عظام اور اولیائے کرام نے علم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیسے فرمایا ہے۔ یہ اُن کے تجربے بھی ہیں اور اُن تجربوں سے جو کچھ نتیجہ حاصل ہوا اُس کا بھی ذکر ہے۔ آپؒ نے حضرت محمد بن فضلؒ کا قول درج فرمایا ہے کہ علوم تین طرح کے ہیں۔ علم مِن اللہ۔ علم مَع اللہ اور علم بِاللہ۔ یہ ساری گفتگو علم حقیقت کے بارے میں ہے۔ اس کی ہمیں زیادہ ضرورت ہے۔ باقی تمام علم ڈاکٹری کا علم ہو، انجینئرنگ کا علم ہو یا کسی اور شعبہ کا سائنس ہو، جومیٹری ہو یا فلسفہ ہو یہ تمام تر علوم اس ظاہری زندگی کے واسطے ہیں، کسی کو کیا پتہ کہ اس کی زندگی کے کتنے سانس باقی ہیں۔ جس علم کا یہاں پر ذکر کیا جارہا ہے یہ علم اس دُنیا کے واسطے بھی اور اگلی دُنیا کے واسطے بھی ضروری ہے۔ اس کا حاصل کرنا فرض عین ہے اور جو شخص اس علم کو حاصل نہیں کر سکتا اس کے واسطے قُرانِ پاک نے فرمایا ہے کہ جو اِس علم سے دُنیا میں اندھا رہا، نہ حاصل کر سکا، آخرت کے اندر بھی اُس کو اندھا اٹھایا جائے گا۔ اِس علم کا حصول سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اس زندگی کے واسطے بھی اور اگلی زندگی کے واسطے بھی۔ آج کی میری گزارشات علم حقیقت کی اہمیت کے بارے میں ہیں۔ اس کے بارے میں بزرگانِ دین نے جو اقوال بیان فرمائے ہیں انشاء اللہ العزیز آئندہ محفل میں بشرط توفیق ہم اُن کا ذکر اس واسطے کریں گے کہ ہمارے واسطے اس علم کا حصول آسان ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ منزل پر جانے والے شخص سے پوچھا جاتا ہے کہ اس طرف کی سڑکیں اچھی ہیں یا کہ دُوسری طرف کی اچھی ہیں۔ جس طرف ٹریفک اچھی ملتی ہو، گاڑیاں ٹھیک ہوں، سڑک اچھی ہو، سفر جلدی طے ہو جائے، بندہ پھر فیصلہ کرتا ہے کہ چلو ہم اسی راستہ سے چلتے ہیں۔ آگے چل کر اس باب کا جو دُوسرا حصہ ہے مختلف بزرگانِ دین نے اس علم کے حصول میں جو تجربے کیے ہیں، یا ان کو جو تجربے حاصل ہوئے اور انہوں نے اس معاملے میں جو نتیجہ نکالا ہے اس کے بارے میں کچھ گزارشات کرنی ہیں۔ وہ بشرط توفیق آئندہ انشاء اللہ۔ آج کی محفل حصولِ علمِ حقیقت کے بارے میں تھی۔ اس کے بارے میں کسی شخص کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو وہ پوچھ سکتا ہے۔

تقویٰ کے بارے میں سوال۔

آج علم کے بارے میں بیان کیا جارہا ہے۔ جب تقویٰ کا موضوع آئے گا تو پھر آپ تقویٰ کے بارے میں سوال کیجئے گا میں اس کا جواب دوں گا۔ میں صرف یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے کیا آپ نے کچھ سمجھا ہے کہ نہیں۔ علم کے بارے میں آپ کوئی بات پوچھنا چاہیں تو پوچھ سکتے ہیں۔

سوال۔ علم حقیقت کی جستجو کس طرح ممکن ہے ؟اور کون سا ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم علم حقیقت حاصل کر سکتے ہیں ؟

جواب۔ میں نے یہی ابھی عرض کیا ہے کہ علم حقیقت کے حصول کے تین ذریعے ہیں۔ ایک آپ کے حواس خمسہ۔ دُوسرا آپ کی اپنی عقل کا علم کو پرکھنا۔ جو کچھ آپ نے سنا ہے اس کو آپ نے اپنی عقل کے پیمانے پر رکھ کر اس سے نتیجہ اخذ کرنا ہے کہ کیا میں نے جو کچھ بات سنی ہے کیا یہ درست ہے یا غلط ہے اور اس میں آپ کا تجربہ بھی شامل ہو جائے گا اور تیسرا علم لدنی کہ اللہ تعالیٰ انسان کو آگاہی عطا فرما دے۔ اگر یہ تین چیزیں حاصل ہو جائیں تو علم حقیقت اس کے بعد حاصل ہو تا ہے۔ اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اب اس سوال کا دُوسرا حصہ تھا کہ ہم اس کو کیسے حاصل کر سکتے ہیں اس کا فقط اتنا ہی جواب ہے کہ !

"فنا اتنا تو ہو جاؤں میں تیری ذات عالی میں   کہ جو مجھ کو دیکھ لے اس کو تیرا دیدار ہو جائے"

جب تک کسی بھی شخص کو مُرشد کامل پر پورا اعتماد نہ ہو جائے اور اس کا ساتھ مکمل طور پر اس کو حاصل نہ ہو جائے علم حقیقت کا حاصل ہونا ممکن نہیں۔ اسی واسطے بلھے شاہؒ نے کہا تھا کہ !

"اُٹھ بُلھیا اُٹھ یار منا لے لا کے سِر دِی بازی"

باقی شعر میں بیان نہیں کرتا۔ انہوں نے یہ مضمون بڑی طوالت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ علمِ حقیقت ایسا علم ہے جس میں سنی سنائی اور صرف تجربہ کچھ نہیں کرتا۔ اس میں جب تک انسان کے باطن کی آنکھ نہ کھل جائے اور وہ قُرب باری تعالیٰ کے ادراک کا مستحق نہ ہو جائے اس کو علم حقیقت کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ اگر علم حقیقت حاصل نہ ہو تو سمجھیں کہ اس کو ایمان کبھی مل ہی نہیں سکتا۔ ایمان نام ہے اللہ پاک کے حاظر ناظر ہونے پر یقین کا۔ اگر یہ یقین بن جائے تو ایمان ہے اگر نہ بنے ایمان نہیں ہے۔ اور حاظر ناظر ہونے کا یقین تب ہی ہونا ہے کہ بندے کو اللہ پاک کی پہچان، اس کی معرفت اور اِس کا ادراک حاصل ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ !

"بن کامل رہبر راہ ہتھ نہ آوے"

یہ اِس کے بغیر ممکن نہیں۔ جو شخص کسی راہ کا راہی ہو تا ہے وہ کسی کو اچھے طریقے کے ساتھ اس راستہ سے گزار کر منزل تک پہنچا سکتا ہے۔ راہِ حقیقت کے متلاشی کو حصولِ مُرشد کامل کی ضرورت ہے اس کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ اس بارے میں صرف صوفی شعراء نے ہی کلام نہیں لکھا بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام صوفیاء، مشائخ، بزرگ، اولیا، تابعین سب کا ایک ہی طریقہ کار رہا ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی اگر آپ سوانح حیات ملاحظہ فرمائیں تو آپ نے حضرت سری سقطیؒ سے بیان فرمایا ہے۔ ابھی کیونکہ اس بیان کا وقت نہیں آیا تفصیلاً میں عرض کروں گا کہ ان بزرگوں نے اپنے مشائخ پر کس طرح اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ میری اقتداء طریقت میں حضرت شیخ ابو الفضل الختلیؒ سے ہے اور میں نے جو کچھ ان سے پایا اس کے بعد میں دُنیا اور مافیہا سے بے نیاز ہو گیا۔ حقیقت حاصل ہوئی تو بے نیاز ہوئے۔ لیکن ان کا طرز عمل یہ تھا کہ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب میرے مُرشد کا انتقال ہوا

ان کا سر میری گود میں تھا۔ یعنی جب تک یہ تعلق پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک اس چیز کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ میں جتنی بھی تفصیل بتاؤں، جتنی بھی تشریح کروں یہ چیز ذہن نشین نہیں ہو سکتی۔ کہتے ہیں کہ " راہ پیا جانے تے واہ پیا جانے"۔ جس طرح دل دل کی باتیں بوجھتے ہیں زبان کی بات دل تک ایسے نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ کرے یہ تعلق مضبوط ہو جائے۔ آگے انشاء اللہ بزرگان دین کے اقوال آئیں گے ہم وہ بھی گزارش کریں گے۔ ان کے ساتھ یہ بات مزید واضح ہو جائے گی کہ علم حقیقت کے حصول کے تین ذریعے ہیں اور اس کا واحد منبع مُرشد کامل کی ذات ہے۔ علم کے بارے میں اگر اور کوئی سوال ہو تو پوچھا جا سکتا ہے۔

سوال۔ بعض لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ شریعت اور طریقت دو جدا جدا راستے ہیں؟ اسی ضمن میں وہ اپنے ارادت مندوں میں اس بات کا اظہار کرتے ہیں اور علما اور اولیا کرام کو دو مختلف گروہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

جواب۔ آپ نے بڑی اچھی بات کی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس بات کی پہلے ہی نفی فرما دی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کی طرف سے زندگی گزارنے کے جو احکامات نازل ہوئے ہیں اس کا نام شریعت ہے اور اس پر عمل کا نام طریقت ہے۔ شریعت یہ سمجھ لیں کے ایک علوم کا خزانہ ہے ان علوم پر عمل کرنا حقیقت یا طریقت ہے۔ طریقت اور شریعت دو چیزیں کبھی بھی نہیں ہوئیں اور نہ ہو سکتی ہیں۔ جو لوگ اس کا اظہار کرتے ہیں وہ بذات خود جاہل ہیں۔ انہیں اس چیز کا علم ہی نہیں کہ طریقت کیا چیز ہے۔ میں صرف ایک مثال دیتا ہوں نماز کی۔ نماز صرف اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ ایک بندے کو مولوی صاحب نماز کے سارے مَسائل بتا دیتے ہیں، طہارت سے لے کر سلام پھیرنے تک کیا اس کی نماز درست ہو جائے گی۔ میرا جواب نفی میں ہے۔ جب تک اس کی نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری کا احساس پیدا نہ ہو، رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا،" لاصلوۃ الی الخشوع"، نماز نہیں جب تک اس کے اندر خشوع، حضوری کی کیفیت نہ آئے۔ حضوری آنا یہ طریقت ہے اور سجدہ رکوع کرنا یہ شریعت ہے۔ اب آپ ان دونوں چیزوں کو جدا نہیں کر سکتے۔ اگر جدا کریں گے تو نہ نماز رہے گی نہ حقیقت رہے گی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ حقیقتاً جاہل ہیں۔ نہ ان کو شریعت کا کوئی علم ہے۔ جاہل صوفی۔ داتا صاحبؒ نے اس کتاب میں ان کے بڑے بل کَسے ہیں، " لتے" لیے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے ان کے لیے لفظ لعنت بھی استعمال کیا ہے۔ یہ بیماری جو ہے اسی نے اس شعبہ کا بیڑہ غرق کیا ہے۔ آج ہم لوگ نماز پڑھنے آتے ہیں، جیسے آتے ہیں ویسے ہی واپس چلے جاتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم نماز پڑھ کر نکلیں تو ہمارے دل کی گہرائیوں میں نماز کی ٹھنڈک موجود ہو۔ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "الصلوۃ معراج المؤمنین"۔ کبھی ہم نے اپنی نمازوں میں معراج کی کیفیت پائی ہے۔ اگر یہ کیفیت نہیں پائی تو یہ شریعت اور طریقت کو الگ الگ کرنے کا نتیجہ ہے۔ جاہل صوفیوں کا یہ عمل ہے۔ شریعت اور طریقت حقیقت میں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر شریعت ہو گی تو اس پر عمل درآمد کا نام طریقت ہے۔ اگر طریقت نہیں ہے تو شریعت بھی نہیں ہے۔

سوال۔ اگر کسی کا اپنے مُرشد پر اعتماد نہ بن رہا ہو تو پھر اُس کو کیا کرنا چاہیے ؟

جواب۔ یہ بات میں نے لاہور میں تفصیلاً بیان کی تھی۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آپ نے اس پر اعتماد کرنا ہے، کس طرح کریں گے ؟ اس

سے پردہ نہ رکھیں۔ اپنے آپ اعتماد پیدا ہو جائے گا۔ پردہ نہ رکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ جا کر اس کو بتائیں کہ میں نے کھانا کھا لیا ہے، میں سویا ہوا ابھی اٹھا ہوں، میں نے فلاں کام کر لیا ہے، یہ نہیں بلکہ آپ اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا لیں کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کو اس کا پتہ ہے۔ میرا اس سے پردہ نہیں۔ اپنے آپ کو بندہ دھوکہ نہیں دے سکتا۔ جب بھی وہ سوچے گا کہ میں یہ کام کرنے لگا ہوں اس کا اس کو پتہ نہ چلے تو وہ اس سے خود اپنے آپ کو چھپا لے گا۔ یہ ایسے ہی کہ جیسے کوئی دریا میں اُترے اور واٹر پروف لباس پہن کر اُترے کہ دریا میں اتر کر بھی خشک رہے۔ یہ اعتماد حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آپ اس سے پردہ نہ رکھیں۔ بتائیں بے شک مَت۔ مگر آپ کے دل میں یہ احساس ہو کہ یہ جو بات ہے اس کا اس کو پتہ ہے۔ یہ چیز اگر پک گئی تو اعتماد خود بخود بن جائے گا۔ اب یہ "راہ پیا جانے تے واہ پیا جانے"۔ اب کوئی اس کو آزما کر دیکھے۔ یہ بات کہنی بڑی آسان ہے مگر اس پر عمل انتہائی مشکل ہے۔ اکثر اوقات میں نے اپنے ساتھی درویشوں کو دیکھا ہے جب ساتھ ہوں گے تو سر پر ٹوپیاں پہنے رکھتے ہیں جب بازار جائیں گے تو ٹوپیاں اتار کر اپنی جیبوں میں ڈال لیں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ ٹوپی انہوں نے دکھاوے کے لیے پہنی ہوئی ہے۔ بازار جائیں گے تو کہیں گے کہ اب اس کو کوئی پتہ نہیں۔ یہ پردہ ہو گیا۔ یہ پردہ اعتماد پیدا نہیں ہونے دیتا۔ وہ پھر پاس رہ کر بھی دور ہی رہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کوئی آیا اور لے کر چلا گیا اور کوئی عمر بھر بھی پا نہ سکا۔ یہ صرف اس بات پر دارومدار ہے کہ کوئی کتنا پردہ رکھتا ہے۔ ہر کوئی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ سکتا ہے کہ کوئی کتنا پردہ رکھتا ہے۔ ہر کسی میں یہ بیماری موجود ہے۔ اللہ کرے اس بیماری سے شفاء مل جائے۔ باقی سب کام آسان ہیں۔ کہتے ہیں کہ جگ بیتی سے آپ بیتی اچھی ہے۔ یہ کوئی آزما کر دیکھ لے۔ یہ پردہ جس وقت ہٹا لیں گے پھر انشاء اللہ "جس دے نال میں نیوہ لگائی اوہدے ورگی ہوئی"۔ داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کا لباس پہن کر بندہ پھرتا رہے وہ صوفی نہیں بن جاتا۔ جب تک وہ اس کو اپنے اندر اتار نہیں لیتا۔ اگر وہ اندر اتر گیا تو پھر پردہ کس چیز کا رہا۔ وہ اندر اترے گا تب جب آپ اس سے پردہ نہیں کریں گے۔ یہ عملی باتیں ہیں۔ اس پر عمل بہت مشکل ہے۔ یہ آپ نے جو نقطہ پوچھا ہے یہ بیماری تقریباً سو فیصد پائی جاتی ہے۔ میں نے تو ابھی چھوٹی سی مثال دی ہے ابھی تو اور بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔ بندہ اپنی طرف سے پردہ کرے کہ یہ بات اس کو پتہ چلے گی تو میرا اس کی نظروں میں مقام گر جائے گا۔ اس کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ یہ اس بندے کا تعلق نہیں بلکہ اللہ کا تعلق ہے۔ وہ بندہ تو ذریعہ بنا ہے۔ مُرشد کا مطلب ہے رہنمائی دینے والا۔ اصل ذات تو رب کی ذات ہے۔ پیار تو رب کی ذات کے ساتھ کرنا ہے۔ اس کی صفت ہے۔

"إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ"(ال عمران:119)

اللہ تعالیٰ دل کی گہرائیوں تک جانتا ہے۔ اس سے پردہ کر کے کیا کرنا ہے۔ اس سے پردہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہم اس بات پر مجبور ہیں کہ ہم پردہ کر کے رہتے ہیں۔ درحقیقت پردہ اپنے دل پر ڈالتے ہیں اس کو کوئی پرواہ نہیں۔ دریا کا کام ہے برتن کو بھر دینا۔ چاہے وہ ٹینکر ہو، گھڑا ہو یا پیالہ ہو۔ جو اپنا پیالہ الٹا کر لے اس نے پھر کیا بھرنا ہے اور جس کا پیالہ سیدھا ہے وہ چاہے ٹینکر بھر لے۔ اعتماد کرنے کی بات ہے۔ یہاں پر ہی سارے مار کھاتے ہیں۔ اگر یہ کام ہو جائے تو باقی سارے کام سیدھے ہو جاتے ہیں۔ اسی کو ہی تو حاظر ناظر کہتے ہیں۔ یہیں سے شیطان بھی پھسل گیا تھا

اور یہیں سے باقی سارے لوگ بھی پھسلتے ہیں۔ جب تک حاظر ناظر تک نہیں پہنچیں گے۔ صورت کو آپ نے صرف نشانی کے طور پر اپنایا ہے ہم عبادت اللہ کی کرتے ہیں۔ مُرشد اس کا ذریعہ ہے۔ مُرشد خدا نہیں خدا نما ہے۔ اللہ کی طرف بندے کی توجہ کروانے والا اس کا دھیان اللہ کی طرف کروانے والا کہ بھائی یہ بھی ایک راستہ ہے اس کو اپنالیں۔ اصل ذات رب کی ہے۔ اگر اس کے ساتھ محبت کریں گے تو وہ محبت رب کے ساتھ ہو گی۔ اللہ تو ہمیں نظر نہیں آرہا اور جو نظر آرہا ہے وہ اس کی نشانی ہے اس کے ساتھ اگر پردہ کریں گے تو وہ پردہ پھر رب کے ساتھ ہی ہو گا۔ اگر آپ کسی حکومت کے ترجمان کے سامنے بیان دیں گے تو وہ بیان آپ کا حکومت کی پالیسی پر بیان تصور ہو گا۔ مُرشد اللہ کا ترجمان ہوتا ہے۔ جب تک آپ یہ یقین نہیں رکھیں گے تو آپ آگے چل ہی نہیں سکتے۔ یہ اگلی بات ہے کہ اس کے ساتھ پردہ کرنا چھوڑ دیں تو فاصلہ دنوں میں طے ہو جاتا ہے۔ بندہ کسی نہ کسی جگہ پر آکر یہ کہتا ہے کہ یہ بات اس کو پتہ نہ چل جائے۔ اس کی نظروں میں میری عزت نہیں رہ جائے گی۔ یہ بات بندے کا سفر خراب کر دیتی ہے۔ وہ پھر راستہ میں ہی رہ جاتا ہے۔ یہ بیماری مِن حَیثُ القوم سب میں پائی جاتی ہے۔ کسی میں تھوڑی کسی میں زیادہ۔ اللہ اس سے نجات عطا فرمائے۔ یہ ہی اعتماد حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے کہ اس سے پردہ نہ کیا جائے۔ اس کو بتانے کی ضرورت نہیں، وہ جانے کہ اس کو پتہ ہے۔ جو دل کی گہرائی تک دیکھتا ہے میں نے اس سے کیا چھپانا ہے۔ اس کے باوجود چھپائے تو بے وقوفی ہے، مُنافقت ہے۔ اس کا دُوسرا نام مُنافقت ہی ہو سکتا ہے۔ یہ سبق اللہ کرے یاد ہو جائے۔ یہ مشکل سبق ہے، یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔

"تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دُوسرا نہیں ہوتا"

جب کہیں اکیلا ہو تو یہ سمجھے کہ وہ میرے پاس ہے اور میں اکیلا نہیں ہوں۔ تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دُوسرا نہیں ہوتا۔ یہ خیال پردے کو آہستہ آہستہ دور کرتا ہے۔ اللہ کرے یہ سبق یاد ہو جائے۔ میں نے اب سارا عملی طریقہ بتا دیا ہے۔ مُرشد غیب کے علوم نہیں جانتا لیکن ہم نے اس کو اللہ کی نشانی قرار دے دیا ہے۔ اللہ ہمیں نظر نہیں آرہا، کچھ نے تو یہ کہہ دیا کہ اللہ ساتویں آسمان کے اوپر ہے، انہوں نے آیہ مبارکہ "الرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی" (طٰہٰ:5) کی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ اللہ پاک ساتویں آسمان سے اوپر ہے، یعنی آپ فارغ ہو گئے اب جو مرضی کرتے رہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہاری شہ رگ سے بھی نزدیک ہوں۔ یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ بندے کو یہ یقین آجائے اور پھر اس سے پردہ نہ رہے۔ مُرشد کی صورت کو ہم نے اپنی بشری مجبوری کے واسطے ذریعہ بنایا ہے۔ بے صورت تک پہنچنے کا ذریعہ صورت ہے۔ پہلے مُرشد پھر رسول پھر اللہ۔ یہ ذریعے ہیں۔ اصل ذات اس کی ہے، اس سے کوئی پردہ کیا کرے گا۔ لیکن ہم پھر بھی اس سے پردہ کرتے ہیں اور منافقت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ کرے کہ اس پردے سے ہماری جان چھوٹ جائے۔ یہ پردہ سب اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں سب کے اندر کسی کے اندر تھوڑا، کسی کے اندر زیادہ موجود ہے۔ اس کے بارے میں ہی میں زیادہ گزارشات کرتا ہوں یہ بڑا ہی نازک معاملہ ہے۔ اس کے بارے میں اکثر ری ایکشن بھی دیتا ہوں۔ کوئی میرے ری ایکشن کو ذاتی بے ادبی تصور نہ کرے۔ میں صرف اصول عرض کر رہا ہوں۔ اگر کسی شخص کو اس پردے پر میں ناراض بھی ہوا ہوں تو اس کی ذات سے مجھے کوئی غرض نہیں۔ میں صرف اس عمل

کو دور کرنے کے واسطے ہوا ہوں۔ بخدا میں نے کسی سے کچھ نہیں لینا۔ لیکن جو درویش زیر تربیت ہوتے ہیں ان سے بعض اوقات ان باتوں پر ریش بھی ہونا پڑتا ہے، غصہ ہونا پڑتا ہے، اُن کو اِس چیز پر زور بھی دینا ہوتا ہے اور تاکید بھی کرنی ہوتی ہے کہ پردہ نہ رکھیں۔ ناراض بھی ہونا پڑتا ہے۔ لیکن وہ ناراضگی اُن کی ذاتی بے ادبی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اِس بیماری کو دور کرنے کے واسطے ہوتی ہے۔ لہذا میں جن سے اِس بات پر ناراض ہوا ہوں وہ اس چیز سے آگاہ ہو جائیں اور اس کو بخدا اپنی ذاتی بے ادبی تصور نہ کریں، کیونکہ میری ان کے ساتھ کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ بخدا میں مسجد کے محراب میں منبر پر موجود ہوں، میری ان سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ان کو اپنا مقصد حیات حاصل ہو۔ پردہ اپنی زندگی میں سے نکال دیں تو ان کو ان کا مقصد حیات حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ جس طرح سامنے ہوں، پیچھے بھی ویسے ہی رہیں۔ فرق نہ آئے۔ اللہ کرے یہ بات پلے پڑ جائے، آج کی یہ بات سمجھ آ گئی تو سارے مَسائل ہی حل ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ !

”عشق کی ایک جست نے طے کر دیہ قصہ تمام　　　　اس زمیں و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں“

بظاہر یہ چھوٹی سی منزل نظر آتی ہے مگر یہ بہت بڑی منزل ہے۔ اللہ پاک جس کسی کے نصیب کرے۔ اس میں بڑے بڑے سال لگ جاتے ہیں۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ بہر حال نیت تو کرنی چاہیے۔ ہمیں اپنے دل سے پردے کو ختم کرنا ہے، مُرشد کو جا کر بتانا ضروری نہیں ہوتا۔ اپنے آپ کو تو بندہ دھوکا نہیں دے سکتا۔ یہ کبھی نہ سوچیں کہ میں یہ کام کرنے لگا ہوں اُس کو اِس کا پتہ نہ چلے۔ وہ ہر چیز دیکھ رہا ہے۔ وہ خالق کائنات ہے اُس کو اِس چیز کا کیسے پتہ نہیں چلے گا۔ یہ مُنافقت ہے کہ اُس کی خدائی میں رہتے ہوئے بندہ اُس سے ہی پردہ کرنے لگ جائے۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ آج آپ نے میری گفتگو میں دلچسپی لی ہے۔ آپ نے میری باتیں سنی ہیں اور اُن پر اپنا اظہار کیا ہے۔ مجھے بھی اطمینان ہوا کہ کوئی میری بات بھی سُن رہا ہے۔ ورنہ پھر میں اکیلا علیحدہ بیٹھ کر کتاب پڑھ لیتا۔ یہ ایک عالمی حقیت ہے کہ دن چڑھا ہوا ہو اور کوئی کہے کہ سورج نہیں چڑھا ہوا۔ پھر اُس کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے ہر وقت واقف ہے۔ کوئی پتہ اُس کی اجازت کے بغیر نہیں ہل سکتا اُس کو ہر چیز کی خبر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو عالمُ الغیب جاننا یہ تو ہمارے ایمان کی شرط ہے۔ اگر اِس سے کوئی انکار کرے تو پھر اُس کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ اِس کے بارے میں یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ یا تو وہ انکار کرنے والوں میں سے ہو گیا یا اُس کو عقل ہی نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے اور حقیقت سے قطع نظر کرنا ممکن نہیں۔

آج میں نے علم کے بارے عرض کیا کہ اللہ تک رسائی کے واسطے اُس طریقے کا علم ہونا ضروری ہے جس طریقہ پر چل کر ہم اپنے رب کو پا سکیں۔ وہ ہم میں ہی موجود ہے وہ ہماری شہ رگ سے بھی نزدیک ہے مگر ہم اُس سے غافل ہوئے ہوئے ہیں۔ وہ پردہ جو اُس کے اور ہمارے درمیان ہے کشف المحجوب کا کام اُس کو اٹھانا ہے۔ کشف کہتے ہیں پردے کو ہٹانا، اور محجوب کہتے ہیں جو چھپا ہوا ہو، وہ جو پردے چھپے ہوئے ہیں اِس کا مقصد اُن کو چاک کرنا ہے اور اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے واسطے اپنے اور اُس کے درمیان جو پردہ ہے اُس کو دور کرنا ہے اور اُس کو دور کرنے کے واسطے شاہ صاحب نے جو ذریعے پوچھے ہیں اور جو اُس کا محور ہے وہ بھی میں نے عرض کر دیا ہے کہ کس ذریعے سے آپ اللہ تک

رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اِس علم کا ہونا اوراِس کا سیکھنا ضروری ہے۔ کوئی اپنی جگہ پر بیٹھ کر سوچتا رہے کہ میں اللہ تک پہنچ گیا تو وہ نہیں پہنچ سکتا۔ جس طرح رہبر بتائے اگر اُس طریقے سے چلے تو پھر پہنچ سکتا ہے۔ آج کی تمام گفتگو کا ماحَصل یہ ہے کہ کِس طرح رَب تک پہنچنا ہے۔ اِس کو ہم علم حقیقت کہتے ہیں۔ اِس کا حاصل کرنا ظاہری علوم سے زیادہ ضروری ہے اور فرض عین ہے۔ آپ کا ڈاکٹر بننا، انجنیئر بننا، سائنس دان بننا، مکینک بننا یا جغرافیے کا ماہر بننا، آپ کے ایمان کے واسطے ضروری نہیں ہے، لیکن علمِ حقیقت کا حاصل کرنا آپ کے ایمان کے واسطے ضروری ہے۔ آج کی گفتگو کا لُبِ لباب یہ ہی ہے۔ ہم اسی واسطے ہر چیز کو باقاعدہ بار بار دہرا کر آگے چلتے ہیں تاکہ ہم جس منزل کے لیے چلے ہیں ہم کو اپنی منزل حاصل ہو جائے۔ اللہ پاک جو کہا گیا اور جو سُنا گیا اُس کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ علم کے بارے میں جو گفتگو ہوئی۔ اگر کسی کو اِس کی سمجھ نہ آئی ہو تو ہو اپنا سوال آئندہ کر سکتا ہے چاہے وہ لکھ کر دے دے۔ عرض پڑھنے کا متحمل نہیں ہو سکتا، کیونکہ بے شمار لوگوں کے بے شمار مَسائل ہیں آج بھی تقریباً ڈیڑھ ہزار کے قریب افراد نے ملاقات کی، ہر بندہ کے کم از کم چار سے پانچ گھریلو مَسائل ہیں اتنے مَسائل سے اکیلا شخص نہ واقف ہو سکتا ہے، نہ رائے دے سکتا ہے، نہ دخل اندازی کر سکتا ہے، ماسوائے اِس کے کہ اُن کے لیے دعا کر دے کہ یا اللہ اِن کے مَسائل حل فرمادے، اِس کے باوجود آنے والے اصرار کرتے ہیں کہ سننے والا اُن کے مَسائل سُنے، اپنی رائے دے، لہٰذا بامرِ مجبوری مَسائل سننے پڑتے ہیں نتیجتاً آج نو گھنٹے مسلسل مصروفیت رہی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، دل جوئی کرنا حج اکبر ہے، اُن کے مَسائل سن کر نہ مجھے کچھ حاصل ہوتا اور نہ انہیں کچھ حاصل ہوتا ہے، کیونکہ ہر کام کرنا تو اللہ تعالیٰ کی ذات نے ہے اور اُس کو پہلے ہی سب کچھ معلوم ہے۔ اِس کے باوجود ہر آنیوالا یہ چاہتا ہے کہ میں اُس کے سارے مَسائل سنوں جبکہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی کے ذاتی مَسائل میں دخل اندازی نہ کروں۔ اللہ جانے اور اُس کا بندہ جانے بہر حال مخلوق کی مرضی اسی طرح ہے۔ اِس لیے سننے پڑتے ہیں اور سُنتے ہوئے یہ وقت آ گیا ہے کہ اِس نشست کو جاری آدھی رات ہو گئی ہے۔ اللہ پاک آپ کی منظوری فرمائے۔ اللہ پاک کی جناب میں دعا ہے کہ جتنا وقت آپ نے اِس معاملے میں گزارا اللہ تعالیٰ اِس کو اِس سلسلہ میں کوشش کے لیے لکھ لے اور اللہ پاک آپ کو اپنا قُرب نصیب فرمائے۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (آمین) (دعا)

درس تصوف۔5

دورانیہ۔55منٹ۔ تاریخ۔2013-06-27

بمقام۔ مسجد۔ آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ، کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

گُزشتہ محفل میں علم کے بارے میں گفتگو کی گئی اور دو طرح کے علوم جن کو حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا اُن میں سے ایک علمِ شریعت اور دُوسرا علمِ حقیقت ہے۔ علم شریعت ہماری ظاہری عبادات میل جول، رہن سہن اور معاشرتی زندگی کے واسطے ضروری ہیں۔ اِس کے مَاخذ قُرانِ پَاک، سُنت رسول ﷺ اور اجماعِ اُمت ہیں۔ جو قُرانِ پَاک کے اَحکامات ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اُن پر کس طرح عمل فرمایا یہ سُنت ہو گئی اور اجماعِ اُمت یہ ہے کہ ہر بدلتے دور میں اُن احکام پر عمل درآمد کی کیا کیفیت ہے۔ یہ ظاہری زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ضابطہ اخلاق ہے اور ضابطۂ حیات ہے۔ ہماری اِن مجالس کا مقصد صرف علم کا حصول نہیں، بلکہ علم کا اپنے اوپر نفاذ کر کے اپنی زندگیوں کو آسان کرنا، دُکھوں پریشانیوں، مصیبتوں سے نجات حاصل کرنا، اپنے رب کا قُرب اور اُس کا ادراک کرنا ہمارے مقاصد ہیں۔ صرف چند لمحے بیٹھ کر مَسَائل سُنا کر ذہنوں کو مزید overload کرنا ہمارا مقصد نہیں۔ میں اپنے آپ سے بھی مخاطب ہوتا ہوں اور جن کو یہ دلچسپی ہے کہ وہ دُنیا میں آسان آسان زندگی گزاریں، ایسی زندگی جس میں نہ اِس دُنیا میں کوئی پریشانی ہو، نہ اِس دُنیا سے رخصت ہوتے وقت کوئی بوجھ ہو اور نہ اگلی زندگی میں کوئی پریشانی آئے۔ ایسی زندگی کی جستجو کے لیے علمِ حقیقت کا حصول ضروری ہے۔ اِس علم کے حصول کا بھی یہ ہی مقصد ہے اور اِس کا زیادہ تر دارومدار علمِ حقیقت پر ہے۔ گزشتہ محفل میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ علمِ حقیقت کے حصول کے کون سے ذرائع ہیں۔ وہ میں نے گزارش کیے تھے۔ لیکن مزید سمجھانے کے واسطے علم حقیقت کے بارے میں کچھ گفتگو کرنی مقصود ہے۔ علمِ حقیقت تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے کشف المحجوب شریف کے اندر اِس کی تین حالتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی ذات باری تعالیٰ، اُس کی واحدانیت اور اُس کے غیر کی نفی، "لا الہ الا اللہ" اور "محمد رسول اللہ ﷺ" بھی اِس کے ساتھ لازم و ملزوم ہے، مشروط ہے۔ اسی کی پہلی حالت ذاتِ باری تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی واحدانیت اور غیر کی نفی، یہ ہماری تمام تر عبادات کا مَاحصل ہے۔ اگر ذات باری تعالیٰ کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہیں تو ہماری نماز بے حضور ہو گی۔ ہماری کوششوں کی مثال اِس طرح ہے کہ جیسے کوئی شخص نشانہ باندھے بغیر، کسی قسم کی خاص منزلِ مقصود کا تعین کیے بغیر جستجو کرے، کوشش کرے اُس کی کوشش محض رائیگاں جاتی ہے، فضول ضائع ہو جاتی ہے۔ ہماری تمام تر عبادتوں کا منبع، ماحصل اور مقصود صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ ہم جب بھی عبادت شروع کریں ہمارے دل کی گہرائی تک یہ ارادہ ہونا چاہیے کہ یا اللہ میرا مقصود

تیری ذات ہے اور جو کچھ میں کر رہا ہوں تیرے واسطے کر رہا ہوں۔ اگر تیرا پتہ ہو گا تو بات آگے چلے گی۔ اگر ذات باری تعالیٰ کا پتہ ہی نہیں تو پھر یہ ٹامک ٹوئیوں کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں جو بغیر اِس ادراک کے عبادت کرتے ہیں فرمایا کہ اُنہوں نے اپنے ظن کا اِتباع کیا۔ اُن کو جو بھی خیال آیا انہوں نے اپنے خیال کی پیروی کر لی۔

" وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا "(الکھف:28)

اُن کا معاملہ اپنی حد سے بڑھ گیا، اُنہوں نے اپنا وقت ضائع کیا اور اُنہوں نے اپنی بندگی برباد کر لی کہ!

" زندگی بے بندگی شرمندگی "

علمِ حقیقت کی اہمیت کا پتہ ہونا ضروری ہے۔ اِس میں سب سے اہم جو سوال بنتا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ اِس کے ذرائع کیا ہیں؟ بلکہ وہ یہ ہے کہ علمِ حقیقت کی اہمیت کیا ہے؟ کیونکہ اِس کے بغیر ہماری عبادتوں کی نہ کوئی سمت ہے، نہ اُن کا کوئی مَاحَصل ہے نہ اُن کا کوئی مقصود ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ ایک بندہ بے مقصد ہاتھ چلاتا رہے، جس وقت گھنٹہ دو گھنٹے بعد اُس کا ہاتھ تھک جائے تو اُس سے کوئی پوچھے کہ تم نے کتنا کام کر لیا ہے؟ تو اُس کے پاس اِس بات کا کوئی جواب نہ ہو کہ میں نے کیا کیا ہے، کیا حاصل کیا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کا اِدراک ہونا یہ ہماری عبادت کی ضرورت ہے، اُس کے بغیر ہماری عبادتیں ناقص، نامکمل اور بے حضور ہیں۔ اِس کے بعد دُوسری حالت آتی ہے صفات باری تعالیٰ اور اُس کے علوم۔ اللہ کی صفتیں کیا ہیں۔ ذات کے بعد صفات۔ بہت سارے مکاتبِ فکر ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ پہلے صفات کا علم ہو جائے تو پھر بعد میں ذات کا علم ہو جائے، ایسا عملی طور پر ممکن نہیں۔ کوئی شخص کسی درخت کا پھل حاصل نہیں کر سکتا اگر اُس کی جڑ نہ ہو۔ جڑ ہو گی تو پھر تنا بنے گے، شاخیں نکلیں گی، پھر پتے نکلیں گے، پھول لگیں گے اور پھر اُس کا پھل نکلے گا۔ تیسری حالت افعالِ بَاری تعالیٰ یعنی اللہ پاک کی حکمتیں اور اُس کی تقدیر کی آگاہی یہ بھی بڑا ضروری ہے۔ کسی بھی شخص کی خوبصورت اور آسان زندگی کے واسطے اِن سب باتوں کی ضرورت ہے۔ اب میں اُس کی مثال کشف المحجوب میں سے پیش کرتا ہوں۔ حضرت داتا صاحبؒ نے حضرت حاتم الاصمؒ، جو اُن کے زمانہ کے ایک بزرگ ہیں، اُن کے اقوال درج فرمائے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے چار باتوں کا علم ہو گیا تو میں دُنیا کے باقی سب علوم سے بے پرواہ ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون سی چار باتیں ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک مجھے اِس بات کا پتہ چل گیا کہ میرا رزق مقدر ہے، میری روزی اللہ نے میرے حصے میں جو لکھ دی وہ مجھے ملنی ہے اُس میں نہ کمی ہو سکتی ہے اور نہ یہ بڑھ سکتی ہے، جتنی بھی اللہ پاک نے مُقرر کر دی ہے۔ لہذا میں لالچ سے بے نیاز ہو گیا۔ لالچ کے پیچھے انسان چوری، ڈاکہ علی ہذا القیاس جتنے بھی جرائم ہیں یہ لالچ کا نتیجہ ہیں۔ جس کو یہ یقین ہو جائے کہ اُس کو اُس کی روزی مل کر رہنی ہے وہ اِس مصیبت سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ افعالِ بَاری تعالیٰ میں سے اللہ پاک کا ایک فعل ہے اور اُس کی حکمت ہے۔ نہ کسی کے مقدر سے بڑھ کر اُس کو ملنا ہے نہ اُس سے گھٹ سکتا ہے۔ کئی لوگ کسی مارکیٹ میں دُکان کھولتے ہیں وہ چند گھنٹے دُکان پر بیٹھتے ہیں اور لاکھوں کما کر اٹھ جاتے ہیں اُن کے ساتھ کا دُکاندار وہی سودا رکھ کر سارا دن بیٹھا رہتا ہے اور سارے دن میں اس کی روٹی پوری نہیں

ہوتی۔بے شمار مثالیں ہیں۔اُنھوں نے دُوسری بات فرمائی کہ مجھے یہ پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ کا میرے پر کوئی حق ہے، لہذا میں اپنے حق کی ادائیگی میں مصروف ہو گیا۔مثال کے طور پر کوئی آدمی تھکا ہوا ہے۔ سفر کر کے آیا ہے اور اُس کو آرام کی ضرورت ہے۔وہ کہے کہ میرے حصے کی فرض نماز فلاں آدمی جا کر پڑھ آئے یہ ممکن نہیں۔جن فرائض کا اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کو پابند کر دیا ہے وہ ہر صورت اُس نے ادا کرنے ہیں۔اگر وہ نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہے۔نہ سفر کرے، اُس سے پہلے آرام کر لے، جو بھی کرے لیکن اللہ پاک کے حکم کی تعمیل کرنی فرض ہے، جو فرائض ہیں ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔نہ کرے گا تو گنہگار ہو گا۔مثلاً میں نے نماز کی مثال دی ہے۔بے شمار مثالیں ہیں صرف نماز کی مثال دی ہے۔نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا ''من ترک صلوۃ فتعمدا فقد کفر''جس شخص نے جان بوجھ کر اپنی نماز چھوڑ دی، تَرک کر دی اُس نے گویا کفر کیا۔یہ ضروری ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب کا مجھے پتہ چلا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا میرے پر کوئی حق ہے اور اس کو میں نے ہی ادا کرنا ہے لہذا میں اللہ کے حق کی ادائیگی کے اندر سبقت کرتا ہوں اور مصروف ہو گیا ہوں۔اس کو کسی اور پر نہیں ڈالتا۔کوئی مالدار ہے اس نے زکوۃ دینی ہے تو زکوۃ اس نے ہی دینی ہے اس کا دوست اپنے مال میں سے اس کی طرف سے زکوۃ نہیں دے سکتا۔یہ فرائض اور واجبات ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تیسری بات یہ ہے کہ جب سے مجھے یہ پتہ چل گیا ہے کہ دُنیا میں میرا ایک طالب ہے جو مجھے چاہنے والا ہے اور وہ میری موت ہے۔اس سے میں راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا۔جو مرضی کر لوں۔اللہ نے قُرانِ پاک میں فرمایا ہے کہ!

''لاَ يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلاَ يَسْتَقْدِمُونَ''(الاعراف:34)

جب انسان کا وقت آجاتا ہے، ایک گھڑی، ایک لمحہ، ایک سیکنڈ نہ گھٹ سکتا ہے اور نہ بڑھ سکتا ہے۔وقت معین ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ میرا ایک طالب ہے اور وہ میری انتظار میں ہے اور ایک نہ ایک دن اس نے مجھے حاصل کر لینا ہے۔تو میں ہمیشہ اپنے آپ کو اس کے واسطے تیار رکھتا ہوں۔یہ نہیں کہ گناہ کرتا گیا کہ خیر ہے ابھی کون سی کوئی جلدی ہے وقت آئے گا تو توبہ کر لیں گے۔وقت گزر جاتا ہے اور پتہ نہیں چلتا۔ آپؒ نے فرمایا میں ہر وقت اپنی موت کی توقع رکھتا ہوں کہ وہ کسی وقت بھی آسکتی ہے۔لہذا اس کے واسطے تیار ہوں۔میں اس کے واسطے تیار ہوں اور اس امر میں کوئی خامی نہیں رکھتا۔چوتھی بات یہ کہ مجھے یہ علم ہو گیا ہے کہ میرا کوئی مالک ہے جو مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے اور جس وقت بھی مجھے گناہ کرنے کا خیال آتا ہے مجھے ساتھ ہی فوری طور پر یہ احساس ہو جاتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔میں ایسا کام نہ کروں کہ وہ میری پکڑ کر لے اور مجھے اس کے سامنے پوچھ گچھ کے وقت شرمندہ ہونا پڑے۔نہ لالچ رہا، نہ زیادہ کی خواہش رہی نہ اللہ کے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی اور نہ ہی اس کی زندگی میں کسی قسم کا تساہل، سستی یا غفلت باقی رہی۔ہر وقت متوجہ رہا۔تیسرا یہ کہ ایسا شخص گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ محفوظ عن الخطاء۔اللہ تعالیٰ کے دوست معصوم عن الخطاء نہیں ہوتے۔معصوم صرف نبی ہیں۔لیکن جن کو اللہ کے حاضر ناظر[13] کی آگاہی مل جاتی ہے وہ گناہ سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔کتنا بڑا فرق ہے جو ان چار چیزوں کے علم سے حاصل ہو گیا۔اس سے

[13]-جناب حضرت صاحبؒ نے اس نقطہ پر حاضر اور ناظر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ '' حاضر موجود کو کہتے ہیں اور ناظر کا معنی ہے کہ دیکھ رہا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس علم کی ہمارے واسطے کتنی ضرورت ہے۔ اس علم کا حصول جو میں نے پچھلی دفعہ عرض کیا تھا کہ جو حواس خمسہ ہیں، ہمارے سننے، دیکھنے، چکھنے اور سونگھنے اور لمس کی حِس ان کے ذریعے انسان کو اس علم سے کچھ کچھ آگاہی ملتی ہے۔ سب سے زیادہ یہ کہ اُس کا شیخ طریقت، مُرشد اس کو کوئی بات سناتا ہے، وہ اپنے کانوں کے ساتھ سُنتا ہے یہ حواس خمسہ کا عمل دخل ہے۔ اس کی بارگاہ میں بیٹھ کر اس کی زیارت کرتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے دل پر اثر ہوتا ہے اور اس کا دل اس کی سنی ہوئی بات اپنی گہرائی تک اتار لیتا ہے۔

"مُرشد دا دیدار وے باہو مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہو"

یہ ایک بہت ہی طویل موضوع ہے۔ علم حقیقت کا حصول ایک بہت ہی طویل مگر بڑا اہم موضوع ہے۔ یہ عمل درآمد کرنے کے واسطے ہے۔ یہ فضولِ محض نہیں، یہ ایسا علم نہیں جو بغیر کسی غرض وغایت کے ہو بلکہ اس کے ذریعے ہم نے اپنی زندگیاں سنوارنے کا ارادہ کرنا ہے اور ہر وہ ذریعہ جس کے ساتھ زندگی بہتر ہو سکتی ہے وہ اختیار کرنا ہے۔ یہ جو تین علوم ہیں، ذات باری تعالیٰ، صفات باری تعالیٰ اور اللہ پاک کے افعال ان کا علم ہونا انسان کے واسطے ضروری ہے۔ سب سے پہلے انسان کو اپنے شیخ طریقت کے ذریعے، اپنے مُرشد کے ذریعے ان سے آگاہی ملتی ہے اور پھر یہ اس کے دل کی گہرائی تک اترتے ہیں اور اس کا دل اس کو مائل کرتا ہے کہ وہ اس پر عمل کرے۔ اس چیز پر یقین کرلے۔ کسی بات کو سن کر اس پر یقین کرنا بڑا مشکل مرحلہ ہے۔ اس کے واسطے نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ نگاہ کے حصول کے واسطے اپنے شیخ کی صورت کا دیدار کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی واسطے حضرت سلطان باہو صاحبؒ نے فرمایا!

"جس خانے جانی نظر نہ آوے سجدہ مول نہ دیئے ہو"

کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی، نشان منزل اور اس کی طرف متوجہ کروانے والا ہے۔ جب اس کے ساتھ تعلق جڑتا ہے تو یہ نشان منزل کا کردار ادا کر کے بندے کو اپنی منزل کے قریب کر دیتا ہے۔ ان علوم کا حصول انسان کی زندگی کے واسطے ضروری ہے۔ میں دو مزید مثالیں اور عرض کر دیتا ہوں۔ حضرت داتا صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے اپنے ایک پیر بھائی کے ساتھ دلی مُخاصمت تھی۔ اس پر میرا کوئی ذاتی اعتراض تھا اور اس کی کچھ حرکتوں کی وجہ سے اس کے بارے میں میرا دل صاف نہیں تھا۔ میرے شیخ نے میرے باطن پر نظر ڈالی اور فرمایا بیٹا میری بات دھیان سے سنو!

" ہر فعل کا فاعل حقیقی اللہ ہے"

جو کچھ دُنیا میں ہو رہا ہے اور جس طرح ہو رہا ہے یہ اللہ پاک کی مرضی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنے مُرشد کی زبان سے یہ بات سنی، اب اس میں حواس خمسہ بھی آگئے اور ان کی نگاہ کی توجہ بھی آگئی تو میں دُنیا ومافیہا کے غموں سے بے نیاز ہو گیا۔ اس کے بعد پھر میرے دل میں کسی شخص کے بارے میں کسی قسم کا کینہ، کوئی غصہ، کوئی حسد باقی نہ رہا اور مجھے سمجھ آگئی کہ جو جو کچھ کرتا ہے اس کا کروانے والا بھی کوئی ہے۔ اپنی مرضی کے ساتھ نہیں کرتا اور ہو سکتا ہے کہ اس کا عمل میری آزمائش کے واسطے ہو۔ لہذا میں اس کو اللہ پر چھوڑتا ہوں۔ اللہ پاک کو اگر اس کی اصلاح کی ضرورت ہے تو اللہ پاک اس کی اصلاح فرمائے۔ میں دُنیا ومافیہا کے غموں سے بے نیاز ہو گیا۔ دُوسرا واقعہ

کچھ اس طرح سے ہے کہ ایک بزرگ کی بازار میں دُکان تھی۔ آپؒ کو اطلاع ملی کے بازار میں آگ لگ گئی ہے اور آپؒ کی دُکان جل گئی ہے۔ آپؒ نے فرمایا الحمدللہ۔ کچھ وقت گزر گیا۔ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ بازار میں آگ لگی ہے اور سب دُکانیں جل گئی ہیں مگر آپ کی دُکان بچ گئی ہے۔ آپؒ نے فرمایا الحمدللہ۔ لوگوں نے پوچھا کہ جلنے پر بھی الحمدللہ اور بچنے پر بھی الحمدللہ۔ آپؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے دل کی طرف دھیان کیا ہے۔ مجھے نہ جلنے پر کسی قسم کا افسوس نظر آیا ہے اور نہ بچنے پر کوئی خوشی نظر آئی ہے۔ لہٰذا میں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو اپنے رب کی تقدیر کے سپرد کر دیا ہے۔ چاہے تو جلا دے چاہے تو بچا دے۔ یہ اس کا فعل ہے وہ جو چاہے کرے۔ اگر یہ چیز انسان کو سمجھ آجائے تو وہ بے شمار ایسی کیفیات ہیں جو اس کی عبادت کو ملیامیٹ کر دیتی ہیں ان سے بچ سکتا ہے۔ مثلاً ہم میں سے کوئی بندہ نماز پڑھ رہا ہے۔ نماز کے دوران اس کو خیال آتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں وقت بندوں کے سامنے میرے سے ایسی بات کی تھی جس کے ساتھ میں نے اپنی بے عزتی محسوس کی تھی۔ اس بات پر اس بندے کے ساتھ وہ نماز کے اندر ہی غصے ہو جاتا ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ وہ رب کے سامنے کھڑا ہے اور غصہ کر رہا ہے تو کیا یہ اللہ کے حضور بے ادبی نہیں۔ کیا بہتر تھا کہ اس کو اللہ کی اس حکمت کا علم ہو جاتا کہ جو کچھ اس نے کہا وہ بھی اللہ کی حکمت تھی اور جو میں خاموش رہا یہ بھی اللہ کی حکمت تھی۔ لہٰذا میں اللہ کے کیے پر راضی ہوں۔ نتیجتاً اس کی عبادت اس قسم کے اثرات سے محفوظ ہو جائے۔ یہ تمام چیزیں جب تک حقیقت کا علم نہ ہو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ میری اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ!

''شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات''

اللہ کرے کہ ہمارے دل کی گہرائیوں میں ان باتوں کا قرار پکڑ جانا اللہ کو منظور ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم بے شمار غیر ضروری غصہ اور مصیبتوں سے بچ سکتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ غصہ ایک آگ ہے۔ جو انسان کے دل کو سیاہ کر دیتی ہے۔ غصہ اس وقت ہی آتا ہے جب انسان کو کسی بات کا ناپسند ہونا گزرے۔ اگر اس بات کے پیچھے اللہ کی حکمت اس کے علم میں آجائے تو پھر اس کو غصہ نہیں آئے گا، وہ اس بات پر یقین کر لے گا کہ اس میں بھی اللہ پاک کو میری کوئی بہتری منظور ہے۔ اگر وہ میری آزمائش لینا چاہتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس نے اس کے بدلے میری کئی غلطیاں معاف کر دینی ہوں۔ اس چیز کا علم ہونا یہ صرف کہنے اور سننے سے نہیں ہوتا، بلکہ دل کے اندر گہرائی میں بندے کو یہ یقین ہو جائے کہ حقیقتاً یہ اللہ پاک کی صفتیں اور اس کے افعال ہیں اور ذات باری تعالیٰ، اللہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ کہاں پر ہوتا ہے؟ اور اس کے علاوہ جتنے بھی سوال اللہ رب العزت کے بارے دل میں آسکتے ہیں ان کا ایک ہی جواب ہے کہ وہ کسی ایسے راہی کے ساتھ اپنا ناطہ جوڑ لے جو اس راہ گزر کے نشیب و فراز سے واقف ہو۔ حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا ہے:

''نہ رب عرش مُعلیٰ اُتے، نہ رَب وِچ مکّے ہُو | گنگا تیر تھیں مُول نہ ملیا مارے پینڈے بے حِسابے ہُو
چلے چلیئے، جنگل بھوناِ اِس گَل تھیں ہو نہ پکے ہُو | جد دا مُرشد پھڑیا باہُو میرے چھُٹّے سب عذابے ہُو''

اللہ تعالیٰ کے بارے میں مُرشد جو اسرار بیان کر سکتا ہے وہ نہ کسی اور کو جرات ہے اور نہ کسی کو اجازت ہے۔اس کے واسطے اس وسیلے کا ہونا ضروری ہے۔وہ ہر کسی کو بتاتا نہیں۔جب تک پیاس نہ لگے پانی کا لطف نہیں آتا۔جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ پیاس کے بغیر کوئی بندہ کسی کو صاف ستھرے گلاس میں پانی کیوں نہ دے دے،اس کے سامنے تو ممکن ہے کہ بندہ گلاس تھام لے۔جس وقت پانی دینے والا اوجھل ہو گا تو وہ پانی گرادے گا۔کیونکہ اُس کو پیاس نہیں ہے۔اُس نے پانی پی کر کیا کرنا ہے۔کسی کو بھوک نہیں اگر اُس کو کوئی اچھا کھانا دے بھی دے تو وہ اُس کھانے کو تھوک دے گا۔ضائع کر دے گا۔جب تک اُس کی طلب نہ ہو،مُرشد کامل اُس وقت تک اللہ رب العزت کی ذات کے بارے میں آگاہی نہیں دیتا۔جب تک اُس کے سامنے طلب کا اظہار نہ کریں،پہلے اپنی طلب کا اس کے آگے اظہار کرنا ہوتا ہے اور طلب میں جیسا کہ میں نے دُوسرے درس میں گزارش کی تھی کہ سب سے بڑی چیز اعتماد ہے۔جب تک اس کو یہ یقین نہیں آجاتا کہ فلاں شخص کو میرے پر اعتماد ہے اس وقت تک وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بات نہیں بتاتا۔میں نے شاید اس سِلسلہ میں ایک واقعہ بھی عرض کیا تھا حضرت ذوالنون مصریؒ کا چوہے والا۔کہ بندے نے برتن کا ڈھکنا اٹھا کر راستہ کے اندر دیکھ لیا حتیٰ کہ انہوں نے منع فرمایا تھا۔تو آپؒ نے فرمایا کہ جتنی دیر کے تم میرے پاس ہو میں نے آٹھ مرتبہ اللہ کا راز تمہیں بتانے کا ارادہ کیا ہے لیکن ہر دفعہ تو نے اپنے آپ کو نااہل ثابت کیا ہے۔آخر تمہارے اصرار کی وجہ سے میں نے یہ چاہا کہ تمہارے اوپر یہ ظاہر ہو جائے کہ تم اس کے اہل نہیں ہو۔میں نے ایک برتن تمہیں دیا ہے،اس کے اندر جو کچھ بھی دیا تمہارا فرض تھا کہ وہ برتن ڈھانپ کر تم وہاں پر لے جاتے جہاں پر میں نے کہا تھا۔تم نے راستہ کے اندر وہ برتن کھولا یہ دیکھنے کے واسطے کہ میں نے اس میں کیا دیا ہے۔اپنے دوست کو کیا بھیج رہا ہوں۔تم نے میرے راز کی پردہ دری کرنے کی کوشش کی،میرا اعتماد تمہارے پر نہیں بنا۔میں تمہیں اللہ کا راز نہیں بتا سکتا۔علی ہذا القیاس۔ذات باری تعالیٰ کی آگاہی،نہ تو چلوں سے مل سکتی ہے،نہ عبادتوں سے نہ روزوں سے،نہ محنتوں سے،نہ بھوک کے ساتھ نہ مشقت کے ساتھ،نہ ہی ساری رات ایک ٹانگ پر کھڑے ہونے سے،یہ صرف اور صرف!

”رب ملدا دلاں اچھیاں ہو“۔

بلھے شاہؒ نے فرمایا تھا کہ!

” اُٹھ بُلھیا اُٹھ یار مَنا لے لا کے سر دِی بَازی“

اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک،اُس کی واحدانیت کا علم اور اُس کے غیر کی نفی کا اسرار بغیر مُرشد کامل کے حاصل نہیں ہو سکتا،اِس کو مجمع عام کے اندر بیان بھی نہیں کیا جا سکتا۔کسی کو نہ یہ جرات ہے اور نہ کسی کو یہ اجازت ہے۔دُوسرا صفات ذات باری تعالیٰ۔صفاتِ ذاتِ باری تعالیٰ کا انسان کو اپنے رہبر کے طرز عمل کو دیکھ کر خود بخود ان کا اندازہ ہو جاتا ہے اور اس کے ذہن نشین ہوتی ہیں۔آسان راستہ۔میں نے وہ بات کرنی ہے جس پر عمل ہو سکے۔افعال باری تعالیٰ ان کا علم بھی رہبر کے ذریعے ہوتا ہے کہ دیکھنے میں کیا ہے اور اصل کیا ہے۔کسی شخص کو کوئی اطلاع ملتی ہے کہ فلاں شخص نے تمہیں گالی دی ہے۔اس کو غصہ آجاتا ہے،تیش میں آجاتا ہے اور تمام تر اس کی رُوحانیت ضائع ہو جاتی ہے۔وہ جو پیار

اللہ کی ذات کے ساتھ مدتوں سجدے کر کے اس نے حاصل کیا ہوتا ہے وہ ایک گھڑی کے اندر برباد کر بیٹھتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کو یہ حکمت پتہ چل جائے کہ اس عمل کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس کی کوئی حکمت ہے۔ اس میں میرا امتحان مقصود ہے یا میرے گناہوں کی معافی یا گناہوں کا کفارہ یا اس قسم کی اس کی کوئی خاص حکمت ہے۔ بہر حال علم حقیقت کا حاصل کرنا انسان کی زندگی، اس کی بقا اُس کی حفاظت اور اُس کی آخرت کے واسطے از حد ضروری ہے۔ علم شریعت بے شک ظاہری عبادتوں کے واسطے شرط ہے۔ لیکن جب تک علمِ حقیقت نہیں ہو گا۔ اس وقت تک ظاہری عبادتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا!

"أَقِيمُوا الصَّلاَةَ "(البقرة:43)

نماز قائم کرو۔ اب نماز پڑھنی واسطے خاص اللہ تعالیٰ کے۔ نیت تو کر لی لیکن پوری نماز کے دوران اللہ کی طرف دھیان نہ ہوا تو نیت کرنے والا بخدا منافق ہو گیا۔ انسان اس منافقت سے تب ہی بچ سکتا ہے کہ اس کو ذات باری تعالیٰ کے بارے میں کچھ معرفت حاصل ہو جائے۔ کچھ معرفت حاصل ہو جائے۔ اس کے بغیر نہیں۔ صرف یہ اعتقاد یا عقیدہ رکھنا یہ عبادت کو مکمل کرنے کے لیے ضروری نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ رب العزت کی پہچان، اس کا ادراک، اس کی معرفت کا حاصل کرنا از حد ضروری ہے۔ علم حقیقت کے بارے میں جو سوالات کیے گئے تھے میں نے ان کے بارے میں کچھ گزارشات کی ہیں۔ اس کے بارے میں مزید کوئی بات جو کسی کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ اگر اس موضوع کو جاری رکھا جائے تو بخدا یہ ساری زندگی بھی بیان نہیں ہوتا۔ بہر حال میں نے چند ایک اس کی مثالیں عرض کی ہیں۔ حضرت داتا صاحبؒ نے علم کے بارے میں کچھ بزرگوں کے اقوال درج فرمائے ہیں۔ اب اُن کے بارے میں کچھ گزارشات کر دی جائیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ حضرت محمد بن فضلؒ فرماتے ہیں علم تین طرح کے ہیں۔ علم مِن اللہ، علم مَع اللہ اور علم باللہ۔ یہ تین قسم کے علوم ہیں۔ جو جس راہ چلا ہے اُس کو اپنے راستہ کی واقفیت ہے۔ انہوں نے مختلف بزرگوں کے اقوال درج فرمائے ہیں تاکہ جس شخص کی جس طرح طبیعت ہو وہ اس سے اسی طرح رہنمائی حاصل کر سکے۔ علم من اللہ فرمایا اس کا نام ہے علم شریعت کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکامات نازل فرمائے ان کا ادا کرنا ہمارے اوپر لازم قرار دیا گیا۔ نماز ہو گئی، روزہ ہو گیا، حج ہو گیا، زکوٰۃ ہو گئی یا اس طرح کی چیزیں۔ دُوسرا علم مع اللہ ہے۔ علم مع اللہ علم مقامات، علم طریق حق اور اولیائے کرام کے درجات کا علم ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو کہ اس کی نماز ٹھیک ہوئی ہے یا کہ نہیں۔ اس کے بارے میں جو احادیث مبارکہ آئی ہیں۔ کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ کی توجہ کسی اور طرف نہیں ہوئی اور آپ نے پوری نماز پڑھ لی، اس نماز کے بارے میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا جو شخص دو رکعتیں نماز اس طرح پڑھ جائے کہ جس میں ایک لمحہ کے واسطے بھی اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی چیز کا اس کو خیال نہ آئے اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔ یہ علم ہونا یا اس طرح کے دیگر تمام علوم یہ علم مع اللہ ہے۔ علم باللہ، اللہ کے ساتھ علم یہ علم معرفت ہے۔ اللہ کی ذات کے بارے میں علم ہے۔ معرفت کے متعلق آپؒ نے فرمایا کہ محض کوشش اور محنت کے ساتھ حصول معرفت ذات حق ممکن نہیں۔ اس کے واسطے پھر میں اپنی اسی بات کو دہراتا ہوں کہ!

اِس کے بغیر معرفت ذاتِ حق حاصل نہیں ہوتی۔ انہوں نے کچھ دیگر بزرگوں کے اقوال بھی لکھے ہیں۔ جن میں آپؒ فرماتے ہیں کہ شیخ المشائخ حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ تین طرح کے لوگوں کی صُحبت سے بچو۔ ایک غافل علما۔ دُوسرا مداہنت کرنے والے فقراء جو دکھاوایا منافقت کریں۔ تیسرے جاہل صوفی یا جاہل پیروں سے بچیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ غافل علما وہ ہیں جنہوں نے دُنیا کو اپنے دل کا قبلہ بنالیا ہے، شریعت میں آسانی کے متلاشی رہتے ہیں۔ بادشاہوں اور حاکموں کی پرستش کرتے ہیں۔ ظالموں کا دامن پکڑتے ہیں۔ ان کے دروازوں کا طواف کرتے ہیں۔ خلق کے اندر عزت وجاہ کے طلبگار ہیں اور اپنی خود پسندی پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ اپنے غرور و تکبر کو قائم رکھتے ہیں۔ ائمہ اور پیشواؤں اور اللہ کے نیک بندوں کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ بزرگان دین کی تحقیر کرتے ہیں، کینہ اور حسد انہوں نے اپنا شعار بنالیا ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ علم کو کیا تعلق اور کیا رشتہ، ایسے علما غافل علما ہیں، مداہنت کرنے والے فقرا وہ ہیں جو ہر کام اپنی خواہش کے مطابق کرتے ہیں اگرچہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو۔ جب کوئی کام ان کی خواہش کے خلاف ہوتا ہے تو چاہے وہ حق ہی کیوں نہ ہو وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ایسے نام نہاد فقراء سے بچیں اور جاہل صوفی وہ ہوتے ہیں جن کا کوئی مُرشد نہ ہو اور کسی بزرگ سے انہوں نے تعلیم اور ادب حاصل نہ کیا ہو اور نہ ہی انہوں نے کسی اللہ کے بندے کے پاس رہ کر ادب کی تعلیم حاصل کی ہو۔ وہ مخلوق خدا کے درمیان بن بلائے مہمان کی طرح خود بخود کود کر پہنچ جاتے ہیں اور محض بزرگوں کے کپڑے پہن کر خود کو بزرگ ثابت کرتے ہیں۔ یہ تین گروہ ہیں جن کو شیخ کامل ہمیشہ یاد رکھے اور اپنے مُریدوں کو ان کی صُحبت سے بچنے کی تلقین کرے۔ پھر انہوں نے حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول درج فرمایا ہے۔ آپؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے تیس سال مجاہدہ کیا ہے لیکن مجھے علم اور اس کی پیروی سے زیادہ کوئی چیز مشکل نظر نہیں آئی۔ سب زیادہ مشکل کام جو مجھے نظر آیا وہ علم اور اس پر عمل تھا۔ بہر حال علم کے بارے میں کسی شخص کے ذہن میں کوئی سوال ہو اس سِلسلہ میں وہ اپنی گزارش فرما سکتا ہے۔ آج جو میں نے علم حقیقت کے بارے میں گزارش کی کہ علم حقیقت کے بغیر نہ تو ہماری عبادت مکمل ہوتی ہے، نہ ہماری دُنیا کے افعال مکمل ہو سکتے ہیں۔ میں نے حاتم الاصمؒ کی چار باتوں کا ذکر کیا ہے۔ آپ ان کو مدِ نظر رکھیں یہ مثال ہے کہ رزق مقدر ہو چکا۔ بندے پر اللہ کا کوئی حق ہے جو اس نے ہی ادا کرنا ہے اور کوئی وہ حق ادا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ!

"وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلاَةِ قَامُوا كُسَالَى "(النساء:142)

ایسے بھی لوگ ہیں جو اول تو نماز کے واسطے اٹھتے نہیں، اگر نماز پڑھنے کے واسطے اٹھ بھی بیٹھیں تو بُرے دل کے ساتھ اٹھتے ہیں، " قَامُوا كُسَالَى " بُرے دل کے ساتھ اٹھتے ہیں اور تیسرا یہ کہ بندے کی موت کا وقت مُعین ہے نہ اس نے آگے ہونا اور نہ اس نے پیچھے ہونا ہے۔ اُس کو بھی یاد رکھنا ہے۔ چوتھا یہ کہ انسان اس چیز پر یقین کر جائے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے۔ ان چار چیزوں پر بھی اگر عمل ہو جائے میرا خیال ہے کہ زندگی کے واسطے یہ بھی بڑی ہیں۔ اس سے زیادہ کی پھر ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

سوال۔ علمِ نور کس طرح بنتا ہے اور حجابِ اکبر کس طرح؟

جواب۔ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ جو بے ضرورت علم ہیں وہ حجاب ہیں۔ جو علم انسان کو اللہ سے دور کر دے، بندے اور اللہ کے درمیان پردے کو مزید وسیع کر دیں وہ علومِ حجاب ہیں اور اس کے بارے میں اللہ رب العزت نے بڑا واضح فرما دیا کہ وہ لوگ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔

”وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلاَ يَنفَعُهُمْ “(البقرة:102)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ ان باتوں کو سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی ہیں اور انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ ان میں سے ایک مثلاً جادو، ٹونہ اور اس قسم کے نقصان دہ علوم ہیں، بہت سارے ہیں۔ اور وہ علم جو نور ہے وہ علم حقیقت ہے۔ جس کے ساتھ بندہ اپنے اللہ کی ذات کی پہچان کی طرف جاتا ہے اور اس کی نماز مکمل ہوتی ہے۔

سوال۔ حدیث شریف ہے کہ علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے، یہ دُنیاوی علم کی بات ہے یا حقیقی علم کی؟

جواب۔ اگر آپ میرے پہلے لیکچرز میں ہوتے تو میں یہ بات پہلے عرض کر چکا ہوں۔ اس بارے میں میں نے عرض کیا تھا کہ میرا مقصد علم سے وہ علوم ہیں جو آپ کو اللہ کے نزدیک کرتے ہیں۔ اور میرے آقا کریم ﷺ نے جو ”لوکان بصین“ فرمایا وہ ایک استعارہ تھا، ایک اشارہ تھا کہ اس زمانہ میں چین کو دور دراز ترین مملکت سمجھا جاتا تھا تو اس بارے میں فقط یہ بتانا مقصود تھا کہ اس علم حقیقت جس کے بغیر تمہاری عبادت درست نہیں ہو سکتی، اس کو حاصل کرنے کے لیے تمہیں چاہے جتنا بھی سفر کرنا پڑے کرو۔ ”لوکان بصین“ سے مُراد یہ ہر گز نہیں تھا کہ اس زمانہ میں چین میں کوئی خاص علوم پڑھائے جاتے تھے، جن کے بارے ان کو وہاں بھیجنا مقصود تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابھی پچھلے دور تک چین میں جہالت تھی۔ چین ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا ہے پاکستان کے آزاد ہونے کے بعد بیدار ہوا ہے۔ اس سے پہلے وہاں پر ایک تو جہالت اور دُوسرا نشہ یہ دو چیزیں عام تھیں۔

میرا خیال ہے کہ شاہ صاحب علم حقیقت کے بارے میں فی الوقت مزید کچھ گزارش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی نے پوچھنا ہو تو وہ اگلی محفل میں سوال کر سکتے ہیں۔ آپ نے چونکہ ٹو دی پوائنٹ سوال کیا تھا تو یہ بہت کچھ مزید کہنا مانگتا ہے۔ مجھے اس چیز کا احساس ہے۔ لیکن ابھی میں نے اس میں اشارۃً عرض کیا ہے تین چار مثالوں کے ساتھ کہ اس کے بغیر نہ تو ہماری زندگیوں میں سکون آ سکتا ہے۔ نہ ہماری عبادت اپنی مُراد کو پہنچ سکتی ہے نہ ہماری زندگی میں خوشی آ سکتی ہے اور نہ ہی کسی طرح سے ہم اس دُنیا میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ علم حقیقت ان سب چیزوں کے واسطے ضروری ہے۔ ہم یہ دیکھیں کہ جو کچھ ہمیں نظر آ رہا ہے، کہتے ہیں کہ ”ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ“۔ کہ جو کچھ نظر آتا ہے اس طرح ہے نہیں، حقیقت کی طرف ہماری نظر ہو۔ اس کی حقیقت دیکھنے کے واسطے ہمیں وہ آگ چاہیے کہ جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ”آنکھ کا نور دل کا نور نہیں“۔ آنکھ کے دیکھنے کو کہتے ہیں بصارت اور دل کی آنکھ سے دیکھنے کو بصیرت کہتے ہیں۔ جب تک

بصیرت نہیں ہو گی علم حقیقت تک رسائی ممکن نہیں اور بصیرت کا فقط ایک ہی دروازہ ہے اور وہ شیخ کامل ہے۔ اس کے بغیر بندہ بصیرت کے راستہ پر نہیں چل سکتا۔ چاہے دُنیا جہاں کی یونیورسٹیوں سے سندیں لے آئے۔ کتنے علما موجود ہیں ان کتابوں پر درس کیوں نہیں دیتے، اس واسطے کہ یہ کتابیں بصیرت مانگتی ہیں۔ کیونکہ یہ لکھی بھی ان لوگوں نے ہیں جو صاحبِ بصیرت تھے۔ ان کو بیان بھی وہ ہی کر سکے گا جو ان سے فیض یافتہ ہو اور سمجھ بھی اس کو ہی آئے گی جو بالواسطہ ان سے فیض حاصل کریں گے۔ ہمارا یہ مل بیٹھنا صرف قیل و قال نہیں بلکہ ہمارا ایک مقصد ہے اور وہ ہے اپنی زندگیاں سنوارنا اور دُوسرا یہ کہ جتنی دیر ہم مل کر بیٹھے ہیں یہ وقت اللہ کی بارگاہ میں عبادت شمار ہو۔ جب صحابہ کرام رسول پاک ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں جاتے تھے تو ضروری نہیں کہ وہ وعظ ہی سُنتے رہتے تھے۔ خاموش بیٹھے ہوئے بھی وقت گزرتا تھا۔ اس کے بعد بزرگان دین کے حلقوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ ابھی ماضی قریب کے اندر حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ[14] کے ہاں بھی یہ ہی دستور تھا کہ لوگ سر جھکا کر خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ میں نے خود جو ان کے آگے حلقے ہیں ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ ان کا طریقہ کار تھا۔ اس ذریعے بھی فیضان کا حصول ہوتا ہے۔ یہ ہمارا مل بیٹھنا کسی طرح بھی خالی از حکمت نہیں۔ جتنی دیر بھی بیٹھے ہیں اللہ پاک ہمارے دل کی وہ آنکھ کھول دے کہ کہتے ہیں کہ!

"بن پڑھیوں پئیا پڑھیوے ہو" اور "بن دسیوں پئیا دسیوے ہو"

یہ بھی ان مجالس کا ایک مقصد ہے۔ اللہ پاک اپنی جناب کے اندر قبول و منظور فرمائے۔ میں سب دوستوں کا مشکور ہوں جو دور و نزدیک سے آتے ہیں۔ جب آپ گھر سے قدم اُٹھائیں اور جب تک واپس پہنچیں، اللہ پاک آپ کو خالص مُراقبے کا ثواب عطا فرمائے۔ آمین۔ ہماری ان محافل کا مقصد فقط رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ نہ مجھے اپنی شہرت مقصود ہے اور نہ کسی قسم کا کوئی دُنیاوی مفاد۔ نہ آپ میرے سے کوئی دُنیاوی رقعے یا روپے پیسے کی تقسیم کے واسطے آتے ہیں۔ ہم بخدا مل بیٹھتے ہیں کہ کسی طرح ہمیں قُربِ الٰہی نصیب ہو جائے۔ اللہ کرے کہ ہم نے جس طرح سوتر کی اَٹی کے ساتھ یوسفؑ خریدنے کا جو عمل شروع کیا ہے، اللہ اِس سوتر کی اَٹی کو سونے کی اَٹی میں تبدیل فرما دے۔ اللہ تعالیٰ قبول و منظور فرمائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

14- جناب حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری صاحبؒ ماضی قریب کے بزرگان دین میں سے ہیں۔ اب بھی شاید وہ لوگ موجود ہوں جنھوں نے ان کی زیارت بھی کی ہو۔

درس تصوف۔6

دورانیہ۔50منٹ۔ تاریخ۔2013-07-04

بمقام۔ مسجد۔ آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ، کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

گزشتہ محفل میں علم حقیقت پر گفتگو کی گئی اور اہم نقطہ جو حضرت داتا گنج بخشؒ نے بیان فرمایا وہ حضرت حاتم الاصمؒ کا قول تھا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ مجھے جب سے چار چیزوں کا علم ہوا ہے تو میں دُنیا کے تمام علوم سے بے پرواہ ہو گیا ہوں۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں کہ ایک مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ میرا رزق مقدر ہو چکا ہے لہذا میں مزید حاصل کرنے کی خواہش سے بے نیاز ہو گیا۔ دُوسرا یہ کہ مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ میرے پر اللہ کا کوئی حق ہے اور میں نے اس کی ادائیگی کرنی ہے اور کوئی اس ادائیگی میں میری معاونت نہیں کر سکتا۔ پچھلی دفعہ بھی گزارش کی تھی کہ کوئی بھی شخص چاہے کہ کوئی بندہ اس کے واسطے صبح کی نماز پڑھ لے یہ ممکن نہیں، جو فرائض اللہ کی طرف سے کسی شخص پر عائد ہوئے ہیں وہ اس نے خود ہی ادا کرنے ہیں۔ جب تک اس کی زندگی ہے اس نے وہ خود ہی ادا کرنے ہیں۔ ماسوا کچھ ایسی عبادات ہیں جن میں عذر شرعی ہوتا ہے لیکن نماز کی صورت میں عذر شرعی بھی کوئی نہیں۔ تیسری بات یہ کہ مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ موت میری خواستگار ہے، میرے انتظار میں ہے لہذا میں اس سے راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایسی کوئی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے۔ لہذا میں نے موت کے واسطے اپنے آپ کو تیار کر لیا۔ چوتھی بات یہ کہ مجھے یہ علم ہوا کہ میرا کوئی مالک ہے جو ہر وقت مجھے دیکھ رہا ہے لہذا میں اس سے شرم کرتا ہوں اور اس کی نافرمانیوں سے باز رہتا ہوں۔ جس وقت انسان کو ان چار چیزوں کا علم ہو جائے تو انسان کو بہت ساری آفتوں سے نجات مل جاتی ہے۔ یہ چار امور ضروری ہیں کہ تمام احباب طریقت اُن کو ہر وقت مدِ نظر رکھیں اور اپنی زندگی کے ہر لحہ میں اُن پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ پہلا رزق کے بارے میں، دُوسرا اللہ پاک کے حقوق، تیسرا موت کا انتظار اور چوتھا یہ احساس کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ ایمان کا جوہر یہ ہی ہے کہ انسان کو یہ یقین آجائے کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اس سے اس کی نافرمانی کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان چار امور کو اس واسطے دہرایا ہے کہ ہماری زندگیوں کے اندر جتنے غیر ضروری بوجھ ہیں، جتنی غیر ضروری مصروفیات ہیں اور جتنا مختلف معاملات میں اُلجھ کر اللہ سے دور ہونے کا امکان ہے ان چار باتوں پر عمل سے بہت کم رہ جاتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہم ان چار چیزوں کو ہمیشہ اپنے مد نظر رکھیں۔ ان کو یاد کر لیں اور ہر وقت ایک دُوسرے کے ساتھ ان کو دہراتے رہیں تاکہ یہ ہمارے ذہن نشین بھی ہوں اور ہر وقت ہمارے علم میں بھی رہیں۔

آج کا موضوع فقر اور درویشی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس سلسلہ میں سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 273 تحریر فرمائی جو درج ذیل ہے:

"لِلفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لاَ يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ"۔(البقرۃ:273)

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ فقیر جو اللہ کی راہ میں روکے گئے، زمین پر چل نہیں سکتے بے شمار وجوہات کی وجہ سے لیکن نہ سمجھنے والے جاہل لوگ، نادان لوگ ان کو اس معاملے میں تونگر، امیر یا غنی جانتے ہیں۔ یہ ایک بڑی جامع آیت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فقیر جنہوں نے اپنی زندگی کا نصب العین فقر قرار دے لیا ہے وہ بے شمار ایسے امور ہیں جن میں اپنا قدم آگے نہیں بڑھاتے۔ زمین پر چل نہیں سکتے اس کا معانی جو لکھا گیا یہ محدود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے راستے لوگوں کے پاس حصولِ روزگار، لالچ یا مفاد کے ہیں یہ فقیر ان کو اختیار نہیں کرتے۔ اللہ پاک پر تقویٰ رکھتے ہیں اور کسی سے سوال نہیں کرتے تا آنکہ نادان لوگ جن کو ان کی کیفیت کا علم نہیں ہوتا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑے امیر کبیر ہیں لہٰذا ان کو ضرورت ہی نہیں۔ اس آیت سے محسوس ہوتا ہے کہ فقر صرف غریبی کا نام نہیں بلکہ حقیقتاً فقیر کون ہوتا ہے؟ حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ فقیر درویش وہ ہے کہ اس کے پاس نہ کچھ ایسی چیز ہو جو اس کے کام میں خلل ڈالے نہ ان کو اسباب دُنیا، دُنیا کی جو مختلف خواہشات یا عیش و آرام کے ذرائع ہیں ان کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ محتاج ہوں اور نہ ہی ان کا ہونا ان کے واسطے کوئی مسئلہ پیدا کرے۔ اسباب کا ہونا یا نہ ہونا دونوں فقیر کے لیے ایک جیسے ہیں۔ چاہے کچھ ہے یا کچھ نہیں اس کو اس کی پرواہ نہیں۔ اس کے واسطے وہ کسی سے سوال کرنے سے گریز کرتا ہے۔ آپؒ نے فقر کے اندر بڑے وسیع مضامین بیان فرمائے ہیں۔ لیکن میں نے چند ایک نکات جو ہماری سمجھ میں آسکتے ہیں صرف وہ گزارش کرنے ہیں۔ فقر کا نام محتاجی ضرور ہے مگر وہ صرف اللہ کی۔ فقیر ماسوا اللہ کے ہر کسی سے مُستغنی ہوتا ہے اور اس کو کسی اور سے کوئی حاجت نہیں ہوتی۔ اگر وہ کسی کے آگے سوال کرے تو اس کا فقر متاثر ہوتا ہے۔ یہ کیفیت میں جب ڈیرہ شریف ذمہ داری پر حاضر ہوا اس وقت ایک شعر کی صورت میں لکھ کر ایک دیوار پر عیاں کر دی تھی اور آج بھی موجود ہے کہ!

"کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا　　　اِس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پَا تیرا"

فقیر کو کسی مخلوق سے کوئی حاجت نہیں ہوتی۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے کسی بادشاہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ کسی بادشاہ سے کسی درویش کی ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے اُس کو کہا کہ اگر تجھے کوئی حاجت ہو تو وہ بیان کرو میں تیری وہ حاجت پوری کروں۔ اُس درویش نے جواب دیا کہ میں اپنے غلاموں کے غلام سے کیا مانگوں۔ بادشاہ حیران ہو گیا اور پوچھا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں تیرے غلاموں کا غلام ہوں۔ درویش نے کہا کہ میرے دو غلام ہیں ایک غلام حرص اور دُوسرا غلام اُمید و تمنا اور یہ دونوں تیرے آقا ہیں۔ لہٰذا میں اپنے غلاموں کے غلام سے کچھ مانگنا نہیں چاہتا۔ دُنیادار کے واسطے حرص اور اُمید پر اس کی دُنیا قائم ہوتی ہے۔ لیکن فقیر کو نہ کسی چیز کی حرص ہوتی ہے اور نہ اس کو کسی چیز کی اُمید ہوتی ہے۔ اس نے اپنا آپ اپنے رب کے سپرد کر دیا ہے۔ جو چاہے کرے وہ فقیر ہے تو رب کا اور غنی ہے تو اس کے در کا۔ اس کے سواء اس کی نہ کوئی چاہت اور نہ کوئی طلب ہے۔ یہ نقطہ ہر اس شخص کے واسطے ضروری ہے جس نے اپنے رب کے ساتھ کوئی قُرب کا تعلق پیدا

کرنا ہے کہ وہ ماسوا اللہ سب سے بے نیاز ہوتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا!

"من نظر الی الخلق ہلک و من رجع الی الحق ملک"

جس نے نظر کی اپنی کسی خواہش اور اُمید کے واسطے مخلوق کی طرف وہ ہلاک ہوا اور جس نے نظر کی اپنی خواہش کے واسطے اللہ کی جانب وہ بادشاہ ہو گیا۔ فقیر کا درجہ اس سے بھی آگے ہے کہ وہ کسی بھی قسم کی طلب نہیں چاہتا اور اللہ کی بارگاہ میں اس کی محتاجی اس کی بندگی تک محدود ہوتی ہے۔ ایک وہ اپنے آپ کو اللہ کی جناب میں کم تر اور عاجز ظاہر کرتا رہتا ہے۔ ان دو کیفیات کو حضرت امام غزالیؒ نے دو نام دیئے ہیں۔ فقر دوام اور دَوامُ الالتجاء۔ ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے فقر میں سے حصہ عطا فرمایا ہے ایک تو وہ مخلوق سے بے نیاز ہوتا ہے، اس کو فقر دوام کہا گیا۔ اور دَوامُ الالتجاء ہر وقت اپنے رب کی بارگاہ میں اپنی انکساری، اپنے کم تر ہونے کا اور اپنے عاصی ہونے کا رونا روتا ہے۔ اللہ کی جناب میں دل ہی دل میں گڑگڑاتا ہے اور اپنے عجز و انکسار کا اظہار کرتا ہے، اپنی محتاجی کا اس کو احساس رہتا ہے۔ یہ دَوامُ الالتجاء اور فقر دوام جس کو یہ دو حالتیں عطا کر دی جائیں اس کو پھر کوئی فکر نہیں رہتی۔ اگر اس میں سے حصہ نہ ملے تو اس کا فقر نامکمل ہے۔ سیدنا علی ہجویریؒ نے مختلف بزرگوں کے اقوال بھی درج فرمائے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی میں اشارۃً تھوڑا تھوڑا عرض کرتا ہوں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ فقیر وہ نہیں جو ساز و سامان سے خالی ہو بلکہ فقیر وہ ہے جس کا دل دُنیا کی آرزو اور تمنا سے خالی ہو۔ اس کو اس دُنیا میں رہتے ہوئے اس کی طلب نہ ہو وہ فقیر ہے۔ جس کو دُنیا کی مختلف خواہشیں رہیں تو فقر کے اندر اس کا کوئی مقام نہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو مال و دولت دے تو بھی اس کو کوئی پرواہ نہیں اور اگر وہ مال کو تَرک کر دے تو پھر بھی اس کو کوئی پرواہ نہیں۔ اسی طرح آپؒ نے ایک اور بزرگ صائم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بیان فرمایا کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے اسرار کی حفاظت کرے، اپنے نفس کو دُنیاوی خواہشات سے بچائے اور اپنے فرائض کو ادا کرے۔ "اسرار" اس حالت کو کہتے ہیں جو اللہ کے ساتھ اس کی واقع ہوتی ہے۔ کوئی شخص جب اللہ تعالیٰ کی یاد کے اندر ہوتا ہے اس کے دل کے جو حالات ہوتے ہیں وہ اس کی حفاظت کرے اور کسی کو اس سے آگاہ نہ کرے۔ اس کا کسی کو آگاہ کرنا بھی بہت خطرناک معاملہ ہے۔ بہر حال بہت کم لوگوں کو اس حالت تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کرے آہستہ آہستہ یہ رسائی حاصل ہو جائے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فقیر وہ ہے جو اللہ کے سوا اور کسی چیز کے اندر راحت نہ پائے۔ اس کو فقط ایک مالک کی رضا اس کی طلب اور اس کی دید کی خواہش ہی باقی رہ جائے۔ اس کے علاوہ حضرت ابو الحسن نوریؒ کا قول بیان فرمایا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ نہ ہونے کے وقت خاموش رہے اور جب ہو تو اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔ یہ بھی فرمایا کہ مال کی موجودگی کے دوران اس کو اضطراب رہنا چاہیے کہ کسی طرح میں اِس مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کر کے اِس مال سے نجات حاصل کر لوں۔ جو لوگ فقر میں سے حصہ پاتے ہیں اُن کے دل کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد اس مال کو اس کے مصرف کے اندر خرچ کرتے ہیں۔ کم از کم اپنی ملکیت میں سے اس کو خارج کر دیتے ہیں۔ یہ

فقر کی تعریف ہے۔اسی سِلسلہ میں حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ "ظلم من سمّیٰ ابن ادم امیراً وقد سماہ ربہ فقیراً"اس شخص نے ظلم کیا جس نے بندے کانام امیر رکھا حالانکہ اس کے رب نے اس کو فقیر فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم سب میری طرف فقیر ہو۔

"يَاالنَّاسُ أَنْتُمْ الْفُقَرَا اأَيُّهَا ءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ"(فاطر:15)

اللہ ہی غنی ہے تم سب اللہ کے محتاج ہو۔آپؒ فرماتے ہیں کہ انسان طبعی طور پر فقیر ہے۔لہذا نام بھی امیر نہیں رکھنا چاہیے۔یہ نام رکھنا بھی اللہ کی بار گاہ میں بے ادبی کے مترادف ہے۔فقر سے مُراد کیا ہے اگرچہ اس مضمون کے تحت بہت سارے دیگر نکات بھی بیان ہوئے ہیں مَاحَصل گفتگو کشف المحجوب کے مطابق یہ ہے کہ جو شخص دُنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور دُنیا کے مال کا ہونا یانہ ہونا اس کے دل پر اثر انداز نہیں ہوتا حقیقتاً وہ فقیر ہے۔جیسا کہ میں نے ایک واقعہ پچھلی دفعہ عرض کیا تھا کہ ایک شخص کی دُکان جل گئی، بازار میں آگ لگی اور کوئی شخص آیا اس نے کہا کہ تمہاری دُکان جل گئی ہے اس نے اپنے دل کی طرف غور کیا اور الحمدللہ پڑھا۔کچھ دیر کے بعد ایک اور بندہ آیا اور کہنے لگا کہ سارا بازار جل گیا ہے لیکن تمہاری دُکان بچ گئی ہے۔اس نے پھر سر جھکایا اور پڑھا الحمدللہ۔جو لوگ پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ کوئی فرق نہیں، دُکان جل گئی تب بھی الحمدللہ اور اگر بچ گئی تب بھی الحمدللہ۔اس نے کہا کہ جب میں نے پہلی خبر سنی اپنے دل کو دیکھا میرے دل نے کسی قسم کا غم، ملال یا اس پر کسی قسم کا کوئی افسوس کا اظہار نہیں کیا، میں نے رب کا شکر ادا کیا کہ یااللہ تم نے مجھے دُنیا سے بے نیاز کر دیا اور جب ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ تیری دُکان بچ گئی ہے تو میں نے پھر اپنے دل کی طرف دیکھا اس کے اندر کسی قسم کی کوئی خوشی، فخر یا اس قسم کا کوئی بھی معاملہ موجود نہیں تھا۔لہذا میں نے پھر شکر کیا کہ یااللہ مال کا ہونا یا نہ ہونا میرے اوپر اثر انداز نہیں ہوا۔اس مثال سے فقر کا معانی واضح ہو جانا چاہیے کہ فقیر وہ ہے جس کو دُنیا کا مال کسی طریقہ سے بھی متاثر نہ کرے اور جو اللہ تعالیٰ کا فرمان تلاوت کیا آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کریم کا فرمان ان لوگوں کے واسطے ہے جو بے شمار معاملات کے اندر بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں اور حریص کی طرح اس کے طرف جھپٹتے نہیں۔

"لِلفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لاَ يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الأَرْضِ يَحْسَبُهُمْ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنْ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ "(البقرۃ:273)

جھپٹتے نہیں، اللہ پر توکل رکھتے ہیں۔وہ مالک ہے اور دیکھنے والے ان کو ان کی ہیئت سے فقیر، منگتا یا غریب نہ جانیں یہ فقیر کی تعریف (Definition) قُرانِ پاک نے بیان فرمائی ہے۔کہ وہ اپنے ظاہر سے کوشش کریں کہ ان کی جو حالت ہے اس کا اظہار نہ ہو بھوکے ہیں تو تب بھی اور اگر کچھ ہے تب بھی ان کی حالت کا اظہار نہ ہو۔اس سِلسلہ میں حضرت امام ابو القاسم قشیریؒ جن کے بارے میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے اُستاد کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔امام ابو القاسم قشیریؒ کی مجالس میں حضرت داتا گنج بخشؒ شمولیت فرماتے رہے اور ان سے اکتسابِ فیض فرمایا۔آپؒ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں جو کہ مانگنے کے واسطے بڑے چکر لگائے یا جس کو ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں کسی کے دروازے پر لے جائیں۔پوچھا گیا کہ مسکین کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس اس قدر نہ ہو کہ وہ اس کو اس چیز

سے بے نیاز کر دے کہ وہ لوگوں سے سوال کرنے سے حیاء کرے۔یعنی بے شک وہ ہر چیز سے اپنے آپ کو فارغ کر لے لیکن لوگوں کے سامنے سوال نہ کرے وہ فقیر ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے مانگنے سے حیاء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ سے حیاء آتی ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہو کر پھر مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہوں۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ فقیروں کے بارے میں آپؒ فرماتے ہیں کہ فقراء اللہ کے بندوں میں سے چنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں اور اس کی مخلوق کے درمیان اخلاق و رموز کا محل ہوتے ہیں۔ اللہ انہی فقیروں کی وجہ سے مخلوق کی حفاظت فرماتا ہے۔ ان کی برکتوں کے باعث عام لوگوں کے رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ان لوگوں کی وجہ سے مخلوق کی حفاظت بھی ہوتی ہے اور مخلوق کو رزق بھی دیا جاتا ہے۔ یہ ہی قول حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی بیان فرمایا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اولیا اللہ کے احوال کی وجہ سے بارش ہوتی ہے،اور ان کے احوال کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو رزق عطا کرتا ہے۔تو فقراء کی عزت کے بارے میں حضرت معاذؓ کا ایک قول بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک نہیں کرتا جو اپنے فقیروں کی توہین یا تذلیل نہ کرے اور ان کی عزت کرے۔ فقر کے بارے میں مختلف بزرگوں کے اقوال بھی آپؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ بندہ اللہ کے ساتھ مالداری حاصل کرے یعنی دُنیا کے اسباب پر تقویٰ نہ کرے۔ وہ امیر ضرور ہو لیکن اس کا بینک بیلنس دُنیا میں نہ ہو بلکہ اپنے رب کے پاس ہو۔ جتنی اس کو ضرورت ہے اللہ اس کو عطا کر دیتا ہے۔ فقر کی یہ تعریف ہے۔ حضرت حمدون کا آپؒ نے قول بیان فرمایا ہے کہ جب ابلیس اور اس کا لشکر اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ کسی بات پر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے تین باتوں پر خوش ہوتے ہیں۔ابلیس شیطان اور اس کا لشکر تین باتوں پر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ایک یہ کہ کوئی مومن کسی دُوسرے مومن کو قتل کر دے اس پر شیطان خوش ہوتا ہے۔ دُوسرا یہ کہ کوئی شخص حالت کفر پر مر جائے اس پر بھی شیطان کو خوشی ہوتی ہے اور تیسرا یہ کہ وہ اپنے دل کے اندر محتاج ہونے کا خوف رکھتا ہو۔ اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرے۔ یہ بھی قُرانِ پَاک میں آیا ہے کہ جو اللہ کا دیا روک رکھے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے ان کے بارے میں فرمایا کہ!

"فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ "(ال عمران:21)

ان کو دکھ والی مار کی اطلاع دے دیں۔ جو شخص اپنے دل میں غربت کا خوف رکھے اور اپنا مال روک رکھے اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرے اس پر شیطان کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ ہم وہ اصول کیوں نہ مد نظر رکھیں جن کی روشنی میں ہماری زندگیاں کامیاب زندگیاں کہلائیں۔ اگرچہ دورِ حاظر میں عملی طور پر یہ چیز مشکل نظر آتی ہے ،لیکن وہ طالب علم جو 100 نمبروں کی آرزو رکھتا ہے اس کو 70 نمبر تو مل ہی جاتے ہیں اور جو پاس ہونے کے نمبروں کی آرزو رکھے گا تو ہو سکتا ہے کہ اس کو 100 میں سے 10 نمبر بھی نہ ملیں۔لہذا اپنا معیار وہ ہی رکھیں جو اللہ کر پسند ہو۔ تین چیزوں پر شیطان خوش ہوتا ہے، کوئی مومن کسی مومن کو قتل کرے، کوئی شخص کفر پر مر جائے یا کوئی بندہ اپنے گھر دولت روک لے اور مستحقین پر خرچ نہ کرے اس ڈر سے کہ کہیں مجھے ضرورت پڑ گئی تو میرے پاس نہیں ہوں گے۔اس چیز کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ جو اللہ کے راستہ

میں خرچ کرتا ہے بخدا اللہ پاک نے قُرانِ پَاک میں یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میں اُس کو دوگنا عطا کروں گا اوراللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ کہتے ہیں کہ!

"راہ پیا جانے تے واہ پیا جانے"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ میں نے اپنے داداجان کی زبان سے سنا ہوا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں غریبی، مسکینی کی حالت میں وقت گزار تارہا۔ حتیٰ کہ وہ ایک دن تنگ آگیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں جاکر عرض کی کہ یا حضرت میری زندگی کا جتنا رزق باقی ہے آپؑ دعا کریں کہ وہ آج مجھے ایک دفعہ ہی مل جائے تاکہ میں ایک دفعہ تو پیٹ بھر کر کھالوں پھر چاہے میں مر ہی کیوں نہ جاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ اس کے مقدر میں اس کا جتنا رزق باقی رہتا تھا، اللہ پاک نے اس کو عطا فرمادیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے گئے۔ کافی عرصے کے بعد ان کا گزر ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ بے شمار لوگ کھانا کھا کھا کر نکل رہے ہیں۔ پوچھا کہ یہ کس کا ڈیرہ ہے۔ لوگوں نے بتایا تو یہ وہ ہی بندہ تھا جس کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ یا اللہ اس کا جتنا بھی رزق ہے اس کو عطا کر دیا جائے۔ آپؑ نے اللہ کی بارگاہ میں التجاء کی یا اللہ اس کا تو رزق ہی تھوڑا سا تھا، اتنی دُنیا اس کے پاس سے کھا کر نکل رہی ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام اس نے پیٹ بھر کر کھایا جو بچ گیا وہ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا۔ وہ بچا کر نہیں رکھا کہ باقی کا میں رات کو کھالوں گا، صبح کھالوں گا، بچایا نہیں۔ پیٹ بھر کر کھایا اور باقی کا اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا۔ اللہ نے اس کو اتنا اور عطا فرمادیا۔ وہ پھر تقسیم کر دیا اللہ نے اس کو اتنا اور دے دیا۔ اس طرح کرتے ہوئے اللہ نے اس کا رزق بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔ اس مثال کے عرض کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے بخدا دن بدن اللہ کی دین اس کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ ایک پائپ لائن ہے کہ ایک طرف سے ڈالیں تو دُوسری طرف سے نکلتا ہے۔ اگر نکالیں گے نہیں تو دُوسری طرف سے داخل نہیں ہوگا۔ تو یہ نسخہِ کیمیا ہے۔ بجائے اس کے کہ بندہ تانبے کے ساتھ سونا بنائے، یا کسی کیمیا کے نسخے استعمال کرے۔ اللہ کے راستہ میں خرچ کرے۔ اللہ اس کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہونے دیتا۔

"کاش کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات"

عمل کر کے دیکھنے سے ہی اس حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا ہے کہ فقیر کی تین صفات ہیں۔ ایک فقیر اللہ کے رازوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اپنے اوپر عائد فرائض کی ادائیگی کرتا ہے اور اپنے فقر کی حفاظت کرتا ہے۔ کسی لمحہ بھی اس کو کسی دُنیا دار سے کوئی طلب نہیں ہوتی۔ روٹی کی اُمید میں بیٹھا نہیں رہتا جو بھی میسر ہو وہ کھالیتا ہے۔ حضرت سعد بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا آپؒ نے قول بیان فرمایا کہ پانچ باتیں نفس کے بنیادی جوہر میں سے ہیں۔ نفس کی خوبیاں ہیں وہ یہ ہیں۔ ایک وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ شکل سے مالدار نظر آئے، دیکھنے میں وہ محتاج نہ لگے، اس کا ذکر قُرانِ پَاک کی جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی تھی کہ لوگ اس کو نادانی کی وجہ سے ہی امیر جانتے ہیں لیکن در

حقیقت اس کے پاس کچھ موجود نہیں ہوتا۔ دیکھنے میں وہ امیر لگتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا پانچ خوبیاں ہیں فقیر کی۔ایک وہ محتاج جو مالداری ظاہر کرے، ایک وہ بھوکا جو اپنی بھوک کا اظہار نہ کرے، ایک وہ غمگین جو اپنے غم کو چھپائے، ایک وہ شخص جس کی کسی دُوسرے کے ساتھ دشمنی ہو لیکن جب اس کو ملے تو خندہ پیشانی کیساتھ ملے اور خوش ہو کر ملے۔ ایک وہ جو دن کو روزہ رکھے اور رات کو قیام کرے لیکن کمزوری ظاہر نہ کرے۔ حضرت شبلیؒ کا قول آپؒ فرماتے ہیں کہ فقر کی علامات میں سے ادنیٰ علامت یہ ہے کہ اگر تمام دُنیا کسی شخص کو دے دی جائے کہ وہ خرچ کرے، پھر بھی اس کے دل میں خیال پیدا نہ ہو کہ وہ ایک دن کی روزی اس میں سے روک لے، جو ساری دُنیا خرچ کر دے اور ایک دن کی روزی روک لے وہ شخص فقیر نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت مَاحَصل گفتگو یہ ہے کہ فقر نام ہے بے نیازی کا۔ کہ انسان دُنیا میں رہ کر دُنیا سے بے نیاز ہو جائے۔ نہ اس کو زیادہ کی طلب ہو اور نہ اس کو کسی چیز کے کم ہو جانے کا خوف ہو۔ یہ دو چیزیں جس کے اندر پیدا ہو جائیں وہ

”لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ“(یونس:62)

کی منزل حاصل کر لیتا ہے۔ اس شخص کو فقیر کہا جا سکتا ہے۔ فقیر وہ نہیں ہوتا جو لوگوں کے کپڑے کھینچ کھینچ کر مانگتا ہے۔ وہ گداگر ہے منگتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رات کافی گزر چکی ہے اور میرے سامنے بہت سارے لوگ آرام فرما ہیں۔ لیکن گزارش یہ ہے کہ میں نے پہلے دن ہی عرض کیا تھا کہ اگر میں حالات دیکھوں تو مجھے اس چیز سے بظاہر کچھ حاصل نہیں لیکن یہ ایک ذمہ داری ہے جو مالک کی طرف سے ڈالی گئی ہے۔ بارہ بجے سے لیکر اب تک مخلوق کے ساتھ مسلسل محوِ گفتگو رہا ہوں اور ناشتے کے بعد اب تک مجھے رات کے کھانے کا وقت میسر نہیں آسکا۔ یہ ذمہ داری اپنے مالک کی طرف سے اور اس کی ادائیگی اس کی بارگاہ میں اپنی حاضری لگوانے کے واسطے، اپنی اصلاح کے واسطے اور جو لوگ آئے ہیں ان کے حصولِ فیضان کے واسطے۔ فقر میں جو میں نے گزارش کی ہے کہ فقیر وہ ہے جو اس دُنیا میں رہ کر اس دُنیا سے بے نیاز ہو، نہ اس کو زیادہ کی خواہش ہو، نہ اس کو گھٹ جانے کو خوف ہو۔ یہ حاصل گفتگو ہے۔ اللہ کرے ہمیں اللہ تعالیٰ یہ صفت نصیب کرے۔ اگر یہ چیز نصیب ہو جائے تو پھر انسان فقیر کہلانے کا مستحق ہے وگرنہ نہیں۔ اس سِلسلہ میں میں نے بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے۔ بے شمار ذمہ داریاں ہیں اس لیے باوجود بے انتہا کوشش کے ہم اپنے اس درس کو جلدی شروع نہیں کر سکتے اس واسطے کہ ہجومِ خلائق دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے اور ان کے ساتھ مصروف رہنا یہ بھی سرکاری ڈیوٹی ہے۔ جس سے عہدہ برا ہو کر پھر یہاں پر حاضر ہونا ہوتا ہے۔ اللہ کرے ہماری یہ کوشش قبول و منظور ہو اور اللہ ہمیں ان خصوصیات کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ عبادت اس وقت تک درست نہیں ہوتی، کامل نہیں ہوتی ناقص رہتی ہے جب تک انسان کے اندر بندگی میں فقر کی یہ صفات پیدا نہیں ہوتیں۔ اللہ کریم ان سے آگاہی اور ان کو اپنانے کو توفیق عطا فرمائے۔ اگر کسی شخص نے کوئی سوال کرنا ہو تو وہ کر سکتا ہے۔

سوال۔ اس فقر کا حصول کس طرح ممکن ہے؟

جواب۔ شروع میں جیسا کہ میں نے علم کے بارے میں عرض کیا تھا کہ کہتے ہیں کہ ”کند ہم جنس بہ ہم جنس پرواز“ جب تک آپ کسی فقیر کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا طریقہ ”پچ“ اپنے اندر نہیں لائیں گے اس وقت تک فقر کا حصول، سُنی سُنائی پر یا سوچنے سے

ممکن نہیں ہے۔ انسان لاکھ کوشش کر لے لیکن جب اس کو دولت یا اس کے نفس کو دیگر کوئی لالچ نظر آتا ہے تو اس کا نفس جھپٹنے سے باز نہیں آتا۔ کہتے ہیں کہ ایک مفتی صاحب نے اپنے گھر والوں کو اس بات سے منع کیا کہ جو مرغیاں ساتھ والے گھر سے ہمارے گھر میں آتی ہیں اُن کو پکڑ کر، ذبح کر کے نہیں کھانا۔ بڑی سختی سے منع کیا۔ لیکن وہ گھر میں نہیں تھے اور اُن کے گھر والوں نے ایک مرغی ذبح کر لی اور اس کو پکایا۔ جب مفتی صاحب کھانا کھانے بیٹھے تو ان کو پتہ چلا کہ یہ مرغی تو ہمسائیوں کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے مرغی نہ دو بلکہ شوربہ دے دو، اب جب شوربہ ڈالنے کے لیے دیگچی اُلٹائی گئی تو اس مرغی کی بوٹی آگے آگئی تو کہنے لگے کہ جو خود بخود آتی ہے اس کو آنے دو۔ فقر تب تک حاصل نہیں ہوتا جب تک انسان کسی فقیر کے ساتھ اپنے شب و روز نہ گزارے اور اس کا تابع فرمان نہ ہو جائے۔ اپنا دل اس کو نہ دے دے۔ اس وقت تک فقر کا حصول ممکن نہیں۔ کیونکہ ہر جنس اسی سے ملے گی جس کے پاس ہو گی۔ دودھ آپ کو لوہار کی دُکان سے نہیں ملتا وہ دودھ والی دُکان سے ملتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ نے خوشبو لینی ہے تو وہ عطار کے پاس سے ملے گی وہ کوئلہ بیچنے والے کے پاس سے نہیں مل سکتی۔ اسی طرح فقر فقیر کے پاس سے ملتا ہے اور فقیر کو آپ اپنا آپ دیں گے تو وہ آپ کو فقر دے دے گا۔ اِس کو یقین آئے تو تب بات بنے گی۔ اس کا اصول اللہ نے قُرانِ پاک کے اندر بیان فرمایا!

" وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ "[15](الحجر:99)

اپنے رب کی بندگی کر یہاں تک کہ اس کو یقین آجائے۔ اللہ کی بندگی پر بھی اللہ نے فرمایا کہ مجھے یقین آئے گا تو تب ہی میں تمہیں اپنا بندہ بناؤں گا، تم کوشش کرتے جاؤ، تم یہ ثابت کرو کہ تم اس کے بندے ہو۔ اس کی بندگی میں جو بھی اس کی شرطیں ہیں ان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ آپ کا سوال بڑا اچھا تھا۔ چلیں کوئی تو پوچھتا ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے۔ یہ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ " الفقر و فقری " بے شک جب حضرت جبرائیل امین آئے تھے اور انہوں نے عرض کی تھی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ حکم دیں کہ میں احد پہاڑ کو سونے کا کر دوں۔ آپ ﷺ نے انکار فرما دیا تھا۔ یہ فقر کی ہی ایک بڑی اعلیٰ مثال ہے کہ ساری قدرت ہونے کے باوجود، ایک وہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا اس نے فقر کا کیا اظہار کرنا ہے۔ جس کے پاس سب کچھ ہو وہ لینے سے انکار کر دے ساری طاقت ہونے کے باوجود فقر کا لطف اس میں ہی ہوتا ہے۔ اسی فقر کا حضرت داتا گنج بخشؒ نے ذکر فرمایا اور اسی کا حضرت امام ابو القاسم قشیریؒ نے ذکر فرمایا کہ فقر یہ نہیں کہ بندے کے پاس کچھ نہ ہو بلکہ فقر یہ ہے کہ بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ بے نیاز ہو۔ اس کا مال اس کو اللہ سے دور کرے نہ ہی اللہ سے غافل کرے۔ نہ مال کا ہونا اس کو خوش کرے اور نہ ہی مال کے جانے کا اس کو کوئی خوف ہو۔ اس کے واسطے دونوں حالتیں ایک جیسی ہوں یہ فقر ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ کو فقر کی سمجھ آگئی ہو گی۔ اتنے آسان الفاظ میں ان کتابوں کے اندر نہیں لکھا ہوا۔ مزید کسی نے کوئی سوال پوچھنا ہو تو پوچھ سکتا ہے۔ میں بار بار آپ کو اس لیے مائل کرتا ہوں کہ میں جو کچھ عرض کرتا ہوں آپ کے دل میں شوق پیدا ہو کہ اس پر عمل بھی ہو سکتا ہے اور

---

[15]-القران الکریم، الحجر 15، (99)

بخدا میں وہ ہی باتیں عرض کر رہا ہوں جن پر عمل ہو سکے۔ جو علمی باتیں ہیں ہم ان کو قطع نظر کر رہے ہیں۔ کیونکہ مقصد علم کا اظہار نہیں بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ ہم اللہ پاک کے قُرب کے راستے میں جن جن چیزوں کی ضرورت ہے ان کو اپنالیں۔ علم کے بعد فقر کا درجہ سب سے زیادہ ہے۔ تمام اولیا، بزرگ، مشائخ اور جتنے بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوئے ہیں سب نے اس چیز کا اظہار کیا ہے کہ جب تک فقر نہ ہو اس وقت تک رب راضی نہیں ہوتا۔ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے واسطے، صاف ظاہر دُنیا اور اس کے اندر جو کچھ موجود ہے اس سے جب تک بندہ مُستغنی بے نیاز نہ ہو تو دُنیا پیدا کرنے والے کے ساتھ کوئی تعلق پیدا نہیں ہو سکتا۔ دُنیا کے ساتھ بے نیاز ہو گا تو اس کے قدم آگے چلیں گے اور وہ انشاء اللہ مالک کی حدود کے اندر داخل ہو جائے گا۔ اُمید ہے کہ آج کا سبق بھی سننے والوں کو یاد ہو گا۔ پچھلا جو سبق تھا اس میں چار باتیں تھیں۔ وہ میں نے کچھ دوستوں سے بعد میں پوچھی تھیں کسی نے بتا دیں کوئی نہ بتا سکا۔ تھوڑا بہت کچھ احساس ہو ہی جاتا ہے لیکن فقر کو میں نے بڑا نچوڑ نچوڑ کر مختصر کیا ہے اور محدود چند لفظوں میں اِس کو بیان کر دیا ہے۔ فقر نام ہے کوئی چیز ہو یا نہ ہو اس سے بے نیاز ہونے کا۔ انسان دُنیا اور مافیہا جو کچھ اس کے اندر ہے اس سے بے نیاز ہوتا ہے تو فقیر ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت جو کہا اور سنا گیا اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ آمین۔ وماعلینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)۔

درس تصوف۔ 7

دورانیہ۔66منٹ۔ تاریخ۔11-07-2013

بمقام۔ مسجد۔ آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ، کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

آج کا موضوع کشف المحجوب شریف کی ترتیب کے مطابق "تصوف" بنتا ہے۔ پچھلا موضوع فقر کے بارے میں تھا اور چند لفظوں میں میں نے سارے فقر کا تجزیہ پیش کیا کہ فقر نام ہے انسان کی اس حالت کا جب وہ دُنیا اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس سے بے نیاز ہوتا ہے۔ یہاں پر دو چیزیں ہیں استفقار الا اللہ اور استغنیٰ باللہ۔ انسان اپنے رب کا محتاج ہوتا ہے لیکن ساری کائنات سے مُستغنی اور بے نیاز ہوتا ہے۔ فقیر ماسوا رب کے اور کسی کا محتاج نہیں رہتا اور ساری کائنات سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ جس شخص کو زیادہ کی خواہش نہ ہو اور اگر اس سے کچھ چلا جائے اور اس پر غمگین نہ ہو۔ اگر یہ علامت اس میں پائی جائے کہ کچھ مل جائے تو خوش نہ ہو اور کچھ کھو جائے تو غمگین نہ ہو، اگر یہ علامت موجود ہو تو اس میں فقر موجود ہوتا ہے۔ یہ فقر کی تشخیص ہے۔ اگر کوئی شخص زیادہ کی خواہش کرے اور کچھ کھو جائے تو غمگین ہو جائے، افسوس کرے تو وہ فقیر نہیں ہو سکتا۔ گزشتہ سبق میں میں اس سِلسلہ میں تفصیلی گفتگو گزارش کر چکا ہوں۔ انشاء اللہ اگر اللہ نے توفیق دی تو ہم یہ اسباق تحریر کر کے ان کو شائع کر دیں گے تا کہ جو لوگ اس میں شامل نہیں ہو سکے، ان کو بھی ان سے آگاہی ہو جائے۔ کیونکہ یہ کتابیں 500 ہجری سے پہلے لکھی گئی ہیں۔ اس وقت تصوف اپنی خالص حالت میں موجود تھا۔ جو بعد میں آنے والے وقت میں کثافتیں آہستہ آہستہ اس سلسلہ کو چپکی، اُن سے یہ محفوظ تھا۔ اس لیے ہم نے ان کتابوں کا انتخاب کیا ہے جو تصوف کی رہنما کتابوں کے طور پر مشہور ہیں۔ ان میں ایک کشف المحجوب ہے، جو حضرت داتا گنج بخشؒ نے تحریر فرمائی ہے، سیدنا علی ہجویریؒ اولین دور کے مثالی صوفی اور بزرگ ہیں۔ ان کی کتاب میں رجوع الیٰ اللہ کے جو طریقے موجود ہیں وہ تمام تر کثافتوں اور مختلف غیر ضروری چیزیں جو بعد میں اس میں شامل ہوئیں ان سے پاک ہیں۔ لہذا اس کتاب کو ہم آئیڈیل رکھ کر بات کریں گے۔ جیسا کہ میں پچھلی دفعہ عرض کر رہا تھا کہ اگر کوئی شخص 100 نمبر کی جستجو کرے اس کو 70 نمبر ملنے کی اُمید ہوتی ہے۔ لیکن جو پہلے ہی 100 میں سے 33 نمبر لے کر پاس ہونے کا ارادہ کر لے اس کا پاس ہونا ممکن ہی نہیں۔ لہذا ہم جو معیاری تصوف کے اصول ہیں ان کو مد نظر رکھ کر اپنی زندگیاں ان کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ تا کہ ہم اپنے رب کو پالیں اور ہمیں زندگی کی تمام تر نعمتیں حاصل ہو جائیں، جو اللہ تعالیٰ نے

"إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً "(البقرة:30)

کی حیثیت میں انسان کو دینے کا اعلان فرمایا ہے ،یعنی اپنا نمائندہ ہونے کی حیثیت میں انسان کو دینے کا اعلان فرمایا ہے، ہم بھی شاید ان کے حقدار بن جائیں۔اس سِلسلہ میں میں نے فقر کے بارے میں گزارشات کی ہیں۔ فقر کے سِلسلہ میں بہت ساری غیر ضروری قباحتیں ہیں ان کو قطع نظر کرتے ہوئے فقر کی غرض وغایت اور اس کے جو بنیادی اصول ہیں وہ یہ ہیں کہ کوئی شخص کچھ مل جائے تو خوش نہ ہو اور کسی چیز کو حاصل کرنے کی خواہش نہ رکھے۔اگر کچھ کھو جائے تو غمگین نہ ہو۔اس سِلسلہ میں میں نے مثال دی تھی ایک بزرگ کی۔ جنھوں نے بازار میں ایک دُکان بنائی تھی۔ بازار میں آگ لگ گئی، ان کو ایک بندے نے آکر اطلاع دی کہ جناب آپ کی دُکان جل گئی ہے۔ آپؒ نے فرمایا "الحمدللہ"۔کچھ دیر گزر گئی ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا کہ بازار سارا جل گیا ہے مگر آپؒ کی دُکان بچ گئی ہے۔آپؒ نے پھر فرمایا "الحمدللہ"۔لوگوں نے پوچھا کہ دُکان بچنے پر بھی "الحمدللہ" اور دُکان جلنے پر بھی "الحمدللہ"۔آپؒ نے فرمایا جس وقت مجھے اطلاع ملی کہ تمہاری دُکان جل گئی میں نے اپنے باطن کی طرف دیکھا۔میں نے اپنے باطن میں کسی بھی قسم کا افسوس نہیں پایا۔لہٰذا اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے مجھے دُنیا سے بے نیاز کر دیا ہے۔ جب دُوسرے شخص نے آکر کہا کہ دُکان بچ گئی ہے تو میں نے پھر "الحمدللہ" کہا کہ میں نے جب اپنے باطن کی طرف دیکھا تو میرا باطن بلاضرورت خوش نہیں تھا۔ جیسی اس کی حالت پہلے تھی ویسی اس کی بعد میں تھی۔جو لوگ اس فانی دُنیا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں تو نہ ان کو کمی کی کوئی فکر ہوتی ہے اور نہ ہی کسی طریقے کے ساتھ ان کے اندر زیادتی کی خواہش ہوتی ہے۔ان کو فقیر کہا جاتا ہے۔اس سِلسلہ میں میں نے مزید گزارش یہ کی تھی کہ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ دوست اپنے دوست سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے، اگر مطالبہ کرے گا تو اس کی دوستی غرض مندی میں بدل جائے گی۔ دوست اپنے دوست سے کسی بھی چیز کا مطالبہ نہیں کرتا۔اگر دوست سے مطالبہ کیا جائے تو پھر دوستی نہیں ہوتی بلکہ غرض مندی ہوتی ہے۔ حقیقی تصوف اس چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنا آپ رب کے سپرد کر دیں۔اس نے جب اس چیز کا ذمہ لیا ہے کہ وہ ہماری تمام ترضرورتیں پوری کرتا ہے تو پھر اس میں مزید تفکر کی ضرورت نہیں۔ فقر کے سلسلہ میں میں نے مزید گزارش کی تھی کہ جو شخص کسی چیز کے نہ ہونے پر غمگین ہو جائے یا کسی کو حاصل کرنے کی جستجو کرے اس کو فقر کا مقام زیب نہیں دیتا۔اس میں دو چیزیں مدِ نظر رکھنی ہیں کہ اگر مل جائے تو خوش نہ ہو اور نہ ملے تو غمگین نہ ہو اور دُنیا کی تمام ترضرورتوں سے بے نیاز ہو جائے۔ اگر اللہ نے اس کو اس دُنیا میں رکھنا ہے، اس کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کا اللہ پاک نے ذمہ لیا ہے اور وہ بغیر کہے پوری کر دیتا ہے۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ نے فرمایا کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ نہ ہونے کے وقت خاموش رہے اور جب ہو تو ایثار کر دے، خرچ کر دے۔ مجھے اس سلسلہ میں حضرت بایزید بسطامیؒ کے پاس آنے والے ایک نوجوان کی بات یاد آتی ہے۔ اس نوجوان نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے پوچھا کہ آپ کا کیا شغل ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ نہ ہو تو صبر کرتے ہیں اور اگر ہو تو شکر کرتے ہیں۔اس نوجوان نے فرمایا کہ ہمارے علاقے کے جانور بھی یہی کچھ کرتے ہیں۔ آپؒ نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں۔اس نے عرض کی کہ جناب نہ ہو تو شکر کرتے ہیں اور اگر مل جائے تو ایثار کرتے ہیں۔نہ ہو تو شکر کرتے ہیں کہ ہم پر بوجھ نہیں پڑا، ہماری ضرورتیں اللہ ہمیں دے رہا ہے پوری ہو رہی ہیں۔ اگر کھانے کا وقت ہوتا ہے تو

اللہ تعالیٰ اس کا بندوبست کر دیتا ہے کسی خاص کوشش کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن اس میں میں یہ عرض کردوں کہ رزق حلال کمانا یہ فقر کی نفی نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے مکلف بنایا ہے کہ اس کے ذمہ جتنی مخلوق ہے اس نے ان کی ضرورتیں ان کو مہیا کرنی ہیں، اس سلسلہ میں اگر کوئی شخص روزی کماتا ہے یا اپنے زیرِ کفالت جانوروں کی روزی کا بندوبست کرتا ہے، یہ چیز اس کے فقر کو خراب نہیں کرتی۔ فقر کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے دل کے اندر، کسی چیز کے آنے پر خوش نہ ہو اور کسی چیز کے جانے پر غمگین نہ ہو۔ اس کا تعلق ہی انسان کے باطن کے ساتھ ہے۔ اس کی خوشی اور اس کا غم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی یاد تک محدود ہو۔

” قُلْ إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ “(الانعام:162)

کہ میری نماز، میری قُربانی، میرا جینا، میرا مرنا فقط اللہ کریم کے واسطے ہے۔ اس کے اندر میری ذاتی کوئی خواہش نہیں۔ یہ چیز یاد رکھنی چاہیے کہ ہر وہ شخص جو دُنیا میں رہتا ہے اس نے اپنی ضروری ذمہ داریاں ادا کرنی ہیں اور یہ ذمہ داریاں اس کے فقر کو متاثر نہیں کرتیں۔ آج کا موضوع تصوف ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب کے اندر اس موضوع کو بیان فرمایا ہے۔ آپؒ کو وصال فرمائے ہوئے تقریباً ہزار1000 سال ہوگئے ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تصوف جدید دور کی پیداوار ہے وہ کم از کم یہ کتابیں کھول کر دیکھ لیں کہ تصوف ابتدائے اسلام سے چلا آرہا ہے۔ اصحابِ صُفہ کا چبوترہ مسجد نبوی شریف میں آج بھی تصوف کی تاریخ بیان کر رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ظاہری زمانہ اقدس میں جو صحابہ فقط اللہ کی رضا جوئی اور حصول تربیت اور تعلیم کے واسطے اپنی دُنیا ترک کر کے، اپنا سب کچھ چھوڑ کر سرکار ﷺ کی بارگاہ میں آبیٹھے تھے۔ ان کے بیٹھنے کی جگہ صُفہ کا چبوترہ ہے۔ اسی سے تصوف نکلا ہے اور اسی سے صوفی نکلا ہے۔ بہرحال تصوف کے بارے میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے بڑا تفصیلی تجزیہ بیان کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ صوفی کو مختلف وجہ سے صوفی کہا جاتا ہے۔ جو وجہ ہمارے سے براہِ راست متعلق نہیں میں ان کا بیان نہیں کرتا۔ آپؒ نے فرمایا کہ چونکہ صوفیاء کرام اپنے اخلاق، معاملات کو مہذب اور پاکیزہ بنا کر طبعی آفتوں سے نفرت کرتے ہیں اس واسطے ان کو صوفی کہا جاتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ رسالہ قشیریہ، حضرت ابوالقاسم قشیریؒ جو حضرت داتا گنج بخشؒ کے اساتذہ میں شامل ہیں، آپؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب کے اندر امام ابو القاسم قشیریؒ کو اُستاد کے لفظ کے ساتھ مخاطب فرمایا ہے۔ حضرت امام قشیریؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قُرانِ پاک کے اندر فرمایا!

”رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ“(البقرۃ:129)

جب ابراہیمؑ خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے آپؑ نے اللہ کریم کی جناب میں دعا کی تھی اور اس دعا میں نبی آخر الزماں، سَروَرِ کائنات، فَخرِ موجودات، نبیِ مُکرم، نُورِ مُجسم، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ کی تشریف آوری کے لیے دعا کی گئی تھی۔ ” رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً “ اے ہمارے رب جو ہماری اولاد یہاں ہوگی ان میں سے اپنا ایک رسول اٹھائیں ” مِنْهُمْ “ ان میں سے، ” يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ “ جو تیری

آیتیں ان کے سامنے تلاوت کرے، "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ " اور ان کو خاص کتاب قُرانِ پاک کا علم سکھائے "وَيُزَكِّيهِمْ" اور ان کا تزکیہ کرے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تزکیہ یعنی تطہیر پاک کر دینے کا نام ہے۔ تزکیہ ایک بہت وسیع ٹرم (Term) اصطلاح ہے۔ لیکن اس کا مختصر معنی پاک کرنا۔ یعنی وہ نبی ان کو شرک کی نجاستوں اور ان سے پیدا ہونے والی خرابیوں سے پاک کر دے گا۔ قُرانِ پاک میں اسی تزکیہ کا ذکر جگہ جگہ آیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہی تزکیہ حقیقتاً تصوف کی شکل ہے۔ اسی تزکیہ کو تصوف سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا تزکیہ کا دُوسرا نام تصوف ہے اور جن لوگوں کو یہ اعزاز ملتا ہے ان کو صوفی کہا جاتا ہے۔ جو لوگ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس فیض "وَيُزَكِّيهِمْ" سے فیض یاب ہوئے ان کو صوفی کہا گیا اور اس طریقہ کو تصوف کہا گیا۔ حضرت امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کا لفظ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی مشہور ہو گیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے رسول پاک ﷺ کا ظاہری زمانہ پایا ان کو صحابہ کہا گیا اور جو ان کے بعد آئے ان کو تابعین اور ان کے بعد والوں کو تبع تابعین اور اس کے بعد جتنے بھی لوگ اس تزکیہ نفس کے ساتھ آئے سب کے سب صوفی کہلائے اور اس سِلسلہ کو تصوف کا نام دیا گیا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ہر اچھے اخلاق کو اپنانا اور بُرے اخلاق سے بچنا اِس کا نام تصوف ہے۔ اس سلسلہ میں آپؒ نے حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول نقل فرمایا ہے آپؒ فرماتے ہیں کہ صوفیاء وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر ترجیح دی اور پھر اللہ تعالیٰ نے جواباً ان کو ہر چیز پر ترجیح دی۔

"رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ" (المائدہ:119)

کہ وہ اپنے رب کے ساتھ راضی ہوئے اور اس کے بعد ان کا رب ان کو راضی کرتا رہا۔ ہر بُرے اخلاق سے بچنا اور اچھے اخلاق کی جستجو کرنا، جو شخص یہ جستجو کرتا ہے اسی طریقے کو تصوف کہا جاتا ہے اور اسی تصوف کے واسطے طریقت کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ حقیقتاً طریقت کی بنیاد شریعت ہے۔ شریعت کے علم پر کماحقہٗ ظاہر اور باطن کے ساتھ عمل کرنا اس کو طریقت کہا گیا ہے۔ صوفیاء کرام نے زہد و تقویٰ، قلبی طہارت اور تزکیہ کے ذریعے اپنے دل کو دُنیا کی محبت سے فارغ کر کے اس کو اللہ کی محبت کا مسکن بنالیا اور اس وجہ سے وہ دُنیا کے تمام ترفتنوں سے نجات پاگئے اور اس دُنیا میں رہتے ہوئے غم، فکر اور اس طرح کے تمام مَسائل سے ان کو چھٹکارا حاصل ہو گیا۔ تصوف کو criticise کرنا، اس کی مخالفت کرنا اس کام کا آغاز بھی شروع ہی میں ہو گیا تھا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی اس سِلسلہ میں ایک پیرا لکھا ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ "موجودہ زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے تصوف اور صوفیائے کرام کی مقدس ہستیوں کو اکثر پردے میں رکھا ہے اور تصوف کے اسرار کو ان کے دلوں میں پوشیدہ کر دیا ہے تاکہ کوئی یہ سمجھتا رہے کہ یہ لوگ ظاہری اصلاح کے لیے ریاضتیں کرتے ہیں اور باطن کے مشاہدات سے خالی ہیں، اور کوئی یہ سمجھے کہ یہ صرف ایک رسمی کارروائی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس کے انکار پر اتر آتے ہیں۔ چنانچہ مسخرے اور ظاہر بین علما جو کُلی طور پر اس کے منکر ہوں تصوف کے حجاب میں خوش رہتے ہیں، ان کی دیکھا دیکھی عوام بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہیں اور انہوں نے باطن کی صفائی کی جستجو و طلب کو دل سے محو کر کے سلف صالحین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مَسلک و مذہب کو بُھلا دیا ہے"۔ یہ حقیقت ہے کہ اس دور میں

بھی تصوف قابل تنقید رہا اور آج بھی یہ تنقید کا نشانہ ہے بلکہ آج زیادہ ہے اور ہر وہ شخص جو راہ تصوف پر چلنے کی کوشش کرتا ہے، کوئی شخص اس کو ملنے کے لیے چل پڑے تو نادان لوگ کہتے ہیں کہ کیا کرنے لگے ہو شرک کرتے ہو۔ حالانکہ اہل تصوف کے ساتھ مل کر ہی تزکیہ کی منزل طے ہوتی ہے۔ جیسا کہ پچھلی دفعہ میرے سے ایک ساتھی نے سوال کیا تھا کہ "فقر کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟"۔ تو میں نے اس کے جواب میں عرض کیا تھا کہ ہر چیز وہیں سے ملتی ہے جہاں پر وہ ہوتی ہے۔ دودھ اگر کسی برتن میں پڑا ہوا ہے تو وہ اس میں سے حاصل ہو جائے گا یہ نہیں ہو سکتا کہ کتاب سے دودھ حاصل ہو جائے۔ ہر چیز اپنے منبع سے ملتی ہے۔ فقر فقیر کے پاس سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تصوف صوفی کے پاس سے ملتا ہے اور تزکیہ حاصل کرنے کا فقط یہ ہی ذریعہ ہے۔ جن لوگوں نے تزکیہ نفس کرنا ہے انہوں نے ہی اس زندگی کا کماحقہٗ لطف اٹھانا ہے۔ اگر تزکیہ نفس نہ ہو تو یہ زندگی دکھوں اور مصیبتوں سے تعبیر ہے اور بندہ ہر وقت ہائے وائے کرتا ہوا وقت گزارتا ہے اور چیختا چلاتا ہوا اسی طرح دُنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور کوئی اس کی قبر سے گزرتے ہوئے کہتا ہے "کہ یہ کس دل جلے کی قبر ہے کہ حسرتیں برس رہی ہیں اس کے مزار پر"۔ کہ وہ حسرتیں نہ دُنیا میں پوری ہوتی ہیں نہ آگے جا کر۔ کیا ہی ضروری ہے کہ انسان اس دُنیا میں رہتے ہوئے دُنیا میں آنے کا جو اصل مقصد تھا اس کو حاصل کرے۔ اس واسطے ہم نے اس وقت کا تعین کیا ہے اور اس جستجو کا آغاز کیا ہے۔ خدا کرے کہ ان دلوں کے اندر یہ شوق پیدا ہو جائے کہ ہم جیتے جی اپنے پیدا کرنے والے مالک کے ساتھ راہ ورسم پیدا کر لیں تاکہ ہماری یہ دُنیا بھی سنور جائے اور آگے آنے والی دُنیا بھی سنور جائے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ تصوف پر تنقید اور اس کو برا بھلا کہنے کا عمل شروع سے چل رہا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ ہر شخص ایک چیز پر خوش نہیں رہ سکتا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بے شمار آزمائشوں سے نجات پائی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر کے ان کو پکا پکایا کھانا دینا شروع کر دیا۔ جس کو من وسلویٰ کہتے ہیں۔ ایک خاص قسم کے بٹیر کی قسم کا جانور تھا روسٹ ہوا ہوا اور ایک حلوے کی قسم کا سلویٰ میٹھا تھا۔ ایک نمکین اور ایک میٹھا تھا۔ اس پر بھی ان کو صبر نہ آیا اور انہوں نے کہا کہ!

"لَنْ نَصْبِرَ عَلَى طَعَامٍ وَاحِدٍ"(البقرۃ:61)

اے موسیٰ علیہ السلام اب ہم سے صبر نہیں ہوتا۔ اب ہمیں قسم قسم کا کھانا چاہیے، ہمیں پیاز، لہسن وغیرہ اس طرح کی اور چیزیں دیں تاکہ ہم خود پکائیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بات پھر عذاب تک جا پہنچی۔ انسان کسی بات پر بھی شکرانہ ادا کرنے پر انحصار نہیں کرتا۔ نتیجتاً پہلے سے زیادہ مسائل میں گھر جاتا ہے، اللہ پاک نے فرمایا!

"إِنَّ الإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ"(العادیات:6)

بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ شکر نہیں کرتا علیٰ ھذا القیاس۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کا آغاز حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتا ہے۔ کہ "ان الصفا صفۃ الصدیق ان اردت صوفیاً علی التحقیق" کہ حق وصداقت کی راہ میں اگر آپ صوفی بننا چاہیں تو جان لو کہ صوفی ہونا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت ہے۔ صفائے باطن کے دو اصول ہیں۔ ایک یہ کہ دل کو غیر سے خالی کرلے اور

دُوسرا یہ کہ اپنے دل کو دُنیا کی لذتوں سے فارغ کر دے۔ یہ دونوں صفتیں حضرت ابو بکر صدیقؓ میں کماحقہٗ موجود تھیں۔انہوں نے اس کی تشریح کی ہے، میں صرف اس کا بیان کر کے اپنا آج کا بیان ختم کروں گا۔ تصوف ایک بہت بڑا موضوع ہے اور اس کے اندر بے شمار چیزیں آتی ہیں۔ یہ ایک لائحہ عمل ہے۔ زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے۔فقط رب کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔اس کا حصول اس شخص کے واسطے ضروری ہے جس نے اس دُنیا میں آنے کا مقصد پہچان لیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ میں دو صفتیں تھیں۔ایک یہ کہ آپؓ نے اپنے دل کو غیر اللہ سے خالی کر لیا تھا۔ دُوسری یہ کہ انہوں نے دُنیا کی دلچسپیوں کو اپنے پاس سے رخصت کر دیا تھا۔ یہ دو چیزیں تھیں اور ان کی وہ مثال دیتے ہیں۔ اس میں سے بہت سارے سبق حاصل ہوتے ہیں اگر وہ سمجھ میں آجائیں تو پھر وارے نیارے ہو جائیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جب رسول پاک ﷺ نے وصال فرمایا تو صحابہ کرام دل شکستہ ہو گئے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ جس نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے اور بلند آواز میں خطبہ دیا کہ خبر دار جو حضور ﷺ کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ وہ وصال کر چکے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے آگاہ ہو جائے کہ وہ زندہ ہے اور اسے موت نہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ اس کے اندر ایک بڑا لطیف نکتہ ہے غیر اللہ سے اپنے دل کو خالی کرنے کا۔ جس شخص نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو بشریت کی آنکھ سے دیکھا ہے اور آپ ﷺ کو معاذ اللہ اپنے جیسا بشر سمجھا تو جس وقت آپ ﷺ دُنیا سے تشریف لے گئے تھے تو آپ ﷺ کی وہ تعظیم جو اس کے دل میں ہے وہ جاتی رہے گی اور جس نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھا اس کے لیے آپ ﷺ کا پردہ فرمانا یا سامنے رہنا دونوں برابر ہیں۔ اس واسطے کہ آپ ﷺ کی موجودگی اور حالت بقا کو اللہ تعالیٰ کی موجودگی اور بقا کے ساتھ ایک تعلق ہے۔ اگر غور کیا جائے تو بڑا اہم نکتہ ہے۔ درحقیقت رسول پاک ﷺ اس ذاتِ اَقدَس کا اظہار ہیں جو حیی و قیوم ہے۔اس کا ظہور اس کے نبی ﷺ کے ذریعے ہوتا ہے۔

"جو وہاں پر ہو وہ یہیں پر آکر ہو جو یہاں نہیں تو وہ وہاں نہیں"

جو رب نے کہا ہو وہ ہی محمد رسول اللہ ﷺ کی زبانِ اقدس سے نکلتا ہے تو اسی کو رب کا کہا سمجھا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک یہودی کے ساتھ گھوڑے کا سودا کیا، جس وقت گھوڑا دینے کا وقت آیا یہودی اڑ گیا اور کہنے لگا کہ گواہ لے کر آئیں۔ اتفاق کے ساتھ اس وقت کوئی گواہ موجود نہیں تھا۔ ایک صحابی پاس کھڑے سن رہے تھے اور غالباً آپ حضرت حذیمہؓ تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نے گھوڑے کا سودا کیا تھا۔ سودا ہو گیا۔ جب وہ یہودی چلا گیا تو سرکار ﷺ نے ان سے پوچھا کہ آپ تو موجود ہی نہیں تھے آپ نے گواہی کیوں دی۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ ﷺ کی زُبانِ مبارک سے سُن کر اللہ کا اقرار کیا تھا، ہم نے کون سا اللہ کو دیکھا ہے، آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سُن کر قرآن کا اقرار کیا ہے، تو جب آپ ﷺ ہی فرمائیں کہ گھوڑے کا سودا ہو گیا ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ سودا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اظہار اس کا محبوب ﷺ ہے۔ جو سرکار ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے اظہار کی صورت میں دیکھے گا تو رب "حیی

وقیوم" ہے اور اُس کا اظہار بھی "حیی وقیوم" ہے۔ تو پھر وہاں پر تشریف لے جانے والی بات باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا آپؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے قلب مبارک میں اللہ کے سوا اور کوئی چیز موجود ہی نہیں تھی۔ اگر سرکار ﷺ کا ذکر تھا تو وہ بھی رب کے اظہار کی صورت میں۔ دُوسری مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی دُوسری شان یہ کہ آپؓ کا قلب مبارک دُنیا کی دلچسپیوں سے خالی تھا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کریم نے فرمایا!

"وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا "(الحدید:18)

صحابہ کرامؓ بڑھ چڑھ کر اپنا مال پیش کرنے لگ پڑے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ایک کمبل اوڑھ کر اپنا سارا مال لیکر سرکار ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ پوچھا اے صدیقؓ آپ نے اپنے گھر والوں کے واسطے کیا چھوڑا ہے۔ عرض کی اللہ اور اس کا رسول ﷺ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دل مکمل طور پر ان دو صفتوں کے ساتھ متصوف تھا۔ ایک یہ کہ ان کا دل غیر اللہ سے خالی تھا۔ انہوں نے اگر سرکار ﷺ کو بھی دیکھا ہے تو رب کے جلوے کی صورت میں دیکھا ہے۔ اور مال سے اس حد تک بے پرواہی تھی کہ اگر اللہ نے مال مانگا ہے تو سارا مال ہی پیش کر دیا ہے۔ اسی چیز کا نام ہی تصوف قرار دیا گیا اور اسی کو آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہی تزکیہ نفس ہے۔" وَيُزَكِّيهِمْ "یہ نبی پاک ﷺ کی صفت تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی!

"رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِنهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ "(البقرۃ:129)

" وَيُزَكِّيهِمْ" تزکیہ فرمائیں گے۔ تزکیہ یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو صاف کر لے اور جو صاف کر لیتا ہے وہ صوفی کہلاتا ہے اور جس طریقہ پر چل کر وہ یہ کام کر رہا ہے اس کو تصوف کہا جاتا ہے۔ اب آپ اِس گفتگو سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ جو لوگ تصوف کا انکار کرتے ہیں یا اُس پر تنقید کرتے ہیں یہ محض ایک نادانی اور حقیقت حال سے بے خبری ہے۔ وگرنہ تصوف در حقیقت رسول پاک ﷺ کا عطا فرمایا اور صحابہ کرامؓ کی صفت ہے۔ اِس کی پیروی کرنا یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی پیروی کرنے کے مترادف ہے۔ اس میں آپؒ نے دو لطیف نکات بیان کیے ہیں۔ ان کے بارے میں آپؒ نے جو مقولہ بیان فرمایا ہے وہ میں پچھلی دفعہ بھی بیان کر چکا ہوں۔ "من نظر الی الخلق ھلک و من رجع الی الحق ملک" جس نے اپنی ضرورتوں کے واسطے مخلوق پر نظر ڈالی وہ ہلاک ہو گیا اور جس نے اپنی ضرورتوں یا اپنی ذات کے واسطے اللہ کی طرف رجوع کیا وہ مالک ہو گیا۔ جو فقیر ہوتا ہے اس کی بھی یہ ہی صفت ہوتی ہے۔ جو صوفی کی ہوتی ہے۔ ہر صوفی فقیر ہوتا ہے اور ہر فقیر صوفی بننے کے عمل کے اندر رہوتا ہے۔ صوفی کا رتبہ اور مرتبہ بڑا بلند ہے۔ ہر وہ شخص جو فقر کو اختیار کر لیتا ہے اس کی منزل صوفی ہونا ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنے دل کو غیر اللہ سے پاک کر لے، علائق دُنیاوی سے کنارہ کر لے۔ یہ دو چیزیں صوفی کا خاصہ ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس سلسلہ میں ایک طریقہ کار کا ذکر کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں۔ تین درجے ہیں۔

ایک کو "صوفی"، دُوسرے کو "متصوف" اور تیسرے کو "مُستصوف" کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو اپنے آپ کو فنا کر کے اپنے رب کے ساتھ مل جاتا ہے اور خواہشات نفسانیہ کو مار کر حقیقت کے ساتھ پیوستہ ہو جاتا ہے۔ جو دو میں نے نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک دل کو غیر اللہ سے پاک کر لیتا ہے۔ اس کو اللہ کے سوا کسی سے کوئی اُمید، کوئی غرض، کوئی حرص، کوئی لالچ یا کوئی خوف باقی نہیں رہتا۔ دُوسرا کہ اپنے دل کو خواہشات نفسانیہ سے جدا کر لیتا ہے۔ یہ دو صفتیں صوفی کی ہیں۔ انہوں نے تین درجے لکھے ہیں۔ "صوفی، متصوف اور مستصوف" دُوسرا" متصوف"۔ متصوف وہ ہے جو ریاضت اور مُجاہدے کے ذریعے اس مقام کی طلب کرتا ہے اور اس کے اندر مصروف رہتا ہے۔ ایک صوفی جو اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ ایک وہ جو اس منزل کو حاصل کرنے کے واسطے جستجو کر رہا ہے اور تیسرا وہ مستصوف جو صوفیائے کرام کی نقل اُتار کر اپنی دُنیا کماتا ہے۔ بے شمار وہ لوگ ہیں جنہوں نے صوفیوں کا سوانگ رچایا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

"جتھے ویکھن چنگا چوکھا پڑھن کلام سَوائی ہُو"

اُن کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے جُبہ و دَستار کو ذلت کے ساتھ دوچار کر دیتے ہیں اور اُن کے بارے میں داتا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ!

"المستصوف عند الصوفیۃ کالذباب وعند غیرھم کالذیاب"

صوفیائے کرام کے نزدیک مستصوف یا نقلی صوفی مکھی کی مانند ذلیل وخوار ہے۔ وہ اس طرح گرتا ہے جیسے مکھی کھانے پینے کی چیزوں پر گرتی ہے۔ اس کا مقصود محض اپنی خواہش نفس ہوتی ہے۔ دوسروں کے نزدیک وہ بھیڑیئے کی مانند ہے کہ وہ ان کو راہ راست سے دور کر دیتا ہے۔ نقلی صوفی دو کام کرتا ہے ایک تو وہ حرص و ہوس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ایسے سوانگ رچاتا ہے جن کے ساتھ وہ اپنی دُنیا اور لالچ کو حاصل کر سکے اور دُوسرا یہ کہ اچھے راستہ پر چلنے والوں کو بھٹکاتا ہے۔ یہ دو کام نقلی صوفی کے ہوتے ہیں۔ آپؒ نے تصوف کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک صوفی جو اپنے مقام پر پہنچ گیا اور اس کو تزکیہ حاصل ہو گیا اور جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا

" قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا "(الشمس:9)

وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا۔ "زَكَّاهَا" اپنے نفس کو سنوار لیا۔ یہ ہی تزکیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تزکیہ کرنے والا ہی کامیاب ہے۔ جس نے تزکیہ نہیں کیا وہ ناکام ہو گیا۔ تو ہم نے ان دو مقامات کے اندر اندر پھرنا ہے۔ صوفی وہ جو منزل پر پہنچ گیا۔ جس طرح کوئی طالب علم اپنی پڑھائی مکمل کر کے میڈیکل کالج سے ڈاکٹری کی سند لے لیتا ہے تو پھر اس کو یہ اجازت مل جاتی ہے کہ وہ پھر کسی بھی شخص کو کوئی بھی دوائی تجویز کرے، کوئی احتیاط بتائے، کسی چیز سے منع کرے، کسی چیز کے بارے میں حکم دے وہ اس کا مجاز ہے۔ جبکہ جو میڈیکل کا سٹوڈنٹ ہے، طالب علم ہے وہ ضرورت پڑنے پر یہ کام کر بھی لیتا ہے لیکن اس کے بارے میں یہ اطمینان ہوتا ہے کہ یہ ڈاکٹری کرنے لگ پڑا ہے کچھ عرصہ تک ڈاکٹر بن جائے گا۔ اسی طرح صوفی وہ جو تزکیہ نفس کر کے اپنے مقام پر پہنچ گیا اور متصوف وہ جو ریاضت اور مُجاہدے کے ذریعے، ریاضت اور مجاہدہ اپنی مرضی سے کرنے سے کام نہیں بنتا۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں!

"جاگ بِنا دُودھ جَمدے ناہیں باھُو بَھاویں لَال ھُووَن کڑھ کڑھ کے ھُو"

جب تک جاگ نہیں لگتی متصوف نہیں بنا جا سکتا۔ جو شخص خود کو یہ کہہ کر اپنے شیخ کے سپرد کر دے کہ!

"سپردم بہ تو مایہ خویش راہ۔ تو دانی حساب کم و بیش را"

میں نے اپنا آپ تمہارے حوالے کر دیا ہے اب تم جانو تھوڑا کرنا ہے یا زیادہ کرنا ہے۔ جو چاہے کرو۔ بندہ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے اور پھر اس میں اپنی کسی قسم کی کوئی دخل اندازی نہ کرے، اپنی مرضی نہ چلائے تو وہ متصوف کہلا سکتا ہے اور اس کی منزل صوفی ہے۔ مستصوف وہ ہے جو دُنیا کمانے کے واسطے اور لوگوں کو بھٹکانے کے واسطے اس راستہ پر چلتے ہیں۔ ان کو حضرت داتا گنج بخشؒ نے وہ مکھی قرار دیا ہے جو گندگی پر بیٹھتی ہے اس سے تعبیر فرمایا ہے یا اس بھیڑیئے کے ساتھ جو گھات لگا کر شکار کرتا ہے۔ ان دو چیزوں سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آج کی گفتگو تصوف کے بارے میں تھی۔ اس میں میں نے تصوف کے معانی بیان کیے ہیں اور اس راستہ کی اہمیت بیان کی ہے!

" قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا "(الشمس:9)

وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنے آپ کو سنوار لیا۔ اور تزکیہ کرنے والا ہی حقیقتاً اپنے دل کی صفائی کرنے والا ہے۔ اسی کو صوفی کہتے ہیں۔ جو اس کی جستجو کرتا رہے اور اس دوران اس کو موت آجائے وہ شہید قرار پاتا ہے اور جب کوئی اپنی منزل مقصود پر پہنچتا ہے تو پھر اس کو حیات ابدی نصیب ہوتی ہے۔ اگر اس جستجو کے دوران اس کا وقت آجائے تو پھر بھی حیات ابدی ہے۔ اس واسطے ان دونوں میں سے کوئی نہ کوئی مقام حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ تصوف کوئی اختیاری طریقہ نہیں بلکہ حقیقتاً حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ کار پر چلنے کا نام تصوف ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں اور امام قشیریؒ نے رسالہ قشیریہ میں یہ ہی بیان کیا ہے۔ اب کوئی شخص تصوف کو تنقید کا نشانہ بنائے یا اس کو کوئی ایک علیٰحدہ فرقہ قرار دے یا سوادِ اعظم سے الگ کوئی راستہ کہے یہ محض نادانی ہے۔ یہ ہی وہ راستہ ہے جس کو حقیقتاً راہ نجات کہا جا سکتا ہے۔ اس پر عمل کرنا ہر شخص کے واسطے کسی نہ کسی حد تک بے حد ضروری ہے۔ کسی نہ کسی حد تک میں نے اس واسطے کہا کہ ابتداء سے لے کر انتہا تک جہاں کہیں بھی ہو گا، بیعت سے یہ کام شروع ہوتا ہے اور تزکیہ نفس تک جا پہنچتا ہے۔ اس کے دوران جس جس راستہ سے بندہ گزرتا ہے، جو جو منزل اِس کے راستہ میں آتی ہے وہ سب منزلیں حقیقی راستہ کا تسلسل ہیں، اس پر کہیں پر بھی کوئی شخص ہو وہ اپنی جگہ پر درست چل رہا ہوتا ہے۔ اِس کے علاوہ باقی تمام راستے تزکیہ کی طرف نہیں جاتے ہیں اور بالآخر آ جا کر اُن کا مَا حَصل صرف اور صرف دُنیا و مافیہا رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس پر کما حقہٗ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ چیز ہمارے راستہ کے لیے ضروری ہے۔ میں نے تصوف میں وہ گزارشات کی ہیں جو ہمارے واسطے ضروری ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ صوفی جب کلام کرتا ہے تو وہ اپنے حالات کے مطابق کلام کرتا ہے، غیر ضروری گفتگو نہیں کرتا۔ یہ چیز جو کچھ گزارش کی گئی یہ ساری کی ساری ہمارے واسطے قابلِ عمل بھی ہیں اور ضروری بھی ہیں۔ اب اس سلسلہ میں کوئی شخص سوال کرنا چاہے تو کر سکتا ہے،

سوال: اگر کوئی شخص عرصہ دراز شیخ کے پاس رہنے کے باوجود شقاوت کا شکار رہے تو اُس کی کیا وجہ ہے اور اُس شقاوت کو سعادت میں کیسے بدلا جاسکتا ہے؟

جواب: میں اِس موضوع پر کثرت کے ساتھ گفتگو کر چکا ہوں اور ابھی بھی کی ہے، کہ جب تک!

"سپردم بہ تو مایہ خویش راہ۔ تو دانی حساب کم و بیش را"

اللہ پاک نے قُرانِ پاک میں فرمایا کہ قُرانِ پاک ہدایت ہے لیکن متقین کے لیے!

ذَٰلِكَ ٱلْكِتَٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔(البقرۃ:2)

فرمایا یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، اِس میں ہدایت متقین کے لیے اور پھر دوسری جگہ فرمایا!

وَلَا يَزِيدُ ٱلظَّٰلِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ۔(الاسراء:82)

اور جو اپنی جانوں پر ظلم کریں گے وہ خسارے میں ہیں۔ یعنی اُن کے لیے قُرآنِ پاک میں بھی نقصان کی وعید ہے۔ جن احباب نے میرے گزشتہ دروس سنے ہیں اُنہیں یاد ہو گا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ جب تک آپ اپنا اعتماد اُس کو نہیں دیں گے اور اُس کا اعتماد حاصل نہیں کریں گے آپ ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتے۔ بندہ چاہے بیس سال بھی کسی بزرگ کے پاس رہے اور اُن سے پردہ رکھے تو پھر یہ نہ کہے کہ میں بزرگ کے پاس رہا تھا کیونکہ وہ ایک منٹ کے لیے بھی بزرگوں کے پاس نہیں رہا۔ ایسے شخص میں شقاوت ہی شقاوت ہو گی سعادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ یہ بات میں بار بار عرض کر چکا ہوں اِس بات کو یاد کریں اور اِس پر عمل کی کوشش کریں، جب تک انسان نے اپنی مرضی ختم نہیں کرنی اور مُرشد کی بات ماننی نہیں اُس وقت تک اُس شخص کا مُرشد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں چاہے وہ عمر بھر اُس کے ساتھ رہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم کس حد تک اِس پر عمل پیرا ہیں، اگر کوئی شخص اِن باتوں پر عمل پیرا ہو تو وہ ایک سال میں اپنی منزلِ مقصود حاصل کر لے گا۔ اِس پر عمل پیرا ہونا بڑا مشکل ہے جس وقت انسان اِس منزل پر سفر کرنا شروع کرتا ہے شیطان اُس کو ورغلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنی مرضی کو دھیان میں رکھنا یہ کہیں خراب نہ ہو جائے، اِس سلسلہ میں ابوسعیدؒ کا چادر والا واقعہ بیان کر چکا ہوں۔ جب انہیں سردی لگتی ہے تو اُن کا مرید چاہتا ہے کہ وہ اپنی چادر پھاڑ کر اپنے مُرشد کے پاوں پر باندھ دے تو شیطان اُس کو کہتا ہے تم کیوں اپنی چادر خراب کرتے ہو، تھوڑی دیر میں سردی ختم ہو جائے گی لیکن تمھاری چادر ہمیشہ کے لیے خراب ہو جائے گی، انسان نے جب تک اپنی ذات کو اُس کی ذات پر فنا نہیں کر دینا اُس وقت تک حاصل کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ طریقہ یاد کر لیں آپ بار بار پوچھنے کی زحمت سے بچ جائیں گے۔ جو افراد اعتکاف بیٹھے ہوئے ہیں میں اُن کے لیے دلی طور پر دُعا گو ہوں اگر انہوں نے دُعا کروانی ہو تو اُن کو علیٰحدہ وقت بھی دوں گا۔ انشاءاللہ۔ باقی تمام حضرات کے لیے گزارش ہے کہ میں ہر جمعرات کو بہت سارا وقت آوٹ ڈور میں صرف اِس مقصد کے لیے دیتا ہوں کہ آپ کے مسائل وہاں پر سُن سکوں اور دُعا کروں۔ بخدا اپنی ذات سے متعلق تمام کام میں نے چھوڑ دیئے ہیں۔ آپ میں سے ہر بندہ خواہش کرتا ہو گا کہ اُس کا اپنا گھر ہو، بچے ہوں، سامان ہو، میں اُن تمام چیزوں سے دست بردار ہو گیا ہوں۔ مالک کی ڈیوٹی کے لیے فقط ایک

کمرے میں اپنی زندگی گزار دی ہے مجھے بارہا کہا گیا ہے کہ آپ کے دائیں بائیں کوٹھیاں ہیں آپ بھی ایک کوٹھی بنائیں میں نے ہمیشہ یہ ہی جواب دیا کہ کوٹھیوں والے اپنے کام میں مصروف رہیں مجھے اپنے رَب کی کوٹھی بنانا مقصود ہے اور آپ دیکھ لیں کہ رَب کی کوٹھیاں بن رہی ہیں آپ کیرانوالہ سیداں جاکر دیکھ لیں کہ وہاں رَب کی کتنی پیاری کوٹھی بن رہی ہے۔ اسی مقصد کے لیے میری پوری زندگی وقف ہے لیکن ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے جب تکبیر پڑھ دی جائے اُس وقت نماز کی نیت کی جاتی ہے، اُس دوران دعا مانگیں تو یہ جائز نہیں، دُعا کا اپنا وقت ہے، درس کا اپنا وقت ہے تعلیم و تربیت کا اپنا اپنا وقت ہے اور اسی طرح ہر چیز کا اپنا وقت ہے۔ ہر چیز اپنے اپنے وقت پر سجتی ہے، ایک کے وقت میں دوسرا کام شروع کردیں تو کام خراب ہو جاتا ہے۔ تصوف کے سلسلہ میں کسی شخص کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو پوچھ سکتا ہے۔

اللہ کرے کہ ہم اِس راہ کے راہی بن جائیں اور اِس طرح ہماری دُنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی سنور جائے، شوق آہستہ آہستہ پیدا ہوتا ہے۔ اعتکاف والوں کے لیے علیٰحدہ وقت دیا جائے گا تاکہ اُن کو بتایا جاسکے کہ اُنہوں نے دورانِ اعتکاف وقت کس طرح گزارنا ہے۔ مجھے اُن 34 افراد پر رشک آتا ہے جو پہلے روزے ہی رَب کے مہمان بن گئے ہیں اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اِس مسجد میں رات دن اکیلے گُزارنے کا شرف بخشا ہے، میں نے اِس مسجد کی جن برکتوں کا تجربہ کیا ہے وہ ہر بندے کے علم میں نہیں ہیں، میں نے اِس مسجد میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سمندر بہتا ہوا دیکھا ہے، دورانِ سفر گاڑی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ میں آج یہ بات کر رہا تھا کہ کاش میں بھی اِن افراد کے ساتھ اعتکاف بیٹھا ہوا ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں حاصل کر پاتا جو یہ سمیٹ رہے ہیں۔ اِس مسجد میں بیٹھ کر اپنے مالک کو یاد کریں کیونکہ ایسے مواقع کبھی کبھی نصیب ہوتے ہیں ممکن ہے آپ کی مصروفیات آپ کو دوبارہ اِس کی اجازت نہ دیں، اگر وقت مل گیا ہے تو اِس کو غنیمت جان کر اِس سے جتنا فائدہ حاصل کر سکیں وہ حاصل کریں۔ بخدا اِس کی کوئی دوسری مثال ہی نہیں ہے ہر مسجد میں جاکر ہر بندہ نہیں بیٹھتا، اِس مسجد کی نسبت اولیاء اللہ کے ساتھ ہے اور اولیا اللہ کی نسبت رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ ہے، رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، اگر میں یہ کہوں کہ اِس مسجد میں بیٹھنے والے بے شمار افراد کو بارہا اِس مسجد میں اپنے آقا احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا دیدار نصیب ہوا ہے تو بخدا یہ حق ہے آپ بھی اِس نعمت کو حاصل کریں اللہ پاک آپ کے نصیب کرے۔ آج یہاں سے لاہور جاکر نوچندی جمعرات کی ذمہ داریاں ادا کی ہیں، وہاں سے واپس دوڑا ہوں، یہاں موجود ساتھیوں سے کہا ہے کہ بھائی کوشش کرتا ہوں کہ میرا رَب آپ کے فارغ ہونے تک مجھے واپس ڈیرہ شریف پہنچادے تاکہ اِس سلسلہ کا ناغہ نہ ہو۔ بحیثیت انسان تھکاوٹ بھی ہوتی ہے اور بھوک پیاس بھی ہوتی ہے، روزہ بھی صرف کھجور سے افطار کیا ہے، ساتھی جانتے ہیں کہ میں نے ابھی کھانا بھی نہیں کھایا اور حالات بتا رہے ہیں کہ اب سحری ہی ہوگی۔ یہ سارا تردد اِس لیے کیا ہے کہ میں قُرآنِ پاک کی بات آپ تک پہنچادوں، اِس بات کی اتنی زیادہ اہمیت ہے، آپ بھی اِس بات پر توجہ دیں آپ کی زندگی سنور جائے گی آپ کے مسائل حل ہوں گے، حاجتیں پوری ہوں گی، عزت بنے گی، دشمنوں سے نجات حاصل ہوگی۔ ہم اللہ کرے یہ راستہ اختیار کرلیں، آپ کی توجہ اِس اہم کام کی طرف مبذول کروانے کے لیے میں اتنی محنت کر رہا ہوں ورنہ یہ کتابیں میں پہلے بھی کئی دفعہ پڑھ چکا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ ہم ڈھیر سارے ساتھی مِل کر سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قدموں میں حاضر ہوں۔ اللہ پاک نصیب کرے۔ آمین۔ وما علینا الی البلاغ المبین۔ (دُعا)

درسِ تصوف۔8

دورانیہ۔53منٹ۔تاریخ۔18-07-2013

بمقام۔مسجد۔آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

گزشتہ محفل میں تصوف کے بارے میں گزارشات کی گئیں۔کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے تصوف کے سلسلہ میں جو ارشادات فرمائے ہیں۔آپؒ نے قُرانِ پاک کی ایک آیت کا حوالہ دیا ہے۔

"وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمْ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلاَمًا "(الفرقان:63)

رحمن کے بندے وہ ہی ہیں جو زمین پر اخلاق اور انکسار کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان کو پکاریں تو وہ ان کا جواب سلام کے ساتھ دیتے ہیں۔رسول پاک ﷺ کا ارشاد پاک۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا!

" من سمع صوت اھل التصوف فلایو من علی دعاء ھم کتب عند اللہ من الغافلین۔"

جو صوفیاء کی آواز سنے اور ان کی دعا پر آمین نہ کہے تو وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں شمار ہوتا ہے۔تصوف کی ابتداء حضرت داتا گنج بخشؒ کے مطابق حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہِ اقدس سے ہوتی ہے۔آپؒ نے تصوف کو صفائے باطن کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔آپؒ نے فرمایا کہ اس میں ایک اصول ہے اور ایک فروع ہے۔اصل یہ ہے کہ انسان دل کو غیر اللہ سے خالی کر دے اور فروع یہ ہے کہ انسان مکر و فریب سے بھرپور دُنیا سے دل کو خالی کر دے۔آپؒ نے فرمایا کہ یہ دونوں صفتیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیں۔اِس واسطے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ طریقت کے رہنماؤں کے امام ہیں۔حضرت داتا صاحبؒ نے تصوف کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پیروی اور سُنت طیبہ کی پیروی شمار کیا ہے۔پچھلی نشست میں میں نے تصوف کے بارے میں جو گزارشات کی ان میں تصوف کے معانی اور تصوف کے سِلسلہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صفتیں جن کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس صنف کا آغاز صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے ہوا تھا،اُس کے بارے میں گزارش کی تھی۔اس میں دو چیزیں ہیں۔تصوف کے فیصلہ کن دو اصول ہیں۔ایک یہ کہ انسان ماسوا اللہ ہر کسی سے بے نیاز ہو جائے اور دُوسرا دُنیا کی لذات، خُواہشاتِ دُنیاوی سے یہ انسان کو خسارے کی طرف لے کر جاتی ہیں۔اللہ پاک نے فرمایا!

"إِنَّ الإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ "(العصر:2)

اس راہ پر چلنے کے خواہشمند انسان کو چاہیے کہ وہ ان اسباب سے فارغ ہو جائے جو اس راہ کی رکاوٹ ہیں۔ یہ دو صفتیں تصوف کے اصول ہیں۔ ان پر عمل درآمد کا جو طریقہ کار ہے وہ بھی آج گزارش کرنا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت داتا گنج بخشؒ اور حضرت امام قشیریؒ نے صوفیاء کے جو اقوال درج فرمائے ہیں ان کا بھی ذکر کرنا ہے۔ تصوف جن مختلف منازل سے گزرا اس میں رَفتہ رَفتہ بے شمار ایسی چیزیں شامل ہوتی گئیں جنہوں نے عوام الناس کے واسطے اس کو قابل عمل نہ چھوڑا اور بات یہاں تک آ پہنچی کہ تصوف کو اسلام سے ہٹ کر کوئی طریقہ تصور کیا جانے لگا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس کے دو اسباب بیان فرمائے، جو میں نے پچھلی دفعہ گزارش کیے تھے۔ ان میں سے ایک تو یہ کہ اہل تصوف اپنے اسرار کو پوشیدہ رکھتے ہیں اور مسخرے اور ظاہری علما اور ان کی تقلید کرنے والے عوام اس چیز سے ناآشناء ہوتے ہوئے اس چیز کا انکار کر دیتے ہیں، دُوسری وجہ یہ ہے کہ اہل تصوف میں ایسے لوگ شامل ہو گئے جو حقیقتاً اہل تصوف نہیں تھے۔ آپؒ نے تصوف کے جو تین درجے بیان کیے ہیں اس میں خاص طور پر ان علامات کا ذکر کیا ہے، جو ایسے لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جو جھوٹے صوفی ہوتے ہیں اور دُنیاوی عزت، منزلت اور مال و دولت کی خاطر خود کو صوفی ظاہر کرتے ہیں، انہوں نے لوگوں کے دلوں میں تصوف کی قدر و قیمت گھٹا کر تصوف کے راستہ کو بدنام کیا ہے۔ یہ دو ذریعے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگوں میں مقبولیت حاصل نہ کر سکا۔ اصلاح کامیابی اور فلاح کا واحد راستہ تصوف ہے۔ آپؒ نے متصوف حضرات کے بارے میں فرمایا!

"المستصوف عند الصوفیۃ کالذباب وعند غیر ھم کالذیاب"

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ سیدنا علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ تصوف کو غلط طور پر استعمال کرتے ہیں، بدنام کرتے ہیں ان کی مثال ایسی مکھی کی طرح ہے جو گندگی پر بیٹھتی ہے۔ اس سے اس کی اپنی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ "عند غیر ہُم کالذیاب" یہ لوگوں کو اپنے دام فریب کے اندر مبتلا کر کے ان سے مال و دولت بٹورتے ہیں اور ان کو نہ صرف مالی طور پر بلکہ اخلاقی طور پر بھی ناکارہ کر دیتے ہیں۔ ان کی مثال بھیڑیئے کی مانند ہے۔ جو کسی بھی شکار کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ بہر حال ان چیزوں کے باوجود تصوف وہ واحد راستہ ہے جو رجوع الی اللہ کے واسطے ضروری ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ اقدس سے لیکر قیامت تک صرف ایک ہی راستہ ایسا ہے جو انسان کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے اور وہ تصوف ہے۔ تزکیہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی صفت ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت دعا کی تھی، تو آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کر کے التجاء کی تھی کہ!

" رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ "(البقرۃ:129)

قُرانِ پَاک کی آیتوں کی تلاوت، قُرانِ پَاک کے علم کی تشہیر اور حکمت کے راز وہ بھی مخلوق کے پاس پہنچانے کے ساتھ ساتھ ان کا تعمیرِ کردار بھی کریں گے، اُن کا تزکیہ بھی کریں گے۔ تزکیہ نام ہے تعمیرِ کردار کا۔ یہ تزکیہ ہی تصوف کہلاتا ہے۔ تعمیرِ کردار کی بنیاد یہ ہے کہ انسان ماسوا اللہ

ہر کسی سے بے نیاز ہو جائے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا!

''خودی کو کر بلند اِتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے　　　　خُدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے''

یہ راستہ فقط تصوف کے ذریعے طے ہوتا ہے۔ اس کا کوئی متبادل نہیں۔ کوئی شخص سنار نہ ہو دُنیا میں زندگی گزار سکتا ہے، حجام نہ ہو زندگی گزار سکتا ہے، تاجر نہ ہو زندگی بسر کر سکتا ہے، اور اگر اس کو کسی بھی شعبہ کا کوئی بھی علم نہ آتا ہو تو بھی وہ کامیاب زندگی گزار سکتا ہے لیکن اگر کردار نہ ہو تو پھر ''زندگی بے بندگی شرمندگی''۔ پھر کچھ حاصل نہیں اور نہ صرف دُنیا میں اس کے واسطے رسوائی ہے بلکہ آخرت کے اندر بھی رُسوائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا ہے کہ!

'' قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ''(الاعلیٰ:14)

وہ کامیاب ہوئے جنہوں نے اپنے کردار کو سنوار لیا۔ کردار کے سنوارنے کے لیے جو طریقہ کار متعین کیا گیا ہے اس طریقہ کار کا نام تصوف ہے۔ لہٰذا تصوف رجوع الی اللہ، اپنی اصلاح، تعمیرِ کردار، اصلاح معاشرہ، اپنی اور اپنی اُمت کی بقا کے واسطے ضروری ہے۔ اگر تصوف کو ہم اپنی زندگی سے خارج کر دیں تو فقط دُنیاداری باقی رہ جائے گی اور ایسی قوم کو اللہ تعالیٰ اس روئے زمین پر پھر مہلت نہیں دیتا۔ اس کو اٹھا لیا جاتا ہے۔ اس کی جگہ اور لوگ آ جاتے ہیں۔ میں نے پچھلی دفعہ تصوف کے تین درجے گزارش کیے تھے۔ ایک صوفی جو اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ دُوسرا متصوف جو ریاضت و مُجاہدے کے ذریعے اس مقام کی طلب کرتا ہے، اس پر چلتا ہے اور رَفتہ رَفتہ اس مقام پر جا پہنچتا ہے۔ اگر اس کی زندگی وفا کرے۔ جس شخص نے راہِ حق میں پہلا قدم رکھ لیا اس کے بارے میں حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ اللہ پاک تک ضرور پہنچتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کی زندگی وفا نہ بھی کرے، جس راستہ پر وہ چل پڑا ہے تو اللہ پاک اس کے سفر کو جاری رکھتا ہے، حتیٰ کہ وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ میں نے گزارش کی تھی کہ تصوف کی ابتداء بیعت کے ذریعے ہوتی ہے اور اِس کی انتہا کے بارے بعد میں گزارش کروں گا۔ تصوف کے بارے میں مختلف بزرگوں کے اقوال ہیں جن میں حضرت مرتعشؒ کا قول حضرت داتا گنج بخشؒ نے درج فرمایا اور وہ فرماتے ہیں کہ!

''التصوف حسن الخلق''

تصوف نیک خصائل کا نام ہے اور نیک خصائل ہی تعمیرِ کردار ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اِس کی تین قسمیں ہیں۔ پہلے تین درجے بیان فرمائے، صوفی، متصوف اور مستصوف۔ ہم لوگ عوام الناس متصوف کے زمرے میں آتے ہیں۔ عوام الناس جو عنقریب اللہ پاک کی بارگاہ میں منظوری کے منتظر ہیں۔ ہماری یہ دعا ہے کہ اللہ ہمیں گُمراہوں میں شمار نہ کرے۔ اللہ ہمیں اپنے حبیب ﷺ کی غلامی نصیب کر دے۔ ایسے لوگ مُتصوف کہلاتے ہیں۔ وہ اپنے اس سفر کو ریاضت، مجاہدہ، شریعت اور طریقت پر عمل کے ذریعے جاری رکھتے ہیں اور ہر وہ موقع اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جو ان کو محسوس ہو جائے کہ اس کے ذریعے بندہ رب کے نزدیک ہوتا ہے اس موقع کو حاصل کرتے ہیں، جس طرح بھی

ان سے ممکن ہو سکے۔ رمضان المبارک ہے تو روزہ رکھیں گے، روزے دار کو روزہ افطار کروائیں گے، اپنی جسمانی عبادت کے ساتھ ساتھ جتنی توفیق ہے اتنی مالی عبادت بھی کریں گے۔ علیٰ ھذا القیاس۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے تصوف کو "حسن الخلق" کا نام دیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ حسن خلق دو طرح کا ہے ایک اللہ کے ساتھ اور ایک مخلوق کے ساتھ۔ اللہ کے ساتھ حُسنِ اخلاق یہ ہے انسان اپنے رب کی رضا کے واسطے مخلوق کے کام آئے اور مخلوق سے اس سلسلہ میں کسی بھی قسم کے معاوضہ کا طلب گار نہ ہو یہ تصوف ہے۔" التصوف حسن الخلق"۔ حُسنِ اخلاق دو طرح کا ہے۔ ایک اخلاق اللہ کے ساتھ اور دُوسرا اخلاق اللہ کی مخلوق کے ساتھ۔ اللہ کے ساتھ اخلاق یہ ہے کہ انسان رب کی رضا حاصل کرنے کے واسطے اللہ کی مخلوق کے کام آئے اور اللہ کے کاموں پر اعتراض نہ کرے۔ اللہ بارش برسائے، دھوپ کرے، آندھی لے کر آئے، کے لُو چلے، جو کچھ بھی ہو، بندہ غریب ہو کہ امیر ہو، بیمار ہو کہ صحت مند ہو یہ سب امر الٰہی کے تابع ہیں۔ بندہ صاحبِ کردار ہو، صاحبِ اخلاق ہو، جو بھی اللہ کے ان کاموں پر اعتراض نہ کرے۔ جس وقت لوگ بیعت ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بیعت کی ہاتھ تمہارے پر واسطے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا کے۔ رضا جوئی اول چیز ہے۔ اس پر عمل درآمد تصوف کا پہلا درجہ ہے۔ دُوسرا مخلوق کے ساتھ اخلاق۔ مخلوق کے ساتھ اخلاق دو طرح کا ہے۔ ایک یہ ہے کہ مخلوق کی طرف سے اگر اس کو کسی قسم کی آزمائش میں مبتلا کیا جائے تو یہ بھی امر الٰہی کے مطابق ہوتا ہے، لہٰذا وہ اس کا انتقام نہ لے اور فی سبیل اللہ وہ اس سے درگزر کرے۔ دُوسرا یہ کہ ہر کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئے۔

"وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا "(البقرۃ:83)

اللہ پاک کا فرمان ہے کہ اگر بات کرو تو اچھی کرو۔ میں نے یہ بھی پچھلی دفعہ گزارش کیا تھا کہ کسی شخص نے کسی کو جواب دینا ہو تو "تو" کہہ کر بھی کر سکتا ہے، "تُسی" کہہ کر بھی کر سکتا ہے، "جناب" کہہ کر بھی کر سکتا ہے لیکن اتنا کرنے سے بہت زیادہ فرق پڑ جاتا ہے۔ جس نے کسی کے دل کو راضی کیا گویا اس نے اپنے رب کو منا لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک دفعہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں سوال کیا کہ آقا کریم ﷺ معراج کی رات آپ ﷺ کی اپنے رب کے ساتھ کچھ علیٰحدہ باتیں ہوئی تھیں۔

" فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى "(النجم:10)

اللہ پاک نے وحی کی جو کی۔ سیدہؓ نے عرض کی کہ ان میں سے ایک بات اگر مجھے عطا ہو جائے تو آپ ﷺ کی کرم نوازی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے اللہ کی بارگاہ سے اجازت طلب فرمائی اور اجازت ملنے پر ارشاد فرمایا کہ اُن میں سے ایک بات یہ تھی کہ جو شخص اللہ کی رضا کے واسطے کسی بندے پر احسان کرتا ہے اور اُس کو راضی کرتا ہے اس پر رب راضی ہو جاتا ہے۔ تو جس کا رب اس سے روٹھا ہوا ہو، جس کی دُنیا برباد ہوئی ہو، جس کا دین روندا جا چکا ہو، اُس کے واسطے اللہ کو منانے کا یہ ایک بڑا پیارا طریقہ ہے۔ کسی کو اللہ کی رضا کے واسطے شریعت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے خوش کیا جائے، اللہ پاک اس شخص پر راضی ہو جاتا ہے۔ تصوف حُسنِ اخلاق ہے۔ بہترین اخلاق کا نام تصوف ہے۔ اسی کو تعمیرِ کردار کہا جاتا ہے۔ اسی کا نام ہی تزکیہ نفس ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا!

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى"(الاعلیٰ:14)

وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنے کردار کو سنوار لیا۔ جس نے نہ سنوارا تو یقیناً اس کے لیے حکم ہے کہ!

"إِنَّ الإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ"(العصر:2)

اس کا شمار ناکام لوگوں میں ہے اور اس سے آگے کہتے ہیں کہ عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔ تصوف کے مختلف پہلو ہیں۔ یہ ایک بڑا وسیع مضمون ہے۔ میں اِس کی ابتداء کر رہا ہوں۔ میں نے عرض کی تھی کہ میں نے وہ نکات گزارش کرنے ہیں جن کا ہمارے اوپر اطلاق ہوتا ہے، جن کی ہمیں ضرورت ہے۔ جو دورِ حاضر میں ہمارے لیے ضروری ہیں۔ اس میں ایک چینل ہے۔ تصوف کے حصول کا ایک طریقہ کار ہے۔ جو صاحب غُنیتہ الطالبین حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے مفصل بیان فرمایا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کے اندر ارادت پائی جاتی ہے۔ ارادت کے بارے میں آپؒ فرماتے ہیں کہ اپنی عادتوں کو ترک کر دینے کا نام ارادت ہے۔ تصوف کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے کہ پہلے انسان اپنی قبیح عادات سے چھٹکارا حاصل کر لے۔ آپ نے کسی جگہ عمارت تعمیر کرنی ہو، وہاں پر جو بھی ملبہ ہوتا ہے، یا جو بھی کسی قسم کا کاٹھ کباڑ پڑا ہوتا ہے، پہلے اس کی صفائی کرنی ہوتی ہے، صفائی کر کے پھر بنیادیں کھودی جاتی ہیں، اُس کے بعد بنیادیں رکھی جاتی ہیں، پھر عمارت کی تعمیر کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان جس وقت تصوف میں تعمیرِ کردار کے لیے پہلا قدم اُٹھاتا ہے تو اُس قدم کو اپنی عادات کا ترک کرنا کہا جاتا ہے۔ ارادت کے بارے میں آپؒ فرماتے ہیں کہ اپنی پچھلی عادات کو چھوڑ دینے کا نام ارادت ہے۔ جب کسی شخص کو اللہ کی رحمت نصیب ہوتی ہے۔ اُس کے دل پر خدا کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اس کو اپنی حالت پر شرمندگی محسوس ہوتی ہے اور اُس کو گناہ پر احساسِ ندامت ہوتا ہے اللہ رب العزت اُس کو یہ احساس دلاتا ہے کہ بندیا تیری زندگی کسی (بچ) کام کی نہیں۔ اگر تم نے دُنیا یا آخرت میں کچھ حاصل کرنا ہے اگر کوئی نیک نامی حاصل کرنی ہے تو پھر کوئی اچھا راستہ اختیار کر لو۔ اس کے دل پر اللہ کی طرف سے یہ القاء ہوتا ہے اور پھر وہ کسی ایسے کامل کی جستجو کرتا ہے جو اس کی رہنمائی کر سکے۔ پھر جب وہ مل جائے تو جس طرح Sequence of events، جو حالات یکے بعد دیگرے واقع ہوتے ہیں وہ اس طرح ہوتے ہیں کہ انسان کسی شیخ کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک کر لیتا ہے اور اس کے ساتھ منسلک ہونے کی وجہ سے اس کی توجہ باطنی اور ظاہری دونوں اس کو حاصل ہوتی ہیں اور اس کی اپنی عادات اس سے رخصت ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ کہ "نگاہ مُرشد دی نے مِن مُور دا ہُور بنا چھڑیا"۔ اُس کی نگاہ اور اُس کی توجہ انسان کے اندر مختلف تبدیلیاں پیدا کر دیتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ کام جن پر وہ گامزن تھا ان سے اس کو نفرت ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ کسی کو بااکراہ، مجبور کر کے، گردن پر ٹانگ رکھ کر ان چیزوں کو چھڑایا جائے بلکہ نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔ خود بخود انسان کے خیالات اور اُس کی عادتیں تبدیل ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اِس عمل کو ارادت کہا جاتا ہے۔ جس شخص کے اندر یہ تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اُس کو مُرید کہتے ہیں۔ مُرید ہاتھ کے نیچے ہاتھ رکھ کر عہد کرنے سے کماحقہ مُرید نہیں بنتا۔ یہ صرف ایک عہد ہے جو وہ کرتا ہے۔ کہ بیعت کی ہاتھ تیرے پر یہ صرف ایک عہد ہے۔ ایک عہد و پیمان ہو گیا کہ یا اللہ میں تیرے اس بندے کو گواہ جان کر

تمہارے ساتھ یہ وعدہ کرنے لگا ہوں کہ میں اپنی زندگی کا رُخ موڑنا چاہتا ہوں اور میں اس واسطے تیرے اس بندے کو اپنا رہبر قرار دے رہا ہوں۔ پھر اس میں بہت سارے دیگر آداب آتے ہیں جن کا بیان میں علیحدہ کروں گا۔ لیکن تصوف کی ابتداء یہاں سے ہوتی ہے کہ کوئی شخص اپنی حالت پر پشیمان ہو کر کسی اللہ کے بندے کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ اِس میں بھی اُس کو اللہ پاک کی کرم نوازی کا ساتھ ملتا ہے۔ یہ معرفت کا پہلا مقام ہے۔ اپنے عیبوں سے آگاہ ہو جانا معرفتِ خُداوندی کا پہلا مقام ہے۔ سب سے پہلے وہ کہتے ہیں کہ!

"تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من تیرا"

اِس میں سب سے پہلے اپنی پہچان" من عرف نفس فقد عرف رب" سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اپنے بندے پر ہوتی ہے اور اس کے اپنے عیب اس کی نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔ ان پر شرمندگی ہوتی ہے۔ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر کرتا ہے۔ اس سِلسلہ میں کسی اللہ کے بندے کا سنگ اختیار کرتا ہے۔ اللہ پاک کا طریقہ کار اور قُرانِ پاک کا یہی حکم ہے۔

"وَلاَ تَطْرُدْ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ"(الانعام:52)

اللہ کریم نے اپنے محبوب ﷺ کو یہ فرمایا تھا کہ اُن لوگوں کے واسطے جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اُس کی رضا کے طالب ہیں ان کو اپنے دَر سے رَد نہ کریں۔ اُن کو اپنی غلامی میں لے لیں۔ یہ ہی سُنت شیوخ طریقت کی بھی ہے۔ وہ اسی سُنت پر عمل کرتے ہوئے ایسے شخص کا ہاتھ تھام لیتے ہیں اور وہ شخص ان کے ہاتھ پر اللہ کی جناب میں بیعت ہوتا ہے۔ بیعت ہونے کا مطلب ہے بِک جانا۔ اللہ پاک نے فرمایا!

"إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنْ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمْ الْجَنَّةَ"(التوبہ:111)

قاری صاحب آج قُرانِ پاک کی یہ آیت ہی تلاوت کر رہے تھے۔ اللہ پاک خرید لیتا ہے اپنے بندوں کی جان اور مال کو اس بات پر کہ ان کو جنت عطا کردے۔ اس عمل کو بیعت کہا جاتا ہے۔ یہ ایک عہد ہے اللہ اور بندے کے درمیان۔ جتنی بڑی ہستی ہے عہد نامہ بھی اتنا ہی مخصوص ہے۔ عام عہد نامے کو آپ میثاق کہہ سکتے ہیں، عہد کہہ سکتے ہیں یا تحریر کہہ سکتے ہیں لیکن اللہ کے ساتھ جو وعدہ ہوتا ہے اس کا نام بیعت ہے۔ کہ بندہ اپنا آپ اپنے مالک کے حوالے کر دیتا ہے"إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى" بے شک اللہ تعالیٰ خرید لیتا ہے، چونکہ ہم اپنے حواس خمسہ کے ذریعے اپنے رب کا ادراک نہیں کر سکتے، اس واسطے اللہ کی یہ عادت مبارکہ ہے کہ اُس نے انسان کو ہی انسان کے واسطے رہبر قرار دیا ہے۔ یہ اللہ پاک کی عادت مبارکہ ہے کہ دُنیا میں کوئی شخص جب بھی کسی سے کوئی چیز حاصل کرتا ہے تو اُس کو کسی اُستاد کی ضرورت ہوتی ہے اور اُستاد انسان ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ کریم کے قُرب کے حصول کے واسطے انسان کو ہی بطور رہبر منتخب کیا جاتا ہے۔ اُس کو اللہ کی بارگاہ میں گواہ قرار دے کر بیعت کا یہ سلسلہ ہوتا ہے۔ انسان اپنے شیخ کو یہ التجاء کرتا ہے کہ بیعت کی ہاتھ تیرے پر۔ چونکہ اللہ کریم اِس کے ادراک میں نہیں، اِس نے اپنے جیسے ایک ایسے شخص پر جس کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے بیعت کی اجازت مل چکی ہو، یہ ایک علیٰحدہ موضوع ہے کہ شیخ کے اندر کون سی خوبیاں، صفتیں اور علامات ہونی ضروری ہیں ان کو انشاء اللہ بعد میں گزارش کروں گا۔ ابھی ہم تصوف کے Fundamentals، تصوف کے ابتدائی

طریقہ کاراور ابتدائی اقدام کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اور میں اسی سلسلہ میں گزارشات پیش کر رہا ہوں۔ جب کوئی شخص اپنی حالت کو دیکھ کر اِس کو تبدیل کرنے کی خاطر اور اللہ کے قُرب کے حصول کے واسطے کسی شخص کو اپنا رہبر قرار دے دیتا ہے اور اُس کے ہاتھ پر بیعت ہو جاتا ہے، تو پھر ارادت کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ اِس بیعت کے بعد اُس کی عادتیں تبدیل ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ یہ کام ایک دن میں ہی مکمل ہو جائے۔ بلکہ اس کے واسطے حسبِ طبیعت وقت درکار ہے۔ کسی کو سال میں، کسی کو پانچ سال میں، کسی کو دس میں اور کسی کو بیس سال میں، جتنی کسی کو توجہ کی ضرورت ہو اس کے مطابق یہ فیصلہ کرنا اللہ رب العزت کا کام ہے اور اللہ رب العزت شیخ کی رہنمائی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعے فرماتا ہے۔ جو شخص بیعت ہو گیا، اُس کی ارادت کی ابتداء ہو گئی۔ جس شخص کے اندر یہ تبدیلیاں واقع ہوں گی اُس کو حقیقت میں مُرید کہا جائے گا۔ وہ شخص جو کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلے وہ اس وقت تک بیعت کی حقیقت کو نہیں پہنچتا جب تک کہ اس کے اندر تبدیلی واقع نہ ہو۔ اس کے واسطے وقت درکار ہے۔ مُرید آہستہ آہستہ سنبھلتا جاتا ہے اور اُس کی جو بد عادات ہیں وہ دُور ہوتی جاتی ہیں اور آہستہ آہستہ اُس کے اندر اچھی عادتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ اس کو خود بخود گناہ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ خود بخود اس کو اپنے رب کی رضا کے حصول کے واسطے جستجو کرنے کو شوق پیدا ہوتا ہے۔ ایسا شخص آہستہ آہستہ اپنے اس طریقہ کار پر آگے چلتا ہے اور چلتے چلتے اپنی منزل مقصود پر جا پہنچتا ہے۔ لیکن اس کے واسطے، میرے سے اکثر سوال بھی کیا جاتا ہے کہ ہم اس مقام پر کس طرح پہنچ سکتے ہیں؟ اس سِلسلہ میں میں نے ایک پوری نشست میں عملی طور پر تفصیلاً عرض کیا تھا کہ آپ اُس مقام کو کس طرح پا سکتے ہیں۔ آج مختصراً گزارش کر دیتا ہوں۔ ویسے انشاء اللہ تعالیٰ مُرید کی جو ذمہ داریاں اور شیخ کی جو صفتیں اور اختیارات ہیں اُن کے بارے میں پھر گفتگو کریں گے لیکن جب تک کوئی شخص اپنے شیخ کے ساتھ اس طرح کا تعلق نہ بنائے کہ!

''سپردم بہ تو مایہ خویش را کہ تو دانی حساب کم و بیش را''

کہ میں نے اپنا آپ تیرے حوالے کر دیا ہے، اب آپ نے جو کچھ بھی کرنا ہے وہ میرے ساتھ کر گزریں۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ نے بھی اس موضوع پر گفتگو فرمائی ہے میں اُن کے صرف چند الفاظ استعمال کرتا ہوں کہ!

''میں قُربان تنہاں تے باھُو جنہاں دلبر نوں خون بخشیا ہُو''

یعنی اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دینا کہ جو چاہے کرے، اب اُس کی مرضی۔ مشائخ عظامؒ نے یہ فرمایا کہ مُرید شیخ کے ہاتھ میں ایسے مُردے کی حالت میں ہوتا ہے جیسے کہ کوئی مُردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کوئی شخص جس وقت کسی مُردے کو غسل دیتا ہے اُس کو جس طرح چاہے اُلٹے پلٹے، مُردے کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔ میت کو وہ جس طرح چاہے کرتا رہے۔ اسی طرح جب مُرید اپنا آپ اپنے شیخ کے حوالے کر دے تو پھر اس کے اندر ارادت واقع ہوتی ہے۔ اِس کے بغیر نہ وہ صحیح معنوں میں مُرید ہوتا ہے اور نہ ہی ارادت کا عمل واقع ہوتا ہے۔ آجکل جو رسمی پیری مُریدی ہے یہ حقیقتاً تصوف کی رُوح سے بہت دور ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر اوقات مشائخ حضرات اور پیر صاحبان بغیر سلوک کی منازل طے کیے ہوئے اور بغیر کامل کی اجازت کے یہ کام شروع کر دیتے ہیں۔ نتیجتاً نہ صرف وہ آنے والے کو دھوکہ

دیتے ہیں بلکہ اپنی عاقبت کو بھی برباد کر بیٹھتے ہیں۔ وہ نہ کسی کی اصلاح کر سکتے ہیں اور نہ یہ ان کے بس میں ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی حضرت سلطان باہو صاحبؒ نے فرمایا کہ !

"نہ طالب کہیں دے لوکاں نوں طالب کریندے ہو"

انہوں نے خود چونکہ کسی کامل کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا نہیں ہوتا، سلوک طے نہیں کیا ہوتا، یہ اسی طرح ہے کہ کوئی شخص گھاس کاٹتے ہوئے اٹھے اور کسی شخص کا آپریشن شروع کر دے۔ نتیجتاً ماسوااِس کے کیا ہو گا کہ جس کا آپریشن ہو گا وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ ایسے پیر صاحبان حقیقتاً پیر کا لفظ اُن کے واسطے مناسب نہیں، لیکن دورِ حاضر میں یہ بیماری اتنی شدت اختیار کر گئی ہے کہ ہر سجادہ نشین کا بیٹا خود کو پدرم سلطان بود کے مِصداق پیر سمجھنے لگ پڑتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پیدا ہوتے ہی اُن کو سرکار کہنا شروع کر دیا جاتا ہے، نتیجتاً اُن پر اِصلاح کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ جس کے اندر اپنی کم مائیگی، اپنے عیب اور اپنی گناہ گاری کا احساس پیدا نہیں ہو گا اس کے اندر بندگی واقع ہو ہی نہیں سکے گی۔ پیر بننا تو کجا نتیجتاً ایسے لوگ نہ صرف اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں بلکہ بہت سارے لوگوں کی تباہی کا بھی باعث بنتے ہیں۔ اِس کے بارے میں انشاء اللہ علیٰحدہ گفتگو کریں گے لیکن جب تک شیخ کامل نہ ہو سپر دم بہ تو کا فائدہ کوئی نہیں۔ جب آپ کی کسی ایسے شخص کے ساتھ وابستگی ہو جائے، جس کی دَستار (پگ) اُس کے والد کی فوتگی کے بعد مُریدوں نے باندھی ہو اور آپ اس کو سپر دم بہ تو کہہ دیں تو وہ لُوٹ کر کھا جائے گا یہ بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ تصوف کی بدنامی اور اس کے زوال کا یہ ایک بہت بڑا سبب ہے۔ شیخ کا انتخاب کرنا ایک بڑی اہم چیز ہے اور اس پر انشاء اللہ علیٰحدہ گفتگو کریں گے۔ آج کی میری گزارش تصوف کے حصول کا طریقہ کار اور اس کی ابتداء ہے۔ اس کی ابتداء ارادت سے ہوتی ہے اور ارادت صرف اس کو حاصل ہوتی ہے جس کو مُرشد کامل مل جائے اور یہ اللہ پاک کے خاص کرم کے بغیر ممکن نہیں۔ ہر بندہ اپنے پیر کو خواجہ اجمیر سمجھ کر جاتا ہے۔ لیکن کیا خبر کہ اُن کے بھیس میں کون بیٹھا ہے۔ بہر حال ہم پھر کبھی اس سِلسلہ میں گفتگو کریں گے۔ آج میں نے جو گزارشات کی ہیں وہ تصوف کے حصول کا طریقہ کار، پہلے پچھلے سبق کا اعادہ کیا اور آج کے سبق میں تصوف کے حصول کے واسطے معرفت الٰہی کے زیر اثر اپنے دل پر انسان کو عیبی ہونے کا القاء ہونا، اس کو اپنی کم مائیگی کا احساس پیدا ہونا یہ ضروری ہے۔ جب اس کو احساس پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ اللہ کے کسی بندے کی جستجو کرتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے واسطے اس کے دامن کے ساتھ وابستہ کر لیتا ہے۔ چونکہ ہر منزل کے حصول کے واسطے رہبر کا ہونا ضروری ہے۔ یہ تو ایک بہت بڑی منزل ہے۔ اگر کسی نے چھوٹی منزل پر بھی جانا ہے تو اس کے لیے بھی کسی شخص سے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ میں نے فلاں راستہ پر جانا ہے پہلے اس راستہ پر کبھی نہیں گیا، کس طرح جاؤں گا، کس سواری پر بیٹھوں گا اور اس کی کیا نشانیاں ہوں گی۔ رہبر کے اپنے اپنے مقام ہیں۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنے والے کے واسطے رہبر کامل کی ضرورت ہے۔ جب رہبر کامل مل جائے اور وہ اس کے ہاتھ پر عہد کر لے، بیعت ہو جائے پھر ارادت کا آغاز ہوتا ہے اور جس شخص کے اندر ارادت واقع ہوتی ہے، جس کی عادتیں بدلتی ہیں، جس کے اندر تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اور جو

پہلے جیسا نہیں رہتا اسی کو مُرید کہتے ہیں۔ مُرید ابتداء ہے۔ حضرت صاحبِ غُنیتہ الطالبین فرماتے ہیں کہ مُرید ابتداء کرنے والا ہے۔ اس کو مصائب اور مشقتوں میں سے گزرنا پڑتا ہے اور مُراد وہ ہے جو اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ مُرید سے چل کر مُراد تک پہنچنا ہوتا ہے۔ سَالکین جستجو کر کے، مُجاہدے کر کے، ریاضتیں کر کے، اپنے نفس پر زور ڈال کر پھر کہیں جا کر اپنے دل کو نرم کر سکتے ہیں اور پھر رَفتہ رَفتہ ان کو اپنی منزلِ مقصود قریب نظر آنا شروع ہو جاتی ہے۔ تمام مشائخ عظام بشمول حضرت داتا گنج بخشؒ، صاحبِ غُنیتہ الطالبین سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ، حضرت امام ابو القاسم قشیریؒ، امام غزالیؒ اور شیخ شہاب الدین سُہروردیؒ تمام بزرگوں نے یہ ہی فرمایا ہے کہ جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ بغیر محنت کے اس کو کشف حاصل ہو جائے گا وہ غلط فہمی کا شکار ہے اور وہ ساری عمر اسی غلط فہمی میں ہی گزار دیتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ جب کوئی شخص مُرید ہونا چاہے تو اس کو معلوم ہو کہ اس کو جستجو کرنی ہے اور جس طرح شیخِ طریقت اس کی رہنمائی کرے اس پر وہ چلتا جائے۔ اپنے اور شیخ کے درمیان فاصلہ نہ رکھے۔ اکثر یہ پوچھا جاتا ہے کہ ہم اس منزل کو کس طرح حاصل کریں۔ میں اس واسطے بار بار عرض کرتا ہوں کہ عملی طور پر اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی بھی طالب اپنے شیخِ طریقت سے اپنے آپ کو نہ چھپائے، اس پر اعتبار کرے اور اپنے آپ کو اس کے اعتماد میں دے دے۔ یہ اصول ہے۔ جب یہ چیز واقع ہو جائے گی تو پھر شیخِ طریقت کے دل میں جو اسرارِ الٰہی اور تجلیاتِ الٰہی نسبتِ رسول ﷺ کے ذریعے اس کو حاصل ہو چکے ہیں وہ اس مُرید کے اندر بھی منتقل ہونے شروع ہو جائیں گے۔ ضروری نہیں کہ اس کے واسطے کوئی سبق دیا جائے یا کورس کروایا جائے۔ یہ رَفتہ رَفتہ پہلے جاں، پھر جانِ جاں، پھر جانِ جاناں ہو گئے۔ اپنے آپ بندہ اس کے پاس اٹھتا بیٹھتا رہے، اس پر اعتماد کر جائے، اس سے پردہ نہ رکھے، اپنا آپ اس کے حوالے کر دے تو پھر اس جیسا ہو جائے گا۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت اس کی ناک کے نیچے رہے چاہے وہ جہاں پر بھی ہو اس کو عمل یہ ہی کرنا ہے کہ اپنی ذات اپنے شیخ کے سپرد کرنی ہے، کیوں کہ آج کا زمانہ مصروفیت کا زمانہ ہے ہر شخص کو بے شمار ذمہ داریاں ادا کرنی ہیں۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ نے یہ فرما کر یہ سفر بھی کم کر دیا ہے کہ!

"مُرشد وسے سَہہ کوہاں تے مِنوں دسے نیڑے ہُو　　　　کی ہویا بُت اوہلے ہویا اوہ وسے وچ میرے ہُو"

وہ کہتے ہیں کہ!

"جس دے نال میں نیوہ لگایا اوہدے ورگی ہوئی"

اُس جیسی ظاہر میں مُراد نہیں، اس جیسے کپڑے پہننے سے بندہ اُس جیسا نہیں ہو سکتا، اُس کے دل میں جو تجلیاتِ الٰہی ہیں وہ حاصل کرنی ہیں۔ کپڑے جو چاہے مرضی ڈالیں، اِس میں کوئی شرط نہیں۔ کئی جگہ پر میں نے دیکھا ہے کہ دورِ حاضر میں مشائخ حضرات اپنے مُریدوں کو یونیفارم پہنا دیتے ہیں، ایک جیسا لباس پہنا دیتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ دیکھیں تو ہمیں یہ چیز کہیں نظر نہیں آتی۔ نبی پاک ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف لباس زیبِ تن فرمایا۔ لہذا "اُوہدے وَرگی ہوئی" سے مُراد یہ ہے کہ جو اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی روشنی ہے وہ میرے دل میں آ جائے۔ یہ فقط اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، اس کے ساتھ پیار محبت، اور اس پر اعتماد کرنے اور اس سے پردہ نہ رکھنے

پر خود بخود بندے کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے واسطے نہ بھوکا رہنا پڑتا ہے، نہ راتیں جاگنی پڑتی ہیں، نہ چلے کرنے پڑتے ہیں، یہ سب کچھ وہ کہتے ہیں کہ!

" جب دامرشد پھڑیا باہو میرے چھٹے سب عذاب ہو"   مطلب سب حاصل ہو ون باہو جب پیر اِک نظر تکے ہو"

لیکن پیر نظر اُس کی طرف ہی ڈالتا ہے جو اپنا آپ اس کے حوالے کر دے، اعتماد حاصل کر لے، اس پر شک نہ کرے اور نہ اپنے آپ کا اس سے پردہ رکھے۔ اگر یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو خود بخود فاصلے سمٹ جاتے ہیں اور منزل حاصل ہو جاتی ہے کہ!

"فنا اتنا تو ہو جاؤں میں تیری ذات عالی میں   جو مجھ کو دیکھ لے اُس کو تیرا دیدار ہو جائے"

پھر اس کے اندر بھی وہ ہی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ تو آج کا موضوع یہ تھا کہ تصوف کے حصول کا طریقہ کار کیا ہے۔ اس کے اندر میں نے جو Terms، اصطلاحات استعمال کی ہیں وہ بیعت، ارادت، مُرید اور مُراد کی ہیں۔ اللہ کرے کہ اللہ رب العزت یہ نعمتیں نصیب کرے اور دُنیا میں بھی رہنے کا لطف آئے انشاء اللہ۔ پھر جس وقت انسان اس دُنیا سے رخصت ہو گا اس میں بھی ایک مقام ہو گا اور پھر روز آخرت بھی اللہ کریم کے نزدیک اس کی حیثیت اس کے محبوبوں میں ہو گی۔ اللہ کریم نصیب فرمائے۔ جو کچھ میں نے عرض کیا اگر اس میں سے کسی کو سمجھ نہ آئی ہو تو وہ پوچھ سکتا ہے۔ حتیٰ الامکان میری کوشش ہوتی ہے کہ بات کو جتنا بھی ہو سکے سادگی کے ساتھ بیان کیا جائے تا کہ میری بات ہر صاحبِ علم اور علم نہ رکھنے والے کی سمجھ میں آجائے۔ اس کے باوجود انشاء اللہ جب کبھی بھی کسی کے ذہن میں کوئی سوال ہو وہ میرے اس وقت کے علاوہ بھی پوچھ سکتا ہے، اس وقت سے مُراد ڈیرہ شریف میں آؤٹ ڈور کے اوقات ہیں۔ مسجد پاک ،بیگھ شریف یا دیگر جگہوں پر بھی پوچھا جاسکتا ہے۔ بہر حال غیر ضروری سوال سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے اور یہ سوال اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اس بندے نے درس کو دھیان کے ساتھ نہیں سنا۔ جس نے درس دھیان سے نہیں سنا وہ ہی غیر متعلقہ سوال کرے گا۔ ایسے سوالوں سے سوال نہ کرنا بہتر ہے۔ لیکن جو موضوع بیان ہوا ہے اس سِلسلہ میں کسی کو کوئی ابہام ہو اب یا بعد میں کسی بھی وقت وہ اس چیز کو اپنی اصلاح کے واسطے پوچھ سکتا ہے۔ رشد و ہدایت کی بات کے واسطے میں ہر وقت حاضر ہوں۔ اللہ رب العزت جو بیان کیا گیا اور جو سماعت فرمایا گیا اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ ہم رَفتہ رَفتہ اپنے مالک کو پانے کے راستہ کی طرف چل رہے ہیں۔ راستہ مل گیا تو قدم قدم اس پر اور روانگی کریں گے۔ میری اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی نصیب فرمائے۔ آمین۔ وماعلینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف۔ 9

دورانیہ۔58منٹ۔ تاریخ۔ 25-07-2013

بمقام۔ مسجد۔ آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

گزشتہ محفل میں تصوف کے چند بنیادی نکات بیان کیے گئے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں تصوف کے سِلسلہ میں جو گفتگو فرمائی ہے وہ اس سے پہلی محفل میں بیان کی گئی ۔ تصوف کے امام حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذَاتِ اَقدَس ہے۔ تصوف کا دارومدار صفائے باطن، تزکیہِ نفس، تعمیرِ کردار پر ہے۔ تعمیرِ کردار ہر اس شخص کے واسطے جو ضروری ہے، جو اِس دُنیا میں آیا اور جو اِس دُنیا سے کامیاب جانا چاہتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا!

”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى“(الاعلیٰ:14)

وہ کامیاب ہو گیا جس نے خود کو سنوار لیا اور فرمایا!

” قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا“(الشمس:9،10)

فرمایا وہ کامیاب ہو گئے جنھوں نے اپنے کردار کو سنوار لیا اور وہ ناکام رہے جو اس سے غافل رہے۔ تصوف حقیقتاً تعمیرِ کردار کا دُوسرا نام ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے حضرت مرتعشؒ کا قول بھی بیان فرمایا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ”التصوف حسن الخلق“۔ تصوف اچھے اخلاق کا نام ہے۔ یہ اخلاق دو طرح کے ہیں۔ ایک اللہ کے ساتھ اور دُوسرا اس کی مخلوق کے ساتھ۔ یہ ساری گزارشات میں کر چکا ہوں۔ یہ میں نے گزشتہ سے پیوستہ سیاق وسباق کے واسطے عرض کیا ہے۔ اس کے بعد تصوف کے جو چند ضروری نکات ہیں ان کے بارے میں گزارش کی گئی۔ ارادت، مُرید، شیخ یہ بنیادی اجزا ہیں۔ ارادت اپنی گزشتہ عادات کو ترک کر دینے کو کہتے ہیں۔ معرفت پہچان کو کہتے ہیں۔ صوفیاء معرفت سے مُراد اللہ کی پہچان لیتے ہیں۔ لیکن معرفت کے دو حصے ہیں۔

”من عرف نفسہ فقد عرف ربہ“

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ انسان سب سے پہلے اپنے باطن کی طرف توجہ کرتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی کو معرفت نصیب کرتا ہے اور اللہ پاک کی رحمت اس کے دل پر نازل ہوتی ہے اور اُس کی رحمت کا القاء ہوتا ہے تو سب سے پہلے انسان کو اپنے عیب نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اپنے عیوب کا معلوم ہو جانا عجز وانکسار کی چابی ہے۔ اُس شخص کے اندر عاجزی پیدا نہیں ہو سکتی جو اپنے آپ کو کمتر نہ

سمجھے اور کم تر اُس وقت ہی سمجھے گا جب اس کی نظر حقائق پر ہو گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بحیثیت انسان انبیاء بھی اللہ کی بارگاہ میں یہ التجاء کرتے رہے ہیں کہ!

"رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنْ الْخَاسِرِينَ"(الاعراف:23)

اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اگرچہ وہ معصوم تھے اور ہم کماحقہٗ ان تمام آیات پر عملدرآمد کے محتاج ہیں۔ جب تک اللہ کریم اپنے عیبوں کی پہچان نہیں دیتا اس وقت تک عاجزی پیدا نہیں ہو سکتی۔ عجز و انکسار کا دوسرا نام عبادت ہے۔ اس کے بغیر نہ عبادت ہو سکتی ہے، نہ اخلاق ٹھیک ہو سکتے ہیں اور نہ ہی تعمیرِ کردار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا "من عرف نفسہ" معرفت کی پہلی منزل ہے۔ میں یہ چند ایک نکات پہلے گزارش کر چکا ہوں کہ سب سے پہلے انسان کو معرفت نصیب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اُس پر تَرس فرماتا ہے اور اس کو اپنی بندگی کا احساس ہو جاتا ہے، اپنے گناہوں سے باخبر ہو جاتا ہے اور اس کے اندر عجز و انکسار پیدا ہوتا ہے۔ رقت، آنکھوں کا بہنا یہ سب چیزیں اللہ پاک کا انعام ہیں اور یہ اس کی معرفت کا ایک حصہ ہے۔ جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو پھر انسان کسی ایسے شخص کی تلاش کرتا ہے جو اس کو توبہ کا صحیح راستہ بتائے۔ اس کو یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ میں کہیں ان گناہوں کا بوجھ لے کر مر ہی نہ جاؤں۔ اللہ کی بارگاہ میں میں کیا جواب دوں گا۔ پھر وہ کسی ایسے شخص کی تلاش میں ہوتا ہے جو اس کو توبہ کا صحیح راستہ بتائے اور اپنے رب کے قُرب کا طریقہ بتا سکے۔ جب اس کو کوئی ایسا شخص مل جائے تو پھر ارادت واقع ہو جاتی ہے۔ انسان اپنی پرانی عادتیں چھوڑ دیتا ہے، حضرت غوث پاکؒ غُنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ!

"ارادت اپنی عادتوں کے تَرک کرنے کا نام ہے"

انسان اپنی پرانی عادتیں تَرک کر دے، سوچیں تَرک کر دے، عادات سے مُراد صرف عمل نہیں۔ سوچ سے لیکر عمل تک ایک پورا لائحہ عمل ہے اس سب کے اندر تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ جب یہ تبدیلی واقع ہو جائے تو اس عمل کو ارادت کہتے ہیں۔ ارادت جس شخص کے اندر واقع ہوتی ہے اس کو مُرید کہا جاتا ہے۔ جب تک ارادت نہ ہو اس وقت تک مُرید نہیں ہو سکتا اور جب تک شیخ نہ ہو اس وقت تک ارادت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب کسی شخص نے اپنی عادتیں تَرک کرنی ہیں تو پھر لازمی طور پر کسی ایسے شخص کی عادتیں اختیار کرنی ہیں جو اس کو راہِ راست پر گامزن کر سکیں۔ اس کے واسطے ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو سُنتِ رسول ﷺ پر کماحقہٗ کاربند ہو۔ ایسا شخص شیخ کہلاتا ہے اور جب کوئی شخص اس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے تو پھر رَفتہ رَفتہ اس کی عادتیں اس کو چھوڑنا شروع کر دیتی ہیں اور آہستہ آہستہ سُنتِ مصطفی ﷺ کے روپ میں وہ رنگا جاتا ہے۔ یہ طریقہ کار تصوف کا طریقہ کار ہے۔ یہ عمل آہستہ آہستہ ہوتا ہے، اس شخص کو پتہ نہیں چلتا لیکن پھر رَفتہ رَفتہ اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پہلی حالت (status) میں بہت زیادہ تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔

"صُحبت مُرشد دی نے من ہور دا ہور بنا چھڑیا"

وہ "ہور دا ہور" بن جاتا ہے۔ یہ میں نے ابھی پچھلی گزارشات کی تھیں۔ آج ہم تصوف کی اکائیوں کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ یہ دراصل

تصوف کی basics یا اکائیاں ہیں، ارادت، مُرید، شیخ، معرفت۔ ان کے بارے میں فرداً فرداً گفتگو ہو گی۔ اس سلسلہ میں میں عوارف المعارف جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے لکھی ہے اور ان کے شاگردِ رشید شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ نے اس کتاب کا درس دیا ہے۔ ہم نے اس کتاب سے بھی رہنمائی لی ہے۔ اس کی Consultation بھی کی ہے۔ کیونکہ یہ وہ کتاب ہے جس کا درس ماضی میں برصغیر پاک و ہند بلکہ تمام دُنیائے اسلام میں اکثر بزرگ دیتے رہے ہیں۔ تاکہ تصوف پر کماحقہٗ عمل کی سمجھ آسکے۔ عوارف المعارف کا درس حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ بھی دیتے رہے اور محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے ان سے یہ کتاب سبقاً پڑھی تھی۔ بہر حال ہم اِس کتاب کو بھی کشف المحجوب کی طرح ریفرنس Reference Book کے طور پر consult کریں گے، انشاء اللہ ۔ اس کے ساتھ ساتھ رسالہ قشیریہ اور غُنیتہ الطالبین یہ وہ معرکتہ الآرا کتابیں ہیں جنہوں نے دُنیائے اسلام میں ہر دور میں مسلمانوں کو اپنی حالت پر قائم رکھا۔ بے شمار انقلابات واقع ہوتے رہے اور بہت ساری قتل و غارت چلتی رہی، حکومتیں بدلتی رہیں، معاشرے تبدیل ہوتے رہے لیکن تصوف اپنے راستہ پر گامزن رہا، یہاں تک کہ جب روس کے اندر سرخ انقلاب آیا، مساجد کو تالے لگ گئے اور اذان دینا جرم بن گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت اور ان دنوں میں بھی حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ کے مزار مبارک بخارا شریف میں ختم خواجگان پڑھا جاتا تھا اور لنگر بھی تقسیم ہوتا تھا۔ تصوف ایک ایسا راستہ ہے جس نے ہر دور میں اپنا وجود قائم رکھا ہے کیونکہ یہ راہ حق ہے اور اس کو اللہ رب العزت کی کماحقہٗ مدد شامل ہے۔ حضرت غوث العالمین غوث بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے مُرشد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جنہوں نے کتاب عوارف المعارف تحریر فرمائی ہے، آپؒ سلسلہ عالیہ سُہروردیہ کے امام ہوئے ہیں۔ آپؒ کا زمانہِ اقدس حضرت غوث پاکؓ سے بعد ہے لیکن آپؒ نے بنفسِ نفیس حضرت سیدنا غوث اعظمؓ سے فیض حاصل کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میرے چچا حضرت شیخ ابو نجیب سہروردی جو میرے مُرشد تھے وہ مجھے حضرت غوث پاکؓ کی بارگاہ میں لے گئے اور عرض کی کہ حضور میرا یہ بھتیجا دُنیا کے علم کی طرف توجہ کرتا ہے اور حقیقت کے علم کی طرف اس کا دھیان نہیں ہوتا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ حضرت غوث پاکؓ نے میرے سینے پر دست مبارک پھیرا اور میرے سینے میں سے تمام دُنیاوی علوم نکل گئے اور ان کی جگہ پر میرے سینے میں انوارِ الٰہی جلوہ گر ہو گئے۔ اس کتاب کو بھی ہم انشاءاللہ consult کریں گے۔ اس میں انہوں نے تصوف کی ان اکائیوں پر تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ لیکن اس سے پہلے وضاحت کرنی مقصود ہے کہ میں جو کچھ گزارش کر رہا ہوں اس کا تعلق حقیقت کے ساتھ ہے اور ان چیزوں کی ہماری عملی زندگی میں ضرورت ہے۔ جن چیزوں کی ضرورت نہیں ان کو میں نے حذف کر دیا ہے۔ کچھ ایسی باتیں ہیں جو صرف اہل باطن یا اولیائے کبار کے سمجھنے والی ہیں ان کو میں نے وقتی طور پر حذف کیا ہے، میری دعا ہے کہ اللہ کرے کہ ہم میں سے کوئی یا بہت سارے ایسے ہو جائیں جن کو اپنے رب کی پہچان ہو جائے اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر معاشرہ بھی تبدیل ہو گا اور مسلمانوں کا غلبہ بھی ہو گا۔

اللہ رب العزت ہماری اس آرزو کو قبول فرمائے۔ تصوف کے بارے میں بھی گزارش کرنی ہے، یہ جو علم میں گزارش کر رہا ہوں یہ علم تصوف کو سمجھنے کے واسطے ضروری ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ محفل دو طرح سے باعث سعادت ہے ایک تو یہ کہ جیسے کسی نے کہا ہے کہ!

ایک نگاہ کی بات ہوتی ہے اور دُوسرا محض یہ concept clear کرنے کے واسطے، یا جو راستہ اختیار کرنا ہے اس کی سمجھ بھی تو ہونی چاہئے کہ ہم یہ راستہ کیوں اختیار کر رہے ہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ شیخ اس کے اندر ایک اکائی ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسے ہے کہ جس طرح ایک بلب جل رہا ہے، بلب کی اپنی طاقت ہرگز روشنی دینے کی نہیں اس کو اس تار کے ذریعے طاقت ملتی ہے جو اس کے پیچھے بجلی کے نظام کے ساتھ وابستہ ہے، اس کو طاقت ملتی ہے اور یہ روشن ہو جاتا ہے۔ اس کی روشنی کی وجہ سے بہت سارے لوگ اور بہت ساری دیگر چیزیں روشن ہو جاتی ہیں اور ان کو روشنی ملتی ہے۔ شیخ کی مثال اسی طرح ہے کہ وہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی بارگاہ کے ساتھ مربوط ہوتا ہے اور جو کچھ فیضان، اکتسابِ فیض وہ بارگاہ رسالت مآب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے کرتا ہے وہ اپنے ساتھ وابستہ لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ یہ وہ نور ہے جس کا منبع ربِ کریم کی ذاتِ اَقدس ہے اور اس کا واحد ذریعہ سَرورِ کائنات، فَخرِ موجودات، نبیِ مُکرم، نُورِ مُجسم، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ذَاتِ اَقدس ہے۔ لہٰذا یہ محفل ہر دو طرح سعادت سے خالی نہیں۔ ایک حصولِ علم، دُوسرا حصولِ سعادت اور حصولِ فیضان۔ اللہ رب العزت ان دونوں ذرائع کو اتنا بااثر کر دے کہ ہم بھی تصوف کے قیام اور اس کی ترویج کے سِلسلہ میں کردار ادا کر سکیں۔ میں نے یہ گزشتہ سے پیوستہ تمہید گزارش کی ہے۔ اب میں جو گزارش کرنے جا رہا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنی کتاب عوارف المعارف کا دسواں باب "مَرتبہ شیخ اور مشیخت کی شان" یعنی شیخ ہونے کا کیا مقام اور مَرتبہ ہے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ اس میں انہوں نے اللہ رب العزت کی اس آیت سے آغاز کیا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا!

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ"(ال عمران:31)

اے میرے محبوب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فرما دیں کہ اگر تم اللہ کے ساتھ محبت کرتے ہو تو میری پیروی، اتباع کرو، میری غُلامی اختیار کر لو۔ جب کوئی ادنیٰ کسی اعلیٰ کے ساتھ لگتا ہے تو پھر اس کو صُحبت نہیں کہا جاتا بلکہ غُلامی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو فرما دیں کہ تمہیں اللہ کے ساتھ محبت کا دعویٰ ہے تو پھر تم میری غلامی اختیار کرو، اللہ تمہیں پیار کرے گا، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ چہ جائیکہ آپ اللہ کو اپنا محبوب بنائیں اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ اسی اصول پر چلتے ہوئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اُمت میں ایسے شیوخ ہر دور میں آتے رہے جن کا ایک طرف تعلق محبوبِ خدا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ساتھ تھا اور دُوسری طرف مخلوقِ خدا کے ساتھ تھا۔ یہ طریقہ کار اللہ رب العزت کی مشیعت ہے اور اس کی عادت مبارکہ ہے۔ چونکہ آقا کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے پردہ فرما لیا لہٰذا ان کے فیض سے اکتساب کے واسطے شیخِ کامل کی ضرورت ہے۔ ایسا شیخ کامل جس کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت حاصل ہو اور وہ سُنت مصطفی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر کاربند ہو۔ سُنت کی خلاف ورزی کسی بھی صورت نہ کرے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ مشائخ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ کے بندوں کا رشتہ اللہ کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ "اللہ اللہ کیے جانے سے اللہ نہ ملے، اللہ والے ہیں جو اللہ سے ملا دیتے ہیں"۔ یہ طریقہ کار ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اپنے مُرید میں اللہ کی محبت اس طرح پیدا کرتا ہے کہ وہ

اس کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع اور پیروی میں لگا دیتا ہے اور اس پر اس طرح لگاتا ہے کہ اس کو سُنت مصطفی ﷺ کے ساتھ پیار ہو جاتا ہے اور اس کے بغیر اس کا گزارا نہیں ہوتا۔ حضرت ابو بکر شبلیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ کے منظورِ نظر مُرید تھے۔ آپؒ کا جب وقت وصال آیا تو آپؒ نے اپنے خادم کو کہا کہ مجھے وضو کرواؤ۔ جسم میں جان نہیں تھی، خادم نے وضو کروایا لیکن وہ داڑھی میں خلال کرنا بھول گیا، داڑھی مبارک کا خلال نہ کیا، آپؒ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی داڑھی کی طرف کیا اور اس نے آپؒ کی داڑھی کا خلال کیا۔ آپؒ کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سُنت کا اتنا پاس تھا کہ آخری وقت تک بھی انہوں نے سُنت مصطفی ﷺ کو نظر انداز نہیں فرمایا۔ لہذا شیخ اپنے مُرید میں اللہ کی محبت اس طرح پیدا کرتا ہے کہ وہ اس کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع اور پیروی پر لگا دیتا ہے۔ جو شخص صحیح طریقہ پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع کر لے، اُس کو اُن کی غُلامی نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اُس کے ساتھ محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ رَفتہ رَفتہ خُود بخُود اثر ہونے لگ پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ!

"چنگیاں لوکاں دی مِثل وانگ دُکان عطاراں۔ بھاویں خوشبو لئیے نہ لئیے ملے آون ہزاراں"

جو لوگ اللہ کے اس سِلسلہ میں ہیں اُن کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہیں، اُن کو فیضان مصطفی ﷺ نصیب ہو جاتا ہے اور وہ تزکیہ جو وہ اپنی توجہ کے ساتھ کرواتے ہیں اُس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے رب کے ساتھ محبت کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس بارے میں آپؒ فرماتے ہیں کہ شیخ مُرید کو اللہ کا پیارا کس طرح بناتا ہے۔ شیخ لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت اس طرح پیدا کرتا ہے کہ وہ مُرید کو تزکیہ نفس کے راستہ پر چلاتا ہے ۔جب مُرید کا نفس مُتقی اور پاک ہو جائے، اس کے دل کا آئینہ جلا پا جائے اس کے اندر عظمت الٰہی جلوہ فگن ہو جاتی ہے اور جمالِ توحید جلوہ فرما ہو جاتا ہے۔ اس طرح رَفتہ رَفتہ وہ مشاہدہ حق میں مصروف ہوتا ہے۔ اس تزکیہ کا نتیجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ یہ جو میں نے الفاظ بیان کیے ہیں ان کی درست طور پر سمجھ نہیں آئے گی انشاء اللہ میں ان کو مزید تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں تاکہ ان کی سمجھ آجائے۔ تزکیہ نفس کا طریقہ کار کے بارے میں بھی انہوں نے تفصیلی گفتگو فرمائی۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ مشائخ اللہ تعالیٰ کی فوج ہوتے ہیں اور تزکیہ نفس کے ذریعے نہ صرف یہ کہ انسان کو اللہ کی پہچان ہوتی ہے بلکہ اپنے مشائخ کا مرتبہ اور ان کی تربیت کے اسرار اس پر واضح ہو جاتے ہیں اور اس کو اس حقیقت کا پتہ چل جاتا ہے کہ!

"یہ اللہ والے ہی ہیں جو اللہ سے ملا دیتے ہیں"

جیساکے میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ دُنیا کا کوئی علم، کوئی ہنر ایسا نہیں جو اُستاد کے بغیر حاصل ہو سکے۔ اسی طرح راہ حق کے واسطے اُستاد کی کماحقہ ضرورت ہے اور یہ وہ اُستاد ہے جو ہر وقت اپنے مُرید کو نگاہ میں رکھتا ہے۔

"مُرشدؔ وَسے سیہ کوہاں تے وچ نگاہ دے رکھے ہو"

لیکن اس کے واسطے انہوں نے جو شرط لگائی ہے انہوں نے کہا کہ!

''مُرشد وَسے سیہ کوہاں تے منوں دسے نیڑے ہو''

جب تک نزدیک نظر نہیں آتا اس وقت تک یہ تزکیہ اور تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

''کی ہویا بت اوہلے ہویا اوہ وسے وچ میرے ہو''

یا تو اس کے پاس رہے لیکن کئی پاس رہ کر بھی دور رہتے ہیں اور کئی دور رہ کر بھی نزدیک ہوتے ہیں۔ میں نے جو بنیادی چیز عرض کی تھی میں نے ایک پورا لیکچر اس موضوع پر گزارش کیا تھا کہ سب سے بڑی چیز ہماری سمجھ میں آنے والی اور بڑی سادہ یہ ہے کہ طالب اپنے شیخ کے ساتھ ایسا تعلق رکھے کہ اس کے اور اپنے درمیان پردہ نہ لائے اور کسی بھی طریقہ سے اس کو دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرے۔ کہ میں دکھاؤں کچھ اور اور کروں کچھ اور یہ ممکن نہیں۔ شیخ جب اپنے باطن کی نظر کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس کے سامنے سب کچھ عیاں ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ پردہ دری نہیں کرتا تو یہ مشیعت الٰہی ہے اور اس سے مُراد اللہ پاک کی ''ستار العیوب'' ہونے کی صفت ہے۔ لہٰذا اس میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے حال کو پوشیدہ رکھتا ہے دُوسرے یہ کہ اُس مُرید کے آگے چلنے کا جو لائحہ عمل ہے اگر اس کے اندر کھوٹ آ جائے تو یہ اس کے واسطے un-fit ہونے کا ایک ثبوت بن جاتا ہے۔ اس واسطے مُرشد ان چیزوں کو پوشیدہ رکھتا ہے لیکن اس کو پتہ سب کچھ ہوتا ہے۔ فلاح کی صورت یہ ہی ہے کہ بندہ اللہ رب العزت کی معرفت میں کامیاب ہو اور جیسا کہ میں نے عرض کیا جب تک اپنے اندر کی تمام کدُورتیں، بُرائیاں اُس کو نظر نہیں آتیں اُس کو معرفت حاصل نہیں ہوگی۔ مشائخ کِس طرح کسی طالب کو اللہ کے نزدیک کرتے ہیں، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا!

''أُوْلَٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهِ''(الانعام:90)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت عطا فرمائی تم ان کی ہدایت کی پیروی کرلو۔ پیروی ہدایت کی کرنی ہے، ان کی ذات کی پیروی نہیں کرنی۔ یہ قُرانِ پاک کے الفاظ ہیں ''فبھدھم اقتدہ'' ان کی ہدایت کی پیروی یعنی جس راستہ پر وہ گامزن ہیں آپ بھی وہ راستہ اختیار کرلیں۔ اگر وہ اللہ اللہ کہتے ہیں تم بھی اللہ اللہ کہو۔ ظاہر اُس جیسا بنانا اور باطن ویسا نہ ہونا یہ انسان کو حقیقت سے دور لے جاتا ہے۔ اس بارے میں میں نے عرض کیا تھا کہ اس کے بارے میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے دو مختلف درجے بیان فرمائے ہیں ''کالذیاب'' اور ''کالذباب''۔ نقلی صوفی اپنی ذات کے واسطے گندگی پر بیٹھنے والی مکھی کی طرح ہے۔ اس کے اندر بھی ذلت ہوتی ہے اور اس کے باہر بھی ذلت ہوتی ہے۔ اور دوسروں کے واسطے ''کالذباب'' وہ بھیڑیئے کی طرح ہے کہ وہ ان کا مال متاع لوٹتا ہے اور حتیٰ کہ ایمان تک لوٹ کرلے جاتا ہے۔ بہر حال مشائخ اللہ رب العزت کے وقار سے آگاہی کا ذریعہ ہیں اور مُرید ان سے ظاہری اور باطنی ادب حاصل کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص مشائخ کی پیروی کرے تو گویا اس نے رسول پاک ﷺ کی پیروی کی اور جس نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی پیروی کی اس نے در حقیقت اللہ کے حکم پر عمل کرلیا۔ رسول پاک ﷺ نے حدیث قدسی فرمائی کہ جب میرے بندے کا میرے ساتھ مشغولیت کا غلبہ ہو جائے تو میں اس کی تمام تر لذتوں کو اپنے ذکر کے اندر مرکوز کر

دیتا ہوں اور وہ میرے ذکر کے اندر سرور، حلاوت اور لذت محسوس کرتا ہے۔ یہ ذکر کس طرح کرنا ہے یہ شیخ کی عملداری ہے اور وہ ہر شخص کو اس کی طبیعت اس کے رجحان اور اس کے طریقہ کار کے مطابق سبق دیتا اور اُس پر چلاتا ہے۔ اُس میں جو کچھ شیخ نے مُرید کے ساتھ کرنا ہے اس سِلسلہ میں بھی میں گزارش کرتا ہوں۔ انہوں نے اس سِلسلہ میں بڑی کمال مثال دی ہے کہ شیخ اور مُرید کے درمیان ایک رُوحانی رشتہ قائم ہوتا ہے کہ الفت الٰہی ان کی قدر مشترک ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب مُریدوں کے نفس، طالب کا نفس اپنے مُرشد کے نفس کی عین حقیقت اور حیثیت اختیار کر لے اس وقت شیخ مُریدوں کے نفوس کی بھی ایسے ہی تربیت کرتا ہے جیسے اس نے اپنے نفس کی تربیت کی تھی۔ ایسے موقع پر اس کا طالب کے ساتھ ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے طالب اور شیخ کے درمیان ایک حُسنِ تالیف قائم رکھا ہے اور دونوں میں ایک رشتہ رُوحانی قائم ہے۔ اس واسطے اس مقام پر مُرید شیخ کا ایک جزو بن جاتا ہے۔ شیخ کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ اس کا ایک جزولاینفک حصہ بن جاتا ہے اور اس کی اپنی تمام تر ترجیحات ختم ہو جاتی ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک نومولود اپنی ولادت میں اپنے باپ کا ایک جزو ہے اور اس کا اپنے بیٹے کے ساتھ ایک خونی رشتہ قائم ہے اسی طرح ایک وَلادَتِ رُوحانی اور ایک ولادت طبعی ہے۔ ولادت طبعی تو جیسے دُنیا کا دستور ہے ویسے ہوتی ہے لیکن وَلادَتِ رُوحانی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی طالب خلوص دل کے ساتھ کسی شیخ کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے یہ کہہ کر کہ!

''سپردم بہ تومایہ خویش را۔ تو دانی حساب کم و بیش را''

میں نے اب اپنا آپ تیرے حوالے کر دیا ہے، مجھے تم سنوارو، سجاؤ اور اپنے رنگ میں ملالو۔ جب وہ اس حالت پر پہنچتا ہے، پھر آپ اس کو وَلادَتِ رُوحانی کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اس ولادت کے ذریعے انسان کا رُوحانی دُنیا اور مخلوق کے ساتھ ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ اس واسطے شیخ اور طالب کے اندر بہت ہی زیادہ گہری وابستگی کا ہونا ضروری ہے۔ اگر انسان کے دل کے اندر دُنیا بس رہی ہے تو وہ شیخ کے پاس رہ کر بھی دور ہے اور جس کے دل کے اندر شیخ بس رہا ہو تو وہ دور رہ کر بھی نزدیک ہوتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس سِلسلہ میں جستجو کرے اللہ رب العزت اس کو اتنا درجہ عطا کرتا ہے کہ اس کو خوش کرنے کے واسطے فرشتے اپنے بازو بچھا دیتے ہیں اور زمین و آسمان میں جس قدر مخلوقات ہیں تمام اس کے واسطے اس کے گناہوں کی معافی کی دعا کرتی ہیں حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں بھی اس دعا میں شامل ہو جاتی ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ایسے شخص کی فضیلت ایسے ہی ہے جیسے چاند کی ستاروں پر ہے۔ عالموں کے مقابلے پر عارف کی فضیلت اس طرح ہے جیسے چاند کو ستاروں پر ہے۔ جو شخص یہ وابستگی اختیار کر لے اللہ رب العزت اس کو اپنے قُرب کی نعمت عطا کر دیتا ہے۔ نفسِ مضمون اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی خاطر میں اس تفصیل سے قطع نظر کرتا ہوں جو آپؒ نے اس سلسلہ میں بیان فرمائی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کریم نے فرمایا تھا کہ!

''فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي''(الحجر:29)

کہ اللہ نے ایک پتلا بنایا اس کو سنوار لیا اور اس میں اپنی طرف سے ایک رُوح پھونکی۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے یہ جو جسم تھا، اگر اس

میں جان ہوتی بھی تو یہ اسی طرح کی تھی جیسے جانوروں کی۔ لیکن "مِنْ رُوحِی" نے اس میں یہ تبدیلی پیدا کی کہ یہ جَسد صاحبِ علم وحکمت ہو گیا اور لفظ "رُوح" کے ساتھ اس میں رُوحانیت پیدا ہو گئی۔ یہ رُوحَانیت اس وقت جلا پاتی ہے، جب کوئی شخص شیخ کامل کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے، اس وقت اس کی ابتداء ہوتی ہے، پہلے تو یہ رُوحانیت ہوتی نہیں اگر ہو بھی تو خفتہ ہوتی ہے۔ لیکن شیخ کامل کے ساتھ وابستہ ہونے سے اس کی رُوحَانی ولادت ہوتی ہے اور شیخ رُوحانی باپ کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ میرے مُرشد شیخ الاسلام حضرت ابو نجیب سہروردیؒ فرماتے تھے کہ میرا فرزند وہ ہے جو میری راہ پر چلے اور میری مثال اور میرے نمونے سے ہدایت حاصل کرے۔ اس کے بعد آپؒ نے شیخ کے حالات بیان فرمائے ہیں کہ شیخ کون ہو سکتا ہے؟۔ یہ بھی ایک بڑا ضروری نقطہ ہے۔ جو لوگ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کے آپ نے چار مختلف درجے بیان فرمائے ہیں۔ ایک سَالِک مُجرد، ایک مَجذوب مُجرد، ایک سَالِک مابعد مجذوب اور ایک مجذوب مابعد سَالِک۔ اس میں آپؒ فرماتے ہیں کہ سَالِک مابعد مجذوب یہ ایک ایسی کیفیت ہے جو شیخ کامل کے اندر رہونی ضروری ہے۔ میں اس کی تفصیل بیان نہیں کر رہا۔ اس واسطے کہ عوام الناس کو اس تفصیل کے ساتھ غرض نہیں۔ جب تک کہ وہ مرتبہ شیخ پر نہ پہنچ جائیں۔ لیکن اس کی نشانی عرض کر دوں کہ اگر کوئی صاحبِ حقیقت محفل کے اندر موجود ہو تو وہ یہ جان لے کہ شیخ کی خصلت سَالِک مابعد مجذوب، سَالِک کا مطلب یہ ہے کہ وہ ریاضت، مُجاہدے، سُنت رسول ﷺ پر عمل اور پیروی، اس راستہ کو مکمل کر کے پھر اللہ رب العزت کی طرف ایک خاص وارفتگی میں چلا جاتا ہے جس کو احدیت کہا جاتا ہے۔ یہ ایک مُراقبہ ہے۔ تمام مسَالِک جو طریقت کے ہیں، تصوف کے ہیں ان سب میں یہ مُراقبہ پایا جاتا ہے۔ باقی ہر ایک میں مختلف مراقبات ہیں لیکن مُراقبہ احدیت سب میں ایک ہی ہے۔ یہ مُراقبہ احدیت یہ ہے کہ انسان اس موقع پر اپنے آپ کو فراموش کر دیتا ہے اور اپنے رب کے انوار، اس کی محبت اور اور اس کے جلوے میں محو ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت سَالِک ہو کر جب بعد میں مجذوب ہو تو اس کے اپنے اختیار میں ہوتی ہے کہ جس وقت اس کو ضرورت ہوتی ہے وہ حالت جذب میں چلا جاتا ہے اور جب اس کو اس کی ضرورت نہ ہو تو وہ حالت سلوک میں آ جاتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ایسے تمام شیوخ نے اپنے علیحدگی کے کمرے یا حجرے رکھے ہوتے ہیں یا وہ کم از کم اپنے ساتھ چادر رکھتے ہیں کہ جب ایسی حالت وارد ہو تو وہ لوگوں کی نظر سے اوجھل ہو جائیں کہ ایسی حالت میں انسان کی زبان تلوار ہوتی ہے اور جو زبان سے نکل جائے وہ فوری ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ سَالِک ہو کر صاحب بیعت ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو محتاط رکھتے ہیں تاکہ کسی بھی مُرید کو کسی بھی قسم کی کوئی گزند ان کی گفتگو سے نہ پہنچے۔ وہ اپنے مقام مجذوبیت کو خفیہ رکھتے ہیں مقام سلوک کو واضح رکھتے ہیں لیکن آپؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص شیخ نہیں بن سکتا جب تک وہ سَالِک مابعد مجذوب کی منزل حاصل نہ کرلے۔ کیونکہ اس کے اندر ایک لطیف نقطہ پوشیدہ ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا تھا!

"إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ"

بے شک اے میرے محبوب ﷺ جو لوگ آپ ﷺ کی بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت ہوتے ہیں۔ "يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" ان کے

ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اس وقت میرے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھا لیکن اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے بلکہ فرمایا کہ یہ ہاتھ ہی اللہ کا ہے اور اللہ کا ہاتھ اس وقت ہی بنتا ہے جب انسان اپنے آپ سے فارغ ہو جائے اور اللہ کی تجلیات میں اپنے آپ کو غرق کر دے۔ اس وقت اس کا ہاتھ مقامِ " یَدُ اللّٰہِ " حاصل کرلیتا ہے۔ جو لوگ اس کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں ان کی بیعت براہ راست سَرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جا پہنچتی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جو بھی شیخ صاحبِ بیعت ہو اس کے واسطے سَالک مابعد مجذوب ہونا ضروری ہے۔ میں نے یہ گزارش اس واسطے کی آج کے دور میں ہر کوئی شخص شیخ بنا بیٹھا ہے اور ہر کسی کو خلافتیں تقسیم کر رہا ہے، معمولی فیس پر خلافت کی سند مل جاتی ہے۔ لیکن یہ خلافت کسی کام کی نہیں۔ جب تک نسبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہ ہو۔ جب شیخ کے ہاتھ کو حالت " یَدُ اللّٰہِ " میں پہنچنا نصیب ہو اس وقت جو لوگ بیعت ہوتے ہیں ان کی بیعت براہ راست اللہ رب العزت کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل کرتی ہے۔ تصوف میں بہت زیادہ خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ آج کل عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جس وقت کوئی صاحب سجادہ انتقال کرے اس کے بیٹے کو مُرید مل کر پگڑی باندھتے ہیں اور وہ پیر بن کر سجادہ کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے وہ اس حالت میں قطعاً بیعت لینے کا مجاز نہیں، اگر وہ بیعت لے گا تو کل کو اس کو اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

"آپ نہ طالب ہین کہیں دے لوکاں نوں طالب کریندے ہو۔ عشق مجازی تلکن بازی پیر اوولے دھر دے ہو"

اس چیز سے محتاط رہنا چاہیے۔ ہر شیخ شیخ کامل نہیں ہوتا۔ اور ہر شیخ شیخ نسبت نہیں ہوتا۔ لہٰذا جس شخص نے اللہ کا راستہ اختیار کرنا ہے اس کو اس چیز کے اندر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ بندہ اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اگرچہ اس نے اللہ کو نہیں دیکھا ہوا۔ لیکن جب وہ اس مقام پر جا پہنچے تو پھر اس کو اپنے رب کا مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے اور وہ مشاہدے کے اندر عبادت کرتا ہے۔ آپؒ نے ایک عربی جملہ لکھا ہے جس کا معانی یہ ہے کہ میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا جس کو میں نے دیکھا نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھو جیسے کہ تم رب کو دیکھ رہے ہو یا رب تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ دونوں حالتیں ایمان کی حالتیں ہیں۔ اللہ حاضر اور اللہ ناظر۔ جن کا میں نے مختصر یہ مخفف بنایا ہے اور یہ ہی مخفف بزرگانِ دین نے بھی بیان کیا ہے۔ شیخ کے بارے میں آپ کا جو استدلال ہے وہ یہ ہے۔ یہ میں نے اس لیے بیان کیا ہے کہ تصوف کے اندر بے شمار کھوٹ شامل ہو چکا ہے۔ ہر شخص جبہ و دستار پہن کر اپنے تئیں شیخ بن جاتا ہے۔ شیخ طریقت، پیر طریقت کہلوانا اور لکھوانا ایک فیشن بن چکا ہے۔ پہلے تو یہ تھا کہ علامہ، مولانا لکھا جاتا تھا لیکن اب ہر شخص کے ساتھ پیر طریقت کا لفظ بھی لکھا جاتا ہے۔ لیکن پیر طریقت ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ ایسی بدعت ہے جو تصوف کے اندر شامل ہوئی اور اسی بدعت نے تصوف کا تمام ترconcept تبدیل کر دیا اور بے شمار لوگ اِس سے متنفر ہو کر اس سے نکل گئے۔ حقیقتاً ان کا متنفر ہونا مستصوف لوگوں کے ساتھ تھا، تصوف حقیقتاً غلط نہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس چیز پر زور دیا ہے کہ تصوف بذات خود تزکیہ نفس کا واحد راستہ ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اختیار کیا ان لوگوں کے تین درجے ہیں۔ صوفی، متصوف اور مستصوف۔ یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ مستصوف جو کہ نقلی صوفی ہیں انہوں نے اس پورے سسٹم کو نہ صرف نقصان پہنچایا ہے بلکہ لوگوں کی نظروں میں اس کا وقار خاک میں ملا دیا اور لوگوں کو اس سے متنفر کر دیا۔ نتیجتاً وہ بکھر کر رہ گئے اور اُمتِ مسلمہ میں انتشار پیدا ہو گیا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کا قلب شیطان سے اللہ کی رحمت کے ساتھ اس وقت محفوظ ہو جاتا ہے جب وہ طالب اور مطلوب کے درمیان واسطہ بن جائے۔ انہوں نے مزید اس کے بارے کافی ساری گفتگو فرمائی ہے لیکن کیونکہ اس کے بیان کرنے کی ابھی فوری ضرورت نہیں۔ ابھی ہم صرف چند ایک وہ نکات بیان کر رہے ہیں جن پر عملدرآمد سے ہمیں فائدہ ہو

سکتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ شیخ ہر طریقہ کے ساتھ اپنے مُرید کی اصلاح کرتا ہے۔ وہ مُرید کے کھانے پینے، روزہ رکھنے، نہ رکھنے اور باقی تمام دیگر دینی کاموں میں تصرف اختیار کرتا ہے اور ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں مُرید کی بھلائی ہو۔ چنانچہ کبھی وہ اس کو ذکر میں مصروف رکھتا ہے اور کبھی نفل پڑھنا ضروری کر دیتا ہے، کبھی قرآنِ پاک کی تلاوت کا حکم دیتا ہے، کبھی مخلوق خدا کی خدمت میں لگا دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ طالب کو کچھ عرصہ کے لیے کسبِ معاش میں مصروف کر دیتا ہے۔ اس میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ شیخ کو انشراح باطن ہوتا ہے اور اس کو اطلاع ہوتی ہے کہ جو مُرید جیسی اصلاح اور جیسی تربیت کا اہل ہو ویسی ہی اس کی اصلاح اور تربیت کی جاتی ہے۔ لیکن یہ تمام چیزیں اُس وقت کارگر ہیں جب آپس میں رُوحانی ولادت کا سلسلہ پیدا ہو جائے۔ اگر یہ رُوحانی تعلق نہ بنے "مُرشد وَسے سہہ کوہاں تے مِنوں دِسے نیڑے ہُو" یہ رُوحانی تعلق نہ بنے تو مُرشد نزدیک رہتا ہو اور بندے کا دل دور ہو تو پھر ان ساری باتوں کا سننا اور ان پر عمل لا حَصل ہے۔ یہ ایک بنیادی نقطہ ہے اس پر میں ایک پورا لیکچر گزارش کر چکا ہوں کہ ہم شیخ کے ساتھ اپنی وابستگی کس طرح کر سکتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ بیان کیا تھا کہ اپنے شیخ کے ساتھ بندہ کم از کم اس سے پردہ نہ رکھے اس کو دھوکہ نہ دے۔ جس طرح کا ہے اپنا آپ اس کے سامنے ظاہر کرے۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب بندے اپنے شیوخ کے پاس جاتے ہیں تو وہ دوسرے لوگوں کی اوٹ میں پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ کہیں شیخ صاحب کی مجھ پر نظر نہ پڑ جائے۔ میرے سے وہ کوئی سوال نہ کر لیں۔ یہ اپنے آپ کو بہلانے کی صورت ہے۔ شیخ کو تو اس وقت سے پتہ ہوتا ہے جب وہ اپنے گھر سے روانہ ہوا ہوتا ہے۔ اس طریقہ کے ساتھ شیخ کی نگاہوں میں اس کا کیا مقام باقی رہ جاتا ہے یا جس راستہ پر وہ چلنا چاہتا ہے اس راستہ کو وہ خود بخود کس طرح اپنے ہاتھوں سے ختم کر دیتا ہے یہ سوچنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح کے بے شمار عوامل ہمیں ہر روز دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اپنے آپ کو اپنے شیخ سے چھپا کر رکھنا، اس کے سامنے اپنے آپ کو اچھا بنانا اور جب آنکھ سے اوجھل ہو جائے تو کچھ اور ہو جانا۔ کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ یہ بات مُنافقت ہے اور تصوف کے اندر

"إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنْ النَّارِ"(النساء:145)

جو شخص دعویٰ بھی کرے کہ میں رَب کو پانا چاہتا ہوں اور اُس کے لیے اپنے بزرگ کے پاس بھی آئے اور پھر اُس کے ساتھ اِس طرح کی حرکتیں کرے تو وہ دَر حقیقت اُس کے ساتھ مُنافقت کر رہا ہے اور ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں پر

"أَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَ"(البقرة:6)

وہاں جا کر اس پر مہر لگ جاتی ہے۔

"فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمْ اللَّهُ مَرَضًا"(البقرة:10)

پھر دن بدن وہ دُور سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ رونا میں اِس واسطے روتا ہوں کہ اہل طریقت جتنے بھی موجود ہیں اور جتنے بھی مشائخ کے پاس مُرید آتے ہیں ان میں یہ بیماری کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اللہ کرے اس بیماری سے نجات مل جائے۔ شیخ کے تمام تر القاء کا دارومدار ہمارے اپنے آپ کو پیش کرنے پر ہے۔ کوئی شخص اپنا برتن رکھے گا تو دینے والا اس میں کچھ ڈال دے گا۔ اگر وہ برتن ہی آگے نہ کرے تو اس نے پھر سالن نیچے تو نہیں گرانا۔ یہ ایک بڑی ضروری گزارش ہے کہ جتنے لوگ بھی حاضر ہیں۔ کہتے ہیں کہ رونا دھونا اسی لیے ہے کہ "شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات" اللہ کرے کہ جس طرح پہلے سِلاسِل پھیلے سلسلہِ تصوف میں بھی وسعت ہو، لیکن اس چیز کا دارومدار اسی چیز پر ہے کہ انسان کچھ حاصل کرنے کے لیے آئے کچھ ہاتھ سے گنوائے نہ۔ اس کتاب کے مُقدمے میں لکھا ہے کہ شیخ الشیوخ

شہاب الدین سُہروردیؒ جب اپنے مُرشد کی مسند پر رونق افروز ہوئے آپؒ کی ذات گرامی سے لاکھوں بندگان خدا کو فیض پہنچا اور آپ کی ذات گرامی کا شہرہ نہ صرف عراق بلکہ مصر و شام اور حجاز تک پہنچا کہ دُنیا بھر کے مشائخ نے آپؒ سے فیض حاصل کیا۔ جن میں شیخ نجیب الدین نجیبؒ جن کے ذریعے عجم میں سہروردی سلسلہ کی اشاعت ہوئی، شیخ نور الدین مبارک غزنویؒ جن کی ذات سے شمالی ہندوستان میں سہروردی سلسلہ کو عروج ملا، شیخ ضیاء الدین رومیؒ، شیخ جلال الدین تبریزیؒ جو بنگال میں سہروردی سلسلہ کے مؤسس ہیں اور شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ جنہوں نے ملتان اور اس کے گردو پیش میں اللہ رب العزت کی نورانیت کے اس سلسلہ میں اپنی تمام تر کوششیں کیں۔ ان سب لوگوں نے ان سے فیض حاصل کیا۔ شیخ الاسلام کو حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کو مُرشد کامل نے صرف تین ہفتوں کے اندر خلافت عطا کر دی۔ جب آپؒ نے ان کو خلافت عطا کی تو جو درویش چالیس چالیس سال سے ان کی خانقاہ پر بیٹھے ہوئے تھے وہ سب حضرت شیخ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یہ آیا ہے اور لے کر چلا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ''کوئی آیا اور لے کر چلا گیا۔ کوئی عمر بھر بھی نہ پاسکا''۔ انہوں نے عرض کی کہ ہمارا کیا قصور ہے کہ ہم اتنی دیر سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک ہی جملہ فرمایا تھا کہ ''سوکھی ہوئی لکڑی کو آگ جلدی لگتی ہے''، یہ اپنا دل کھول کر آیا تھا اور بھر کر لے جارہا ہے۔ تم سب نے اپنے آپ کو میرے سے دور رکھا ہوا ہے جب تک یہ برتن کھول کر سامنے نہیں لاؤ گے تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا چاہے چالیس سال کی بجائے چالیس ہزار سال گزر جائیں۔

''کوئی آیا لے کر چلا گیا کوئی عمر بھر بھی نہ پاسکا۔ میرے مولا تجھ سے گلا نہیں یہ اپنا اپنا نصیب ہے''

یہ بات اتنی بڑی نہیں۔ کہتے ہیں کہ کام کرتی ہے ساقی کی نظر۔ میکدے میں گردش جام برائے نام ہے۔ جو شخص حصولِ فیضان کے واسطے دل و جان کے ساتھ رہتا ہے اس کو جلدی فیض مل جاتا ہے اور کامیاب ہو کر جگہ جگہ اس خوشبو کا پھیلا تا رہتا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ اس لیے بیان کیا ہے کہ یہ آرزو کرنی چاہئے کہ اس دور میں بھی تصوف کا جھنڈا لے کر چلیں اور دُنیا کے تمام ممالک میں پھر وہ تمام ذکر، مُراقبے، ذکر الٰہی، قُربِ الٰہی، رقت اور نماز کے اندر سوز و گداز اور سحر گاہی ان سب چیزوں کا احیاء ہو۔ اس مقصد کے واسطے یہ محفل بپا کی کہ اس میں میں روں کے شاید کسی کے دل پر اثر پڑے اور وہ اس راہ پر چل پڑے۔ پہلے اتنی چپ سادھے رکھی ہے اب چپ نہیں ہوتی، مجبور ہو گیا ہوں۔ میرے ساتھیوں کو علم ہے کہ مجھے سارا دن بخار رہا ہے اس کے باوجود حاضر ہوں۔ ان سب نے مجھے کہا کہ رات کو آرام کر لیں۔ آپ نے تراویح پڑھنی ہیں اپنے کمرے میں پڑھ لیں۔ میں نے کہا یہ میرا اپنا کام نہیں بلکہ میرے مالک کریم سَرورِ کائنات، فخرِ موجودات، نبیٔ مُکرم، نُورِ مُجسم، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ کی غلامی کا معاملہ ہے۔ میں نے اپنے آپ کو پیش کرنا ہے کہ ہم ان کی سُنت کا احیاء کر سکیں۔ کیونکہ آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری سُنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا اللہ پاک اس کو زندہ رکھتا ہے۔ جس نے میری سُنت کو ضائع کیا، اس نے مجھے ضائع کیا اور جس نے مجھے ضائع کیا اللہ اس کو ضائع کر دے گا۔ اس واسطے یہ تصوف حقیقتاً سُنت مصطفی ﷺ کا احیاء ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں التجاء ہے اللہ ہمارے اندر یہ وصف پیدا کر دے کہ ہم سچے ہو جائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ نہ کوئی لمبے لمبے نفل نمازیں، نہ مُراقبے۔ کہتے ہیں کہ '' نفل نمازاں کم زناناں۔ روزے صرفہ روٹی ہو'' اس میں '' رب ملدا دلاں اچھیاں ہو'' اتنی ساری بات ہے۔ نہ ہی محنت کی اتنی زیادہ اہمیت ہے، نہ کسی قسم کا کوئی خرچہ کرنا ہے۔ صرف دل کا سودا کرنا ہے اور یہ سودا کرنے پر کوئی تیار نہیں۔ دل دینا ہے اور دل لینا ہے۔ اللہ کرے کسی کا یہ سودا کامیاب ہو جائے۔ یہ تصوف کا سلسلہ جو بزرگوں نے جان تکلیفوں میں ڈال کر، مدت ہا سفر کر کے، دُنیا کے چپے چپے پر پھیلایا ہے۔ آپ دیکھیں کہ حضرت داتا گنج بخشؒ اس زمانہ میں لاہور تشریف لائے غزنی سے جب نہ کوئی

سڑک تھی، نہ کوئی پل تھے، نہ کوئی سواری تھی۔ کس طرح تشریف لائے ہوں گے۔ انہیں کتنی مشکلیں پیش آئی ہوں گی۔ اس کے باوجود وہ پہنچے، ان کی وجہ سے آج ہم مسلمان ہیں۔ اگر ہم یہ کوشش نہیں کریں گے تو پھر!

"نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو ۔۔۔ تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں"

اللہ کو فرق نہیں پڑتا وہ ایک قوم کو ہٹا کر دوسری لے آتا ہے۔ ہم نے اپنے فِٹ ہونے کا ثبوت دینا ہے۔ Survival of the fitness یہ دُنیا کا قانون ہے۔ جو فٹ ہوتا ہے اللہ اسی کو موقع دیتا ہے باقی کو وہ ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ ہم نے کتنی قومیں پہلے ضائع کر دیں، اس کو تباہ کرتے ہوئے کوئی دیر نہیں لگتی۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہ التجاء ہے کہ!

"مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں ۔۔۔ میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ"

اللہ میرا یہ رونا دھونا قبول فرمائے اور اللہ ایسے دل عطا کرے جن میں نور الٰہی اور حبِ مصطفی ﷺ جلوہ فگن ہو جائے۔ یاد رکھو ایسے دل کو کینہ، حسد، غصے، غیبت اور گلے شکوے سے پاک ہونا چاہیے۔ اللہ رب العزت توفیق عمل عطا فرمائے۔ جو کہا اور سنا گیا اس کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف۔10

دورانیہ۔71منٹ۔تاریخ۔2013-08-01

بمقام۔مسجد۔آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

گزشتہ دو محافل میں تصوف کے بارے میں گزارشات کی گئیں۔تصوف وہ لائحہ عمل ہے جس پر چل کر انسان اپنے کردار کی تعمیر کر سکتا ہے ۔اللہ کریم نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی جو صفتیں قُرانِ پاک میں بیان فرمائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ان کا مظہر ہے۔میں پچھلے دو لیکچرز کی تلخیص اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ اگلا مضمون ان کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔کیونکہ بہت سارے لوگ جو اعتکاف کے دوران بحمد اللہ اللہ کے مہمان بن کر آئے ہیں ان کو بھی ہم اپنی ان گزارشات میں شامل کرلیں۔حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی!

’’رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ‘‘(البقرۃ:129)

یہ تین صفتیں اللہ کے محبوب ﷺ کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی تشریف آوری کے لیے دعا کرتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں ان کا ذکر کیا تھا کہ یا اللہ میں یہاں پر اپنی اولاد کو بسا رہا ہوں اس وادی مکہ کے اندر۔ان میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما کہ جو’’ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ ‘‘ تیری آیتیں تلاوت فرمائے۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر اللہ کا کلام قُرانِ پاک نازل ہوا، کوئی ایسا کلام قرآن نہیں کہلا سکتا جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان مبارک سے نہ نکلا ہو۔اللہ کا کلام دُوسرے نبیوں سے بھی ہوا، ان پر بھی نازل ہوا لیکن قُرانِ پاک مخصوص ہے کہ یہ وہ پاک کلام ہے جو اللہ پاک نے نازل کیا اور زبان مصطفی ﷺ نے اس کو ادا کیا۔

’’میرے نبی دی زبان میرے واسطے قرآن‘‘

اس کے علاوہ اور کوئی کلام قرآن نہیں کہلا سکتا اور یہ اللہ پاک کا کلام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعے انسانیت تک پہنچا اور پھر ان کی دُوسری صفت ’’وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ‘‘ کہ اس پاک کتاب کے اندر جو علم آیا ہے اس کی تعلیم بھی انہوں نے ہی عطا فرمانی ہے اور اس کے اندر جو حکمتیں پوشیدہ ہیں ان سے بھی آگاہ انہوں نے ہی کرنا ہے۔یہ علم اور انسان کے ذہن میں اس علم کو پرکھنے کی صلاحیت، حکمت،اس کو سمجھنے کی صلاحیت!

’’أَفَلاَ يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ‘‘(النساء:82)

یہ تفکر اور تدبر بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی دین ہے۔اور پھر ایک صفت اس کے بعد بیان فرمائی،’’ وَيُزَكِّيهِمْ ‘‘ کہ وہ ان کا تزکیہ بھی فرمائیں گے،ان کے کردار کی تعمیر بھی فرمائیں گے۔ان کو با اخلاق بنا دیں گے۔ان کو صاحب کردار بنا دیں گے۔حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہی تزکیہ حقیقتاً صفائے باطن کہلاتا ہے۔جب تک انسان کا باطن صاف نہ ہو، ظاہر میں چاہے جو مرضی کرلے وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا۔

تزکیہ نفس حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عطا فرمایا، اسی تزکیہ نفس کا نام صفائے باطن ہے اور اسی کا نام ہی تصوف ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تصوف کے امام ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس فیضان کا سب سے پہلا مظہر وہ ہستی ہے جو مَردوں میں سے سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تصوف کا آغاز اس وقت ہی ہو گیا تھا جب اس روئے زمین پر پہلا بندہ مسلمان ہوا تھا۔ تصوف کا اس وقت آغاز ہوا تھا۔ آج کے دور میں تصوف پر جو تعن و تشنیع کی جاتی ہے حقیقتاً اس کی مثال اسی طرح ہے کہ اگر کوئی مسجد ہو، کوئی بندہ اس کے اندر تو داخل نہ ہو اس کی ہیئت اور اس کی باہر سے صورت دیکھ کر بلا وجہ اس پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دے۔ یہ اس کی نادانی ہی شمار ہو گی۔ یہ ستم جو تصوف پر ہوا ہے اس کی فقط یہی مثال دی جاسکتی ہے کہ حقیقتاً اس پر تنقید کرنے والوں کو تصوف کا علم ہی نہیں۔ وہ اس نادانی میں اس کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ کیونکہ تصوف حقیقتاً صحابہ کرام کا لائحہ عمل، طریقہ کار اور ان کی زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے تصوف کے اندر دو چیزوں کا اظہار فرمایا ہے کہ حق و صداقت کی راہ میں اگر آپ صوفی بننا چاہیں تو جان لو کہ صوفی ہونا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اسکے اندر دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے دل کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے ہٹالے اور دُوسرا یہ کہ دُنیا کی دلچسپیوں سے قطع نظر کر دے۔ دُنیا کے اندر اپنا دل نہ دے۔ یہ دو چیزیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فضائل میں سے ہیں اور باقی صحابہؓ کو بھی یہ حصہ حضور علی الصلوۃ والسلام کی سُنت طیبہ میں سے عطا ہوا۔ کیونکہ ان کے واسطے ایک بہت بڑی فضیلت موجود تھی کہ ان کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں حاضری کا شرف حاصل تھا اس واسطے ان کو صحابہ کہا گیا۔ ان کے بعد آنے والے جتنے بھی لوگ اس طریقہ پر کاربند ہوئے ان کا نام صوفی قرار پایا۔ صوفی صرف چھوٹی چھوٹی داڑھی رکھنے والا نہیں حقیقتاً وہ شخص جو صفائے باطن کے تمام مراحل طے کر کے اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے اس کا نام صوفی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس کے تین درجے بیان فرمائے ہیں۔ پہلا درجہ صوفی، جو اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ دُوسرا متصوف جو اپنے مُرشد کے ذریعے راہ حقیقت پر چل پڑا ہے۔ اس کا ہر آنے والا دن اس کے واسطے بہتری لے کر آرہا ہے اور دن بدن اس کو رہنمائی نصیب ہو رہی ہے، وہ ایک نہ ایک دن اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔ جو شخص کسی خاص منزل پر جانے والی ٹرین پر سوار ہو جاتا ہے اس کے سلسلہ میں یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ انشاء اللہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔ اسی طرح جو شخص کسی صاحبِ تصوف کے ساتھ اپنا ناطہ جوڑ لیتا ہے اور اپنا آپ اس کے حوالے کر دیتا ہے وہ ایک دن اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ تزکیہ نفس، تعمیرِ کردار حقیقتاً ہر شخص کے واسطے ضروری ہیں۔ میں نے پچھلی اور اس سے پچھلی محفل میں عرض کیا تھا کہ کسی شخص کا سُنار ہونا، موچی ہونا، نائی ہونا، دھوبی ہونا، کھیتی باڑی کرنے والا ہونا، یا دیگر جتنے بھی پیشے ہیں کسی کے واسطے کوئی فرض نہیں، کوئی بھی شخص اپنی روزی کمانے کے واسطے کسی بھی پیشے کے ساتھ منسلک ہو سکتا ہے، کوئی وکیل ہوتا ہے، کوئی ڈاکٹر ہوتا ہے، لیکن تزکیہ نفس ہر کسی کے واسطے ضروری ہے۔ اگر یہ نہیں ہو گا تو پھر کردار نہیں ہو گا اور اس سِلسلہ میں اللہ پاک کا فرمان بڑا واضح ہے!

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا"(الشمس:9،10)

وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنے باطن کو، اپنے کردار کو، اپنے نفس کو سنوار لیا اور وہ شخص ناکام رہا، نقصان اٹھانے والا ہو گیا جس نے اس کو ضائع کر دیا۔ اللہ پاک نے قرآن کریم میں جگہ جگہ پر اس چیز کی وارننگ دی ہے کہ تزکیہ نفس حقیقتاً اس علم کا نام ہے جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہم تک پہنچایا یہ اس علم کا ایک عملی اظہار ہے۔ Practical implementation of the knowledge، اس علم کا اپنے جسم پر عملی اظہار تعمیرِ کردار اور تزکیہِ نفس کہلاتا ہے۔ لہذا پیشہ کوئی بھی ہو سکتا لیکن تزکیہ نفس ہر اس شخص کے واسطے جس نے کلمہ طیبہ پڑھا ہے اس کے

واسطے ضروری ہے۔اس کا ایک پورا چینل ہے کہ اس کو کس طرح حاصل کرنا ہے۔ وہ میں تفصیلاً ایک دفعہ گزارش کر چکا ہوں لیکن ایک دفعہ پھر اس کا اعادہ کرتے ہیں، کیونکہ آج کی محفل میں بہت سارے لوگ نئے ہیں جو کہ پچھلی محفل میں نہیں تھے لہذا یہ گزارش کر رہا ہوں کہ تصوف ایک نظام زندگی ہے جو انسان کو تعمیرِ کردار کی ضمانت دیتا ہے۔ میں اس تصوف کی بات نہیں کرتا جو for sale ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے تصوف کی تیسری قسم بھی بیان فرمائی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کے تین درجے ہیں۔ صوفی، متصوف اور مستصوف۔ متصوف کے بارے میں تو میں نے عرض کر دیا کہ جو ریاضت و مُجاہدے کے ذریعے اپنی طہارت نفس کی طرف گامزن ہے اور انشاء اللہ ایک نہ ایک دن منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کے راستہ پر پہلا قدم اٹھالیتا ہے وہ اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ اب تیسری قسم ہے جس کو سامنے رکھ کر نقاد حضرات نے تصوف کو بے تحاشہ تنقید کا نشانہ بنایا۔ کسی عمارت کے استعمال پر اس عمارت کے تقدس کا دارومدار ہے۔ اگر اینٹ مسجد میں لگے تو اس پر سجدہ ہوتا ہے اور اگر وہ ہی اینٹ لیٹرین میں لگے تو اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بہر حال تصوف کی حقیقت بڑی پاک وصاف ہے۔ یہ نہ صرف انسان کے کردار کی ضمانت دیتا ہے بلکہ اس کی نجات کا ذمہ دار ہے اور اس کے اس دُنیا سے باایمان رخصت ہونے کی ضمانت بھی دیتا ہے۔ تصوف کی ایک منفی تصویر جو لوگ دکھاتے ہیں آپؒ نے اس کے بارے میں بھی بیان فرمایا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ مستصوف وہ شخص ہے جو دُنیاوی عزت و منزلت اور مال و دولت کی خاطر خود کو نقلی صوفی بنالیتا ہے لیکن اس کو تصوف کی منازل و مقامات کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

"عشق مجازی تلکن بازی پیر اوولے دھر دے ہُو　　　آپ نہ طالب ہین کہیں دے لوکاں نوں طالب کر دے ہُو"

یہ دَرحقیقت تصوف کا ایک سائیڈ افیکٹ ہے اور یہ ہر شعبہ زندگی میں موجود ہے۔ جہاں پر مستند ڈاکٹر موجود ہیں وہیں پر عطائی بھی ہیں۔ جہاں پر مستند علما ہیں وہیں پر نیم ملا بھی ہیں۔ جہاں پر مستند حکیم ہیں وہیں پر نیم حکیم بھی موجود ہیں۔ نیم حکیم خطرہ جان، اسی طرح یہ بھی نیم حکیم ہوتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ!

"المستصوف عند الصوفیۃ کالذباب وعند غیرھم کالذیاب"

کہ یہ نقلی صوفی اپنے واسطے ایک گندگی پر بیٹھنے والی مکھی کے مترادف ہوتے ہیں کہ جن کا مقصد فقط مالِ دُنیا اور ذلت و رسوائی کا حصول ہے اور دوسروں کے واسطے "کالذیاب" دوسروں کے واسطے یہ بھیڑیئے کی مانند ہیں کہ اُن کو دھوکہ دے کر لوٹتے بھی ہیں نہ صرف ان کی دُنیا غارت کرتے ہیں بلکہ اُن کا ایمان بھی تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ طبقہ ہر شعبہ زندگی میں موجود ہوتا ہے۔ تصوف بھی اس سے خالی نہیں ایسے لوگ ہر شعبہ زندگی میں موجود ہوتے ہیں۔ جہاں پر مستند ہوتے ہیں وہیں پر نیم حکیم بھی ہوتے ہیں۔ بہر حال اس چیز سے بچتے ہوئے تصوف اپنے آپ کے اندر ایک بہت بہترین لائحہ عمل رکھتا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب زمانہ کے دُنیادار لوگوں نے دیکھا کہ نقلی صوفی پاؤں پر تھرکتے، گانا سُنتے اور بادشاہوں کے دربار میں جاکر ان سے مال و منال کے حصول میں حرص ولالچ کا مظاہرہ کرتے ہیں درباری دیکھتے ہیں تو وہ ان سے نفرت کرتے ہیں آج بھی ایسے ہی ہوتا ہے۔ ایوان اقتدار میں جاکر ان نقلی صوفیوں کی ذرا شکل دیکھیں تو آپ کو سب کچھ عیاں ہو جائے گا۔اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ تمام صوفیوں کو ایسا ہی سمجھ کر سب کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تصوف اپنے آپ میں انتہائی اعلیٰ اصول رکھتا ہے، جو ان اصولوں پر نہیں چلتا، ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہوتی ہے اور ان جعلی صوفیوں کے اس کردار کے باوجود حقیقت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بہر حال پچھلی محفل میں میں نے اس سے آگے چلتے ہوئے شیخ کے بارے میں عرض کی تھی تصوف کے اندر جو اکائیاں

ہیں، معرفت، ارادت، شیخ اور مُرید یہ چار اکائیاں ہیں۔ سب سے پہلے جس وقت اللہ پاک کی کسی شخص پر رحمت ہوتی ہے، جب کسی پر رب کو ترس آجاتا ہے اور وہ اس کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس کو اپنے آپ سے واقف کرتا ہے۔ مشہور مقولہ ہے ”من عرفہ نفسہ فقد عرفہ رب“ معرفت پہچان کو کہتے ہیں۔ کہا گیا کہ جو شخص اپنے نفس، اپنے باطن کو پہچان گیا اس کے واسطے اللہ کی پہچان آسان ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے انسان کو معرفت عطا ہوتی ہے۔ معرفت کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ انسان کو اپنے عیب نظر آنے لگ پڑتے ہیں۔ جس کی نگاہ میں اپنے عیب آجائیں وہ پھر کسی دُوسرے کے عیبوں کی طرف نظر نہیں کرتا۔ جس نے اپنے عیب دیکھ لیے تو وہ پھر اپنے رب کی بارگاہ میں ان عیبوں کو صاف کرنے کی کوشش کرنی شروع کر دیتا ہے۔ اگر کسی شخص پر کیچڑ کی چھینٹیں پڑ جائیں تو وہ جلدی جلدی اپنے کپڑے صاف کرے گا دوسروں پر بعد میں تنقید کرے گا۔ جس کو اللہ پاک معرفت عطا کر دیتا ہے کہ اس کو اپنے داغ، دھبے اور گندگی چشمِ حقیقت کے ساتھ نظر آنا شروع ہو جاتی ہے تو پھر وہ ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور کسی ایسے دھوبی کی تلاش کرتا ہے جو اس کے ان داغوں، دھبوں اور گندگی کو دور کرے، اس کا نام شیخ ہے۔ جب کوئی شخص کسی اللہ والے کا دامن تھام لیتا ہے، اللہ پاک اس کو کوئی مُرشد نصیب کر دیتا ہے تو اس کے ملنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی عادتیں خود بخود بدلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ آپ کسی کو لاکھ بار یہ کہتے رہیں کہ تم نے فلاں کام کرنا ہے وہ آپ کے لیے کچھ دیر کے لیے وہ کام کر بھی لے گا لیکن یہ اُس کی عادت نہیں بن سکتی۔ تصوف ہی ایک واحد راستہ ہے جس کے ساتھ اصلاح احوال، باطن کی درستگی اور تعمیرِ کردار ممکن ہے۔ جب کسی کو معرفت کی برکت کے ساتھ شیخ یا مُرشد مل جاتا ہے تو پھر اس کے اندر جو غلط عادتیں، بُرائیاں اور گندگی موجود تھی وہ خود بخود تبدیل ہونا شروع ہو جاتی ہیں، اس عمل کا نام ارادت ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ اپنی تصنیف غنیتہ الطالبین کے اندر ارادت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ!

”اپنی عادتوں کا ترک کر دینا ارادت کہلاتا ہے“

جس شخص کے اندر یہ تبدیلی واقع ہوتی ہے، جس کی عاداتِ بد، عاداتِ نیک میں بدلنا شروع ہو جاتی ہیں اس شخص کا نام مُرید ہے۔ یہ چار اکائیاں تصوف کی ہیں، معرفت، ارادت، شیخ اور مُرید۔ اس میں سب سے پہلے کیونکہ معرفت تو اللہ پاک کی دین ہے۔

”وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ“(القصص:56)

اللہ جس کو چاہے ہدایت دے دے۔ اس کا چاہنا یہ اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ لیکن جس شخص کو شیخِ کامل مل جائے یہ سمجھ لیا جائے کہ اللہ پاک کو اس کی بہتری منظور ہو گئی ہے۔ پچھلی محفل میں میں نے شیخ کے بارے میں کچھ گزارشات کی تھیں۔ وہ بھی میں دوبارہ دُہرا دیتا ہوں۔ حضرت شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ اپنی کتاب عوارف المعارف کے اندر، یہ وہ کتاب ہے جس کا درس صرف برصغیر پاک وہند ہی نہیں بلکہ پوری دُنیا کے اندر جتنے بھی آستانے ہیں ان پر دیا جاتا رہا ہے۔ حضرت خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ سے لے کر حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور دیگر تمام اولیا اللہ اس کتاب کا درس دیتے رہے ہیں۔ خانقاہی نظام اور تصوف پر اس کتاب کو ایک سَند کی حیثیت حاصل ہے اس واسطے میں نے بطور ریفرنس بک اس کتاب کو بھی درس تصوف میں شامل کیا ہے۔ یہ کتاب بھی زمانہ قدیم سے اصلاح احوال کر رہی ہے۔ اس میں جو اصول بیان کیے گئے ہیں تمام آستانوں پر یہی اصول رائج ہیں اور ان کے یہی اصول ہیں۔ حضرت شیخ الشیوخ نے حضرت امام قشیریؒ سے روایت کیا ہے آپؒ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ بو علی دقاقؒ روایت کرتے ہیں کہ اس درخت میں جو خود رو ہوتا ہے، جس کو باغبان نہیں لگاتا اس میں پتے تو نکل آتے ہیں لیکن اس کا پھل کھانے والا نہیں ہوتا۔ جب کسی درخت کو باغبان کاشت کرے، اس کی

نگہداشت کرے، پرواخت کرے اس کا پھل کھانے والا ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے آموں کے باغ لگائے ہوئے ہیں ان لوگوں کو اس حقیقت کا علم ہے کہ اس کے لیے کس قدر احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرا مقصد صرف مثال دینا ہے۔ جب مُرید صادق حکم شیخ کے تحت داخل ہوتا ہے، اس کا تابع ہو جاتا ہے، اس کی صحبت میں رہتا ہے، اس سے ادب سیکھتا ہے تو شیخ کی باطنی قوت مُرید کی باطن میں سرائیت کر جاتی ہے اس طرح کے جیسے ایک چراغ سے دُوسرا چراغ روشن ہوتا ہے۔ شیخ اپنے مُرید کے باطن کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ لیکن یہ صورت صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مُرید خود کو شیخ کے لیے وقف کر دے اور اپنے نفسیاتی ارادوں اور اِختیار نفس کو ترک کر کے اپنے شیخ میں فنا ہو جائے۔ یہ ہی اصول تمام بزرگانِ دین نے بیان کیا ہے۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

"جو اساڈے اندر وَسے ذات اَساڈی سوئی — جس دے نَال میں نیوہ لگایا اوہدے وَرگی ہوئی"

جب تک اِس نہج پر یہ تعلق نہیں پہنچتا اور یہ پہلے دن ہی نہیں پہنچ جاتا، اُٹھتے بیٹھتے، ملتے جلتے، آہستہ آہستہ پہلے جاں، پھر جانِ جاں اور پھر جانِ جاناں ہو گئے۔ آہستہ آہستہ یہ کام ہوتا ہے۔ جس وقت یہ دیا جل جاتا ہے تو پھر اس کو کوئی طاقت بجھا نہیں سکتی۔ پھر یہ صرف ایک مقام ہی نہیں بلکہ شہروں کے شہر روشن کر دیتا ہے۔ یہ تصوف کا طریقہ کار ہے، یہ ہی میرے آقا کریم ﷺ کا طریقہ کار تھا۔ میں نے دُوسرے لیکچر میں شیخ کے متعلق دو گزارشات کی تھیں۔ ایک شیخ کا Status کہ شیخ طریقت کو کم اَز کم اَز کم کس مقام پر ہونا چاہیے۔ میں نے گزارش کیا تھا کہ لوگ اسی واسطے تصوف کا مذاق اڑاتے ہیں کہ اگر آپ کہیں کہ میں پیر صاحب کے پاس جا رہا ہوں تو لوگ آپ پر ہنسنے لگ پڑیں گے کہ یہ بندہ پاگل ہو گیا ہے، یہ بے علم ہے، جاہل ہے حالانکہ نادان وہ خود ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تصوف کو نقلی صوفیوں نے بدنام کیا ہے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جس وقت کسی پیر خانے کا صاحب وصال کر جاتا ہے، کیونکہ اس کی اولاد اس کی زندگی میں اس سے وابستہ نہیں ہوتی وہ پیدا ہوتے ہی صاحبزادے ہو جاتے ہیں اور لوگ ان کو گود میں اٹھائے پھرتے ہیں، نتیجتاً ان کی عادتیں بگڑ جاتی ہیں اور پھر وہ اصلاح لینے کے واسطے تیار نہیں ہوتے اور جب والد صاحب فوت ہو جائیں تو پھر جس وقت مُرید مل کر ان کے سر پر دستار باندھتے ہیں تو پھر اندھا کسی کی کیا رہنمائی کرے گا، دوسروں کو بھی اندھیرے میں دھکیل دیتے ہیں۔ نتیجتاً پورا تصوف بدنام ہو جاتا ہے۔ شیخ کا ایک status، مقام ہے۔ یہ کم از کم ہونا ضروری ہے۔ اس کے واسطے شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے چار درجے بیان فرمائے ہیں۔ ایک سَالِک، ایک مجذوب۔ یہ چار درجے اہل تصوف کے ہیں شیخ کے نہیں۔ سَالِک وہ ہے جو اپنا مقام حاصل کرنے کے لیے ریاضت و مجاہدات کر رہا ہے۔ مجذوب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے خیال میں ایسا محو ہو گیا کہ اس کو دُنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہ رہی۔ اُس پر شریعت ساکت ہو گئی اور شریعت نے اس کو دیوانہ قرار دے دیا۔ تیسرا وہ ہے جو سَالِک مابعد مجذوب ہے۔ پہلے مجذوب ہوتا ہے اُس کے بعد اُس کو سَالِک بنا دیا جاتا ہے اور چوتھا درجہ مجذوب مابعد سَالِک۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ان چار درجوں میں سے سَالِک مابعد مجذوب شخص شیخ بننے کا اہل ہے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ سَالِک مابعد مجذوب کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس ٹرم Term کے ساتھ کسی کو کوئی سمجھ نہیں آئی۔ سَالِک مابعد مجذوب یعنی پہلے مجذوب ہوا اور پھر وہ سَالِک ہو گیا۔ جب شیخ کسی شخص پر حکمِ الٰہی سے توجہ کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں وارفتہ کر دیتا ہے اور یہ سارا کچھ حکمِ الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔ یہ لوگ چنے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو شیوخ ہوتے ہیں وہ لوگ چنے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ شخص جب مشاہدہ الٰہی میں غرق ہوتا ہے وہ اپنے آپ اور اپنے مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اس حالت کو مقام احدیت قرار دیا جاتا ہے۔ مقام احدیت از خود رفتہ۔ اس کو اپنی کوئی ہوش نہیں ہوتی۔ وہ اپنے مالک کے جلوے میں مگن ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس کو پھر ہوش میں لا کر شریعت کے تمام ترجتنے بھی عوامل ہیں ان پر اس سے عمل درآمد کروایا جاتا ہے۔ اب وہ

بیک وقت سَالِک بھی ہو سکتا ہے اور بیک وقت جب کبھی وہ چاہے مقام مجذوبیت میں بھی جا سکتا ہے۔ ایسے سَالِک اپنے ساتھ اپنی چادر رکھتے ہیں یا ان کے اپنے آستانوں پر اپنے علیحدہ حجرے ہوتے ہیں۔ جس وقت اُن پر مقام احدیت کا وَرُود ہوتا ہے وہ اُس حالت میں جاتے ہیں اُس وقت وہ مخلوق سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں کیونکہ اُس وقت اُن کی زبان تلوار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو زبان سے نکل گیا وہ ہو جاتا ہے۔

"يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ"(البقرۃ:117)

کیونکہ اس وقت ان کی اپنی زبان نہیں بولتی اس وقت امر الٰہی بولتا ہے۔ وہ اس وقت اپنے آپ کو اپنے رب کے جلوے میں فنا کر دیتے ہیں اور یہ حالت روز وارد ہوتی ہے۔ میرے صاحب فرماتے تھے کہ شیخ طریقت روز مرتا اور روز زندہ ہوتا ہے۔

"موتوا قبل ان تموتوا"

مر جاؤ اس سے پہلے کہ تمہیں موت آئے۔ کیا قُرانِ پاک خودکشی کی ترغیب دیتا ہے ہر گز نہیں خودکشی حرام موت ہے۔ "موتوا قبل ان تموتوا" یہ ہی مقام احدیت ہے۔ تفسیریں کرنے والوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ جو شخص اِس مقام اَحدیت پر وارد کرنے اور اُس سے فارغ ہونے پر قادر ہو جائے، جب چاہے احدیت میں جائے اور جب چاہے اس سے باہر آ جائے اس کو پھر یہ اجازت بخشی جاتی ہے کہ اب تم اس اہل ہو گئے ہو کہ اب تم بیعت لے سکتے ہو۔ کیونکہ اس کے اندر ایک انتہائی اہم نقطہ پوشیدہ ہے کہ جب وہ شخص اپنے آپ سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر "ڈبویا مجھ کو ہونے نے میں نہ ہوتا تو کیا ہوتا" وہ اس وقت اللہ پاک کی تجلی ہوتی ہے اور اس کے ہاتھ کو اس وقت

"يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ"(الفتح:10)

کی برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں اور جو شخص اس کے ہاتھ کے ساتھ اپنا ہاتھ مَس کرتا ہے یا اُس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چادر پکڑتا ہے تو اللہ کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ چلا جاتا ہے۔ یہ کیفیت اگر شیخ کو نہ ملے اور وہ بیعت لینی شروع کر دے تو یہ اُس کی بہت بڑی غلطی ہے۔ ایسے بیعت ہونے والوں کا ذمہ دار کل روز قیامت اس کو خود ہونا پڑے گا۔ شیخ کامل اس وقت تک کسی کو بیعت کی اجازت نہیں دیتا جب تک وہ اُس کو مقام اَحدیت پر فائز نہ کر دے۔ یہ شیخ کا مقام ہے۔ یہ میں نے اس واسطے بیان کیا ہے کہ کم از کم آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ شیخ بننا کوئی اتنا معمولی کام نہیں۔

"شہادت گاہ ہے اُلفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آساں سمجھے ہیں شیخ ہونا"

بہرحال یہ مقام شیخ، مُرشد کی نگاہ اور توجہ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ یہ اللہ کا نظام ہے اور اس نے قیامت تک چلنا ہے۔ جس وقت اس کا نظام ختم ہو گیا اس وقت یہ دُنیا ختم ہو جائے گی۔ بہرحال یہ شیخ کا status ہے۔ جب وہ بیعت لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اس کو یہ احساس نہ ہو کہ یہ میرا ہاتھ ہے پھر وہ اللہ کے نمائندے کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اس ہاتھ کے نیچے جو ہاتھ آئیں گے یا اس کی چادر کو جتنے ہاتھ پکڑیں گے ان کا ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں براہ راست چلا جاتا ہے اور وہ شخص بیعت نسبت میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ شیخ کا مقام ہے۔ یہ ہونا ضروری ہے۔ دُوسری بات جو میں نے عرض کی تھی وہ یہ ہے کہ شیخ مُرید کو اللہ کا پیارا بنا دیتا ہے۔ اِن چار اکائیوں میں سے یہ دو باتیں ہیں کہ تصوف کی ایک اکائی شیخ ہے باقی کو بھی انشاء اللہ ہم آہستہ آہستہ بیان کریں گے۔ لیکن سب سے پہلے شیخ ضروری ہے اس واسطے کہ اس اکائی سے آگے کام چلتا ہے۔ سب سے پہلے شیخ کا نمبر آتا ہے۔ شیخ مُرید کو اللہ کا پیارا بناتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کی کہ جب تک مُرید کا باطن شیخ کے باطن کا ہم جنس نہ ہو جائے، شیخ کی توجہ، اُس کی رہنمائی، اُس کا فیض مُرید حاصل نہیں کر سکتا۔ مُرید ظاہری ادب تو حاصل کر لیتا ہے لیکن باطنی ادب حاصل کرنے کے واسطے آپؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کی حیثیت رُوحانی باپ کی ہے۔ وہ رُوحانی باپ اس وقت ہو گا جب مُرید اپنے باطن کے ذریعے

اس کے ساتھ وابستہ ہو جائے اور اس وقت شیخ مُریدوں کے نفوس کی بھی اسی طرح تادیب کرتا ہے جس طرح کہ اُس نے اپنے نفس کی تادیب کی تھی۔ اس نے جس طرح اپنے نفس کی تربیت کی تھی اسی طرح وہ مُرید کے نفس کی تربیت کرتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب دونوں میں رشتہ رُوحانی قائم ہو جاتا ہے اس وقت اس مقام پر مُرید اپنے شیخ کا جز بن جاتا ہے۔ جس طرح انسان کے جسم کے مختلف اعضاء ہیں، اگر کسی ایک کو تکلیف ہو گی تو پورے جسم کو تکلیف ہو گی۔ اسی طرح مُرید اپنے شیخ کا ایک جز بن جاتا ہے، اس کا ایک حصہ ہوتا ہے رُوحانی حصہ اور جو واردات اس پر گزرتی ہے شیخ کو نہ صرف اس کا علم ہوتا ہے بلکہ شیخ اس کی اصلاح بھی کرتا ہے۔ لیکن اس کے واسطے اپنے اعتماد کو اس کے ذمہ کرنا ضروری ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہر وردیؒ کے پاس جب ہمارے برصغیر پاک وہند کے مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ حصول بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو آپؒ نے ان کو فرمایا کہ کیوں آئے ہو؟ انہوں نے اس وقت اپنی عرض ایک فارسی کا جملہ کہہ کر کی۔ عرض کیا "سپردم بہ تومایہ خویش را۔ تو دانی حساب کم و بیش را" میں اپنا آپ تیرے حوالے کرنے کے لیے آیا ہوں اب تم جو چاہے میرے ساتھ کرو۔ جس وقت یہ تعلق پیدا ہوتا ہے تو پھر شیخ جو چاہے اس کے ساتھ کرتا ہے اور تمام بزرگوں نے اس کا یہی طریقہ کار بیان کیا ہے۔ پچھلی دفعہ میں نہ کچھ شکوہ گلہ بھی کیا اس تصوف میں کہ جو سب سے بڑا مسئلہ آستانوں پر درپیش ہے کہ جو لوگ آستانوں پر اپنی اصلاح کے لیے آتے ہیں وہ چراغ کے پاس رہ کر بھی اندھیرے میں رہنا پسند کرتے ہیں اور روشنی میں رہنا پسند نہیں کرتے۔ وہ آستانے پر رہ کر بھی یہ کہتے رہتے ہیں کہ پیر صاحب کو پتہ نہ چلے۔ اگر وہ یہ خیالات رکھیں تو اس سے بہتر ہے کہ بازار جا کر ریڑھی لگالیں۔ اس طرح ان کو کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکے گا کیوں کہ چراغ کے نیچے ہمیشہ اندھیرا ہوتا ہے۔ جب تک اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش نہیں کریں گے، اس کو تو پہلے ہی پتہ ہے لیکن وہ شرع کا پابند ہے اور اس پر پردہ رکھنا لازم ہے۔ جس نے رہنمائی حاصل کرنی ہے وہ خود اس پردے کو اٹھائے گا۔ اس واسطے آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ صورت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب مُرید خود کو شیخ کے لیے وقف کر دے۔ ایسا نہ ہو کہ پیر صاحب سامنے آئیں تو سر جھکا کر، ٹوپی پہن کر، ہاتھ باندھ کر بندہ کھڑا ہو جائے، آنکھ سے اوجھل ہوں تو اور ہو جائے۔ جیسا کہ میں نے پچھلی دفعہ عرض کیا تھا کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ ایسا ہو گا تو وہ شخص ساری زندگی اپنے آپ کو دھوکہ دیتا رہے گا۔ جب حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے اپنے شیخ کی بارگاہ میں یہ عرض کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے آجا اگر تیرا یہ ہی نظریہ ہے کہ تم نے اپنا آپ میرے حوالے کر دیا ہے تو انشاء اللہ تم سنور جاؤ گے۔ پھر دُنیا نے دیکھا کہ ان کو چالیس دن کے اندر تمام منازل سلوک طے کروا کر شیخ نے خرقۂ خلافت عطا کر دیا اور فرمایا جاؤ تم جا کر لوگوں کی اصلاح کرو۔ جس وقت یہ واقعہ گزرا تو خانقاہ پر موجود چالیس چالیس سال سے موجود درویش حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ جناب ہمارا کیا قصور ہے کہ یہ آیا اور لے کر چلا گیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ سوکھی لکڑی کو آگ جلدی لگتی ہے۔ جو شخص اپنے باطن کو درست کرے گا اور دل اور جان سے یہ تعلق بنالے وہ جتنی مرضی چاہے اپنا پیالہ بھرلے۔ کوئی شخص دریا میں داخل ہوتا ہے اگر وہ اپنا پیالہ اُلٹا کیا رکھے گا تو پھر وہ جس وقت دریا میں سے نکلے گا اُس کا پیالہ خالی ہی ہو گا۔ چاہے تو ٹینکر بھر کر لے جائے چاہے تو خالی پیالہ لے جائے۔ یہ اپنے دل کی کہانی ہے کوئی جس حد تک دل دیتا ہے، کسی نے کہا تھا کہ دل دینا ہے اور دل لینا ہے۔ یہ سودا ہے جس نے یہ سودا کر لیا اس کی ارادت بھی ہو گئی اور وہ مُرید بھی ہو گیا۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر محض کارروائی ہے بعد میں بے شک کہتا رہے کہ میں آستان پر اتنے سال رہا ہوں وہ محض اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اس میں لازمی ہے کہ مُرید اپنے شیخ سے پردہ نہ کرے۔ اپنے شیخ پر اعتماد کرے اور وہ پوچھے یا نہ پوچھے لیکن اپنے باطن میں یہ جانے کہ اس بات کا اس کو پتہ ہے۔ اگر ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم اپنی ہر خامی اپنے شیخ سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں

کہ اس کو پتہ نہ چلے کہ کہیں ہمارے بارے میں اس کا خیال خراب نہ ہو جائے۔ یہ ہی انسان کی سب سے بڑی کم فہمی اور غلطی ہوتی ہے۔ جب تک یہ غلطی رہتی ہے وہ اس وقت تک کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ دریا میں داخل ہو کر بھی وہ خشک رہتا ہے۔ جب تک اس کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں میرا شیخ اس سے واقف ہے۔ یہ ابتدائی تربیت ہے اگر یہ ہو گی تو پھر اللہ تعالیٰ پر بھی یقین آئے گا ورنہ اللہ کو تو پہلے ہی کسی نے نہیں دیکھا ہوا۔ شیخ صاحب کو دیکھا ان سے بھی پردہ کر لیا تو پھر وہاں رہنے کا کیا فائدہ۔ یہ چیز مدِ نظر رہنی چاہیے کہ کہتے ہیں کہ "میرا کام تھا پیغام محبت جہاں تک پہنچے"۔ میں اپنے طور پر کوشش کر رہا ہوں کہ جو لوگ اس مقصد کے واسطے آئے ہیں کہ وہ اپنے کردار کو سنوار سکیں ان کو اس بنیادی نقطہ پر غور کرنا چاہئے۔ اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش نہ کریں، اپنے عیب پر پردہ ڈال کر اس کے سامنے اچھا بننے کی کوشش نہ کریں۔ وجہ یہ ہے کہ میں پچھلی دفعہ بھی عرض کر رہا تھا کہ کسی بندے کے پیٹ میں درد ہو اور وہ ڈاکٹر کے پاس علاج کروانے کے لیے جائے، تو ڈاکٹر کو پیٹ سے کپڑا اٹھا کر پیٹ دکھانا پڑتا ہے، اگر نہیں دکھائے گا تو پھر اس کا علاج نہیں ہو گا۔ وہ جا کر کہے کہ ڈاکٹر صاحب مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہے میں بالکل ٹھیک ہوں تو ڈاکٹر کہے گا کہ تم گھر چلے جاؤ میرے سے کیا لینے آئے ہو۔ یہ ہی کام ہم پیروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کو کہتے ہیں کہ ہم بہت اچھے ہیں، بہت بہترین ہیں۔ جب بندہ اپنے عیب کو ظاہر نہیں کرے گا تو اس کی اصلاح کیا کرنی، یہ شریعت کا پردہ ہے تو وہ شریعت کا پردہ توڑنے کے مجاز نہیں ہوتے۔ جب تک کہا نہیں جاتا وہ خاموش ہی رہتے ہیں۔ جس طرح ڈاکٹر کے پاس جا کر بندہ اپنا آپ اس کے سامنے رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ چیک کریں۔ ڈاکٹر پیٹ کو چیک کرتا ہے، اگر ڈاکٹر سے پیٹ کو چھپا لیا جائے تو پھر درد باقی رہے گا اس کا علاج نہیں ہو گا۔ اسی طرح باطن کا علاج بھی تب ہی ہونا ہے جب اپنی خامیاں اپنے حکیم کے سامنے رکھیں گے۔ خامیاں اُس کے سامنے رکھیں گے تو پھر وہ کوئی تدبیر کرے گا۔ اگر حکیم تھوڑا پڑھا ہوا ہو گا تو کسی اور سے پوچھے گا مگر کوئی نہ کوئی علاج لازمی بتائے گا لیکن اگر بتایا ہی نہ تو پھر اُس نے کیا کرنا ہے۔ یہ بہر حال ایک بنیادی نقطہ ہے کہ مُرید اپنے شیخ سے پردہ نہ کرے، اس پر اعتماد کرے اور اپنی خامیوں سے اس کو آگاہ کرے تاکہ وہ اس کی خامیوں کی درستگی کرے۔ یہ مُرید اور شیخ کے درمیان تعلق کے بارے میں ایک بنیادی اصول ہے۔ تصوف کی پہلی اکائی شیخ ہے، آج کی نشست میں شیخ کا status بیان کیا، اس کے بعد مُرید اور شیخ کے درمیان جو تعلق ہے اس کے بارے میں میں نے تھوڑا سا عرض کیا ہے۔ ابھی انشاء اللہ اس کے بارے میں مزید تفصیلاً بھی گزارش کریں گے۔ آج کا جو موضوع ہے اس کے بارے میں تھوڑا سا بیان کرنا ہے کہ ہم نے کرنا کیا ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ نے قُرانِ پاک کی ایک آیت کا حوالہ دیا ہے۔ آج کا موضوع خانقاہ، آستانہ، جہاں پر شیخ ہوتا ہے اُس کے اصول وضوابط کیا ہیں، اُس کے بنانے کی کیا وجہ ہے اور وہاں پر کیا ہونا چاہیے۔ اس کے بارے میں آپؒ نے قُرانِ پاک کی ایک آیت کا حوالہ دیا ہے۔ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا!

"فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ۝ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ"(النور:36،37)

یہ وہ گھر ہیں جن کے واسطے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور وہاں لوگ صبح اور شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اس کا نام لیتے ہیں اور وہ لوگ جن کو اللہ کے ذکر، نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہ ان کی تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید وفروخت، یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ کر دی جائیں گی۔ یہ وہ گھر ہیں جن کے اندر دن اور رات اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔ ان کو قائم ہی اس واسطے کیا جاتا ہے کہ بندہ اپنی مجبوریاں دیکھتا ہے اور اپنے ماحول میں اللہ کی یاد نہیں کر سکتا پھر وہ اپنے بزرگوں کے پاس آجائے۔

اس کے دو فائدے ہیں ایک تو اس کو حصولِ فیضان ہو گا اور وہ ہر وقت توجہ میں رہے گا اور دُوسرا یہ کہ اس کو اللہ کی یاد کا موقع میسر آئے گا۔اس کے واسطے ایسا ماحول دیا جائے گا جس میں اس کا دھیان اللہ کی طرف لگ سکے۔ آستانے کا یہ ہی مقصد ہے۔ اُس میں ضروری ہے کہ دُنیاداری کے جو دیگر تمام مقاصد ہیں ان سے اعراض کیا جائے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مُراد اُس جگہ کی ہے جہاں پر اللہ کا ذکر کرنے والے جمع ہوں اور ایسے گھر سے مُراد آستانہ، کسی بزرگ کی خانقاہ ہے۔ جہاں پر اللہ کے حکم کی تعمیل کی جاتی ہے اور اس کا ذکر بلند کیا جاتا ہے۔ کیااِس آستان پر بھی آپ اس طرح کا ماحول دیکھتے ہیں؟ اگر اس میں کوئی خامی نظر آئے تو بخدا مجھے آگاہ کریں۔ میں نے اپنی ساری دُنیا اسی واسطے ترک کی ہے کہ میں اپنے رب کے اِس فرمان کی تعمیل کر سکوں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو خانقاہ نشین ہے وہ رِباط میں رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اُس کی اطاعت میں مشغول ہے اور وہ بھی دعاؤں اور اطاعت گزاری سے بندوں اور شہروں سے بلاؤں کو رفع کرتا ہے ۔یعنی وہ اللہ تعالیٰ، جس کے ذکر میں وہ مصروف ہے اس ہستیِ لازوال سے دعا کرتا ہے اور اللہ پاک کرم فرماتا ہے۔ رِباط کس کو کہتے ہیں؟ آپؒ نے اس کی بھی تشریح کی ہے۔ قُرانِ پاک کی آیت ہے!

”اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ “(ال عمران:200)

رَابِطُوا سے مُراد ہے کہ آپ اپنے آپ کو مجاہد بنالیں۔ رِباط ایسی جگہ کو کہتے ہیں کہ جہاں پر گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ پہلے زمانہ میں مُجاہدین سرحدوں پر جس جگہ گھوڑے باندھتے تھے اور مسلمانوں کی سرحدوں کی حفاظت کرتے تھے، اس کو رِباط کہتے ہیں۔ پرانے زمانہ میں بندوقیں، توپیں نہیں ہوتی تھیں۔ ان گھوڑوں پر قُرانِ پاک کی آیت بھی نازل ہوئی تھی۔ رِباط کے معنی ہیں جہاں پر گھوڑے باندھے جائیں، اور ایسی جگہ جہاں مجاہد رہتے ہوں۔ آپؒ نے فرمایا کہ آستانے کی حیثیت ایک رِباط کی ہے کہ یہاں پر رہنے والے اپنے آپ کو جہاد اکبر کا مجاہد سمجھیں۔ جہاد اکبر اپنے نفس کے خلاف جہاد اور تعمیرِ کردار کے واسطے جستجو کرنا ہے۔ جس جگہ مُجاہد رہتے ہیں اُس جگہ کو رِباط کہا جاتا ہے۔ خانقاہ کی حیثیت آپؒ رِباط کی فرماتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ”رَابِطُوا “ سے مُراد جہادِ نفس ہے اور جو خانقاہ میں رہتا ہے وہ مجاہد نفس ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر خانقاہ والے صحیح طور پر اپنے مقاصد رُوحانی پر عمل پیرا ہوں، حُسنِ مُعاملہ اور رعایتِ اوقات کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ اُن چیزوں سے گریز کریں جو اعمال کو ضائع کرنے والی ہوں اور اعمال کو درست کرنے والی باتوں پر سختی سے قائم رہیں تو وہ ملک وملت کے لیے خیر وبرکت کا باعث ہو سکتے ہیں ۔اُن کی حسن نیت تقدیر کے مَسَائل حل کرتی ہے اور مشکل گرہیں کھول دیتی ہے۔ علامہ اقبال نے اسی موضوع کو اپنے شعر میں بیان کیا ہے کہ!

”نگاہ مَردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں　　　جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں“

یہ کام آستانوں پر کرنے والا ہوتا ہے۔ انشاء اللہ اسی موضوع کا آئندہ بھی بیان کریں گے کیونکہ بہت سارے لوگ ہمارے ان دروس کی اس ابتداء سے آگاہ نہیں تھے اس واسطے میں نے اعادہ کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ تعمیر کردار کا واحد راستہ ہے۔ حضرت شیخ الشیوخؒ نے فرمایا کہ جو کچھ آستانوں سے ملتا ہے دُنیا میں کوئی اور جماعت، تنظیم، پارٹی یا کوئی اور یہ چیز نہیں دے سکتی۔ یہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی سُنت طیبہ کے عین مطابق ہے اور اس کے امام حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ بہر حال آستانوں پر کیا کچھ ہونا چاہیے اور ان کے کیا اصول ہیں اس پر بشرطِ توفیق انشاء اللہ آئندہ گفتگو کی جائے گی۔ پھر مُریدین کی جو ذمہ داریاں ہیں اور آستانوں پر جو ان کی ڈیوٹیاں ہوتی ہیں بڑا پیارا انہوں نے بیان لکھا ہے بحمد اللہ یہ پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ واقعتاً آستانے ایک بڑے عظیم مقصد کے لیے بنائے گئے تھے اور ان کا مقصد

”وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ بھی تھا اور وَيُزَكِّيهِمْ“(البقرۃ:129)

بھی تھا اور یہ مقصد ان کے سوا اور کوئی صورت پورا نہیں کر سکتا۔ آج جو کچھ میں نے بیان کیا اس میں گزشتہ دروس کا اعادہ پیش کیا گیا ہے کہ تصوف واحد راستہ ہے جو تعمیرِ کردار کا راستہ ہے اور تعمیرِ کردار کو اللہ تعالیٰ نے لازمی قرار دیا اور فرمایا!

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" (الشمس:10،9) مزید فرمایا "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ" (الاعلیٰ:14)

اور بھی بہت جگہوں پر فرمایا۔ اس کی اَز حد ضرورت ہے۔ دُنیا میں کوئی اور کام اتنا ضروری نہیں جتنا اپنے باطن کو سنوارنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ دُوسری عرض یہ کی کہ تصوف کے امام حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ جب سے اسلام کی تعلیم شروع ہوئی اسی وقت سے تصوف چلا آ رہا ہے اور قیامت تک رہے گا۔ جس دن تصوف ختم ہوا اس دن دُنیا بھی ختم ہو جائے گی اور قیامت آ جائے گی۔ اِس کے علاوہ میں نے تصوف کی چار اکائیاں گزارش کی ہیں۔ معرفت، شیخ، ارادت اور مُرید۔ ان میں سب سے پہلے شیخ کے سلسلہ میں شیخ کا مقام status بیان کیا کہ شیخ میں کون سی اہلیت ہونی چاہیے۔ اُس کے بغیر وہ شیخ کہلانے کا مستحق ہے اور نہ ہی اُس کو نمائندگی کی اجازت ہے۔ اُس کے بعد شیخ اور مُرید کے درمیان جو relationship ہے یہ اتنا زیادہ اہم ہے کہ اس کے بغیر اصلاح ممکن نہیں۔ جب تک مُرید اپنے شیخ کا جزو نہ بن جائے اُس کے باطن کی درستگی ممکن نہیں۔ یہ ضروری اصول تھے۔ جو موضوع میں نے آج بیان کرنا تھا اس کی ابتداء کر دی کہ خانقاہوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قُرانِ پاک کے اندر بھی بالواسطہ کیا ہے۔ اہل خانقاہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے کردار سے نہ صرف وہاں پر آنے والے لوگ متاثر ہوتے ہیں بلکہ گردو پیش کا تمام علاقہ بھی اُس سے فیض حاصل کرتا ہے اور پورے علاقے کی کایا پلٹ جاتی ہے اور جتنا اس کا دائرہ کار بڑھتا ہے اتنا ہی آگاہی کی روشنی بڑھ جاتی ہے اور ایسا ہوتا ہے، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں بحمد اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجاء کرتا ہوں کہ اللہ کریم اس آستان کو بھی اپنے نام کی سربلندی کا ذریعہ بنا دے۔ آج جو کچھ بیان کیا گیا اُمید ہے کہ سب کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔ میں بات بڑی کھول کر اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں تاکہ تصوف آج کے دور میں اگر نشان تنقید بنا ہوا ہے تو محض جاہلیت کی وجہ سے۔ لوگوں کو حقیقت کا علم ہی نہیں ہے۔ کوئی بندہ مسجد میں جائے ہی نہ اور وہ اس کے بارے میں کوئی رائے دے تو وہ قابل قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اس کے اندر داخل ہو کر اس کی صورت حال نہ دیکھے۔ جب تک بندہ تصوف کے حقائق سے باخبر نہ ہو اس کو تصوف کا پتہ نہیں ہوتا اور چونکہ جھوٹے صوفی عام ہو چکے ہیں لہٰذا خانقاہوں کی ہیئت بدل گئی ہے اور تصوف بدنام ہوتا جا رہا ہے۔ اس دور میں میرے آقا کریم ﷺ کی اس سُنت کو بچانا فرض عین ہے۔ میرے آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری سُنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے میری سُنت ضائع کی، اس نے مجھے ضائع کیا اور جس نے مجھے ضائع کیا اللہ اس کو ضائع کر دے گا۔ اس واسطے ضروری ہے کہ ہم ان حقائق سے باخبر ہوں۔ اس واسطے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود، آج بھی تقریباً ہزار افراد سے ملاقات کرنے کے بعد، تمام تر تھکاوٹ اور کیفیات کے باوجود میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں کہ میں اپنے مالک کی ڈیوٹی دے رہا ہوں اس آس پر کہ!

"مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں   میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ"

رب العزت ہماری اِس معمولی سی کاوش پر تَرس فرمالے اور اپنے حبیب ﷺ کی سُنت کا وہ طریقہ کار جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے آج بھی اس کو زندہ و جاوید فرما دے۔ اللہ کریم ہماری اِس دُعا کو قبول و منظور فرمائے۔ میری نوجوانوں کو یہ دعوت ہے کہ!

"اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے   پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے"

ہر دور میں نقلی صوفی رہے ہیں، حضرت داتا گنج بخشؒ کے دور میں آج سے ہزار سال پہلے بھی یہ ہی صورت حال تھی اور آج بھی یہ ہی ہے اور یہ ہر دور

میں رہی ہے لیکن وہ لوگ خوش قسمت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے دین کے واسطے وقف کرتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ ایمان کی یہ جدوجہد، جستجو اور ایمان کی حرارت نصیب کر دے تو وہ شخص زمانہ کے اطوار بدل دیتا ہے۔ آج بھی اگر آپ ایمان کی جستجو کریں گے تو علامہ اقبال نے کہا کہ!

''آج بھی ہو گر ابراہیم کا سا ایماں پیدا آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا''

اللہ کریم کو اپنے ایمان کا یقین دلائیں اللہ پاک تمام مشکلیں آسان فرمادے گا۔ نوجوان کثرت کے ساتھ اعتکاف کے لیے آئے ہیں میں ان کو مبارک دیتا ہوں کہ میرے رب کریم نے ان کو اپنے گھر مہمان بنا کر بلایا ہے۔ اللہ کرے کے آپ کچھ حاصل کر کے جائیں اور سب سے بڑی حاصل کرنے والی یہ چیز ہے کہ آپ تعمیرِ کردار کا سبق لے کر نکلیں اور جہاں پر بھی جائیں یہ شمع روشن کر دیں تاکہ اس شمع کے ساتھ دُنیا کا اندھیرا دور ہو جائے اور ہر طرف روشنی روشنی نظر آئے۔ اللہ تعالیٰ میری اس آرزو کو قبول و منظور فرمائے اور اللہ پاک آپ کو جدوجہد کرنے کو توفیق بخشے۔ میں بھی کبھی آپ کی عمر میں تھا اور مجھے ان بزرگوں کی کتابوں نے کبھی بھی غفلت کی نیند نہیں سونے دیا۔ میں صرف ایک بات عرض کرتا ہوں کہ جب بھی میں سوتا تھا اور جب مجھے جاگ آتی تھی تو میں ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ میری والدہ صاحبہ پوچھتی تھیں کہ کیا آپ نے کوئی خوفناک خواب دیکھا ہے تو میں عرض کرتا تھا کہ نہیں میں نے سو کر بڑا وقت ضائع کر دیا ہے۔ یہ لگن اللہ پاک ہر نوجوان کو عطا کرے کہ اس کے وجود کو اللہ کریم ایسی شمع بنادے جس کے ساتھ شمع روشن ہو۔ اللہ کی بارگاہ میں دردمندانہ التجاء ہے کہ اللہ پاک میری آرزو قبول و منظور فرمائے۔ وہ نوجوان بھی باعث صد تشکر ہیں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو اعتکاف والے مہمانوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ میں اُن کی خدمت اور اُن کی تن دہی کا عملی مظاہرہ اکیس رمضان المبارک سے دیکھ رہا ہوں۔ الحمد للہ مجھے یہ اُمید لگتی ہے کہ یہ نوجوان اگر اسی جذبے کے ساتھ خدمت کریں گے، عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب کر لے۔ بڑی محبت اور بڑے پیار کے ساتھ چند لمحے رہتے ہوئے جس طرح انہوں نے افطاری ہر بندے تک پہنچائی اور جس طرح تقسیم کی میں بخدا اس کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں اور یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کا جذبہ قائم و دائم رکھے۔ وہ دوست جو اِس دوران ڈاکٹر فاروق مصطفیٰ علوی صاحب کی زیرِ قیادت مہمانوں کی طبی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو بھی برکت عطا فرمائے۔ اُن کا جذبہ بھی باعث صد تشکر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جو لوگ ڈیوٹی پر کھڑے ہیں اللہ کی ذات ان کی ڈیوٹی قبول فرمائے، جو لنگر کی ڈیوٹی دے رہے ہیں، جس محبت کے ساتھ برتن صاف کر رہے ہیں، دھو رہے ہیں، میں نے سب کا عملی مظاہرہ دیکھا ہے۔ مجھے بڑی دلی خوشی ہوئی اور میرے دل نے ان کے لیے دعا کی۔ اللہ پاک ان سب دوستوں کو استقامت بخشے اور جذبہ عطا کرے۔ جو دوست ڈیوٹی پر ہیں وہ اس چیز سے باخبر رہیں کہ یہ اتنا مقدس فریضہ ہے کہ جتنے لوگ عبادت کر رہے ہیں اُن سب کا ثواب اُن کی نگہبانی کرنے والوں کو بھی ملتا ہے۔ جو بندہ جمعہ پڑھنے آتا ہے اس کو ایک جمعہ پڑھنے کا ثواب ملتا ہے لیکن جو لوگ ان کی ڈیوٹی دے رہے ہیں اُن کو سب جمعہ پڑھنے والوں کے برابر ایک ایک بندے کو ثواب ملتا ہے۔ اللہ پاک اُن سب کی ڈیوٹی قبول و منظور فرمائے۔ آپ سب دل کے ساتھ یہ دعا کرنا کہ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ آپ سب کو اللہ پاک نے شب قدر عطا کرنی ہے۔ آج بھی تئیسویں رات ہے ہے یہ بھی شب قدر ہو سکتی ہے۔ اور کوئی بھی طاق رات شب قدر ہو سکتی ہے اس لیے آپ جب بھی دعا کیا کریں یہ بھی دعا کیا کریں کہ!

''الٰہی گلشن کی خیر ہو اور گلشن میں رہنے والوں سَب کی خیر ہو''

یہ گلشن جو آپ سَب کی خدمت میں مصروف ہے اللہ پاک اس کو قائم و دائم رکھے، سلامت رکھے اور اللہ اس کو اپنے حبیب ﷺ کی سُنت پر

قائم رکھے۔ اللہ کریم ہمیں اس پر سے ہٹنے کے شر سے محفوظ فرمائے۔ اللہ پاک سب کی حاضری اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ میں نے سب دوستوں کا بہت سارا وقت لیا ہے، لیکن چونکہ بہت سارے نئے دوست شامل ہوئے ہیں ان کو پچھلا سارا لیکچر بتانا تھا۔ ہم یہ تصوف کے درس کا سلسلہ ہر جمعرات کو عشا کی نماز کے بعد شروع کر چکے ہیں اور یہ بخدا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا کام ہے اِس واسطے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ علم کی ایک مجلس کے اندر ایک لمحہ گزارنا ہزار جنازے میں شرکت کرنے سے افضل ہے، ہزار رکعت نماز پڑھنے سے افضل ہے اور ہزار بیمار کی عیادت کرنے سے افضل ہے۔ اس لحاظ سے آپ اس وقت جس کام میں مصروف ہیں یہ تمام عبادتوں کی جڑ ہے۔ اللہ پاک یہ سلسلہ جاری و ساری رکھے۔ ہر جمعرات کو بعد نماز عشا۔ اس میں ایک تو واعظ ہوتا ہے اور دُوسرا کہتے ہیں کہ!

"نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں" "کام کرتی ہے ساقی کی نظر میکدے میں گردشِ جام برائے نام ہے"

یہ بھی کام ہوتا ہے۔ اللہ پاک کرم فرمائے۔ آپ بزرگوں کے ڈیرے پر آئے ہیں اور بزرگ کسی کو خالی ہاتھ واپس بھیجنا پسند نہیں کرتے انشاء اللہ ان اولیا کی نگاہ بھی آپ سب کے ساتھ ہوگی۔ اللہ پاک آپ سب کو سرفرازیاں دے اور کامیابیاں نصیب کرے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف۔ 11

دورانیہ۔60منٹ۔ تاریخ۔2013-08-15

بمقام۔ مسجد۔ آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

"وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ "(الحشر:10)

گزشتہ محفل میں خانقاہی نظام جو نظامِ تصوف کہلاتا ہے اس کا اعادہ کیا گیا کیونکہ گزشتہ درس میں بہت سارے لوگ ایسے شامل تھے جو اعتکاف کے لیے آئے تھے ان کو شامل کرنا بھی مقصود تھا۔ ہمارا موضوع تصوف چل رہا ہے۔ تصوف صفائے قلب اور صفائےِ باطن سے نکلا ہے اور اس کا معنی تزکیہ نفس جس کا دُوسرا نام تعمیرِ کردار ہے۔ اللہ پاک نے اس کا حکم فرمایا ہے کہ!

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا"(الشمس:9،10)

وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا اور وہ ناکام ہوا جس نے اِس کو نہ سنوارا اور اِس کو خراب ہونے دیا۔ اِس سلسلہ میں تصوف تعمیرِ کردار کا نام ہے۔ تعمیرِ کردار کا حکم اللہ پاک نے دیا ہے اور یہ ہر شخص کے واسطے اُخروی نجات کے لیے واحد ذریعہ ہے۔ کوئی شخص اپنی دُنیا سنوارنے کے واسطے دُنیا کا کوئی بھی پیشہ اختیار کر سکتا ہے لیکن عاقبت سنوارنے کے واسطے انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے کردار کو سنوار لے جس نے یہ کر لیا اُس کے متعلق اللہ رب العزت نے فرمایا کہ!

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا" (الشمس:9)

وہ ہی کامیاب ہوا جس نے اپنے کردار کو سنوار لیا۔ اپنے باطن کو سنوارا اور درست راستہ پر چل پڑا۔ اس سِلسلہ میں یہ گزارش کی تھی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اہل تصوف کے امام ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں اہل تصوف کا امام حضرت ابو بکر صدیقؓ کو قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب طلوع اسلام ہوا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے پہلے شخص تک ایمان پہنچا، تعمیرِ کردار کا کام وہیں سے شروع ہو چکا اور تصوف کا آغاز ہو گیا۔ جب اِس کا اختتام ہو گا تو پھر دُنیا میں قیامت آجائے گی۔ یہ نظام اصلاحِ کردار کے واسطے ضروری ہے۔ اِس میں اِس کی مختلف قسمیں بیان کی تھیں۔ "صوفی" جو کہ کامیاب ہو گیا۔ "متصوف" جو کہ کامیابی کے راستہ پر چل رہا ہے "مستصوف" وہ جس نے اِس کو اپنی دُنیا سنوارنے کا ذریعہ بنا لیا اور آخرت کے اندر اُس کا کچھ حصہ باقی نہ رہا۔ اُس نے اِس دُنیا کے اندر ہی اپنا ایمان بیچ کر رُسوائی خرید لی۔

اُس کا نام مستصوف ہے۔ اس کے بارے میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے "کالذیاب" و "کالذباب" کی اصطلاحات استعمال فرمائی ہیں، یعنی اپنے واسطے گندگی پر بیٹھنے والی مکھی کے مُترادف اور دوسروں کے واسطے ان کے جان ومال کو لوٹ کر کھا جانے والے بھیڑیئے کے مُترادف۔ اِس کے بعد تصوف کی تشریح بتائی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں ہم نے عوارف المعارف از شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سُہروردیؒ کو بطور ریفرنس بک پڑھا، کیونکہ تصوف میں اس کتاب کا کوئی ثانی نہیں۔ اس میں وہ تمام اصول وضوابط اور تفصیلات ہیں جو آج تک آستانوں اور خانقاہوں کے اصول وضوابط ہیں، یہ آستانے اور خانقاہیں تعمیرِ کردار کی یونیورسٹیاں تھیں، عوارف المعارف ان پر بہت ہی مستند کتاب ہے۔ اِس کتاب میں سے ہم نے جو موضوع منتخب کیا ہے وہ تصوف کی اکائیوں کے بارے میں ہے۔ پہلی اکائی معرفت، دُوسری اکائی شیخ، تیسرے اکائی ارادت اور چوتھی اکائی مُرید۔ اِس کے علاوہ بھی اکائیاں ہیں لیکن یہ زیادہ ضروری ہیں۔ مُرید کے بعد مُراد بنتا ہے وہ پانچویں اکائی ہے۔ لیکن یہ چار اکائیاں ابتداء ہیں۔ معرفت کے بارے میں عرض کیا تھا کہ جب اللہ پاک کو کسی پر ترس آجائے اور اس کو اس کی نجات مقصود ہو، اس کے دل میں اپنے عیبوں پر نظر کرنے کی ہمت پیدا کر دیتا ہے۔ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ جس وقت انسان پر اپنے عیب واضح ہونا شروع ہو جائیں پھر وہ دوسروں سے جدا ہو کر اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اپنی اصلاح کرنے کے واسطے اس کو کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی خامیاں دور کرنے میں اس کی مدد کر سکے۔ اگر کوئی چیز خراب ہو جائے، اس کی درستگی کے واسطے اس کے ماہر کو تلاش کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ درانتی، کُھرپہ وغیرہ اِن چیزوں کی مرمت کے واسطے بھی باقاعدہ اِن چیزوں کے جو ماہر ہیں ان کے ساتھ رابطہ کیا جاتا ہے۔ اگر ایک کسان کی درانتی خراب ہو جائے اُس کے دندانے گھس جائیں تو وہ اس کو لے کر لوہار کے پاس جاتا ہے کہ میری درانتی ٹھیک کر دو۔ اگر اپنے ہی دندانے گھس گئے ہوں اور اپنا نظام خراب ہو، اس کے واسطے بھی کسی ایسے لوہار کی ضرورت ہے جو اس کے نفس کو آگ دے کر گرم کرے اور پھر اس کو دوبارہ ایک اچھے سانچے میں ڈھال دے، اس کا نام شیخ ہے۔ شیخ ایک ایسی اکائی ہے جس کے بغیر معرفت بھی اثر انداز نہیں ہوتی اور ارادت بھی واقع نہیں ہوتی۔ ہم شیخ کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے شیخ کا status مَرتبہ بیان کیا تھا کہ شیخ طریقت کی اہلیت کیا ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ بہت ضروری ہے۔ ہر شخص شیخ طریقت ہونے کا حقدار یا اہلیت نہیں رکھتا۔ اس کے واسطے انتخاب خود ربِ کائنات کا ہوتا ہے۔

"يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" (البقرۃ:142)

جس کو چاہے اور جس وقت وہ چاہے اس کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت میں دے دیتا ہے۔

"وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" (الشوریٰ:52)

بے شک اے میرے محبوب ﷺ ان کو میں نے پسند کر لیا ہے اب میں نے ان کو آپ کے حوالے کیا ہے آپ ان کو ہدایت دے دیں۔ شیخ جس وقت تک حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت نہ رکھے شیخ طریقت کی اہلیت اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے بارے میں میں نے عوارف

المعارف میں سے چار قسمیں بیان کی تھیں۔ شیخ کی اہلیت کے بعد یہ گزارش کیا تھا کہ شیخ مُرید کو کس طرح اللہ کے قُرب کی طرف لے کر جاتا ہے۔اس میں دو حصے ہیں۔ جب کسی مریض کو کوئی طبیب ملتا ہے تو وہ اس کو دوائی کے ساتھ دو باتیں بتاتا ہے کہ فلاں فلاں چیز تم نے کھانی ہے اور فلاں فلاں چیز سے تم نے پرہیز کرنا ہے۔ عموماً مریض پوچھتے ہیں کہ کھانے پینے کے بارے میں بھی بتائیں کہ کیا کچھ کھائیں اور کیا کچھ نہ کھائیں۔اسی طرح شیخ طریقت کے ساتھ جو relationship تعلق ہے،یعنی اللہ پاک کی رسائی کا تعلق،اس سلسلہ میں تعمیرِ کردار کے واسطے شیخ سے جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے اس میں دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلی چیز میں نے تفصیلاً عرض کی کہ شیخ پر جب تک انسان اعتماد نہیں کرے گا اس پر رحمت الٰہی کا Natural Flow قدرتی بہاؤ نہیں ہو گا۔ جب تک اپنے آپ کو اس سے چھپاتا رہے، اپنی خامیاں اس کے سامنے واضح نہ کرے۔ یہ بات سمجھنے والی ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ انسان اس کے سامنے statement دے، بیان کرنا ضروری نہیں۔ اپنے دل کو یہ سمجھالے کہ میری خامیاں وہ دیکھ رہا ہے۔اس تک میری خامیاں خود بخود پہنچ جاتی ہیں۔ لیکن اگر خود ہی اس سے پردہ کریں تو پھر اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ یہ بیماری عام پائی جاتی ہے۔ یہ بیماری اسی طرح ہے کہ کسی شخص کو اپنڈکس ہو جائے وہ ڈاکٹر کے پاس جائے۔ جب ڈاکٹر کپڑا اٹھا کر دیکھنا چاہے تو کہے کہ ڈاکٹر صاحب میں تو ٹھیک ہوں، مجھے تو کوئی بیماری نہیں۔ ڈاکٹر اس کو واپس بھیج دے گا اور اگر اس کا علاج نہ ہوا تو پھر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر مریض کی جان کو خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔اس کو اپنے معالج کو یہ اجازت دینی پڑتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب آپ جس طرح چاہیں مجھے دیکھیں۔ اگر آپ میرا آپریشن وغیرہ کرنا چاہیں تو وہ بھی مجھے منظور ہے۔ کاش کہ طالبِ حق بھی اپنے شیخ کو اتنی اجازت دے دے۔ یہ بڑی مشکل بات ہے۔ یہ اس بات کا ایک حصہ ہے جو اس سے پہلے بیان کی گئی تھی آج اس کا دوسرا حصہ بیان کرنا ہے کہ کس کس چیز سے پرہیز کرنی ہے۔ یہ وہ نکات ہیں جو میں آپ کو یہ سمجھ لیں کہ شہد میں حل کر کے بیان کر رہا ہوں۔ ورنہ یہ ایسی باتیں ہیں کہ بیس بیس سال بزرگوں کے جانور پال پال کر یہ باتیں نصیب ہوتی تھیں۔ بہر حال حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ المعروف غوث الاعظمؓ ہم ان کی کتاب غنیۃ الطالبین کو ریفرنس بُک قرار دے چکے ہیں، انہوں نے اس کتاب میں اس موضوع پر ایک پورا باب رقم کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج سے تقریباً ہزار سال پہلے اُنہوں نے اِس سلسلہ میں کیا فرمایا ہے۔ یہ بھی یقیناً قرآن پاک کی ہی تشریح ہے۔ میں نے قُرانِ پاک کے جو چند الفاظ تلاوت کیے۔ آپ نے اُس باب میں قُرانِ پاک کے چند الفاظ درج فرمائے ہیں۔ مُرید کو اس بات کا یقین رکھنا چاہیے کہ عادت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ اس زمین پر ایک پیر ہو ایک مُرید ہو، یہ اللہ کا نظام ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے بغیر کوئی بندہ اپنی منزل پر پہنچ جائے۔ ایک مقتدر ہو دُوسرا مصاحب ہو، ایک پیشوا ہو دُوسرا پیروکار ہو، یہ عادتِ الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کو اسمائے پاک سکھائے اور اِس طرح سکھائے جیسے اُستاد اپنے شاگرد کو سکھاتا ہے۔

"وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلاَئِكَةِ"(البقرة:31)

اللہ کریم نے جب اَسمائے مُبارک سِکھادیئے تو حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اب یہ فرشتوں کو بھی سکھائیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام

نے وہ اسماء "ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلاَئِكَةِ" ان کے سامنے پیش کیے۔ "عَرَضَهُمْ" پیش کرنا۔ اس کے بعد جو گفتگو ہوئی کیونکہ وہ ہمارے موضوع میں شامل نہیں اس لیے میں اس کی تفصیل میں نہیں جاتا لیکن وہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سب فرشتوں کے شیخ اور فرشتے اُن کے شاگرد ہو گئے۔ آدم علیہ السلام ان کے شیخ قرار پائے اور اُن کو فرشتوں سے افضل اور اشرف قرار دیا گیا۔ آدم علیہ السلام پیشوا ہو گئے اور فرشتے اُن کے تابع اور پیرو ہو گئے۔ تب ہی انہوں نے سجدہ کیا تھا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کی ضرورت ہے، اس کے بغیر مسئلہ حل نہیں ہوتا، یہ اللہ پاک کا اَمر ہے، یہ اُس کی مشیت ہے۔ جو شیوخ نسبت والے ہوتے ہیں وہ اپنے آپ شیخ نہیں بنتے۔ یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ وہ اپنے آپ شیخ نہیں بنتے نہ ان کو عوام الناس شیخ بناتے ہیں۔ نسبت والے شیخ کو ایک خاص پراسس میں سے گزارا جاتا ہے اور جب تک اس کا شیخ کامل اس کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں پیش کر کے ان کو ان سے اجازت نہیں لے دیتا وہ شیخ بیعت لینے کا مجاز نہیں ہوتا اور نہ رہنمائی کر سکتا ہے اور جب اس کو اتنی اعلیٰ بارگاہ میں سے خلافت عطا ہو جاتی ہے تو پھر وہ کوئی معمولی آدمی نہیں رہ جاتا۔ اس کا بالواسطہ رابطہ ایک طرف اللہ کے ساتھ اور دُوسری طرف اللہ کی مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا شیخ جو کچھ کرتا ہے وہ اپنی مرضی کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ اس کا چیک بڑا سخت ہوتا ہے اور محض خیال آنے پر اس کی پکڑ ہو جاتی ہے۔ حضرت امام حسن بصریؒ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ ہیں حضرت امام حسن بصریؒ تمام بزرگوں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان وسیلہ ہیں، ماسوا سلسلہ نقشبندیہ۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن دریا پر گیا۔ دیکھا کہ ایک حبشی نوجوان ایک عورت کو گود میں بٹھا کر رنگ دار مشروب پلا رہا ہے۔ ایک گھونٹ کبھی خود پیتا ہے اور کبھی اس کو پلاتا ہے، دریا پر بیٹھا ہوا ہے تنہائی کے اندر۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ اُن سے تو میں اچھا ہی ہوں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ کچھ دیر گزری، ایک کشتی نظر آئی جو کہ دریا میں ڈوب رہی تھی۔ اسی حبشی نوجوان نے میرا نام لے کر پکارا، حتیٰ کہ میری اس کے ساتھ کوئی شناسائی نہ تھی، اس نے مجھے پکارا اور کہا کہ حسن میں مصروف ہوں۔ مہربانی کرو، دریا میں اُترو اور یہ جو کشتی ڈوب رہی ہے اِس کے آدمیوں کو بچانے کی کوشش کرو۔ حسن بصریؒ نزدیک ہو گئے اور کہا کہ مجھے تیرنا نہیں آتا۔ حبشی اُٹھا اور اُس نے دریا میں چھلانگ لگائی، ایک ایک کر کے سب بندوں کو وہ دریا کے کنارے پر لے آئے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ حسن میری بات سنو یہ بی بی میری والدہ ہے اور جو کچھ میں پی رہا تھا وہ شربت ہے۔ کم از کم دھیان کر لینا چاہیے ایسے ہی دل میں خیال نہیں لے آنا چاہیے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جو شیوخ نسبت والے ہوتے ہیں اُن پر چیک ہوتا ہے، وہ اپنی مرضی کے ساتھ نہ تو کسی کو فیض دے سکتے ہیں اور نہ کسی کا واپس لے سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی مرضی کے ساتھ کسی کو کوئی چیز ایشو کر سکتے ہیں اور نہ ان کے پاس یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ کسی کے واسطے دعا کریں تو اُن کی دعا اسی طرح قبول ہو جائے، جب تک کہ اللہ پاک کا ارادہ نہ بن جائے۔ جب اللہ کا ارادہ بن جاتا ہے وہ کسی ایسے شخص کو اپنے کسی مقررہ بندے کے پاس لے آتا ہے اور وہ اُس کے لیے دعا کرتا ہے تو اللہ پاک اُس کا کام کر دیتا ہے۔ حقیقت حقیقت ہے، کوئی بھی شیخ طریقت جو صاحبِ نسبت ہے بخدا اس کے دل کی گہرائی میں کروڑواں حصہ بھی یہ خیال نہیں آسکتا کہ میں کسی کا کام کر سکتا ہوں۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر اس کی طاقتیں سَلب کر لی جاتی ہیں۔ یہ اللہ کا نظام ہے، کوئی معمولی بات نہیں۔ شیوخ ہونا بڑے دل گُردے کا کام ہوتا ہے اور یہ مالک کی کرم نوازی ہوتی ہے کہ وہ جس

کو چاہے اس رتبے پر سرفراز کرے۔ اس نے اپنا نظام چلانا ہے۔ مُرید بھی کوئی معمولی چیز نہیں۔ مُرید کے بارے میں میں گفتگو شیخ کے موضوع کو مکمل کر کے بیان کروں گا۔ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ مُرید پر واجب ہے کہ ظاہری عمل میں پیر کی مخالفت نہ کرے۔ مُرید ظاہری عمل میں اپنے شیخ کی مخالفت نہ کرے۔ یہ اب پرہیز آگئی ہے پہلے ہدایتیں بتائی گئی ہیں کہ کرنا کیا کیا ہے۔ پرہیز یہ ہے کہ مُرید پر واجب ہے کہ ظاہری عمل میں شیخ کی مخالفت نہ کرے اور نہ دل میں اس کا احساس کرے۔ ظاہراً شیخ کی نافرمانی کرنے والا گستاخ و بے ادب ہے اور باطن میں اس پر معترض ہونے والا اپنی تباہی اور ہلاکت کا خواستگار ہے۔ یعنی ظاہر میں جو بے ادبی کرتا ہے اس سے باطن میں اعتراض کرنے والا زیادہ خطرے کے ساتھ دوچار ہے۔ اعتراض اس وجہ سے آتا ہے کہ اس نے مجھے فلاں چیز نہیں دی اس کو دے دی ہے۔ فلاں کو ایسے کر دیا، میرے ساتھ نہیں کیا۔ اس کے واسطے دعا مانگی اور میرے واسطے نہ مانگی۔ میں نے یہ وضاحت کر دی کہ شیخ کے اپنے بس میں کچھ نہیں ہوتا۔ مسجد کی محراب میں بیٹھ کر اس حقیقت کو گزارش کر رہا ہوں۔ یہ چیزیں شیخ کے بس میں نہیں ہوتیں۔ شیخ پر مالکِ کائنات کی طرف سے چیک ہوتا ہے۔ بہر حال آگے میں جو کچھ عرض کروں گا اس سے انشاء اللہ سمجھ آجائے گی۔ باطن میں اس پر اعتراض کرنے والا اپنی تباہی اور ہلاکت کا خواستگار ہے۔ مُرید کو چاہئے کہ شیخِ طریقت کی طرفداری میں اپنے نفس کو مصروف رکھے، ظاہر و باطن میں شیخ کی مخالفت سے اپنے نفس کو باز رکھے اور نفس کی اس خواہش پر اس کو ملامت کرے اور اس آیت کی تلاوت کثرت سے کرے۔

"رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالإِيمَانِ وَلاَ تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلاً لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ"

(الحشر:10)ی

اللہ ہماری بخشش فرما دے، ہمارے سے پہلے جو مومن بھائی اس دُنیا سے رخصت ہو گئے ہیں ان کی بھی بخشش فرما دے اور ہمارے دلوں کو مومنوں کی طرف سے نہ ہٹانا، اے پروردگار بے شک تم ہی مہربان اور رحیم ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جب میرے شیخ کا وصال ہوا ان کا سرِ اقدس میری گود میں تھا۔ یعنی آخری دم تک انہوں نے ان کے ساتھ وفا کی۔ اور بلھے شاہ صاحبؒ نے تو بڑی کھول کر بات بیان کر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ!

نماز پڑھ آئیوں تِن لوکی آکھن نمازی — حج کر آئیوں تن لوکی آکھن حاجی

پر بُلھیا کُجھ نہ کھٹیا جے یار نہ کیتا راضی — اُٹھ بُلھیا اُٹھ یار منا لے لاکے سِر دی بازی"

یہ تعمیرِ کردار کا واحد ذریعہ ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جس کو اُستاد قرار دے دینا ہے، اگر کوئی شخص اپنے اُستاد کی مخالفت کرے گا تو پھر محرومی اس کا نصیب ہو جائے گی۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اگر پیر طریقت سے خلافِ شرع کوئی عمل سرزد ہو یا شیخ میں اس کو کوئی عیب نظر آئے تو اس کی پردہ پوشی کرے اور اس بارے میں اپنے نفس کو غلط فہم سمجھے کہ تمہیں مغالطہ لگا ہے، حقیقت میں بات ایسی نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات شیوخ کسی کو آزما بھی لیتے ہیں۔ یہ بھی تربیتی نظام کا حصہ ہے۔ آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ مُرید کو چاہیے کہ پیر کے معصوم ہونے کا عقیدہ ہرگز نہ رکھے۔ اگر پیر

کے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھ لیا پھر پھنس جائے گا۔ وہ اس جیسا انسان ہے۔ یہ ہی کام بندوں نے رسولوں کے ساتھ بھی کیا تھا۔ جب انہوں نے کہا تھا کہ یہ بھی کوئی رسول ہیں کہ بازاروں میں سودے خریدتے پھر رہے ہیں، بیوی بچہ رکھتے ہیں، کھانا پینا کرتے ہیں، اپنی سب نفسانی ضروریات پوری کرتے ہیں یہ بھی کوئی رسول ہیں۔ اللہ پاک نے فرمایا تھا کہ میں نے یہ آپ جیسے انسان بنا کر بھیجے ہیں لیکن ان کے اندر ایک بات زیادہ ہے کہ یہ میرے نمائندے ہیں۔ شیوخ کا کام بھی اسی سُنت کے اوپر ہے۔ اگر شیخ کو معصوم قرار دے دیا تو پھر ان کو کھاتے پیتے دیکھ کر ان کا تو عقیدہ مجرُوح ہو جانا ہے۔ کہتے ہیں کہ "اُوہدی اوہ جانے مَن اپنی توڑ نِبھاون دے"۔ یہ بات میں اس لیے تفصیل کے ساتھ کر رہا ہوں کہ جو لوگ بزرگوں کے پاس رہتے ہیں صاف ظاہر ہے انہوں نے سونا بھی ہے، اُٹھنا بھی ہے، نہانا بھی ہے، کھانا بھی ہے، پینا بھی ہے اپنے بال بچے کا خیال بھی رکھنا ہے تو ان کی ان ذمہ داریوں کو دیکھ کر کوئی شخص بد ظن نہ ہو۔ وگرنہ اس کا اپنا راستہ خراب ہو جائے گا۔ جس نے طے کر لیا اس کو تو پرواہ کوئی نہیں۔ کیونکہ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ "موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں" اگر دریا میں ہو تو موج رُعب رکھتی ہے اور اگر زمین پر ہو تو زمین اُس پانی کو چوس جاتی ہے۔

"فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں　　　موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں"

شیخ، مُرید، معرفت یہ تعمیرِ کردار کا ایک پورا چینل اور نظام ہے۔ ہر نظام کا ایک چینل ہے۔ اگر کسی نے ڈاکٹر بننا ہے تو وہاں پر بھی یہ سارا سسٹم ہے۔ وہاں پر کوئی پرنسپل ہے، کوئی پروفیسر ہے، کوئی کلرک ہے، کوئی ایڈمن افسر، علی ھذ القیاس۔ طالب علم کو سب کے ساتھ ڈیل کرنا پڑتا ہے۔ یہ نظام دُنیا کا سب سے اعلیٰ اور اُخروی ہے۔ اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ پیر کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہ رکھے اور اگر اسے کوئی عیب اپنے شیخ میں دکھائی دے، ضروری نہیں کہ ہو مگر اس کو نظر آئے تو اس کی پردہ پوشی کرے اور کسی دُوسرے کو اس کی خبر نہ کرے۔ پھر جب شیخ کی خدمت میں جائے اور خیال کرے کہ شیخ کا عیب اس پر ظاہر ہو چکا ہے اور وہ پچھلے درجہ سے ترقی کر کے بلند درجہ پر پہنچ چکا ہے۔ ایک بات سے بات یاد آگئی ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ شیخ بھی انسان ہوتے ہیں۔ مجھے ایک شیخ سے مُنحرف ایک بندہ ملا، میں نے اُس سے گزارش کی کہ بھائی یاروں کے ساتھ یاری نبھائی جاتی ہے تم کیوں چھوڑ بیٹھے۔ اُس نے کہا کہ بس میرا دل نہیں کر رہا۔ میں نے اُس کے اندر فلاں عیب دیکھا، فلاں عیب دیکھا علی ھذا القیاس۔ میں نے اُس سے کہا کہ بفرضِ مَحال اگر تمہارے شیخ کی معافی ہو جاتی ہے، اُس کی توبہ قبول ہو گئی، اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ!

"إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا "(الزمر:53)

اُس کی معافی ہو گئی تو تم کہاں جاؤ گے۔ لہذا کہتے ہیں کہ وہ شاخ جو اپنے درخت کے ساتھ لگی رہتی ہے اس پر بہار ضرور آتی ہے۔ جو شاخ اُس سے بے پرواہ ہو جائے اس پر بہار کبھی بھی نہیں آتی۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ!

"وہ بھیڑیں جو نہیں آتیں غلہ بانوں کی پناہوں میں　　　ہڈیاں اُن کی ملا کرتیں ہیں سحر کو راہوں میں"

یہ ایک نظام ہے اور اِس نظام میں اِس چیز کا بھی خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ خاص کر وہ لوگ جو شیوخ کے پاس رہتے ہیں، یہ بڑی سعادت ہے بخدا ایسا کرنے والے کو اللہ پاک بڑی جلدی اپنے مناصب عطا کر دیتا ہے لیکن اُس میں یہ خطرہ پایا جاتا ہے کہ اُس شخص کے دل میں یہ اعتراض پیدا ہو تو وہ اپنا پچھلا سارا کچھ بھی کھو بیٹھتا ہے۔ یہ اعتراض پیدا ہو تو جو میں نے آیت بتائی یہ بھی اور اس کے علاوہ صاحب عوارف المعارف نے استغفار بتایا ہے اور کچھ بزرگوں نے تیسرا کلمہ بتایا ہے۔ اس کی کثرت کی جائے تو انسان کے دل میں سے وہ خیال ضائع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شیطان یہ فریب اور اِس قسم کے وسوسے دِل میں ڈالنے کا ماہر ہے۔ اور وہ آگے لکھتے ہیں کہ شیخ طریقت اگر ناراض ہو جائے یا اُس سے کسی قسم کی بے التفاتی ظاہر ہو تو مُرید کو چاہئے اس سے کنارہ کش نہ ہو بلکہ اپنی حالت کا جائزہ لے اور دیکھے کہ کہیں شیخ کے حق میں اس سے کوئی گستاخی یا بے ادبی تو سرزد نہیں ہو گئی یا اُس کے حق کی ادائیگی میں اس سے کوئی کوتاہی تو نہیں ہوئی۔ اگر اس سے کوئی قصور ہوا ہے، اللہ کی جناب میں استغفار کرے اور پھر اپنے شیخ سے معذرت چاہے۔ اس کے سامنے عجز و انکسار کا اظہار کرے اور آئندہ شیخ کے حکم کے خلاف نہ کرے۔ میں موٹی موٹی باتیں، چیدہ چیدہ بیان کر رہا ہوں۔ جو لوگ اہل طریقت کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہیں، اُن کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں، اُن کے ساتھ وقت گزارتے ہیں اُن کو اِن چیزوں کا خیال کرنا چاہیے کہ صاحبِ نسبت شیخ اپنے آپ خُود بخُود نہیں بنتا۔ وہ اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے اور اگر اُس کے ساتھ اعتراض واقع ہو تو وہ اعتراض اللہ کی جناب تک پہنچتا ہے اور ایسا شخص ایمان سے محروم ہو سکتا ہے۔ پھر جہاں پر بھی چلا جائے، جہاں جہاں پر اللہ تعالیٰ کی خدائی ہے وہاں پر اس کے ساتھ وہ ہی معاملہ پیش آئے گا۔ یہ آداب حضرت سیدنا غوث پاکؒ نے غنیۃ الطالبین میں لکھے ہوئے ہیں۔ مُرید نہ ظاہر میں شیخ کی مخالفت کرے، نہ باطن میں کرے۔ کہ ظاہراً شیخ کی نافرمانی کرنے والا گستاخ و بے ادب ہے اور باطن میں اعتراض کرنے والا اپنی تباہی اور بربادی کا خواستگار ہے۔ جب شیخ نے اپنا آپ اللہ کے سپرد کر دیا تو اس سے پھر جو کچھ بھی سرزد ہو گا اس میں اللہ کی مرضی شامل ہو گی۔ جو شخص رہنمائی کا طالب ہے وہ اس سے اپنی رہنمائی تک کی غرض رکھے۔ اس سے بلا ضرورت نہ کوئی چیز چاہے اور نہ کوئی چیز اس کو دے۔ تا کہ اس کے دل میں اعتراض نہ آئے۔ نہ شیخ کی اتنی خدمت کرے کے بعد میں احسان جتائے یہ بھی اعتراض ہے۔ بعض لوگ بظاہر اپنے آپ کو مطعون کرتے ہیں لیکن اُن کے دل میں اعتراض ہوتا ہے اور یہ اعتراض ان کا حقیقتاً اپنے آپ پر نہیں ہوتا بلکہ اپنے شیخ پر ہوتا ہے۔ اس واسطے اگر دل چھوٹا ہو تو اُس کی خدمت ہی نہ کرے اور اگر خدمت کرے تو پھر اُس کے بارے میں اعتراض نہ لائے۔ اِس سے اپنی مرضی کی توقع نہ رکھے۔ کیونکہ اس نے جو کچھ بھی کرنا ہے اللہ کے حکم سے کرنا ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کا میں نے واقع عرض کیا تھا کہ ایک شخص آٹھ سال آپ کی خدمت میں رہا، وہ ''اسم اعظم'' حاصل کرنے کے واسطے آیا تھا۔ وہ ہر آنے والے دن کو آپ سے تقاضا کرتا تھا آپ پھر وعدہ فرما دیتے تھے۔ آخر کار ایک دن آپ نے ایک پیالہ سرپوش ڈھکا ہوا اس کو دیا کہ یہ میرے دوست کو دے آؤ۔ اس نے اس پیالے کو راستہ میں کھول لیا۔ اس کے اندر چوہا تھا وہ چھلانگ لگا کر بھاگ گیا، یہ واقعہ بہت سارے بزرگوں بشمول امام غزالیؒ، حضرت امام قشیریؒ اور حضرت داتا گنج بخشؒ نے بیان فرمایا ہے۔ جب وہ واپس آیا تو آپؒ نے اس کو فرمایا کہ تم ایک چوہے کی حفاظت نہیں کر سکے۔ میں نے بارہا

تمہیں "اسم اعظم" دینے کا ارادہ کیا لیکن مجھے منع کر دیا جاتا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے کیوں منع کیا جارہا تھا۔ آج تم نے خود دیکھ لیا کہ تم ابھی اس کے اہل نہیں ہوئے۔ ابھی اور وقت گزارو گے تو ہو سکتا ہے کہ تم اس کے اہل ہو جاؤ۔ بہر حال شیخ طریقت کی طرف سے اگر کسی پر کوئی شفقت ہو یا نہ ہو اس کا دارومدار امر الٰہی پر ہوتا ہے اس کی اپنی مرضی پر نہیں ہوتا۔ کوئی بندہ اگر کسی کے ساتھ جھگڑے کہ تم نے اس کے واسطے دعا کی میرے واسطے نہیں کہ فلاں کو دے دیا اور مجھے نہ دیا۔ بخدا اس سے وہ معذور ہے۔ اس میں اس کی اپنی کوئی مرضی شامل نہیں ہوتی۔ اگر کوئی اپنی مرضی کے ساتھ کرے تو پھر وہ شیخ نہیں رہتا۔ شیخ اور مُرید کے تعلقات کے بارے میں حضرت امام قشیریؒ نے بھی ایک پورا مضمون بیان کیا ہے۔ یہ چیزیں اکثر نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ انسان کے واسطے اس کی عاقبت کو تباہ کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ اس واسطے ان کا گزارش کرنا ضروری ہے۔ آپؒ نے پورا ایک باب اِس موضوع پر لکھا ہے باب کا نام ہے "مشائخ کا دل رکھنا اور ان کی مخالفت نہ کرنا"۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضرؑ سے عرض کی، گزارش کی تھی کہ!

"هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا" (الکھف:66)

کیا میں آپ کے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ آپ کی تابعداری کروں "هَلْ أَتَّبِعُكَ" کیا میں تمہاری اتباع کر سکتا ہوں، تمہاری پیروی کر سکتا ہوں، تیرے پیچھے پیچھے چل سکتا ہوں "عَلَى" کس بات پر کہ "أَنْ تُعَلِّمَنِ" تم مجھے سکھا دو "مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا" جو ہدایت کی بات تمہیں سکھائی گئی ہے۔ حضرت امام ابو القاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کی صحبت کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے ادب کی شرائط کو ملحوظ رکھا اور سب سے پہلے صحبت میں رہنے کی اجازت طلب کی۔ پھر حضرت خضرؑ نے ان پر شرط رکھی کہ نہ تو ان کے کسی کام کی مخالفت کریں گے اور نہ ہی ان پر اعتراض کریں گے۔ حالانکہ وہ ولی تھے اور آنے والے نبی تھے۔ لیکن نبی کو پابند کر دیا گیا کہ نہ وہ کسی کام کی مخالفت کرے گا، نہ اس پر اعتراض کرے گا۔ آپؒ نے اس پر ایک پورا مضمون لکھا ہے وہ پھر انشاء اللہ کسی وقت عرض کروں گا۔ میں چند ایک مثالیں جو انہوں نے بیان کی ہیں وہ عرض کر رہا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا حضرت شیخ ابو عبد الرحمٰنؒ فرماتے تھے کہ میں اپنے اُستاد اور شیخ ابو سعل سالوکیؒ کی زندگی میں کسی پردیس علاقے میں چلا گیا میرے جانے سے پہلے ان کی طرف ہر جمعہ کی صبح کے وقت قُرانِ پاک کے دور اور ختم کی مجلس ہوتی تھی۔ جب میں واپس آیا تو مجلس بند ہو چکی تھی اور اس وقت وہ واعظ کر رہے تھے۔ میرے دل میں کچھ خیال پیدا ہوا کہ شاید اِن کا تنزل ہو گیا ہے کہ یہ اپنے درجے سے گر گئے ہیں۔ لہٰذا میں دل میں کہنے لگا کہ ختم کی مجلس قول کی مجلس میں بدل گئی۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے فرمایا اے ابو عبد الرحمن لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں، میں نے عرض کیا وہ کہتے ہیں کہ قُرانِ پاک کی مجلس ختم ہو گئی اور قول کی مجلس شروع ہو گئی۔ انہوں نے فرمایا جس نے اُستاد کے بارے میں یہ کہا کہ انہوں نے یہ کیوں کیا وہ کبھی قرار نہیں پائے گا۔ جو کچھ کیا وہ اللہ کی مرضی سے تھا۔ اس کے بعد آپؒ نے ایک واقعہ حضرت ابوالحسن حمدانی علویؒ کا بیان کیا ہے۔ یہ واقعات حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی ان سے منسوب فرمائے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضرت جعفر خلطیؒ کے پاس تھا اور میں نے اپنے گھر حکم دیا تھا کہ پرندہ تندور میں لٹکا دیا

جائے۔ میں جب ان کے پاس گیا تو اس وقت میرا دل اس پرندے کی طرف لگا ہوا تھا کہ وہ پک چکا ہو گا اور میں اجازت لوں اور جلدی جا کر اس کو کھاؤں۔ حضرت جعفرؒ نے مجھ سے کہا کہ آج میرے پاس ٹھہر جاؤ۔ میں نے بہانا کر دیا اور اپنے گھر لوٹ آیا۔ پرندے کو تندور سے نکال کر میرے سامنے رکھا گیا، دروازے میں سے کتا داخل ہوا اور پرندے کو اٹھا کر لے گیا۔ پھر کھچڑی لائی گئی، خادمہ کے دامن سے الجھ کر گر گئی۔ صبح میں جب حضرت جعفر کے پاس گیا، ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو کہنے لگے جو شخص مشائخ کے دل کا پاس نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اُس پر کتا مسلط کر دیتا ہے جو اس کو اذیت دے۔ اسی طرح انہوں نے مختلف واقعات بیان کیے ہیں لیکن میں طوالت کے پیش نظر صرف ایک پر ہی اکتفاء کرتا ہوں۔ آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ جس شخص سے اس کا شیخ راضی ہوا اسے شیخ کی زندگی میں جزا نہیں دی جاتی تاکہ اس کے دل سے اپنے شیخ کی تعظیم زائل نہ ہو جائے۔ شیخ کی زندگی میں عموماً یہ ہر کسی کی بات نہیں عموماً اسے اس کی جزا نہیں دی جاتی تاکہ اُس کے دل سے اپنے شیخ کی تعظیم زائل نہ ہو جائے اور جب شیخ دُنیا سے پردہ فرمالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مُرید پر وہ چیزیں ظاہر کرتا ہے جو شیخ نے اُس کے لیے مانگی ہوتی ہیں اور جس شخص سے اس کا شیخ ناراض ہو جائے اسے بھی شیخ کی زندگی میں سزا نہیں دی جاتی تاکہ کہیں شیخ کا دل پسیج نہ جائے کیونکہ شیوخ اپنے دل میں محبت زیادہ رکھتے ہیں، تو کہیں اُس کا دل اُس کی طرف موم نہ ہو جائے اس کو اس کی زندگی میں سزا نہیں دی جاتی اور جب شیخ پردہ فرما جاتا ہے تو اس کی سزا تب اس کو دی جاتی ہے۔ یہ کام لمبا چوڑا ہے۔ اس چیز سے احتیاط کرنی چاہیے۔ کم از کم وہ مشائخ جو اہلِ نسبت ہیں، ان کا تعلق کیوں کہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ کسی کامل کے ساتھ جڑے ہوئے ہوتے ہیں لہذا جب کوئی شخص ان کی تحقیر یا ان پر اعتراض کرتا ہے، اس کا اعتراض اللہ تک پہنچ جاتا ہے اور اس کا اپنا ایمان اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ شیوخ انتہائی نرم دل ہوتے ہیں لیکن اللہ پاک کی حدیں پھلانگنا ممکن نہیں۔ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عبد اللہ بن ابی کے واسطے اپنا کُرتہ پیش کیا تھا اور اس کی قبر پر جا کر کھڑے ہوئے، لیکن اللہ پاک نے فرمایا میرے محبوب ﷺ جس نے آپ کو تکلیف دی میں اس کو معاف نہیں کروں گا جو مرضی ہو جائے۔ بہرحال اللہ پاک کا اپنا نظام ہے۔ وہ اس نظام کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ تاکہ دُنیا میں اچھائی اور بُرائی کی تمیز رہے۔ ہر اس شخص کو جو اپنے کردار کی تعمیر چاہتا ہے اور اپنی منزل حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو اس چیز سے اجتناب کرنا چاہیے۔ شیخ اور مُرید کا جو تعلق ہے وہ دو طرح کا ہے۔ ایک یہ کہ شیخ کے ساتھ کس طرح کا تعلق رکھے اور دُوسرا یہ کہ کن کن چیزوں سے اجتناب کرے۔ کون سی خوراک لے اور کس سے پرہیز کرے۔ میں نے دونوں چیزیں تفصیل کے ساتھ عرض کر دی ہیں۔ جتنی ضروری تھیں۔ ان چیزوں کے ساتھ جو لوگ آگے بڑھنے والے ہیں ان کو فائدہ ہو گا۔ میں خود اس چیز سے آگاہ ہوں کہ میں نے اپنے شیخ کو بھی اور دیگر شیوخ کو بھی یہ ہی کلام فرماتے ہوئے سنا ہے۔ انہوں نے اسی موضوع کے متعلق مجھے مختلف واقعات بھی سنائے تھے۔ بشرطِ توفیق وہ بھی کبھی گزارش کروں گا۔ یاد رکھیں کہ اپنے شیخ کی طرف کہتے ہیں کہ "اوہدی اوہ جانے" اُس نے اپنا جواب اپنے رب کو دینا ہے، کیونکہ اُس کو کامل کی نسبت حاصل ہے عین ممکن ہے اُس کی بخشش ہو جائے۔ اگر اُس کی بخشش ہو گئی تو اعتراض کرنے والا پھنس جائے گا۔ وہ واقعتاً گُناہ گار رہے۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص صاحبِ نسبت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو منکرات

سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کو سُنت رسول ﷺ پر قائم رکھتا ہے۔ اللہ رب العزت توفیق عمل عطا فرمائے۔ آج کی گزارشات شیخ کے سلسلہ میں تھیں۔ کچھ پہلے گزارش کی تھیں اور باقی آج گزارش کی ہیں کہ ان پر پورے پورے باب لکھے گئے ہیں۔ یہ اتنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر صحیح راستہ پر نہیں چلا جا سکتا۔ راہ چلتے ہوئے اگر کسی کو پھر دوبارہ اپنا وہ سفر کرنا پڑ جائے یا اس کا راستہ اس سے جاتا رہے تو اس سے بہتر ہے کہ وہ تھوڑی سی احتیاط کر لے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص خانہ کعبہ کو اینٹ اینٹ کر کے اکھاڑ تا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا مجُرم نہیں جتنا وہ شخص مجُرم ہے جو کسی مومن کی تحقیر کرے۔ اس کی بے ادبی کرے چاہے ظاہراً کرے یا باطناً کرے۔ اس چیز سے اجتناب کرنا چاہیے اس کے بارے میں اللہ، اُس کے محبوب ﷺ اور مشائخ طریقت نے واضح طور پر احکامات ارشاد فرمائے ہیں۔ اِس سلسلہ میں اگر کسی کو کوئی بات سمجھ نہ آئی ہو تو وہ دوبارہ سمجھ سکتا ہے۔ آئندہ انشاء اللہ مُرید کے آپس کے تعلقات کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ مُرید ہر اس شخص کو نہیں کہتے جو بیعت ہو جائے۔ حقیقت میں مُرید وہ ہوتا ہے جو اپنے اندر اصلاح کی کوشش کرے۔ جس شخص کو یہ چیز حاصل نہ ہو تو وہ پھر راستہ میں ہی رہ جاتا ہے۔ اس واسطے جستجو کرتے رہنا چاہیے۔ میرے آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کے راستہ میں قدم اٹھاتا ہے وہ اس تک پہنچ جاتا ہے۔ بشر طیکہ وہ اس طریقہ سے جو میں عرض کر رہا ہوں اپنا راستہ خراب نہ کرے۔ چلتا رہے تو ایک نہ ایک دن وہ اپنی منزل پر پہنچ ہی جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ!

"جیہڑی بکری واڑیوں نِکھڑی اوہ بگھیاڑاں جو گی"

جو اپنے واڑے میں رہتی ہے اس کو کوئی بھی ہاتھ نہیں ڈالتا۔ جو ڈبہ اپنے انجن کے ساتھ چلتا رہے چاہے وہ تھرڈ کلاس کا ہو یا فرسٹ کلاس کا ہو منزل پر پہنچ ہی جاتا ہے۔ اگر کوئی ڈبہ انجن کے ساتھ اعتراض کر بیٹھے تو پھر اس کا کنڈا ٹوٹ جاتا ہے، جلدی نہ سہی آہستہ آہستہ کمزور ہوتے ہوتے وہ کنڈا ٹوٹ جاتا ہے اور پھر ڈبہ کہیں اور انجن کہیں۔ یہ قدرت کا نظام ہے۔ یہ شرط صرف اسی سلسلہ میں نہیں بلکہ ہر ہنر سیکھنے کے لیے اپنے اُستاد کی پیروی ضروری ہے۔ جن لوگوں نے بھی اپنے اُستاد کا ادب کیا وہ کامیاب ہو گئے۔ جنہوں نے بھی اپنے اُستادوں سے اعتراض کیا وہ کبھی بھی اپنی منزل تک نہیں پہنچے۔ اُستاد کی پیروی منزل مقصود حاصل کرنے کے واسطے شرط ہے۔ میں نے آنکھوں کی سرجری کی جو تعلیم حاصل کی، اُن اُستاد صاحب کی پرچیاں [چِٹیں] اب بھی موجود ہیں جو وہ اپنے مریضوں کو دے کر میرے پاس بھیجتے تھے کہ اِس مریض کو فلاں دوائی دے دو یا اس کا فلاں ٹیسٹ کر دو۔ میں اُن کے وہ احکامات بھی سر آنکھوں سے لگا کر سنبھال لیتا تھا۔ یہ دُنیا کے اُستاد کی بات ہے۔ وہ بھی سنبھالے ہوئے ہیں اور الحمد للہ اللہ پاک نے یہ چیز نصیب کی آپ سب کے سامنے ہے کہ اللہ کریم نے مجھے لاکھوں آپریشنوں کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ سب اُستاد کے ادب کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے اُستاد کو دھوکہ دیتا ہے تو پھر اُس کو کبھی ہنر آتا ہی نہیں۔ چاہے وہ ڈگری لے لے اُس کو علم حاصل نہیں ہوتا۔ یہ جو نظام ہے اِس میں تو شیخ اکائی ہے۔ جب تک ارادت والا اپنی عادتیں شیخ کی عادتوں کے ساتھ نہ ملا لے جیسا کہ کہتے ہیں کہ!

"جو سَاڈے اندر وَسے ذات اَساڈی سوئی   جس دے نال میں نیوہ لگایا اُوہدے وَر گی ہوئی"

اِس میں شیخ طریقت کا تعلق بہت گہرا ہوتا ہے اور وہ صرف کلاس میں توجہ نہیں رکھتا بلکہ کہتے ہیں کہ!

"مُرشد وسے سہہ کوہاں تے مینوں دِسے نیڑے ہُو   کی ہویا بُت اوہلے ہویا اوہ وَسے وچ میرے ہُو"

اللہ پاک شکل وصورت سے پاک ہے اس کے فیضان اور اس کے انوار کو حاصل کرنے کے واسطے اللہ پاک نے یہ شرط لگادی کہ بندہ بندے کے ذریعے حاصل کرے۔ دیکھیں کہ جب فرض نماز ادا کرنی ہے تو ہم آگے امام کو کھڑا کر لیتے ہیں۔ جب تک اللہ اور بندے کے درمیان بندہ داخل نہیں ہوتا نماز کا درجہ نہیں بڑھتا۔ اُستاد کی خاص کر اس میدان میں بہت اہمیت ہے، اس نظام میں بحیثیت انسان امام کی جو اہمیت ہے وہ مرکزی ہے۔ جب تک یہ نہ ہو اُس وقت تک بات نہیں بنتی۔

"جاگ بنا دودھ جمدے ناہی باہُو   بھاویں لال ہو ون کَڑھ کَڑھ کے ہُو"

باہو صاحبؒ نے ہی فرمایا تھا کہ!

"مُرشد باجوں جے فَقر نہ آوے وچ کفر دے بوٹے ہُو   تسبیح نَپ وچ بَھن مسیتی جیویں مُوش بھوے وڑھ کھڈے ہُو"

یہ چیز بغیر شیخ کے ممکن نہیں۔ جو کچھ عرض کیا حق بات کہنے کے واسطے عرض کیا۔ بخدا اِس میں نہ کوئی اپنی غرض وابستہ ہے اور نہ خدا تعالیٰ کوئی غرض پائے۔ کیونکہ جو شخص نسبت کے چینل میں آجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کسی کا محتاج نہیں رکھتا۔ اس کو کسی کی غرض نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ جو کچھ عرض کیا یہ آپ کے اُس راستہ کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے۔ شیخ پہلی اکائی ہے اس کا ہونا معرفت اور ارادت دونوں کے واسطے ضروری ہے۔ اللہ پاک اِس تعلق کو پکا رنگ چڑھادے، جتنا زیادہ رنگ چڑھتا ہے اتنا ہی انسان کے اندر نکھار آجاتا ہے کہتے ہیں کہ!

"اٹھ بلھیا یار منا لے لا کے سر دی بازی"

جب تک یار راضی نہیں کریں گے اس وقت تک بات نہیں بنے گی۔ بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہوا ہے یہ اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات ہیں۔ ہم تصوف کی وہ کتابیں ریفرنس بکس کے طور پر لے رہے ہیں جو آج سے ہزار سال پہلے خالص تصوف پر لکھی گئی ہیں جب کہ ابھی اس کے اندر کسی قسم کی کثافت اور کسی قسم کی کوئی بدعت داخل نہیں ہوئی تھی یہ کتابیں اس وقت لکھی گئی تھیں۔ اللہ رب العزت ہمیں صحیح راستہ پر عمل کی توفیق دے اور اللہ کرے تعمیرِ کردار ہمارے نزدیک آجائے۔ آمین۔ وماعلینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف۔12

دورانیہ۔52منٹ۔تاریخ۔2013-08-22

بمقام۔مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہ کریم نے قُرانِ پاک میں ارشاد فرمایا!

"فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ(36) رِجَالٌ لاَ تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلاَ بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلاَةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالأَبْصَارُ"(النور:37،36)

قُرانِ پاک کے جو چند الفاظ تلاوت کیے اللہ کریم نے ارشاد فرمایا"فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ" یہ وہ گھر ہیں جن کے واسطے اللہ نے حکم دیا ہے۔"أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ" کہ ان گھروں میں اللہ کا ذکر بلند کیا جائے اور"يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ" صبح شام اللہ کی تسبیح بیان کی جائے۔"رِجَالٌ لاَ تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلاَ بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ" یہاں پر وہ لوگ رہتے ہیں جن کو خدا کے ذکر، نماز کی ادائیگی اور زکوۃ دینے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔"يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالأَبْصَارُ" یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔حضرت شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے قُرانِ پاک کی اس آیت سے خانقاہ مُراد لی اور فرماتے ہیں کہ وہ گھر سے مُراد وہ جگہیں ہیں جو صوفیاء کا مسکن ہیں اور وہ صبح شام اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔کچھ تفاسیر میں لکھا گیا کہ اس سے مُراد مساجد ہیں۔لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابو بکر صدیقؓ کھڑے ہوئے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ کیا ان گھروں میں حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت فاطمۃ زہراؓ کا گھر بھی شامل ہے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ ان میں سے بڑھ کے ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے مُراد صرف مساجد نہیں بلکہ وہ خانقاہیں جہاں بزرگ لوگوں کا ڈیرہ ہوتا ہے اور اُن کے پاس رہنے والے اُن کی موافقت میں اللہ کا ذکر، نماز کی ادائیگی، رسول پاک ﷺ کی صفت و ثناء اور دیگر نیک اعمال کی نہ صرف ادائیگی کرتے ہیں بلکہ اُس کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔اِس سے خانقاہیں مُراد ہیں۔آج خانقاہوں کے سلسلہ میں جو"رِبَاط" کی گزارش کی تھی وہ بیان کرنی ہے لیکن مختصراً اپنے اس مضمون کا اعادہ کیا تاکہ نئے شامل ہونے والے ہمارے پچھلے سیاق و سباق سے آگاہ ہو جائیں۔پچھلی محفل میں شیخ اور مُرید کے درمیان relationship یا تعلق کے بارے میں گزارشات کی گئیں۔جس کا ایک حصہ پہلے بیان کیا گیا تھا اور دُوسرا گزشتہ جمعرات کو بیان ہوا۔ایک حصہ یہ تھا کہ پہلے تو شیخ کا status بیان کیا گیا کہ شیخ کس کو ہونا چاہیے۔اس کو میں نے دوبارہ بیان

کیا۔ اس کے بعد شیخ اور مُرید کے درمیان جو ربط اور تعلق خاطر ہے اس کی نوعیت کیا ہونی چاہیے۔ اس بارے میں میں نے گزارش کی تھی کہ ہر حکیم اور معالج کسی شخص کا علاج کرتا ہے، دوائی دیتا ہے اور اس کے ساتھ اس کو یہ بتاتا ہے کہ کیا کیا پرہیز کرنی ہے اور کیا کیا چیز کھانی ہے۔ کون سی خوراک استعمال کرنی ہے اور کس سے پرہیز کرنی ہے۔ ان دونوں چیزوں کے بارے میں شیخ کے ساتھ جو تعلق ہے اس میں کیا کیا ضابطے ہیں جن پر عمل ہونا ہے اور کون سی باتیں ہیں جن سے پرہیز کرنی ہے۔ اس سلسلہ میں میں تفصیلاً تو عرض کر چکا لیکن پھر دوبارہ دہرانے کے واسطے بتا رہا ہوں کہ جب مُرید اور شیخ کے درمیان رشتہ رُوحانی پیدا ہو جاتا ہے اس وقت مُرید شیخ کا جزو بن جاتا ہے۔ اس طرح جس طرح کسی شخص کے جسم کا کوئی حصہ ہو۔ اگر اس کو کوئی تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ حقیقتاً رُوحانیت کے اتصال کی ایک شکل ہے کہ مُرید اپنے شیخ کی رُوحانی اولاد قرار پاتی ہے۔ اس بارے میں تفصیلاً گزارش کر چکا اب صرف اِشارۃً گزارش کرنا ہے کہ حضرت غوث پاکؒ نے غنیۃ الطالبین کے اندر فرمایا کہ یہ اللہ پاک کی مشیعت مبارکہ ہے کہ ایک مُرید ہو اور ایک پیر ہو، ایک بادشاہ ہو، ایک مصاحب ہو اور ایک شاگرد ہو، ایک اُستاد ہو علی ھذا القیاس۔ آپؒ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا امر ہے اور اللہ رب العزت کا راستہ حاصل کرنے کا واحد یہ ہی ذریعہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ہدایت مطلوب ہے تو وہ اس شخص کے ساتھ جا کر اپنا ربط جوڑ لے جو ہدایت کے راستہ پر گامزن ہے۔ آپؒ نے اس سِلسلہ میں کچھ ہدایات بیان فرمائی ہیں۔ چونکہ پہلا حصہ میں دو دفعہ بیان کر چکا ہوں، اب جن چیزوں سے بچنے کی ضرورت ہے ان کی طرف آتا ہوں۔ آپؒ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں آداب المُریدین کے باب میں واضح طور پر فرمایا کہ ظاہر کے اندر اپنے شیخ کی مخالفت کرنے والا گستاخ اور گناہ گار ہے اور باطن کے اندر جو شخص اس پر اعتراض کرتا ہے، وہ یا تو احتیاطاً یا خوف کھاتے ہوئے اس کو نہ بتانے کے واسطے اپنے دل کے اندر اس پر اعتراض کر بیٹھتا ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنی ہلاکت اور تباہی کا خواستگار ہے اور جہاں جہاں اللہ کی حکومت ہے وہاں وہاں تک اس کو اس کی سزا ملتی ہے۔ یہ ایک ضروری عمل ہے کہ انسان اپنے شیخ کی مخالفت کسی صورت میں بھی نہ کرے۔ اس سلسلہ میں آپؒ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی مثال بیان کی کہ جب حضرت خضر علیہ السلام ایک خاص علم کے حصول کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچے اس کی آگاہی کے واسطے۔ تو آپؑ نے حضرت خضر علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ کیا میں تمہاری پیروی اس بات پر کر سکتا ہوں کہ!

"هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا"(الکھف:66)

کہ تم مجھے وہ چیز سکھا دو، کیا میں تمہاری مُطابَعَت کروں، تیری پیروی کروں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری کسی بات پر اعتراض نہیں کروں گا۔ "هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ" کہ تم مجھے وہ بات سکھا دو "مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا" جو تمہیں سکھائی گئی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے گزارش کی تھی کہ حتیٰ کہ وہ ولی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے لیکن اِس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے اُن کو گزارش کی تھی کہ جو میں کام کروں گا اُس پر آپ نے مجھ پر اعتراض نہیں کرنا۔ علم کے حصول اور رشد و ہدایت کی واحد یہ شرط ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ شیخ اور مُرید کے درمیان اس شرط کو قائم رہنا چاہیے۔ اگر مُرید کسی طرح بھی اپنے شیخ پر اعتراض کر بیٹھے تو وہ اس سے حصول برکات سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت امام قشیریؒ نے اپنے رسالہ قشیریہ میں پورا باب تحریر فرمایا تھا۔ میں اس میں سے صرف ایک مثال بیان کرتا

ہوں، باقی پوری تفصیل میں نہیں جاتا، گزارش کرتا ہوں کہ آپؒ نے حضرت احمد بن یحییٰؒ سے یہ روایت کی کہ جس شخص کا شیخ اس سے راضی ہو جائے اس کو شیخ کی زندگی میں راحت نہیں دی جاتی تاکہ اُس کے دل میں سے اپنے شیخ کی تعظیم زائل نہ ہو جائے۔ جو شخص اپنے شیخ کی خدمت کرتا ہے، اس کی جزا اور اس کا انعام اس کی زندگی میں نہیں دیا جاتا تاکہ اس کے دل سے شیخ کی تعظیم زائل نہ ہو اور بے ادب نہ ہو جائے، جب شیخ پردہ فرما جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مُرید پر وہ چیزیں ظاہر کرتا ہے جو اس کے شیخ کی منشاء ہوتی ہے اور اگر کسی شخص کے ساتھ اس کا شیخ ناراض ہو جائے تو بھی شیخ کی ظاہری زندگی میں اس کی سزا نہیں دی جاتی کہ کہیں شیخ کا دل پسیج نہ جائے اور اُس پر رحم نہ آجائے۔ کیونکہ ان لوگوں کے دلوں میں کرم اور مہربانی پائی جاتی ہے۔ پس جب شیخ کا انتقال ہو جاتا ہے تو اُس کے بعد اُس کو وہ سزا دے دی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت امام قشیریؒ اور حضرت داتا گنج بخشؒ اور شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے ایک ہی مضمون مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں آگے چلتے ہوئے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بیان فرماتے ہیں کہ مُریدین کی صُحبت شیخ کے ساتھ دو مراتب اور مدارج کے اندر تقسیم ہے۔ پہلا مَرتبہ شیر خوارگی کا اور دُوسرا مَرتبہ ترک شیر خوارگی۔ شیر خوارگی سے ان کی مُراد یہ ہے کہ جس طرح کوئی بچہ اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے اس کا ایک دورانیہ ہوتا ہے اس کے بعد اس کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے۔ اس طرح جب شیخ کے ساتھ کوئی مُرید وابستہ ہوتا ہے، کچھ عرصہ وہ شیخ کی صُحبت میں ہمہ وقت حاضر رہتا ہے، شیخ کو اس کی شیر خوارگی کا علم ہوتا ہے، پس مُرید کو چاہیے کے وہ شیخ کی اجازت کے بغیر اس سے جدا نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدی ﷺ کو ادب سکھانے کے واسطے قُرانِ پاک میں ارشاد فرمایا!

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا
وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ" (الحجرات:15)

کہ مومن وہ ہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور جب وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو پھر اس وقت تک نہیں جاتے جب تک وہ ان کی بارگاہ میں سے اجازت حاصل نہ کرلیں۔ لہذا جب وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں اجازت چاہیں تو یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مرضی ہے کہ جس کو چاہیں اجازت دے دیں۔ اس سے انہوں نے اس چیز کا استدلال لیا ہے کہ جب کوئی مُرید اس دورانیہ میں ہوتا ہے جس کو آپؒ نے مَرتبہ شیر خوارگی کا نام دیا ہے تو اس کے دوران مُرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر صُحبت تَرک نہ کرے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ شیخ مُرید کو خود سے جدا ہونے کی اجازت اس وقت دیتا ہے جب وہ جان لیتا ہے اور اچھی طرح سمجھ لیتا ہے کہ اب اس کی شیر خوارگی چھڑوانے کا وقت آگیا ہے اور اب مُرید کو اس کے اپنی زندگی کے اگلے حصہ کے لیے اجازت دینی چاہیے۔ شیخ یہ اندازہ کرلیتا ہے کہ اب اس مُرید کو اپنے نفس پر قابو حاصل ہو گیا ہے۔ اِستقلالِ نَفس سے کام کرسکتا ہے۔ اِستقلالِ نَفس کا معانی یہ ہے کہ وہ ہر صورت میں اپنے رب کی رضا کو مُقدم جانے، اپنے نفس کو اس پر مستقل رکھے۔ اس کو استقامت دوام کہتے ہیں۔ مستقل رہنا۔ اپنے باطن اور اپنے نفس امارہ کو وہ شخص اس بات پر پابند کرلیتا ہے کہ وہ اللہ کی مخالفت نہیں کرے گا۔ جب اِستقلالِ نَفس حاصل ہو جائے، اس

وقت اس کو اللہ تعالیٰ کی حکمتیں سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ اس پر اسرار الٰہی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اللہ کریم اس کی رہنمائی شروع فرما دیتا ہے۔ اس کو اچھے بُرے کی آگاہی ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ اللہ پاک ہر کام میں اس کی رہنمائی فرماتا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کا نظام ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے ہر دور میں اپنے بندوں کی رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پچھلی دفعہ گزارش کی تھی، آپؒ فرماتے ہیں کہ جب شیخ اس بات کو جان لیتا ہے کہ اس کی شیر خوارگی کی مدت ختم ہونے والی ہے، یعنی اس کے دودھ چھڑوانے کا وقت آگیا ہے، تو وہ جو شیر خوارگی کا دورانیہ تھا اس نے اس کو کامیابی کے ساتھ گزار لیا تو پھر شیخ اس کو خَرقَہ خلافت عطا کر کے یا خَرقَہ اِجَازت عطا کر کے اپنے سے جُدا کر دیتا ہے۔ لیکن اس وقت تک مُرید کو اس کی صُحبت میں ہمہ وقت رہنا ضروری ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اگر مُرید شیر خوارگی کی مدت ختم ہونے سے پہلے اپنے شیخ سے جدا ہو گیا تو پھر وہ ان بدعتوں میں پھنس جائے گا جو دُنیا کی طرف رجوع کرنے والی ہیں۔ ان خواہشات کی پیروی کرے گا جو اس کو دُنیا اور آخرت کی ذلت سے دوچار کر سکتی ہیں۔ اس کو ایسی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا جیسی اس شیر خوار بچے کو پیش آتی ہیں جس کا دودھ قبل از وقت چھڑا لیا جائے۔ اس کو بہت ساری بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اس مُرید کو بے شمار نفس کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ اس لیے جب تک شیخ مُرید کو از خود اجازت نہ دے اس کا شیخ کی صُحبت میں رہنا ضروری ہے۔ اس کے بعد آپؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح شیخ لباس کے معاملے میں مُرید کی اصلاح کرتا ہے، اسی طرح وہ مُرید کے کھانے پینے، روزہ رکھنے یا نہ رکھنے اور دُوسرے دینی کاموں میں تصرف کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ!

"وہ خدا ہی کیا جو بندوں سے احتراز کرے"

زاہد نے اپنے خُدا کو ساتویں آسمان پر بٹھا رکھا ہے۔ نہ اُسے کسی چیز سے منع کرے اور نہ اسے کسی چیز کا حکم دے۔ شیخ اللہ کا نمائندہ ہے، جب وہ مُرید کو کوئی بات کہتا ہے تو وہ اَمر الٰہی کے بغیر نہیں کہتا۔ اِس کے ساتھ اُس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ مُرید کی اصلاح شیخ اس طرح کرتا ہے کہ اس کے کھانے پینے، روزہ رکھنے نہ رکھنے اور دیگر دینی کاموں میں تصرف کرتا ہے اور ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے کہ جس میں مُرید کی بھلائی ہو۔ چنانچہ وہ کبھی اس کو ہر وقت ذکر میں مشغول رکھتا ہے اور کبھی فرائض نماز کے ساتھ نفل کا پڑھنا ضروری کر دیتا ہے۔ کبھی کلام الٰہی کی تلاوت پر اس کو پابند کر دیتا ہے۔ غرض یہ کہ شیخ کو انشاء باطن ہوتا ہے اس کو اللہ کی طرف سے رہنمائی ہوتی ہے اور مختلف مُریدوں کی عادات کی اس کو اطلاع ہوتی ہے۔ ہر شخص کی نوعیت، اس کی طبیعت، اس کے مزاج کو شیخ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی استعداد سے جان لیتا ہے اور اُس کے مطابق جو مُرید جیسی اصلاح اور تربیت کا اہل ہوتا ہے ویسی ہی اُس کی اصلاح اور تربیت کی جاتی ہے اور مُرید کو معاد و معاش میں اس کی استطاعت کے مطابق حکم دیتا ہے۔ کبھی اس کو نرم کپڑا پہننے کی تلقین کرتا ہے اور کبھی موٹا کپڑا پہننے کی، کبھی اس کو کسب معاش کی طرف لگا دیتا ہے اور کبھی اس کو دُنیا چھوڑ کر ذِکر اذکار کے اندر مصروف کرتا ہے۔ یہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی رہنمائی ہوتی ہے، لہٰذا اس کے کسی ایسے حکم پر اعتراض کرنا مُرید کے واسطے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ مُرید کو اپنی مرضی سے اپنی حالت میں تبدیلی نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے ساتھ اس کی باطنی حالت میں نقصان پیدا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا عموماً شیوخ جس شخص کو جو چیز اچھی لگتی ہے اس کے خلاف کرتے ہوئے اس کو حکم دیتے ہیں۔ اس طرح اس کی حق پر قائم رہنے کی استعداد بڑھ جاتی ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا!

"وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ"(العصر:103)

یہ شیخ کی ذمہ داری ہے۔یہ سورۃ العصر در حقیقت خانقاہی نظام کا منشور ہے۔اور

"وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ"(العصر:103)

یہ شیخ کے اختیارات کا بیان ہے۔کہ شیخ کامل اپنے مُرید حق کو حق کی "وَتَوَاصَوْا" وصیت نہ تو صرف زبانی تعلیم کرتا ہے اورزُبانی ہدایت دیتا ہے بلکہ توجہ کے ساتھ اُس کو اُس طرف مائل کرتا ہے۔"وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" حق کا مطلب یہ ہے کہ اچھے کام کی طرف۔"وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" کا مطلب یہ ہے کہ منکرات سے رک جانا۔صبر کہتے ہیں رک جانے کو ہر اس بات سے جو اللہ کو ناپسند ہے۔اس کے نفس کو کنٹرول کرنے کے واسطے شیخ اس کی خواہش کے خلاف حکم دیتا ہے۔اس کی جھوٹی خواہش نفسانی کو شکست دینے کے واسطے یہ ضروری ہے، حضرت شیخ الشیوخ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ کے کسی ایسے حکم پر کسی صورت بھی اعتراض یا کسی بھی صورت دل کے اندر یا باطن میں اس پر اعتراض یا ظاہری گستاخی ہر گز نہیں کرنی چاہیے۔کیونکہ یہ گستاخی اللہ کی بارگاہ میں پہنچتی ہے اور اس شخص کو راندہ درگاہ قرار دے دیا جاتا ہے۔بہر حال یہ انہوں نے شیخ اور مُرید کے درمیان جو ربط ہے، اس کے چند ایک موٹے موٹے نکات بیان کیے ہیں۔اب خانقاہی نظام کے بارے میں جیسا کہ میں نے پچھلی دفعہ عرض کیا تھا کہ جو میں نے آیت مبارکہ تلاوت کی، آپؒ فرماتے ہیں کہ جس جگہ، جس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ کے چاہنے والے جمع ہوتے ہیں انہی مقامات سے ایسے گھر مُراد لیے جاتے ہیں۔یہ صرف مساجد کے واسطے نہیں بلکہ وہ مساجد جن کے اندر دُنیاداری، سیاست اور اس قسم کے کام ہوتے ہیں وہ اس کے اندر شامل نہیں۔اس سلسلہ میں آپؒ نے فرمایا جو شخص خانقاہ نشین ہے وہ رِبَاط کے اندر رہ رہا ہے۔اس میں بھی انہوں نے قُرانِ پاک کی آیت بیان فرمائی ہے کہ رِبَاط کس کو کہا جاتا ہے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا"اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا" "رَابِطُوا" سے مُراد ثابت قدم رہنا۔"رِبَاط" اصطبل کو کہتے ہیں، جہاں گھوڑے باندھے جاتے ہیں۔مجاہدین سرحدوں کی حفاظت کے لیے سرحدوں پر گھوڑے باندھتے تھے۔آپؒ نے فرمایا کہ خانقاہی نظام در حقیقت عوام الناس کے واسطے ان کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔اس کی حیثیت در حقیقت مضبوط سرحد کی ہے اور اس میں رہنے والے مجاہدین ہیں۔آپؒ فرماتے ہیں کہ عبادت خانوں سے اوراد، تکبیرات و تسبیحات کا بلند ہونا جو کہ حسن نیت کے ساتھ ہو اور اس میں خلوصِ قلب شامل ہو یہ تمام گرہوں کو کھول دیتا ہے جن کو گردش فلکی مضبوطی سے باندھ دیتی ہے۔یعنی تقدیر کے مَسَائل حل ہو جاتے ہیں اور مشکلیں آسان کر دی جاتی ہیں۔اس موضوع کو حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔آپؒ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ہر علاقے میں اللہ کے بندے موجود ہوتے ہیں اور ان کے احوالِ قلب کی صفائی کے ساتھ، اس کی برکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس علاقے کے رہنے والوں کو رزق بھی دیتا ہے، ان کی مشکلیں بھی آسان کرتا ہے، ان پر اگر بارش ہونی ہے تو وہ بھی ان کی دعا سے ہوتی ہے اور اگر فصلیں سرسبز ہوتی ہیں تو وہ ان اولیا اللہ کی وجہ سے ہوتی ہیں۔یہ ہی بات انہوں نے لکھی ہے کہ خانقاہ نشین اگر اپنی خانقاہ میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی برکت سے پورا علاقہ سنور جاتا ہے۔اس پر

رب کی رحمت ہوتی ہے اور وہ مختلف بلاؤں اور آفتوں سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ تقدیر کے مسائل حل ہوتے ہیں۔گرہ کھل جاتی ہیں۔ اقبالؒ نے خوب کہا ہے کہ!

"نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں　　　　جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں"

آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیک آدمی کی بدولت اُس کی پوری اولاد، اُس کی اولاد کی اولاد اُس کے گھر والوں، اُس کے پڑوسیوں کے کاموں کو سدھار دیتا ہے اور جب تک وہ نیک بندہ اُن کے ساتھ رہتا ہے وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اُس کی امان میں رہتے ہیں۔ یہ چیز بارہا ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اور بخدا اس میں کوئی شک نہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ خانقاہ نشین بے شک دُنیاداروں کے کاموں میں دخل نہیں دیتے لیکن ان کی برکت کے ساتھ دُنیاداروں کے کام سیدھے ہوتے ہیں۔ ان کی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں اور ان کے رزق میں برکت ہوتی ہے۔ ان کو اللہ پاک کی نعمتیں وافر مقدار میں عطا کی جاتی ہیں اور ان سے مختلف آفتیں، تکلیفیں، بلائیں، پریشانیاں، فتنے اور عذاب دور کر دیئے جاتے ہیں اور واقعتاً ایسے ہی ہوتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ خانقاہ نشینوں کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ اپنا رشتہ اللہ کے ساتھ جوڑیں اور میل جول اور التفات سے اپنے نفس کو روکیں، بُرے کاموں سے اجتناب کریں، اپنی پچھلی عادتوں کو ترک کر کے اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں، اپنے اوقات کی نگہداشت کریں اور اپنے وظائف میں مصروف رہیں، نمازوں کا انتظام کریں اور غفلت سے خود کو محفوظ رکھیں۔ اگر وہ ان باتوں پر عمل کریں گے تو وہ زبردست مجاہد بن جائیں گے۔ حضرت شیخ الشیوخ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی کچھ احادیث بیان کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مکروہات دُنیا کے اندر وضو کا پورا کرنا، مسجدوں کی طرف قدم بڑھانا اور ایک نماز کے بعد دُوسری نماز کا انتظار کرنا یہ رِباط ہیں اور ان کے اندر جہاد کا ثواب ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ ہی چیز ارشاد فرمائی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ رِباط یعنی خانقاہ صوفیاء کا گھر ہوتا ہے یا ان کی خانقاہیں ہوتی ہیں۔ اور اہل رِباط، اہل خانقاہ اپنی اس صورت میں اصحابِ صُفہ کے ساتھ میل رکھتے ہیں اور ان کی سُنت پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ خانقاہ میں نوجوان، بوڑھے اور تنہائی پسند ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں جو بوڑھے لوگ ہیں وہ گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا نفس آرام کا خواستگار ہوتا ہے اور وہ اپنی حرکات و سکنات میں آزادی کو پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نوجوانوں کو چاہیے کہ شیخ کی ہدایات پر مکمل عمل کریں۔ خانقاہ میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو نوجوانوں کے حفظِ اوقات، ترک انفاس اور تربیتِ انفاس کا انتظام کر سکیں۔ جس سے ان کا اجتماع ان کی تدیع اوقات کا موجب نہ بنے۔ کیونکہ نوجوان جب مل بیٹھیں گے تو لہو و لہب اور دُنیاداری اور فضول گفتگو میں مشغول ہوں گے۔ اگر نوجوانوں کے اوقات میں لہو و لہب اور لذاتِ زندگی خلل ہونے کا امکان ہو تو پھر ان کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ وہ تنہائی کو طلب کریں اور گوشہ نشینی کو اپنے لیے لازم قرار دیں۔ یہ چیز عموماً اب خانقاہوں میں نہیں ہوتی ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ اکثر آستانے اجڑ چکے ہیں، ماسوا چند ایک بوڑھے درویشوں کے جو کونے میں بیٹھ کر تسبیح پھیرتے رہتے ہیں اور وہ عموماً بالکل حواس سے بھی عاری ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ نوجوانوں کے واسطے یہ گویا ایک شجر ممنوعہ بن چکا ہے۔ اس گئے گزرے دور میں بھی جن آستانوں پر نوجوانوں کو موقع ملتا ہے ان کو چاہیے کہ وہاں پر آپس میں بیٹھ کر گلہ گزاری،

ایک دُوسرے کے معاملات میں مداخلت، لہو ولہب اور لذات زندگی میں مصروف نہ ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عملی طور پر موبائل فون نے اس پورے تصور کو الٹ کرر کھ دیا ہے۔ میں دورانِ سفر راستہ میں اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے ساتھیوں کو بتا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہونا ان تمام لذات سے زیادہ پر لطف، پُر کیف اور لذیذ ہے۔ بشرط کہ اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق عطا فرمائے۔ معاشرے میں اس قدر خامیاں پیدا ہو چکی ہیں کہ بیان سے باہر ہیں، نوجوان ٹی وی، وی سی آر اور اس طرح کے تمام دیگر منکرات کو چھوڑ کر اور موبائل کی طرف سے توجہ ہٹا کر اگر اسم اللہ کا جس طرح ان کو تعلیم کیا جائے اس کے اندر منہمک ہو جائیں تو وہ اپنے اس پیالے میں ساری دُنیا کے نظارے دیکھ سکتے ہیں۔ کاش کہ ایسا ہو سکے۔ بہر حال آپؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص خانقاہ میں تازہ وارد ہوتا ہے اُس نے ابھی علم معرفت کا ذائقہ نہیں چکھا ہوتا اور رُوحانیت کے اعلیٰ درجے پر فائض نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ خانقاہ والوں کی خدمت کرے اور اُس کی یہ خدمت عبادت تصور کی جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اِس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ خادم خدمت کے باعث سستی اور کاہلی سے محفوظ رہتا ہے کہ یہی بطالت اور بیکار پن دل کی موت ہے۔ خدمت بھی صوفیاء کے نزدیک نیک کاموں میں شامل ہے۔ اس سِلسلہ میں آپؒ نے خادم کے بارے میں اس کے مختلف درجے بیان کیے ہیں۔ ”خادم، متخادم اور مستخدم“ اس کا بیان انشاء اللہ آئندہ کروں گا۔ آج خانقاہی نظام میں جو مُریدین کی صورتحال ہونی چاہیے یا جو خامیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کے سلسلہ میں کچھ گزارشات کی گئیں۔ لیکن مکمل نہیں اس واسطے کیونکہ آج وقت بہت گزر چکا۔ دراصل آج جمعرات کارش عام دنوں سے بہت زیادہ تھا اس لیے کہ بے شمار بوڑھے مریض رمضان المبارک کی وجہ سے یہاں پر نہ آسکے وہ اکٹھے ہو کر آگئے اور چونکہ پچھلی جمعرات نوچندی تھی اس وجہ سے پچھلی جمعرات کو ملاقات نہ ہو سکی۔ جس وجہ سے آج رش اس قدر زیادہ تھا کہ تقریباً پونے دو ہزار افراد کے ساتھ ملاقات کرنی تھی اور ان کے واسطے لا محالہ تقریباً گیارہ، بارہ گھنٹوں کی ضرورت تھی۔ تقریباً پونے گیارہ گھنٹے اس کام میں مصروفیت رہی۔ کیونکہ یہ بھی ایک خدمتِ خلق کا سلسلہ ہے۔ رُشد و ہدایت اور خدمتِ خلق ان دونوں کی ذمہ داری اس خادم کو بیک وقت ادا کرنی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے آج کا موضوع پچھلے موضوع کے اعادہ کے بعد مختصر رہ گیا۔ گزشتہ درس میں شیخ اور مُرید کے تعلق پر جو تفصیل بیان کی تھی اس میں سے اِشَارۃً ایک دو چیزیں آج بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ مُرید اپنے شیخ پر نہ ظاہر میں اعتراض کرے اور نہ باطن میں۔ ظاہراً اعتراض کرنے والا گستاخ اور گناہ گار ہے۔ بقول سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ وہ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ شیخ پر باطن میں اعتراض کرنے والا اپنی ہلاکت اور تباہی کا خواستگار ہے۔ ان چیزوں سے مکمل طور پر پرہیز کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جب بھی یہ صورت حال وارد ہوتی ہے، انسان اپنے ایمان سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اس کا تعلق حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ کٹ جاتا ہے۔ اور پھر وہ چاہے جتنی بھی نمازیں، جتنی عبادات کرتا رہے وہ بے کیف ہوتی ہیں اور ان میں کسی بھی صورت کسی قسم کا سرور، لذت اور حلاوت ایمانی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ دُوسری یہ گزارش کی تھی کہ ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو جرم قرار دیا ہے اور رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ کو اینٹ اینٹ کرکے اکھاڑ دے وہ اللہ کے نزدیک کم مجرم ہے اس کی نسبت جو کسی مومن کی توہین کرے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر مُرید کی آنکھوں کے سامنے اس کے شیخ سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے پھر بھی اس کی پردہ پوشی کرے اور اس چیز پر یقین رکھے کہ اس

کی اللہ کی بارگاہ میں توبہ قبول ہو جائے گی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسے اس کا کوئی گناہ نہیں۔ اگر اس کی توبہ قبول ہو گئی تو پھر جو شخص اس سے جدا ہو گا اس کا کوئی ٹھکانہ نہ دُنیا میں اور نہ آخرت کے اندر ہے۔ وہ اس چیز پر یقین رکھے کہ شیخ کا ہر عمل حکمت کے تابع ہوتا ہے اور وہ اپنی مرضی کے ساتھ کوئی کام نہیں کرتا۔ یہ تمام چیزیں سیدنا حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین کے اندر کھول کھول کر بیان کی ہیں۔ تفصیلاً میں عرض کر چکا ہوں یہ اب اعادہ کیا ہے۔ آج کا جو موضوع بیان کیا اس میں ''رِبَاط'' خانقاہوں کو کہا جاتا ہے، اس واسطے کہ یہ عوام الناس کے واسطے سرحدیں ہیں اور عوام ان صوفیاء کی وجہ سے بے شمار مصائب سے بچ جاتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ خانقاہی نظام جب تک قائم رہتا ہے عام آدمی خوشحال رہتا ہے اور اسلامی حکومت کو کفار سے ایک قسم کا تحفظ حاصل رہتا ہے۔ جب بھی کبھی ایسا وقت آیا۔ حضرت شیخ الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے دور میں تاتاری جو بغداد تباہ کر کے ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اس وقت غیاث الدین بلبن ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ وہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا مُرید تھا۔ آپؒ کی اس ارادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بلبن کو یہ طاقت بخشی کہ وہ ایک عظیم طوفان جو پوری اُمت اسلامیہ کو تباہ وبرباد کر کے ہندوستان کے دروازوں پر پہنچا تھا۔ اس کے معمولی سے اشارے سے تباہ وبرباد ہو گیا۔ اس کے پیچھے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی دعا شامل تھی۔ جب صوفیاء کا عروج ہوتا ہے۔ مسلمان آرام سکون کے اندر ہوتے ہیں اور ان کے حکمرانوں کو بھی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ جب خانقاہی نظام مشکلات کا شکار ہو جائے، عوام الناس کی حالت بھی خراب ہو جاتی ہے۔ ہر شخص معاشی اور مختلف قسم کے مصائب میں الجھ جاتا ہے۔ آج جو موضوع بیان کیا وہ یہ ہی تھا کہ خانقاہیں ''رِبَاط'' کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ سرحدیں ہیں اور ان میں رہنے والے مجاہد ہیں۔ جن کی وجہ سے مسلمان حفاظت اور سکون میں رہتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ گفتگو مُریدین کے طریقہ کار پر کی گئی کہ بوڑھے اور جوان ان کو اپنے اوقات کار، اپنے طریقہ کار کو وَضع کر کے اس کے مطابق خانقاہ پر رہتے ہوئے انہیں اس چیز کا احساس ہونا چاہیے کہ وہ کسی شیخ کی خدمت میں رہ رہے ہیں۔ میں صُحبت کا لفظ اس واسطے استعمال نہیں کرتا کہ صُحبت کا لفظ ایک دُوسرے میں برابری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خدمت کا لفظ میں اپنے شیخ کے لیے استعمال کرتا رہا۔ میں جب اپنے شیخ کی بارگاہ میں ہوتا تھا تو میں یہ گزارش کرتا تھا کہ میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ صُحبت کا لفظ میرے واسطے بے ادبی کا لفظ ہے۔ جب کوئی شخص آستان پر ہو اس کو اس احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ وہ ایک ایسے گھر میں ہے جس میں اللہ کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ ظاہری اور باطنی طور پر اپنے آپ کو نہ غفلت میں جانے دے، نہ کسی طرح بہکے اور نہ کسی طریقہ سے سستی اختیار کرے اور جو کام شیخ اس کے ذمہ لگائے، چاہے خدمت کا ہو، یا ذکر اذکار کا ہو، اس کو کماحقہ بجالائے۔ انشاء اللہ اس کے بعد جو خُدام ہوتے ہیں، کیونکہ آپؒ نے فرمایا کہ جو لوگ آستانوں پر آتے ہیں ان کو پہلے خدمت کی ڈیوٹی دی جاتی ہے۔ وہ ڈیوٹی کس طرح کی ہوتی ہے اس سلسلہ میں آئندہ بشرط توفیق گزارش کی جائے گی۔ کسی شخص کے ذہن میں جو کچھ آج بیان کیا یا پچھلے اسباق کے بارے میں کوئی سوال ہو تو وہ پوچھ سکتا ہے۔ الحمد للہ ہمارے اِس طریقہ کار کے ساتھ ہمارے اپنے اندر اصلاح کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے، اور اس کا اثر مجھے دیکھنے میں نظر آرہا ہے۔ اللہ کرے انشاء اللہ ہماری یہ جستجو کامیاب ہو۔ اس نظام کو تقویت ملے۔ نتیجتاً مسلمانوں کی حالت سنور جائے اور اللہ تعالیٰ مسلمان جس ذلت ورسوائی کا

اجتماعی اور انفرادی طور پر شکار ہیں اللہ پاک اُن کو اِس سے نجات عطا فرما دے۔ انشاء اللہ۔ اللہ کرے یہ پیغام لے کر لوگ دُنیا میں پھیلیں اور جگہ جگہ اس حقیقت کا احیاء کریں۔ کیونکہ یہ وہ ہی حقیقت ہے جس کا احیاء سب سے پہلے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مملکت عرب کے اندر فرمایا تھا۔ سب سے پہلے صوفی حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذَاتِ اَقدس تھی اور سب سے پہلی خانقاہ اصحابِ صُفہ کا چبوترہ تھی۔ جہاں پر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو فقط اللہ کی رضا کے واسطے اپنا سب کچھ چھوڑ کر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بار گاہِ اقدس میں حاضر ہو گئے تھے۔ ان کا کھانا پینا، اُٹھنا بیٹھنا، جاگنا سونا سب اللہ کی رضا کے واسطے تھا۔ اصحابِ صُفہ نہ دُنیا کے کسی کھیل تماشے میں حصہ لیتے تھے اور نہ ان کی اور کوئی ایسی مصروفیت تھی جو ان کو اللہ کے ذکر سے غافل کرتی ہو۔ ہمیں بھی کوشش کرنی ہو گی کہ ہر وہ چیز جو ہمیں اللہ کی یاد سے غافل کرے، اس سے اجتناب کریں۔ جب اللہ کا ذکر کسی کو تعلیم کر دیا جائے، اتنی اعلیٰ دولت کے ملنے کے باوجود اگر وہ اس سے اعراض کرے اور اس سے بے اعتناعی برتے تو ایسا شخص اللہ کی بار گاہ میں ناشکر اقرار پائے گا۔ وہ اس کے اندر توجہ کرے تو انشاء اللہ تو اُس کو دُنیا جہان کی نعمتیں اور بہترین نظارے اور تمام تر راحتیں نصیب ہو جاتی ہیں۔ میں اس سلسلہ میں مختلف مثالیں پیش کروں گا انشاء اللہ۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے جو کشف المحجوب شریف میں بیان کی ہیں۔ لیکن انشاء اللہ تعالی آئندہ بشرط توفیق۔ اللہ تعالیٰ جو کہا اور جو سنا گیا اس کو اپنی بار گاہِ اقدس میں قبول و منظور فرمائے۔ سوال نہ کرنے سے مجھے یہ سمجھ آتی ہے کہ شاید میری بات آپ سب کی سمجھ میں آگئی ہو۔ اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ بخدا میں نے اللہ رب العزت کی رضا کے واسطے اور اپنی اصلاح کے واسطے اس پورے سلسلہ کو جاری کیا تھا۔ چاہے تو کوئی اور بھی اِس بہتے دریا سے فیض یاب ہو جائے اُس کے واسطے صدائے عام ہے۔

"صدائے عام ہے یارانِ نُقطہ داں کے لیے　　　شاید کے تیرے دل میں اُتر جائے میری بات"

اللہ رب العزت اگر ہدایت نصیب کر دے تو انشاء اللہ نہ صرف تمہاری اپنی زندگی سنور جائے گی۔ بلکہ تمہاری روشنی کے ساتھ دُنیا منور ہو سکتی ہے۔ تو کیوں نہ اس عظیم مقصد کے واسطے زندگی وقف کر دیں، زندگی تو گزر ہی جانی ہے، بُرے حال میں بھی گزر جانی ہے اور کامیاب ہو کر بھی گزرنی ہے، لیکن جس کی زندگی اس طرح گزرے گی۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ!

"ثبت اَست بر جریدہ عالم دوام ما"

ایسے شخص کا اس دُنیا میں قیام ہمیشہ کے لیے قرار پا جاتا ہے۔ اس کو کبھی بھی موت نہیں آتی۔ وہ قبر میں بھی جی رہا ہوتا ہے۔

"نام فقیر تنہاں دا باہو قبر جنہاں دی جیوے ہو"

زندگی ایک دفعہ ملی، ایسی گزار لیں کہ پھر کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ ایک آگ اندر ایسی بھڑک جائے جو بغیر اپنے رب کے قُرب کے ٹھنڈی نہ ہوتی ہو۔ اللہ پاک اس لگن کو نصیب کر دے۔ میں ہر دفعہ یہ ہی شعر پڑتا ہوں کہ!

"اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے"

میں ابھی آپ کے حوصلے بلند کر رہا ہوں۔ ابھی آپ کی معرفت کی منزل اِس سے آگے ہے۔ جو شخص اِس میں قدم رکھے گا۔ انشاء اللہ وہ رہنمائی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ جو کہا اور جو سنا گیا اپنی بار گاہِ عالی میں قبول و منظور فرمائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف۔13

دورانیہ۔59منٹ۔تاریخ۔2013-08-29

بمقام۔مسجد۔آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

گزشتہ نشست میں خانقاہی نظام کے بارے میں کچھ گزارشات کی گئی تھیں۔ ہم پہلے اپنے اس بیان کا مختصر اعادہ کر کے اس کے بعد اس کو آگے چلاتے ہیں۔ دورِ حاضر میں خانقاہی نظام پر بے شمار انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ صرف غیر ہی نہیں بلکہ اپنے بھی ہیں۔ اگرچہ یہ ہی وہ واحد نظام ہے جو تعمیرِ کردار کا ذمہ دار ہے۔ اس کے بغیر کوئی نظام، کوئی جماعت ، کوئی گروہ، کوئی تحریک اس کام کی حامل نہیں ہو سکتی۔ عملاً تاریخِ اسلام کی چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ نے یہ ثابت کیا ہے کہ مختلف تحریکیں اور مختلف گروہ آتے رہے اور ختم ہوتے رہے، صرف نظامِ تصوف ابتداء سے لے کر اب تک باقی ہے، جس کی ابتداء اس کائنات میں سب سے پہلے مردوں میں اسلام لے کر آنے والی شخصیت حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ہوئی تھی۔ اگرچہ اس کے مُعلم مُعلمِ کائنات حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذاتِ اقدس ہے۔ لیکن اس پر عمل درآمد کی ابتداء حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اقتداء مبارکہ کے اندر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کی۔ اس وقت سے لے کر اب تک یہ ہی نظام ہے جو چلا آرہا ہے اور قیامت تک چلے گا انشااللہ ۔ اس کے علاوہ کوئی گروہ، کوئی تحریک، کوئی جماعت اور کوئی بھی مذہبی فرقہ اپنی اس قدر طویل تاریخ بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کسی کے پاس ہے ہی نہیں۔ کسی کے بزرگ چودھویں صدی سے شروع ہوتے ہیں ، کسی کے تیرھویں صدی سے علیٰ ھذاالقیاس۔ صرف یہ نظامِ تصوف ہے جو آغاز اسلام سے لے کر اسلام کی ترویج اور اس کی لوگوں تک تشہیر کا ذمہ دار رہا ہے۔ لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ ہر دور میں اس نظام پر انگلیاں اٹھائی گئیں۔ جیسا کہ میں نے آپ سے گزارش کی تھی کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے دور میں بھی تصوف پر بے شمار اعتراض کیے جاتے تھے۔ اس کی ایک وجہ ہے کہ اگر حق بات ہو گی تو اس کی مخالفت ضرور ہو گی۔ اگر مخالفت نہیں ہوتی تو اس کا مطلب ہے کہ اس بات میں کسی نہ کسی طرح منافقت کی ملاوٹ ضرور ہے۔ کیونکہ جب بھی حق کی آواز بلند ہو گی باطل خود بخود گھبرانا شروع کر دیتا ہے۔ یہ فطرت کا ایک حصہ ہے۔ کہ جہاں پر دھوپ ہوتی ہے وہیں پر سایہ بھی ہوتا ہے۔ پھول ہو تو کانٹا ہوتا ہے۔ خانہ کعبہ میں دیکھ لیں کہ ایک اللہ کا گھر ہے اور اُس کے گرد تین شیطان موجود ہیں۔ یہ قدرت کا نظام اور اُس کی مشیت ہے۔ اِس کی حکمت وہ ہی جانتا ہے۔ لیکن یہ وہ واحد نظام ہے جو ابتداء سے لے کر تعمیرِ کردار کا ضامن بھی رہا ہے۔ اِس پر اعتراضات بھی ہوتے رہے ہیں اور قیامت تک ہوتے چلے جائیں گے۔ لیکن دورِ حاضر میں یہ نظام بدحالی کا شکار ہو چکا ہے۔ اور اس کی وجہ غیر تو ہیں ہی، باطل کو حق کے ساتھ مُخاصمت ہونی ہی ہے۔

”قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ“(الاسراء:81)

قدرت کا فیصلہ ہے۔ چونکہ یہ نظام حق ہے لہذا شیطان کو سب سے زیادہ یہ ہی تکلیف دہ ہے۔ مختلف ایجنڈوں کے ذریعے اس نظام سے دُنیا کو متنفر کیا جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ میں اس کی گزارشات پہلے کر چکا ہوں۔ لہذا میں وہ دوبارہ نہیں دہراتا۔ ہمارے اپنے بھی اس نظام کو خراب کرنے میں برابر کے شریک ہیں۔ بے شمار وہ لوگ جنہوں نے اپنے ذاتی مفاد کے واسطے اس نظام کے دعوے

دار ہونے کی کوشش کی ،انہوں نے بھی اس نظام کو نقصان پہنچایا ہے۔حضرت داتا صاحبؒ نے اور دیگر تمام مشائخ کبار نے ان کو ”مستصوف“کانام دیاہے۔وہ جھوٹے صوفی جو اپنی دُنیاچمکانے کے واسطے،اپنے ذاتی مفاد کے واسطے ان اصولوں کو فروخت کرتے ہیں۔حضرت داتا صاحبؒ کی کشف المحجوب میں اُن کے واسطے ”کذباب اور کذیاب“ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔یہ اپنے واسطے ایک ایسی مکھی کے مُترادف جو گندگی پر بیٹھتی ہے۔اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مقاصد کیاہیں ایسا شخص دوسروں کے واسطے ایسا بھیڑیا جو ان کے دین و ایمان کی دولت کو بھی لوٹ رہاہے۔ان دونوں وجوہات سے نظامِ تصوف کو بہت زیادہ نقصان پہنچااور یہ رَفتہ رَفتہ بدحالی کا اس حد تک شکار ہو گیا کہ دورِ حاضر میں اگر کوئی civilized معاشرے میں، پڑھے لکھے لوگوں میں بیٹھ کر کسی کو کہتاہے کہ میں پیر صاحب کے پاس جارہاہوں تو پوری محفل اس پر ہنسناشروع ہو جاتی ہے۔اس کو گویاایک مذاق سمجھا جاتا ہے۔یہ حرکت اکثریت میں وہ لوگ کرتے ہیں جو خود کسی نہ کسی طرح اپنے تئیں کسی دینی رہنما کے پیروکار ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار ہونے کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس لیڈر کی چال ڈھال،اس کالباس،اس کا انداز گفتگو اور دیگر تمام عادات کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اہل اللہ کے پاس جاتے ہیں ان پر نادانی میں معترض بھی ہوتے ہیں۔شیطان نے ایک ایسی پٹی آنکھوں پر باندھ دی ہے کہ جس کو اُتارنا ان میں سے ہی ان خوش قسمت لوگوں کی ذمہ داری ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے واسطے منتخب فرمایاہے اور اسی عظیم مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان نشستوں کا آغاز کیا گیاتھا۔تاکہ اس چیز کی وضاحت کی جائے کہ بزرگوں کا یہ سسٹم،یہ نظام،یہ نظامِ تصوف اس کی ماہیت کیاہے،اس کے اندر کیاکچھ ہے،اس کا کردار کیاہے اور انسان کے واسطے یہ کتناضروری ہے۔ہم اس سلسلہ میں گفتگو کر رہے ہیں۔پچھلی نشست میں بھی خانقاہی نظام کے بارے میں کچھ گزارشات کی گئیں۔پہلے میں ان کو دہراتاہوں۔اس واسطے کہ ہم میں سے ہر بندے کو ان معلومات سے آگاہ ہوناچاہیے۔تاکہ اگر اغیار اس پر طعن و تشنیع کریں تو ہم بے شک اس کا مقابلہ نہ کریں، مناظرہ نہ کریں لیکن عوام الناس کو اِس حقیقت کی تصویر ضرور پیش کریں۔ یہ ہماری دینی اوراِخلاقی ذمہ داری ہے۔حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنی کتاب عوارف المعارف کے تیرھویں باب میں خانقاہ نشینوں کی فضیلت کے بارے میں اللہ پاک کا یہ ارشاد پہلے بیان فرمایا۔جو میں پچھلی دفعہ بھی عرض کرچکاہوں۔پھر وہی بیان کرتاہوں۔

”فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ۝ رِجَالٌ لاَ تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلاَ بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلاَةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالأَبْصَارُ“ (النور:36،37)

اللہ کریم نے ارشاد فرمایایہ وہ گھر ہیں جن کے واسطے اللہ نے حکم دیا کہ اِن میں اللہ کا ذکر بلند کیاجائے۔اِس کے واسطے مساجد مخصوص نہیں۔حضرت داتاگنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے بعد مساجد سیاست،جنگ وجدل اور ذاتی مفادات کا گہوارہ بن گئیں۔ نتیجتاً اہل اللہ نے مساجد کو ترک کر کے اپنی خانقاہوں میں پناہ لے لی۔یہ وہ خانقاہیں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ”فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ“ یہ وہ گھر ہیں جن کے واسطے اللہ نے حکم دیاہے کہ وہاں پر اللہ کا ذکر بلند کیاجائے۔وہاں پر لوگ صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔اس کانام لیتے ہیں۔ان کو اللہ کے ذکر سے، نماز ادا کرنے سے،زکوۃ دینے سے، تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت،یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹادی جائیں گی۔حضرت شیخ الشیوخ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کھڑے ہوئے۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ کیاان گھروں میں حضرت علی المرتضیٰؓ اور سیدہ فاطمۃ الزھراؓ کاگھر بھی شامل ہے۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ ان میں سے بڑھ کر۔اس سے مُراد یہ ہے کہ یہ آیت صرف مساجد کے واسطے نہیں۔یہ ہر اس جگہ کے واسطے جہاں پر اللہ کا ذکر ہوتا ہو۔آپؒ

فرماتے ہیں کہ اہمیت صرف کسی مخصوص چار دیواری یا گھر کی نہیں ہے بلکہ جس جگہ اور جس مقام پر بھی اللہ کا ذکر کرنے والے جمع ہوں، ان مقامات سے ایسے گھر مُراد لیے جائیں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان میں اس کا ذکر بلند کیا جائے۔ وہ خانقاہیں جو ابھی بھی اپنے اصول وضوابط پر چل رہی ہیں، ان میں صبح وشام اللہ کا ذکر ہوتا ہے، ختم پڑھے جاتے ہیں، مراقبات ہوتے ہیں اور آنے والوں کو اللہ کے ذکر کی تلقین کی جاتی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی صبح و شام نہیں گزرتی کہ زمین کے بعض حصے دوسرے حصوں سے پوچھتے نہ ہوں کہ کیا آج تمہارے اوپر کوئی ایسا شخص آیا جس نے تمہارے اوپر نماز پڑھی ہو یا اللہ کا ذکر کیا ہو۔ کچھ زمین کے حصے اثبات میں جواب دیتے ہیں اور کچھ نفی میں جواب دیتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ کافروں کے مرنے پر آسمان اور زمین نہیں روتے۔ آپؒ نے اس ارشاد سے یہ نکتہ لیا ہے کہ اہل اللہ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ جب وہ اس دُنیا سے رخصت ہوتے ہیں، پردہ پوش ہوتے ہیں، آسمان وزمین ان کی موت پر روتے ہیں، گریہ کرتے ہیں اور ساکنانِ خانقاہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت کے اندر مصروف ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جو اللہ کا ہو جاتا ہے وہ سب کچھ اللہ کے واسطے چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ اس کی روزی ورزق ایسی جگہ سے فراہم کرتا ہے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔ جو کوئی دُنیا کا ہو جائے، اللہ پاک اسے ہمہ تن دُنیا کے حوالے کر دیتا ہے۔ پھر دُنیا اس کو ذلیل ورسوا کرتی ہے۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اس کو کسی کا محتاج نہیں ہونے دیتا اور اس کو وافر روزی عطا کرتا ہے۔ اس آستان کی کچھ مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ پھر آپ نے رِباط کے بارے میں بیان کیا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا "اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا "آپ نے فرمایا "رابطو" رِباط سے نکلا ہے اور "رِباط" اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پر گھوڑے باندھے جائیں۔ اس اصطلاح کے اندر رِباط نام ہے ان سرحدوں کا جہاں پر مجاہدین ہوتے ہیں۔ وہ سرحدیں دو ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب غزوہ سے واپس مدینہ پاک تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے باطن کو درست کرنے کی جستجو کرتے ہیں، تعمیرِ کردار کے واسطے کوشش کرتے ہیں وہ مجاہدین ہیں۔ بعین ہی اولیٰ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمانِ اقدس کے مطابق وہ جہاد اکبر کے اندر مصروف ہیں۔ لہٰذا خانقاہیں "رِباط" ہیں جہاں بزرگانِ دین کے ڈیرے ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کو اللہ کے راستہ کی طرف مائل کرتے ہیں۔ رب کا راستہ بتاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عوام الناس کا بہت سارا فائدہ بھی ان کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ میں پچھلی دفعہ گزارش کر چکا ہوں، دوبارہ پھر انشاء اللہ گزارش کروں گا۔ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کے اللہ تعالیٰ نیک اور صالح مسلمان کے ذریعے اس کے سو گھر والوں اور اس کے ہمسائیوں کی بلائیں ٹال دیتا ہے۔ یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ پھر آپؒ نے دوسری حدیث بیان فرمائی کہ جو کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیک آدمی کی وجہ سے اس کی اولاد، اس کی اولاد کی اولاد، اس کے گھر والے، اس کے ہمسائیوں کے کاموں کو سنوار اور سدھار دیتا ہے۔ جب تک وہ نیک بندہ ان کے ساتھ رہتا ہے وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ یہ رِباط کا معنی ہے۔ جو لوگ خانقاہ نشین ہیں ان کے احوال کی صفائی کی وجہ سے پورا علاقہ فیض یاب ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اسلام کے بنیادی ارکان اور اس کی رُوح کی حفاظت کرتے ہیں بلکہ وہ لوگوں کے واسطے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے نزول کی وجہ بھی بنتے ہیں۔ پھر تیسرا ان کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے مسلمان حکمران طاقتور بن جاتے ہیں اور کفر پر غالب آجاتے ہیں۔ اس کی بڑی بڑی مثالیں موجود ہیں۔ میں صرف دو مثالیں عرض کرتا ہوں کہ پہلی سلطان محمود غزنوی کی۔ اس کو اس کے مُرشد حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ نے اپنا خَرقَہ مبارک عطا فرمایا۔ خَرقَہ کُرتے کو کہتے ہیں، خَرقَہ اس کپڑے یا دستار کو بھی کہتے ہیں جو مشائخ کسی کو عطا فرماتے ہیں۔ بہر حال آپؒ نے محمود غزنوی کو چلتے ہوئے اپنا خَرقَہ عطا فرمایا۔ جب سلطان محمود غزنوی سومنات کے مقام پر کُفرستان میں پھنس گیا۔ اپنے وطن سے ہزاروں میل دور تھا۔ آج بھی اندازہ کریں کہ کابل سے کلکتہ کتنی دور ہے۔ وہ اتنا دور جا چکا تھا۔ مدد کے راستے ختم ہو چکے

تھے۔ کفار کے غالب آنے کا مکمل خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔ ایسے میں سلطان محمود غزنوی کو خیال آیا۔ اس نے اپنے شیخ کا خرقہ نکالا اور اللہ کی جناب میں پیش کیا اور دعا کی کہ مولا اس خرقے والے کا واسطہ مجھے فتح عطا فرما دے۔ سلطان محمود کو فتح حاصل ہوئی۔ ایسی عظیم فتح کہ اس کی مثال آج تک نہیں ملتی۔ سلطان محمود نے اس وقت سومنات کو جو بڑا مندر تھا اس میں وہ بت جس کی پوجا کی جاتی تھی اس کو توڑا اور اس بت کا سر لا کر غزنوی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں میں دفن کیا۔ اس وقت کے ہندوؤں نے اس کے سامنے دولت کے ڈھیر لگائے اور کہنے لگے کہ جتنی مرضی چاہے دولت لے لو اس بت کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ سلطان محمود نے ایک تاریخی فقرہ کہا تھا کہ میں نے اگر بت نہ توڑا تو آنے والے وقت میں آنے والی نسلیں مجھے سلطان محمود غزنوی بت شکن کی بجائے بت فروش کے لفظ کے ساتھ یاد کریں گی۔ لہٰذا بت کو توڑ دیا گیا اور رات کو خواب میں حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی ملے اور آپؒ نے فرمایا کہ محمود تم نے میرے کرتے کی قدر نہیں کی۔ عرض کی کہ سرکار وہ کس طرح۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر تم یہ دعا کر دیتے کہ اس سارے علاقے کو مسلمان کر دے تو اللہ کے لیے کون سا مشکل تھا اس نے یہ بھی کر دینا تھا۔ یہ خانقاہوں کی برکت ہے۔ وہ لوگ جن پر کفار آج ہماری حماقت کی وجہ سے ہنس رہے ہیں، مسلمانوں کی حماقت کی وجہ سے اس نظام کا تمسخر اڑایا جاتا ہے، طعن و تشنیع کی جاتی ہے اور اس کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔ یہ نظام اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ضامن ہے۔ دُوسری مثال فتنہ تاتار۔ ہلاکو خان سے کون واقف نہیں۔ ہلاکو خان کی سر کردگی میں تاتاری فوجیں تمام بلادِ اسلامی ماسواء حرمین شریفین، اللہ نے ان کے سامنے پردہ ڈال دیا تھا۔ باقی ساری اسلامی حکومتیں ہلاکو خان کی فوجوں نے تاراج و تاراخ کیں، تباہ و برباد کیں۔ ہر شہر کے مسلمانوں کو قتل کر کے کھوپڑیوں کے مینار بنائے گئے۔ شہر گرا دیئے گئے۔ حکومتیں تباہ کی گئیں۔ کُتب خانے جلا دئے گئے اور یہ طوفان بڑھتا بڑھتا برصغیر پاک و ہند میں پشاور آ پہنچا۔ اس زمانہ میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اپنی خانقاہ میں جلوہ افروز تھے۔ اور ہندوستان کا بادشاہ سلطان غیاث الدین بلبن ان کا مُرید تھا۔ حاضر ہوا اور دعا کروائی اور خود نہیں گیا بلکہ اپنے بچے کو فوج کا ایک دستہ دے کر بھیجا۔ اس دستے نے تاتاریوں کو اتنی عبرتناک شکست دی کہ اس کے بعد اس فتنے کا خاتمہ ہو گیا۔ تاتاری باقی نہ رہے اور ختم ہو گئے۔ قاسم فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے جو کہ اس زمانہ میں لکھی گئی تھی کہ تاتاریوں کی مائیں اپنے بچوں کو شہزادہ محمد کا نام لے کر ڈرایا کرتی تھیں۔ اس قدر ہیبت بیٹھ گئی تھی۔ یہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا فیض تھا۔ بزرگ نِگاہ کے ساتھ ہی تقدیر نہیں بدلتے بلکہ مسلمانوں کی سرحدوں کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور ان کی قسمتیں بھی بدلتے ہیں۔ یہ خانقاہی نظام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اغیار کی سازش تھی کہ اس نظام کو بدحالی کا شکار کیا جائے تاکہ ہم مسلمانوں پر غالب آ سکیں۔ نادان مسلمان بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ اللہ پاک ان کو بھی ہدایت نصیب کرے۔ جو بزرگانِ دین کا استہزاء کرتے ہیں۔ ہم بزرگانِ دین ہی کی وجہ سے آج مسلمان ہیں۔ اُن کی وجہ سے ہماری مسجدیں قائم ہیں۔ اُن کی وجہ سے ہماری تفسیر، فقہ اور تمام شریعت موجود ہے۔ میں نے صرف دو مثالیں عرض کی ہیں۔ تاریخِ اسلام اس طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ میں نے صرف دو مثالیں اپنی بات کو سمجھانے کے واسطے عرض کی ہیں کہ خانقاہی نظام نہ صرف مسلمانوں کی نظریاتی سرحد کی حفاظت کرتا ہے بلکہ ان کی جغرافیائی سرحدیں بھی ہمارے بزرگانِ دین کی نگاہ کی مرہونِ منت ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو کفار سرحدیں روند کر مسلمانوں کے ممالک کو تاراج کر دیں۔ لہٰذا ان کا ہونا مسلمانوں کی بقاء کے واسطے ضروری ہے۔ اس چیز کو ذہن نشین کیا جائے۔ یہ پیغام پوری دُنیا کو پہنچایا جائے کہ یہ نظام جس کی پہلی اینٹ اور ابتداء سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے رکھی تھی یہ نظام انشاء اللہ، چونکہ اللہ پاک نے فرمادیا ہے کہ!

”وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ“(الصف:8)

تو اللہ نے اگر اپنے دین کو رکھنا ہے تو پھر بزرگانِ دین کا وجود بھی رہنے والا ہے انشاء اللہ انشاء اللہ۔ یہ نظام مسلمانوں کی بقا کے واسطے ضروری ہے۔ جو آج کی گزارشات ہیں، میں نے پچھلی دفعہ جو گزارشات مختصر اور مبہم طریقہ کے ساتھ عرض کی تھیں اُن کو آج سمجھا کر بیان کیا

ہے۔اب آپؒ کی کتاب کا باب نمبر 14۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ خانقاہ نشینوں کی اہل صفہ کے ساتھ مشابہت۔اس عنوان میں آپؒ فرماتے ہیں کہ رِباط یا خانقاہ ان نیک لوگوں کا گھر ہے، جس طرح ہر قوم یا افراد کے گھر ہوتے ہیں، اسی طرح صوفیاء یا اولیا اللہ کے گھر، ان کی خانقاہیں ان کے آستانے ہیں۔ اس صورت میں وہ اہل صفہ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس سِلسلہ میں ایک حدیث پاک بیان کی ہے کہ جو کہ حضرت طلحہؓ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص باہر سے مدینۃ الرسول ﷺ میں آتا تو اُس کا اگر کوئی جاننے والا مدینہ شریف میں ہوتا تو وہ اُس کے گھر قیام کرتا تھا۔ اگر اُس کی کوئی جان پہچان نہیں ہوتی تھی تو وہ صفہ پر آجاتا تھا اور صفہ میں قیام کرتا تھا۔ صفہ اس چبوترے کو کہتے ہیں جو اب بھی سرکار ﷺ کے روضہ پاک پر خانہ کعبہ کی طرف سے جو دُوسری سمت ہے وہاں پر گنبد خضریٰ شریف کے ساتھ متصل ابھی تک وہ چبوترہ موجود ہے۔ اُس وقت بھی وہ ایک چبوترے کی صورت میں موجود تھا اور اِس حدیث پاک میں انہوں نے اہل صفہ کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی اہل صفہ کے ساتھ قیام کر چکا ہوں۔ اہل صفہ وہ لوگ تھے جو بھوکے کو کھانا بھی کھلاتے تھے جو اللہ ان کو دیتا تھا، مسافر کو سر چھپانے کی جگہ بھی دیتے تھے، آنے والوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے ساتھ سرشار بھی کرتے تھے، ان کو شریعت مصطفی ﷺ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ طریقت کی تعلیم یعنی تعمیرِ کردار کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ اس واسطے آپؒ فرماتے ہیں کہ اہل خانقاہ ایسے لوگ ہیں جن کا اہل صفہ کی طرح آپس میں ربط اور ضبط ہوتا ہے، ان کے ارادے یکساں ہوتے ہیں، ان کے احوال میں یک رنگی ہوتی ہے۔ جتنے لوگ بزرگان دین کے پاس آتے ہیں ان نکات کو غور کے ساتھ سنیں، اس کے برخلاف ان کے اندر کوئی چیز پائی جاتی ہے تو وہ اپنے دل سے اس کو نکال دیں تاکہ یہ نظام ترقی کرے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ان کا آپس میں ربط وضبط ہوتا ہے، سب کے احوال میں یک رنگی ہوتی ہے، ان کا یہ باہمی ربط اہل جنت کی طرح ہوتا ہے۔ خانقاہ یا آستانے پر آکر ایک دُوسرے کا یا کسی تیسرے کا گلہ کرنا یا اس کی بُرائی بیان کرنا یا اس کی مخاصمت کرنا، گروپ بندی کرنا یا اپنی نام ونمود کے واسطے اگلے کے عیب بیان کرنا یہ خانقاہ یا آستانے کے اصول کے خلاف ہے۔ درویش لوگ خاص طور پر اور جو لوگ بزرگوں کے پاس آتے ہیں وہ بھی خصوصاً اس چیز کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ قُرانِ پاک کی آیت چودھویں پارے سے بیان کی ہے، اُس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے کرم فرمایا کہ اُن کے سینے میں جو کینہ اور رنجش تھی اللہ پاک نے اسلام کی برکت سے اُن کے دلوں میں سے وہ نکال دی اور وہ بھائی بھائی بن کر ایک دُوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ یہ جو خاصیت اللہ پاک نے بیان فرمائی ہے ہمیں اس کیفیت کو اپنے اندر ملاحظہ کرنا چاہیے، اگر نہیں تو پھر اس کی جستجو کریں کہ اللہ ہمیں یہ عطا فرمادے۔ اہل خانقاہ یا بزرگان دین کے پاس آنے والے کبھی بھی آپس میں ایک دُوسرے کے ساتھ نہ جھگڑا کرتے ہیں، نہ اپنے نام ونمود کی خاطر یا اپنی انا کی خاطر دُوسرے کے عیب بیان کرتے ہیں، نہ ایک دُوسرے کا گلہ شکوہ بیان کرتے ہیں۔ یہ شروع سے اہل تصوف کا شیوہ رہا ہے۔ علما ایک دُوسرے کا گلہ گزاری بھی کرتے ہیں اور بعض اوقات منبر پر بیٹھ کر بھی کرتے ہیں، لیکن درویش کبھی کسی درویش کا نہ برا چاہتا ہے اور نہ ہی اس کا گلہ کرتا ہے۔ یہ درویش ہونے کی نشانی ہے اور اگر یہ نہ ہو تو وہ درویش ہی نہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اہل خانقاہ ان کے دل دُنیا کی محبت سے دور ہو جاتے ہیں کہ دُنیا کی محبت ان تمام بُرائیوں کی اصل ہے اور تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اہل صفہ نے دُنیا کے ان جھمیلوں سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے ان کے دلوں میں حسد اور کینہ نہیں تھا۔ یہی حال اہل خانقاہ کا ہونا چاہیے کہ وہ ظاہر اور باطن میں یک رنگ ہو جائیں، باہمی محبت اور الفت میں ان میں باہمی یکسانیت پیدا ہو جائے، سب ایک ساتھ زندگی بسر کریں اور ان کی باہمی گفتگو میں یک رنگی ہو، اختلاف نہ ہو، اکٹھے گفتگو کریں، اکٹھے کھائیں پیئیں، اس اجتماعی زندگی کی برکت سے فیض حاصل کریں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ چند صحابہ کرام نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ

ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن ہمیں اطمینان نہیں ہوتا، ہم کھانا کھا کر مطمئن نہیں ہوتے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا شاید تم لوگ علیحدہ علیحدہ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہو، تم اکٹھے ہو کر اللہ کا نام لے کر کھانا کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمھارے واسطے اس میں برکت پیدا کر دے گا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ خانقاہوں پر دستر خوان بچھایا جاتا ہے اور سب لوگ مل کر کھانا کھاتے ہیں۔ یہ میرے آقا کریم ﷺ کا حکم مبارک ہے اور اصحابِ صُفہ کی سُنت ہے۔ مزید آپؒ نے فرمایا کہ آستانوں میں جب تک حفظِ اوقات، ضبطِ انفاس اور نفاس کی نگہداشت کا انتظام نہ ہو اس وقت تک لوگ اپنے مقصد کو نہیں پہنچتے۔ یعنی خانقاہ میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو نوجوانوں کے حفظِ اوقات، ضبطِ انفاس اور تربیتِ حواس کا انتظام کر سکیں، اسی طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اصحابؓ کا طریقہ تھا۔ ان میں سے جو عمر رسیدہ ہوتے تھے وہ نوجوانوں کی رہنمائی کرتے تھے اور غلط بات سے ان کو روکتے تھے۔ اس کے بعد آپؒ نے خانقاہوں کے متعلق گفتگو فرمائی کہ خانقاہوں پر کیا ہوتا ہے۔ اب ہم نے اس سلسلہ میں گفتگو کرنی ہے۔ ہم خانقاہی نظام کا پورا Analysis کر رہے ہیں۔ اس کے اندر جو کچھ موجود ہے اس ایک ایک چیز کو کھنگال رہے ہیں اور جو نادان لوگ اس نظام کی مخالفت کرتے ہیں، حقیقت میں ان کو اس نظام کے ساتھ آگاہی ہی نہیں ہے۔ جہالت کی وجہ سے ان کے منہ سے اس قسم کے الفاظ نکلتے ہیں۔ جو خانقاہی نظام کے بر خلاف ہوتے ہیں۔ آپؒ نے خانقاہی نظام میں خدمتِ خلق کو بڑی اہمیت دی ہے۔ ان تمام چیزوں کی روشنی میں آپ جس آستان سے وابستہ ہیں[16]، یہ بھی غور فرماتے جائیں کہ تمام صوفیاء کا لائحہ عمل اور منشور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا وَضع فرمایا ہوا ہے۔ اور ان کی سُنت کے ساتھ مکمل طور پر وابستہ ہے۔ یہ اُس سُنت سے ذرا بھی بَر خلاف نہیں چلتا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص خانقاہ میں تازہ وارد ہو اور اس نے علم معرفت کا ذائقہ نہ چکھا ہو، رُوحانیت کے اعلیٰ مَرتبہ پر فائز نہ ہوا ہو ایسے شخص کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ خانقاہ والوں کی خدمت کرے۔ خانقاہ والوں سے مُراد وہ تمام لوگ ہیں جو بزرگانِ دین کے آستانوں پر حاضر ہوتے ہیں۔ چاہے وہاں پر رہتے ہوں، ان سے ملنے کے لیے آئے ہوں، دعا کروانے کے واسطے آئے ہوں، یا اپنے کسی مسئلہ کے تحت آئے ہوں۔ ایسے شخص کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ خانقاہ والوں کی خدمت کرے۔ یہ خدمت اس کی عبادت تصور کی جاتی ہے۔ وہ اپنی حسن خدمت سے تین فائدے حاصل کرتا ہے۔ پہلا یہ کہ اپنی خدمت کے ذریعے اہل اللہ کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیتا ہے اور ان کی برکات اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔ یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔ اہل اللہ کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا۔

کہتے ہیں کہ!

"نگاہِ مَردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں　　　جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں"

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ!

"تیری اک نگاہ کی بات ہے میری زندگی کا سوال ہے"

اولیا اللہ کے دلوں کو جب اپنی طرف مائل کرتا ہے، پھر یہ کیفیت بھی آ جایا کرتی ہے

"مُرشد لطفوں کرے نظارہ تے کھریاں تھیوں سَب کھوٹیاں ہو"

---

[16]-اس گفتگو کے مخاطب وابستگان آستان عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب کدھر شریف ہیں۔

یہ کام خدمتِ خلق کے ساتھ ہوتا ہے۔ خدمت کے ساتھ پہلی بات یہ ہے کہ وہ خدمت کے ذریعے اہل اللہ کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرتا ہے اور ان کی برکتیں اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔ دُوسرا یہ کہ اس طرح اپنے عبادت گزار بھائیوں کا اپنی خدمت کے ذریعے مددگار ثابت ہوتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ اور حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے بھی اپنی کتاب میں ایک واقعہ بیان کیا ہے اور بھی بزرگوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے، غالباً حضرت امام قشیریؒ نے بھی یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ ابو عمرؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؒ فرماتے ہیں کہ ابو عمرؒ و دجاجی سے منقول ہے کہ میں ایک عرصہ تک حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں رہا۔ اس پوری مدت میں حضرت جنید نے نہ مجھ پر نظر ڈالی اور نہ یہ دیکھا کہ میں کس قسم کی مجالس میں مشغول ہوں اور نہ کبھی انہوں نے میرے ساتھ کلام کیا۔ ایک عرصہ دراز تک، کئی سال تک نہ انہوں نے میری طرف دیکھا، نہ کلام کیا اور نہ میری عبادت کی طرف توجہ کی۔ آپؒ کہتے ہیں کہ یہاں تک کہ ایک روز خانقاہ بالکل خالی تھی۔ میں اٹھا، اپنے کپڑے اتارے اور کپڑے بدل کر خانقاہ کو خوب اچھی طرح صاف ستھرا کیا، جو حضرت جنید بغدادیؒ کا آستان تھا اس کو اچھی طرح صاف ستھرا کیا، ہر طرف پانی چھڑکا، بیت الخلاء کو بھی صاف کیا۔ شیخ جنید جب خانقاہ میں آئے یہ تمام صفائی دیکھی، میرے اوپر گرد وغبار پڑا دیکھا تو میرے لیے دعا کی اور تین مرتبہ آپؒ نے فرمایا مرحبا جزاک اللہ رضیت علیک بہا۔ میں تیری اس بات پر راضی ہو گیا۔ اتنی ہی بات انہوں نے کرنی تھی۔ اتنا عرصہ رہ کر چند لمحے کی جو خدمت تھی۔

"عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام — اِس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں"

تمام سفر طے ہو گئے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ مشائخ عظام نوجوانوں کو خدمت پر معمور کرتے ہیں تاکہ وہ ایک تو بدکاری سے محفوظ رہیں اور دُوسرا ان کے رُوحانی مراتب بلند ہو جائیں۔ خدمت کا اتنا فائدہ ہوتا ہے۔ پہلا یہ کہ خدمت کے ذریعے اہل اللہ کے دلوں کو اپنی طرف مائل، دُوسرا اپنے عبادت گزار بھائیوں کا مددگار ہو گیا۔ تیسرا یہ کہ خادم خدمت کے باعث بَطالَت، غفلت، سستی اور کاہلی سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ سستی اور بے کاری ہی دل کی موت ہے۔ جو لوگ ویسے ہی بیٹھ کر چارپائیاں توڑتے رہتے ہیں وہ صرف اپنے وقت کا نقصان نہیں کرتے بلکہ اپنے دل کی دُنیا بھی تباہ کرتے ہیں۔ یہی بطالت اور بے کاری دل کی موت ہے۔ لہٰذا خدمت بھی صوفیاء کے نزدیک نیک کاموں میں شامل ہے ،ان طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے اوصاف جمیلہ حاصل کیے جاتے ہیں، اس سے انسان میں اوصاف حسنہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صوفیاء کی خدمت کرتا ہے، لیکن اپنی کسی خامی کے باعث ان کے مراتب عالیہ تک نہیں پہنچ سکتا، اس کے باوجود وہ خدمت کرتا رہتا ہے اور اپنا کام نہیں چھوڑتا، خدمت میں مصروف رہ کر خانقاہ، آستان کے چکر لگاتا رہتا ہے اور ان کی خدمت میں اپنی بھرپور کوشش کے ساتھ سرگرم رہتا ہے، اس خیال سے کہ اگر وہ ان کی نگاہ لطف سے محروم رہے تو کیا شاید خدمت سے اس کی کوئی تلافی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی خدمت پر بھی اس کو بلند پایہ جزا عطا کرتا ہے، وہ اپنی خدمت کے طفیل بلند پایہ فضل کا مستحق بن جاتا ہے۔ وہ سفر جو طویل تر عبادات کے ساتھ شاید طے ہوتا یا نہ ہوتا وہ خدمت کے ساتھ طے ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے حضرت جنید بغدادیؒ کا واقعہ

بیان کیا ہے کہ انہوں نے اس بندے کے ساتھ کئی سالوں تک نہ تو کلام کیا اور نہ ہی اس کو دیکھا۔ اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو وہ کہتا کہ اگر وہ توجہ نہیں کرتے تو کسی اور گھر چلے جاتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی بات پر قائم رہا، آخر کار اس نے وہ وقت پالیا کہ ''رضیت علیک بہا'' اپنی منزل کو پہنچ گیا۔ جس وقت مُرشد راضی ہو گیا تو سارے سفر طے ہو جاتے ہیں۔

''اُٹھ بُلھیا اُٹھ یار مَنا لے لا کے سِر دِی بازی''

ہمیں اسی چیز کو تو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اگر یہ خدمت کے ساتھ ہی حاصل ہو جائے تو پھر اور کیا چاہیے۔ آپؒ نے خدمتِ خلق کو عبادت قرار دیا ہے۔ اس موضوع کو میں نے شروع کیا ہے۔ اس سے اگلا باب خُدام کی Classification کا ہے کہ خادم کتنی قسم کے ہوتے ہیں۔ ان کی کلاسیفیکیشن کے بارے میں ہے۔ لیکن انشاء اللہ اس کے بارے میں میں آئندہ گزارشات کروں گا۔ کیونکہ آج وقت کافی ہو گیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ وقت کی طوالت اس وجہ سے کہ جتنا کچھ بیان کیا ہے وہ ذہن نشین ہو جائے اور وہ یاد ہو جائے پھر آگے بیان کریں گے۔ آج کی جو گفتگو کی۔ سب سے پہلے میں نے خانقاہی نظام کے بارے میں عرض کیا ہے اُس کے بعد حضرت شیخ الشیوخ نے جو باب نمبر 13 میں آستانوں کی فضیلت کے بارے میں تحریر فرمایا ہے اس بارے میں میں نے کچھ گزارش کیا ہے۔ انہوں نے آستانوں کو بھی فوجی چھاونیوں سے تشبیہ دی ہے کہ آستان نظامِ اخلاق کی چھاونیاں ہیں۔ کیونکہ اہلِ آستان وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے ہر چھوٹا بڑا، عام یا خاص، امیر یا غریب، محکوم یا حاکم سب ہی فیض یاب ہوتے ہیں، یہ ہی وہ نظام ہے جس سے سب کے سب فیض حاصل کرتے ہیں۔ اِس کی اہمیت کے بعد اگلا شعبہ شروع ہوا پھر اُس میں خدمت سے جو تین فوائد حاصل ہوتے ہیں اس بارے میں گفتگو کی۔ اِس سلسلہ میں دو مثالیں خانقاہی نظام کی اہمیت کی اور ایک مثال حضرت عمرو بن الزجاجیؒ کی خدمت کے سلسلہ میں گزارش کی۔ اُمید ہے کہ ذہن نشین ہو گئی ہوں گی۔ اللہ رب العزت اس چیز کو ہمیں ذہن نشین کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انشاء اللہ آئندہ خدمت کی کلاسیفیکیشن اور خدمت کے جو مختلف انداز ہیں ان کے سلسلہ میں بتایا جائے گا۔ اس کے بعد آستان پر آنے والے لوگوں کے آپس کے تعلقات کے سلسلہ میں کچھ اہم باتیں گزارش کرنی ہیں انشاء اللہ۔ تاکہ ہم تعمیرِ کردار کے راستہ میں ہماری جو ضروری چیزیں ہیں ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔ جو کچھ میں نے عرض کیا یہ ان سب لوگوں کے واسطے ہے جو اہل اللہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، رکھنا چاہتے ہیں یا ان کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بیان کیا گیا اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ اس سلسلہ میں آج کی یا گزشتہ گزارشات کے بارے میں کوئی سوال ہو تو وہ پوچھا جا سکتا ہے۔ اپنے تئیں میری کوشش ہوتی ہے کہ ہر چیز کو میں کھول کر گزارش کر دوں لیکن پھر بھی اگر کوئی ابہام باقی رہ گیا ہو تو وہ پوچھا جا سکتا ہے۔ یہ خانقاہی نظام بخدا عالم اسلام کے واسطے ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے۔ اگر یہ خراب ہو گا تو پوری اُمتِ مسلمہ کے اندر فساد پیدا ہو جائیگا، مسلمان اَغیار کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ ان کی عزت ذلت میں بدل جاتی ہے۔ وہ رسوائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ نظام اگر تقویت پا جائے تو پھر مسلمان دُنیا کے اندر سربلند ہو کر چلتے ہیں۔ اس نظام کی چند اہم صفات اور غرض و غائیت کے بارے میں گزارشات کی جا رہی ہیں۔ میں صرف وہ نکات عرض کرتا ہوں جن کی practical

implementation، ممکن ہے یعنی جو عملی طور پر ہمارے متعلق ہیں وہ بیان کر رہا ہوں۔ اللہ کرے جو کچھ میں نے آج بیان کیا اس پر عمل کی توفیق ہو۔ اس سلسلہ میں کوئی بھی سوال کسی کے ذہن میں ہو تو وہ پوچھ سکتا ہے۔ باقی ایک شعبہ علیحدہ ہے وہ رجوع الی اللہ کا ہے یہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ بیک وقت دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اب اگلے باب میں آئے گا کہ صرف خدمت ہی کافی نہیں بلکہ خدمت کے ساتھ ساتھ فرائض کی ادائیگی اور اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل اور رجوع الی اللہ کے واسطے وہ جو سبق دے اس سبق پر عمل کرنا یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ جس طرح ہانڈی پکاتے ہیں، تو اس میں جو چیز پکانی مقصود ہے صرف وہ ہی ڈالنے سے سالن نہیں بنتا بلکہ اس کے ساتھ اور بہت سارے لوازمات بھی ہوتے ہیں جب تک وہ نہ ڈالے جائیں تو صرف وہ اکیلی چیز جل جاتی ہے۔ اس میں پانی، گھی، نمک، مرچ علیٰ ھذا القیاس بہت ساری چیزیں شامل ہیں۔ اسی طرح اس خانقاہی نظام میں خدمتِ خلق کو اہمیت حاصل ہے لیکن ساتھ باقی چیزیں بھی ضروری ہیں۔ یہ اس واسطے ضِمناً گزارش کر دیا ہے کہ اس بارے میں غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ خدمت اپنی جگہ ضروری ہے لیکن فرائض کی ادائیگی میں کوئی compromise نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بندہ کہے کہ میں فرض نماز چھوڑ دوں کہ میں آستانے کی خدمت پر لگا ہوا ہوں۔ فرض نماز اپنی جگہ ضروری ہے۔ جب تک اس سلسلہ میں اس کو کوئی ابہام نظر نہ آئے۔ اس کا بیان انشاء اللہ پھر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء ہے کہ جو کہا اور جو سُنا گیا اللہ اِس سب کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف۔14

دورانیہ۔60منٹ۔ تاریخ۔ 2013-09-05

بمقام۔ مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ، کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

گزشتہ نشست میں بسلسلہ نظامِ تصوف خانقاہوں، آستانوں کے کردار کے بارے میں گزارشات کی گئیں کہ خانقاہیں نہ صرف نظریاتی مورچے ہیں بلکہ مسلمانوں کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کی سَرپرستی بھی یہی خانقاہیں سَرانجام دیتی ہیں۔اس سلسلہ میں میں نے تین مثالیں گزارش کی تھیں۔ جن میں سے ایک سلطان محمود غزنوی کی اور دُوسری سلطان غیاث الدین بلبن اور تیسری حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کی توجہ کی تھی۔ بادشاہوں کی کامیابی بھی ان خانقاہ نشینوں اور بزرگوں کی مَرہُونِ منت ہے۔ اگر وہ توجہ نہ فرمائیں تو بادشاہ اپنے کام میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔ سلطان علاؤالدین خلجی جو برصغیر پاک وہند کے سب سے بڑے حصے کا حاکم ہوا ہے، اُس کی حکومت تقریباً چالیس سال تک رہی اس کے بارے میں محمد قاسم فرشتہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ جب کبھی بھی بادشاہ کو کوئی مہم پیش آتی تھی تو وہ اپنا قاصد حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی بارگاہِ اقدس میں بھیجتا تھا، ان سے اجازت طلب کرتا تھا اور کامیابی کی دعا کرواکر پھر فوج روانہ کی جاتی تھی۔ نتیجتاً اُس کی فوجوں کو ہر طرف اس قدر کامیابی ہوئی کہ تاریخ میں نہ کوئی اس قدر علاقے پر حاکم ہوا ہے اور نہ کوئی شخص اس کے بعد ہوا ہے۔ اُس کی حکومت تمام برصغیر پاک وہند اور برما کے کچھ علاقوں کو شامل کرکے افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے بعد کسی بھی حکمران کو اتنی وسعتِ حکومت حاصل نہیں ہوسکی۔ یہ سب حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا فیضان تھا۔ خانقاہوں نے ہر دور میں اپنا فرض سرانجام دیا ہے۔ انہوں نے نہ صرف افراد کے قلوب کی حالت بدلی بلکہ بحیثیت قوم ان پر اثرانداز ہوئے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کی کامیابیاں بھی انہی خانقاہ نشینوں کے مرہون منت ہیں۔ لہٰذا حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف المعارف میں ان کو سرحدیں قرار دیا ہے ''رِبَاط''، مسلمانوں کی سرحدیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی وجہ سے مسلمان خوشحال رہے اور جن کی وجہ سے اسلام ترقی کرتا رہا۔ میں نے اس سلسلہ میں دو احادیث مبارکہ بھی پیش کی تھیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک نیک آدمی کی بدولت اس کی اولاد، اس کی اولاد کی اولاد، اس کے گھر والوں، اس کے گردو پیش رہنے والوں کے کاموں کو سنوارتا ہے اور جب تک وہ نیک بندہ ان کے درمیان رہتا ہے وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہیں اور یہ جہاد جہادِ اکبر ہے۔ رسول پاک ﷺ جب بھی غزوات سے واپس تشریف لائے آپ ﷺ نے ہر مَرتبہ یہ فرمایا!

''وجانا منل جہاد العصغر و منل جہاد الاکبر''

ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔اس سِلسلہ میں گزارشات کرتے ہوئے ہم خدمتِ خلق تک پہنچے تھے۔ خانقاہی نظام میں خدمتِ خلق کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ میری ان تمام گزارشات سے مُراد صرف وہ لوگ نہیں جو آستانوں پر رہتے ہیں بلکہ تمام وہ لوگ جو اس نظام سے وابستہ ہیں، بزرگان دین کے ذریعے اُن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ بن چکاہے وہ سب کے سب اس قسم میں آتے ہیں اور ان سب پر یکساں ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ کوئی شخص آستان پر رہتاہو یا اپنے گھر میں رہتاہو، ہم مدینہ طیبہ کی اس وقت کی آبادی کا جائزہ لیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ جیسے عظیم القدر بزرگ اپنے اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن نظامِ تصوف کی اکائیاں تھیں اور بقول حضرت داتا گنج بخشؒ حضرت ابو بکر صدیقؓ تصوف کے امام ہیں، صوفیاء کے امام ہیں اس نظام کے بانی ہیں۔لہذا کوئی شخص آستانے پر رہتاہو یا گردوپیش کسی بھی جگہ رہتاہو، اگر سوچ مشترک ہے تو سب ایک دُوسرے کے قریب ہیں۔ اگر سوچ مشترک نہ ہو تو پھر گھر میں ساتھ ساتھ رہنے والوں کے دل بھی ہزاروں میل دور ہوتے ہیں۔ یہ میری گزارشات ان سب لوگوں کے واسطے ہیں جنہوں نے اپنا تعلق اللہ کے ساتھ بزرگان دین کے ذریعے حاصل کر لیا۔ وہ لوگ اس نظام کا حصہ ہو گئے ہیں، یہ نظام ہی تقویٰ ہے اور یہ نظام ہی تعمیرِ کردار کی ضمانت دیتاہے۔ یہ چیز کسی اور گروہ، کسی تنظیم، کسی جماعت یا کسی فرقے میں نہیں پائی جاتی۔ حضرت شیخ الشیوخ نے فرمایا کہ جو شخص اس نظام کا حصہ بنتاہے اور علم معرفت کے اندر اس کا قدم زیادہ آگے نہیں بڑھا ہوا ہوتا اور رُوحانیت کے اعلیٰ درجے تک نہیں پہنچتا ایسے شخص کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ خدمتِ خلق کرے اور اس کی یہ خدمت عبادت تصور کی جاتی ہے۔اس کے تین فوائد گزارش کیے گئے تھے کہ ایک تو وہ اپنی خدمت کے ذریعے اہل اللہ کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرتا ہے، دُوسرا یہ کہ وہ اپنی خدمت کے ذریعے ان لوگوں جو اللہ تعالیٰ کی طلب میں مصروف ہیں ان کا معین و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو ضرورت مند ہیں ان کے واسطے اللہ کا سفیر قرار پاتا ہے۔ اس کی خدمت اللہ کی رضا کے واسطے ہوتی ہے۔ وہ خدمت اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے بھی ہوتی ہے اور وہ خدمت خدمت الی اللہ بھی ہوتی ہے۔ وہ شخص اپنے رب کو منانے کے واسطے اس کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ اللہ کی مخلوق اپنے رب کی نعمتوں سے ان لوگوں کے ذریعے فائدہ حاصل کرتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں اگر ایک درویش کی دعا سے کسی بندے کو فائدہ حاصل ہوتا ہے، اس درویش کو بھی اس کا فائدہ پہنچتاہے کہ اس کو اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ جس کو وہ فائدہ پہنچتاہے اس کے واسطے وہ فائدہ مزید فائدہ مند ہوتا ہے کہ اس کا وہ فائدہ منجانب اللہ ہوتا ہے۔ اگر اللہ کا بندہ اس کے واسطے دعا کرتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے۔لہذا اس سلسلہ میں جو لوگ خدمتِ خلق کرتے ہیں ان کا خدمت کرنا بھی عبادت اور خدمت بھی عبادت اور جس کی وہ خدمت کرتے ہیں اس کے ایمان میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ ہر طریقہ سے یہ عبادت اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوتی ہے۔ بہ نسبت اِس کہ کوئی شخص اپنی ذات کے واسطے کسی کی خدمت کرے۔ تیسرا فائدہ اُنہوں نے یہ لکھا تھا کہ خادم خدمت کی وجہ سے سستی اور غفلت سے محفوظ رہتاہے۔ اگر وہ خدمت نہ کرے تو اُس کی یہ سستی بے کاری کی طرف لوٹ جائے گی اور بے کاری دل کی موت ہوتی ہے۔ اُس کی یہ مصروفیت اللہ کی بارگاہ میں عبادت متصور ہوتی ہے، اِس کے ساتھ اُس کی رُوحانیت میں اضافہ

ہوتا ہے۔اس کو بیک وقت یہ دونوں فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ایک تو وہ غافل نہیں ہوتا اور عبادت میں مصروف رہتا ہے اور اس کی عبادت کا نتیجہ صرف وہ جس کی وہ خدمت کرتا ہے اس کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ خدمت کرنے والا اللہ کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ یہ فوائد آپؒ نے خدمتِ خلق کے درج فرمائے ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے فوائد آپؒ نے درج فرمائے ہیں، لیکن ہم اپنے موضوع پر چلتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ ہر وہ بندہ جو اللہ کی رضا کا طالب ہے اس کے لیے جتنی ذاتی عبادت ضروری ہے اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی عبادت بھی اتنی ہی ضروری ہے۔اگر وہ الگ تھلگ بیٹھ کر نوافل یا تسبیحات میں مصروف رہے اور خدمتِ خلق نہ کرے، اس کی ترقی رک جاتی ہے۔وہ اللہ پاک کی رضا حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ کو اپنی مخلوق کے ساتھ پیار ہے۔میں نے اپنے بزرگوں سے واقعہ سنا کہ ایک شخص عبادت گزار تھا اور اس کی کسی غلطی کی وجہ سے اس کے اعمال سَلب ہو گئے، اس کا مقام چھن گیا اور اس کی حالت بدل گئی، چہ جائیکہ کہ اس کو اللہ پاک کی رحمت کا حصول ہوتا تھا اور رقت و سرور چہ جائیکہ اس کی طبیعت کے اندر بے زاری آگئی۔بڑا پریشان ہوا، بہت زیادہ معافی مانگی اور بہت عبادت کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی حالت میں تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ایک دن وہ اپنے مُصلے سے اٹھ کر کسی کام جا رہا تھا۔راستہ میں اُس نے دیکھا کہ ایک چڑیا کانٹوں میں پھنسی ہوئی تھی۔اُس نے اُس چڑیا کو کانٹوں سے آزاد کیا، اس کو پانی پلایا اور اسے چھوڑ دیا۔اُس رات کو جب وہ اپنے مصلے پر بیٹھا تو اس کو غیب سے آواز آئی کہ اے شخص تیری خطا بھی معاف ہو گئی اور تیرا مقام بھی واپس ہو گیا، اللہ پاک نے تیرے اس عمل کے طفیل تیرے مقام کو اور بلند کر دیا۔خدمتِ خلق کرنے والے اپنے ذاتی گناہ، نقائص اور عیوب کو خدمتِ خلق کے ذریعے دھونے کا راستہ نکال لیتے ہیں۔یہ ایک ایسا طریقہ ہے جو اللہ کے نزدیک کرتا ہے۔یہ ہر دو یعنی خدمت، خادم کے واسطے بھی اور مخدوم کے واسطے بھی، دونوں کے واسطے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔آپؒ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صوفیاء یا اللہ کی کسی بھی مخلوق کی خدمت کرتا ہے لیکن اپنی کسی خامی کی وجہ سے ان کے مراتب عالیہ یا جن کی وہ مُطابَعَت کر رہا ہے ان کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا، اس کے باوجود وہ مایوس نہیں ہوتا اور خدمت میں مصروف رہتا ہے، اپنی کوشش کرتا رہتا ہے کہ کیا خبر میری اس خدمت کے ذریعے میری کوتاہی کی تلافی ہو جائے، آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک ضرور اس کی خدمت پر بلند پایہ اجر دیتا ہے۔وہ اپنی خدمت کے طفیل اللہ تعالیٰ کے فضل کا مستحق ہو جاتا ہے۔اس واسطے خدمتِ خلق کسی صورت بھی خالی از فائدہ نہیں۔کوئی شخص اگر انفرادی عبادت میں فرض کی بات نہیں کرتا، فرض بہر حال ادا کرنے ہیں چاہے خدمتِ خلق کریں یا نہ کریں، یہ نہیں ہو سکتا کہ بندہ فجر کی نماز قضاء کر دے کہ رات کو میں خدمت کرتا رہا ہوں اس چیز کو اللہ پاک قبول نہیں فرماتا۔کیونکہ یہ اس کے حکم کی نافرمانی ہے۔میں جس انفرادی عبادت کی بات کر رہا ہوں وہ نفلی عبادت ہے۔اگر کوئی شخص انفرادی قسم کی عبادت کرتا ہے اور اُس سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے، عین ممکن ہے کہ اُس کی اُس کوتاہی کی تلافی نہ ہو سکے لیکن جو شخص خدمتِ خلق کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان افراد جن کی اس نے خدمت کی ہوئی ہوتی ہے اور جن کو اس نے فائدہ پہنچایا ہوتا ہے اُن کی دُعا کے طفیل اللہ پاک اُس کی مُشکل آسان کر ہی دیتا ہے، ہر صورت میں وہ فائدہ میں رہتا ہے۔حضرت شیخ الشیوخؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنا لے اور اپنے اس کام کو نوافل پر ترجیح دے وہ بڑی

جلدی اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؒ نے ایک مزید وضاحت بھی فرمائی ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ جو شخص خدمت کرتا ہے وہ بحیثیت خادم رتبہ حاصل کر سکتا ہے لیکن اس کو شیخ بننے کے واسطے دیگر تمام منازل میں سے بھی گزرنا ہوتا ہے جن پر اس کا شیخ اس کو چلائے اس کے بغیر وہ اپنی منزل مقصود حاصل نہیں کر سکتا۔ بے شک خدمتِ خلق عبادت ہے لیکن اپنی رُوحانیت کے عروج کے واسطے اس سے بھی آگے منزلیں ہیں ان کا حصول بھی ضروری ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ انسان اس اہل ہو کہ کسی سے گدا نہ کرے بلکہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے ذریعے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مُرشد حضرت سری سقطیؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جنت کو سیدھا جانے کا ایک مختصر راستہ ہے اور میں اس راستہ سے واقف ہوں۔ میں نے عرض کی کہ وہ کون سا راستہ ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ نہ کسی سے کچھ طلب کرے اور نہ کسی سے کچھ حاصل کرے۔ جو کچھ اس کے پاس موجود ہے اس کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی خدمت کو جاری رکھنا چاہیے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ بائیں ہمہ خادم نوافل کے ثواب پر یقین رکھتا ہے لیکن اس سے مُراد وہ نوافل ہیں جو عام طور پر انسان اپنے شوق سے ادا کرتا ہے۔ جو نوافل شیخ کسی پر لازم کر دے وہ اس کے واسطے فرضوں کے مترادف ہوتے ہیں اور ان کی پیروی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ خدمت کے سلسلہ میں آپؒ نے حضرت انسؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ان کی خدمت میں تھے، ہم سفر کرتے ہوئے ایک مقام پر پہنچے اور بیٹھ گئے۔ ہم میں سے بعض لوگوں کے نفلی روزے تھے اور بعض بغیر روزے کے تھے۔ روزے نفلی تھے۔ سخت گرمی تھی اور جب ہم ٹھہرے تو جو روزے دار تھے وہ سایہ دار جگہ پر سو گئے اور جو بغیر روزے کے تھے وہ کھڑے ہوئے، انہوں نے خیمے لگائے، سواریوں کو پانی پلایا اور ان کی خدمت دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا آج روزے کے بغیر والے ثواب لے اڑے۔ آج بے روزہ روزے داروں سے بڑھ گئے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ نوافل پر خدمت کو فضیلت حاصل ہے۔ لیکن خدمت کے سلسلہ میں آپؒ نے دو تین مختلف درجوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک تو وہ خادم جو صرف فقط اللہ کی رضا کے واسطے خدمت کرتا ہے وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ لیکن وہ شخص جو اپنے نفس کی آمیزش کے ساتھ خدمت کرتا ہے اور خالص نیت نہیں رکھتا، اس کے بارے میں آپؒ نے فرمایا کہ ایسے شخص کی خدمت نیکی اور بدی کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس آمیزش کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کبھی وہ اپنے حُسنِ عقیدت کی وجہ سے صحیح خدمت کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور کبھی اپنے نفس کی آمیزش کی وجہ سے اس میں ناکام رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپؒ نے لکھا کہ اگر ایسی صورت ہو تو اس شخص کو خادم نہیں کہا جاتا بلکہ متخادم کہا جاتا ہے۔ ایسا شخص متخادم ہے خادم نہیں ہے جس شخص کی طبیعت اور مزاج ذاتی عداوت اور رنجش کے سبب بدل جائے، اُس کی خدمتِ خلق میں فرق آئے جہاں اُس کا مفاد ہو وہاں پر تو خدمت کرے اور جہاں پر اس کو اپنا مفاد حاصل نہ ہو رہا ہو وہاں خدمت نہ کرے۔ آپؒ نے فرمایا وہ سچا خادم نہیں۔ وہ متخادم ہے۔ جو سچا خادم ہوتا ہے وہ خوشی اور غمی دونوں صورتوں میں خدمت بجالاتا ہے چاہے اس کو وہ لوگ اچھے لگتے ہوں یا نہ لگتے ہوں، وہ اپنے نفس کی پیروی نہیں کرتا۔ اس کو اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہے۔ ہر مقام اور ہر حالت میں جو مناسب ہوتا ہے وہی کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا پس ایسا شخص

جس کی ہم نے وضاحت کی جھوٹ کا خادم ہے حقیقت میں خادم نہیں۔ اسے متخادم کہتے ہیں۔ لیکن متخادم بھی خدمت کے ثواب سے محروم نہیں رہتا۔ اس نے خدمت کی اگرچہ اس میں اس کے نفس کی آمیزش ہوئی لیکن اگر کسی جگہ اگر کسی شخص کو اس کی خدمت کا فائدہ پہنچ گیا ہے تو پھر وہ اس خدمت میں شامل ہو گیا۔ میں اس کی مثال آج کے دور سے پیش کرتا ہوں کہ لوگ آئی کیمپ لگواتے ہیں اس واسطے کہ ان کی سیاسی ساکھ بن جائے یا ان کا کلینک چل پڑے، مقصد تو ان کا یہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کیمپ میں لوگوں کی آنکھوں کا آپریشن ہوتا ہے، ان کی آنکھوں کا بلا معاوضہ آپریشن ہو جاتا ہے ان کو نظر مل جاتی ہے، وہ دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ پاک اس چیز کو نظر انداز نہیں کرتا، ان کی اس نیکی کو بھی نیکی سمجھتا ہے اور قبول فرمالیتا ہے۔ لہذا صرف خادم کی خدمت اگرچہ اعلیٰ درجہ کی ہے، لیکن متخادم کی خدمت بھی اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے۔ خدمتِ خلق کا یہ معیار ہے کہ اگر اس میں نیت میں فرق بھی آگیا ہے پھر بھی جس کی خدمت کی گئی اگر اس کو فائدہ حاصل ہو گیا ہے تو اللہ پاک اس فائدہ کو نظر انداز نہیں فرماتا اور خدمت کے مطابق اس کی جزا ضرور دیتا ہے۔ آپؒ نے ایک اور قسم کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدمت کی آڑ میں لوگوں پر بعض اوقات دست درازی کرتے ہیں، ان کو طعن و تشنیع اور دل آزاری بھی کر بیٹھتے ہیں ایسے لوگ تیسرے درجے پر آتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص خیرات کر رہا ہے۔ اس نے لائن لگوائی ہے ان کو طعن و تشنیع کرتا ہے، ان کو برا بھلا کہتا ہے، بعض اوقات زد و کوب بھی کرتا ہے، ان ساری چیزوں کے باوجود اگر اس کی خدمت سے کسی کو فائدہ پہنچ جاتا ہے تو اللہ اس کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ اس کے بھی اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کے امکانات موجود ہیں۔ اِس تیسری کٹیگری کے متعلق انہوں نے فرمایا کہ ایسا شخص نہ تو خادم ہے نہ ہی متخادم بلکہ وہ مستخدم ہے۔ اپنی خدمت کے عوض اپنی خدمت بھی لے لیتا ہے، کسی کو طعن و تشنیع بھی کر گزرتا ہے، زد و کوب بھی کر گزرتا ہے، اگرچہ اس کو اپنے اس عمل کا جواب دہ ہونا پڑے گا، اگر خدمتِ خلق میں اس کا یہ رویہ ہو گا تو وہ حقوق العباد میں قابلِ گرفت ہے لیکن اس کے باوجود اس کی خدمت کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم یہ مثالیں عملی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ لوگ جب خیرات کرتے ہیں تو وہ بہت کچھ کرتے ہیں، بعض اوقات خیرات لیتے وقت لوگوں کی جس طرح لائنیں لگوائی جاتی ہیں، جس طرح ان کو زد و کوب کیا جاتا ہے، جس طرح ان کی عزتِ نفس متاثر کی جاتی ہے، اس کے ساتھ ضرور حقوق العباد کی گرفت آتی ہے لیکن خدمت کا اجر اپنی جگہ ہے وہ پھر بھی ضائع نہیں ہوتا۔ اُنہوں نے اِس چیز کا اظہار واضح کر دیا تاکہ خدمتِ خلق کے اجر کی وضاحت ہو جائے کہ خدمتِ خلق ہر صورت اللہ کو قبول ہے، اللہ کسی کا اجر کسی بھی صورت ضائع نہیں کرتا۔ یہ اللہ پاک کا قانون ہے کہ اگر کسی نے ایک رتی برابر بھی بھلائی کی ہو گی اس کو اس کا اجر بھی ضرور دیا جائے گا۔ خُدام کی تین اقسام ہوتی ہیں۔ ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ اہل تصوف اس میں سے سب سے بہترین کو والٹی کو اختیار کریں، جو کہ خادم ہے۔ جس کے اندر ان کے اپنے نفس کی آمیزش نہ ہو۔ کوئی شخص ان کے ساتھ راضی ہو یہ نا ہو، کوئی جفا کرے یا وفا کرے وہ اپنے اس طریقہ کو جاری رکھیں۔ کسی نے بڑی اچھی مثال دی تھی کہ ایک کچھوا دریا عبور کرنے لگا۔ اس کے اوپر ایک بچھو بیٹھ گیا۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ یہ تو ہر کسی کو نقصان پہنچاتا ہے، ڈس لیتا ہے، تم نے اس کو کیوں اپنے اوپر بٹھا لیا۔ اس نے کہا کہ اس کی وہ ہی خصلت ہے میری یہ خصلت

ہے۔ اگر اس نے اپنی خصلت نہیں چھوڑی تو پھر میں اپنی خصلت کیوں چھوڑوں۔ اگر بُرائی کرنے والا اپنی بُرائی سے دست بردار نہیں ہوتا تو کیا نیکی کرنے والا ایسا گیا گزرا ہے کہ وہ اپنی نیکی سے دست بردار ہو جائے۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ !

"معاف کرو گر خطا کرے کوئی اور بخش دو گر بُرا کرے کوئی"

اگر کوئی شخص جفا بھی کرے تو جو شخص اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے، تعمیرِ کردار کی منزل پر گامزن ہوتا ہے تو وہ اللہ کی رضا کی خاطر ان تمام جفاؤں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔ میری گزارشات کسی پس منظر کے پیش نظر نہیں بلکہ اس درس کے مطابق ہیں۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے ان لوگوں کو جو اہل تصوف، اولیا اللہ اور بزرگان دین کے ساتھ وابستہ ہیں ان کے اندر خدمتِ خلق کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے اور اس کی تین اقسام بیان کی ہیں، ان میں سے پہلی قسم یا پہلا گروپ خادم ہے جو سب سے زیادہ مستحسن ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی خدمت کرے، اگر اس کی خدمت میں مکمل طور پر خلوص قلب نہ بھی ہو تو بھی اللہ تعالیٰ اس کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ لہٰذا خدمت جس صورت میں بھی ہو اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہ اِس صورت میں قابل قبول ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ ہوا ہے۔ اگلا باب صوفیاء کرام اور ارباب تصوف کی خصوصیات۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی خانقاہوں کی بنیاد اس ہادی و مہدی قوم کی زینت ہے۔ اہل خانقاہ اور زاویہ نشینوں کی خصوصیات ایسی ممتاز ہیں جن کے باعث وہ دُوسری جماعتوں سے ممیز و ممتاز ہو گئے ہیں ان کے یہ اوصاف و خصوصیات دُوسری جماعتوں میں موجود نہیں ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

"أُوْلَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهِ"(الانعام:90)

یہی وہ لوگ ہیں جو منجانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں اس لیے تم اُن کی ہدایت کی پیروی کرو۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ اہل تصوف کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔ اُن خصوصیات میں سے ایک خصوصیت تو خدمتِ خلق ہے اور اس کے بعد دیگر خصوصیات ہیں ان کے بارے میں میں بعد میں عرض کرتا ہوں اس سے پہلے انہوں نے ایک پیراگراف لکھا ہوا ہے اس کے بارے میں بھی عرض کرنا اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی اور اپنے گردو پیش کی صورتحال سے مایوس نہ ہوں اور آزردہ نہ ہوں کہ شاید ایک شخص کی ادا مالک کائنات کو پسند آ جائے وہ اس چیز پر قادر ہے کہ اس کا ایک اشارہ دُنیا کا نقشہ بدل سکتا ہے۔ ہم میں سے ہر کسی کو ایسی ادائیں اختیار کرنے کی ضرورت ہے جس میں سے کوئی ادا ہمارے مالک کو پسند آ جائے اور اگر پسند آ گئی تو پھر ساری کائنات کا نقشہ ہی بدل جائے گا۔ اس سلسلہ میں آپؒ نے ایک پیراگراف لکھا ہے، انہوں نے اپنے زمانہ تقریباً ہزار سال پہلے کی بات کی لیکن صاف ظاہر ہے وقت گزرنے کے ساتھ یہ کوتاہیاں اور زیادہ بڑھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ " ہمارے زمانہ کے لوگوں میں بعض کوتاہیاں نظر آتی ہیں اور وہ اَسلَاف کے طریقہ سے روگردانی کرنے لگے ہیں، بزرگان سلف کے طریقہ پر عمل پیرا نہیں۔ اِن کی اِس کمزوری اور کوتاہی سے اِن کے اصل معاملہ اور اُن کے طریقہ کی درستگی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ انفرادی غلطی اِس نظام پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ مگر جو لوگ اہل تصوف ہیں، صاف ظاہر ہے ان کی تربیت میں وقت لگنا ہے اور

اس دوران اگر ان سے کوئی کوتاہی بھی سرزد ہو جاتی ہے تو وہ تقاضہ بشریت ہے، اس بات سے ان سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، رَفتہ رَفتہ وہ اپنے اصل مقام کو حاصل کرلیں گے، جو جس راستہ پر چلتا ہے وہ آہستہ آہستہ اس تک پہنچ جاتا ہے"۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کے راستہ میں پہلا قدم اٹھاتا ہے وہ ضرور اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس واسطے اس میں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ ان کی ذاتی کمزوریاں ہیں، خانقاہی نظام، نظامِ تصوف اور طریقت کے مسلک کی خرابی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ طریقہ سب سے بہترین طریقہ ہے۔ اب بھی جو کچھ رُوحانی اثر باقی ہے اور آستانوں پر جو لوگوں کا اجتماع نظر آتا ہے یہ سب کچھ فیض ہے ہمارے ان پہلے بزرگوں کا جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اب بھی خانقاہوں کو قائم رکھا ہوا ہے، ان میں اطاعتِ خداوندی اور آدابِ ظاہری کے رسوم کی ایک شکل نظر آتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آستانے جس صورت میں بھی ہیں یہ غنیمت ہیں، ان کا ہونا پوری اُمت کے واسطے فائدہ مند ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اب بھی کچھ ہستیاں ایسی ہیں جو صحیح طریقہ پر اپنے اَسلَاف کے مسلک پر گامزن ہیں۔ آپؒ نے اہل تصوف کی خصوصیات میں خدمتِ خلق کے بعد جن خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے صرف ایک خصوصیت کا ذکر کر کے آج اپنی ان گزارشات کا اختتام کروں گا باقی انشاء اللہ آئندہ۔ ہماری اس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہم بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہؓ کی پیروی کی اور اللہ پاک نے ان کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ "أُوْلَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ" وہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا کی ہوئی تھی، جن کو اللہ نے ہدایت دی ہوئی تھی اور "فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهِ" وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کرلی۔ اللہ ہمیں بھی ان میں شامل کرلے۔ ہم اس زندگی میں رہتے ہوئے اپنی دُنیا کے تمام ترپہلوں میں اپنی involvement اور اپنا اثر ورسوخ رکھنے کے باوجود اپنے رب کے حضور ان بندوں میں شامل ہو جائیں جو اس کو پسند ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلا نقطہ جو گزارش کیا وہ خدمتِ خلق ہے۔ اجتماع عید پر میں نے گزارش کی تھی کہ خدمتِ خلق کسی بھی صورت میں چاہے کوئی شخص غریب ہو یا امیر ہو، بچہ ہو یا بوڑھا ہو، جوان ہو، بی بی ہو، مَرد ہو، صحت مند ہو یا بیمار ہو جس طرح کا بھی ہو، اپنی اپنی جگہ ایثار کر سکتا ہے۔ ایثار وہاں پر بھی تھا کہ جب میدانِ احد میں صحابہ زخمی حالت میں پڑے تھے۔ ایک بی بی صحابیہؓ ان زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ ایک زخمی کے پاس پہنچیں، اس نے آواز دی پانی۔ وہ پانی لے کر اس کے پاس پہنچیں ان کے ساتھ ایک اور زخمی پڑا ہوا تھا اُس نے بھی پانی کے لیے آواز دی، پہلے زخمی نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ مجھے پانی بعد میں دینا اس کو پہلے پانی دے دو، وہ یہ کرتے کرتے ساتویں بندے تک پہنچیں اور جس وقت تک ساتویں زخمی تک پہنچیں وہ وصال کر چکا تھا، جب واپس لوٹیں تو پچھلے سارے زخمی بھی وصال کر چکے تھے۔ یہ ایثار کا ایک بہت بڑا مظاہرہ تھا جو صحابہ رسول ﷺ نے پیش کیا۔ یہ اُمت مسلمہ ایسی خوبصورت مثالیں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہ ہی ایثار خدمتِ خلق ہے۔ ہر شخص اپنی جگہ ایثار کرے اور دُوسرے کے کام آئے۔ کوئی امیر ہے تو وہ غریب کی امداد کرے۔ صحت مند ہے تو وہ بیمار کو سہارا دے۔ اگر بچہ ہے تو بوڑھے کا ہاتھ پکڑے۔ اگر بی بی ہے تو وہ اپنے مَرد کی خدمت کرے۔ جو خاتون اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بعد اگر کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو میں بیبیوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کو

سجدہ کریں۔اسی طرح کرتے کرتے اگر کسی کے پاس کچھ بھی نہیں تو کسی کے واسطے مسکرادینا بھی صدقہ ہے۔یعنی کسی کے ساتھ ناگواری کا اظہار کرنا اس کا الٹ ہے۔ایک صدقہ کرنا ہے اور دُوسرا اس کے الٹ کرنا ہے آپ خود سمجھ لیں کہ وہ کتنا بڑا گناہ ہے۔ کسی شخص کی عزت نفس کو متاثر کرنا، اس کو Disgrace کرنا، نقصان پہنچانا، گالی گلوچ کرنا، زدوکوب کرنا، تکلیف دینا یہ اللہ پاک کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص اینٹ اینٹ کرکے کعبہ کو اکھاڑ دے وہ اللہ کے نزدیک اِتنا مجرم نہیں، جتنا وہ مجُرم ہے جو کسی مومن کی توہین کرتا ہے۔ اللہ کے نزدیک اپنی مخلوق کی حرمت سب سے زیادہ ہے۔ اللہ پاک کو اس چیز کا سب سے زیادہ پاس ہے۔ بہرحال خدمتِ خلق میں کسی کے واسطے مسکرادینا، اس کی دلجوئی کرنا، اس کا دل رکھنا، چاہے اس کے ساتھ اس کا اچھا سلوک ہو یا نہ ہو، یک طرفہ اچھا سلوک رکھنا اُس کا صدقہ ہوگا، اس کی عبادت ہوگی، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر کوئی مسکرانے کے جواب میں مسکراتا ہے تو پھر دونوں کام ایک جیسے ہو جاتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص کسی کو غصہ دلائے اور اس کے جواب میں وہ اس کے ساتھ خوش اخلاقی کرے تو یہ عین عبادت کی ایک اعلیٰ صورت ہے۔ صوفیاء اور اہل تصوف کو اس عبادت کے مظاہرے پیش کرنے چاہیں، تاکہ عوام الناس کو یہ احساس ہو کہ یہ ہی وہ اصل راستہ ہے جو اللہ کے قریب کرتا ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے یہ ارشاد فرمایا کہ دُوسری جماعتوں میں یہ بات نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل تصوف میں رکھی ہے۔ یہ لوگ اپنے ان کاموں سے اللہ کے نزدیک ہو جاتے ہیں۔اپنے والدین کو دیکھ کر مسکرانا ان کی دلجوئی کے واسطے بہت بڑا ثواب ہے۔ کسی اور کے واسطے بھی یہاں تک کہ کسی کو سلام کرنا بھی سُنت ہے لیکن اس کی دلجوئی کے واسطے اس کے سلام کا جواب دینا یہ اللہ تعالیٰ نے شریعت میں فرض کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے اور وہ اس کا جواب نہیں دیتا تو اس نے گویا فرض چھوڑ دیا اسی طرح جیسے کہ اس نے نماز قضاء کر دی۔ اللہ پاک کو اپنے بندے کی دلجوئی سے اتنا پیار ہے چہ جائیکہ کہ کوئی شخص کسی کی دل آزاری کرے، کسی کا دل توڑے، کسی کے بارے میں مُخاصمت رکھے یا کسی کے بارے میں اپنے دل میں کینہ، حسد اور بُغض رکھے۔ اس چیز سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ میرے صاحِب فرماتے تھے کہ اللہ پاک اس شخص کو کبھی بھی اپنی نعمت عطا نہیں کرتا جس کے دل میں کینہ ہو۔ جب مجھے ابتداء میں سبق دیا گیا تو یہ ارشاد تھا کہ جب تک دل کینہ سے پاک نہیں ہوتا اس وقت تک اللہ کی رحمت اور اس کا ذکر دل میں داخل نہیں ہو سکتا۔ درویش وہ ہوتا ہے جس کا دل کسی بھی مخلوق صرف انسان نہیں، کسی بھی مخلوق کے بارے میں شکوہ، کینہ اور غصے سے پاک ہو۔ پہلے دن کوئی بھی شخص اس مقام پر نہیں پہنچتا، ساری عمر لگا کر بھی اگر کوئی اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے تو غنیمت ہے۔ اللہ پاک شاید رَفتہ رَفتہ ہمیں یہ منزل نصیب فرمائے، ہم باتیں ان کی کرتے ہیں جو یکتا تھے، یگانہ روزگار تھے اور دوسروں کے واسطے مثال تھے، اس واسطے کہ شاید ان کی باتیں کرتے کرتے کہتے ہیں کہ!

”رانجھا رانجھا کَردِیاں نیں میں آپے رانجھا ہوئی“

کیا خبر اُن کی باتیں کرتے کرتے ہم پر بھی اثر ہو جائے۔ اِس واسطے ہم نے ان بزرگوں کی بات چھیڑی اور ان کی یہ جو کتابیں ہیں ان کو اپنا ریفرنس بنایا ہے۔ اللہ کی جناب میں انتہائی نیک نیتی اور دل کی گہرائی سے یہ التجاء ہے کہ اللہ پاک ہمیں بھی یہ راستہ عطا کر دے۔ میں نے اپنے

بچپن میں جب کتاب "سفینۃ الاولیاء" جس میں اولیا اللہ کا ذکر تھا، پڑھی تو میرے پر گویا سکتہ طاری ہو گیا۔ میں اس وقت پانچویں کلاس کا طالب علم تھا۔ مجھے کتنے ہی دن یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ یا اللہ یہ بھی لوگ ہیں جنہوں نے ایسی زندگیاں گزاری ہیں اور میرے دل سے یہ دعا نکلتی تھی کہ یا اللہ مجھے بھی ان کی جوتیوں کے ساتھ لگی خاک کا صدقہ ان کے راستہ پر رواں کر دے۔ شاید اللہ ہمیں زندگی کے کسی لمحہ ان کی پیروی نصیب کر دے۔ اس واسطے یہ تو پہلی منزل ہے کہ اللہ پاک نے ہمیں ان کے ذکر کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ گویا ہم ان کے راستہ پر چل پڑے ہیں، ہمارا پہلا قدم اس طرف اٹھ گیا ہے۔ اربابِ تصوف کی جو خصوصیات ہیں ان میں سے پہلی خصوصیت خدمتِ خلق ہے اور دُوسری خصوصیت آپؒ لکھتے ہیں کہ تمام اہل تصوف ایک جسم کی طرح متحد ہیں۔ بعض اوقات احباب کو سمجھانے کی خاطر ضرورت کے مطابق مترجم کے الفاظ میں کچھ تبدیلی بھی کرنی پڑتی ہے، انہوں نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ عربی میں ہیں اور میرے پاس جو کتاب موجود ہے وہ اردو میں ترجمہ شدہ ہے۔ ہم سب آسانی سے عربی سمجھ نہیں سکتے لہذا ہم نے اِس کا ترجمہ اختیار کیا ہے۔ اِس میں جو الفاظ ہیں ہم نے وقت کی مناسبت سے کیونکہ یہ ہزار سال پہلے کی بات ہے وقت اور دورانیہ کی مناسبت کے ساتھ الفاظ میں تھوڑا بہت ردوبدل کر رہا ہوں لہذا اگر کسی ترجمہ میں یہ الفاظ نہ بھی ملیں، درس دینے والے کو اس چیز میں گنجائش ہوتی ہے کہ وہ سمجھانے کے واسطے اس بات کا مطلب بھی بیان کر سکتا ہے۔ تمام اہل تصوف ایک جسم کی طرح متحد ہیں، دُوسری خصوصیت جو آپؒ فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ اہل تصوف اپنے اتحاد اور اپنے متحدہ اداروں کی بدولت ایک جسم کی طرح ہوتے ہیں دُوسری جماعتوں میں ایسی بات نہیں۔ دُوسری جماعتوں میں ایسا اتحاد نہیں پایا جاتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تعریف قرآنِ مُبین میں اس طرح بیان فرمائی ہے!

"كَأَنَّهُمْ بُنيَانٌ مَرْصُوصٌ "(الصف:4)

"وہ مؤمنین ایسے متحد و متفق ہیں اور اس قدر مضبوط ہیں جیسے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔ بُنيَانٌ مَرْصُوصٌ ایسی مضبوط دیوار کو کہتے ہیں جس کے اندر سیسہ پگھلا کر، جو سب سے زیادہ مضبوط دھات سمجھی جاتی ہے، جس کو اگر پکا کر دیا جائے تو پھر اس کو توڑا نہیں جا سکتا، ایسی دیوار جس کے اندر سیسہ موجود ہو۔ اس کے برعکس دشمنوں کا ذکر اس طرح فرمایا !

"تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى "(الحشر:14)

تم ان کو متحد و متفق خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل آپس میں دور دور ہیں۔ جو لوگ مومن نہیں، منافق ہیں یا مسلمانوں کے مخالف ہیں ان کے دل اندر سے کبھی بھی اکٹھے نہیں ہوتے۔ وہ اندر سے ایک دُوسرے کے ساتھ مخاصمت رکھتے ہیں۔ اگر وہ دکھانے کے لیے اکٹھے ہو بھی جائیں تو وہ اکٹھے نہیں ہوتے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ سے آپؒ نے روایت فرمایا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اگر کوئی عضو مبتلائے درد ہوتا ہے تو تمام جسم میں تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح اگر کسی ایک مومن کو تکلیف پہنچے تو تمام دُوسرے ایمان والے اس کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ آج کا درس یہاں پر ہی ختم کرتے ہیں، اہل خانقاہ اور اہل تصوف ایک جسم کی

طرح متحد ہیں۔ اس سلسلہ میں جو خامیاں ہمارے اندر پائی جاسکتی ہیں یا ہوتی ہیں ان کا آپؐ نے ذکر فرمایا اور ان کا آپؐ نے علاج بھی تجویز فرمایا۔ لیکن وہ انشاء اللہ آئندہ درس میں گزارش کیا جائے گا۔ آج جو کچھ عرض کیا گیا وہ خدمتِ خلق کے بارے میں ہی تھا۔ پچھلی دفعہ بھی ہم خدمتِ خلق تک پہنچے تھے، آج ہم نے خدمتِ خلق کے موضوع کو مختصراً بیان کیا ہے، تفصیلاً تو یہ بڑا وسیع موضوع ہے لیکن مختصراً اس کو اختتام تک پہنچایا اور اہل تصوف کی اگلی خصوصیت آپس کے اندر اتحاد، اتفاق، محبت، آپس میں نرم دل ہونا، محبت رکھنا اس تک پہنچے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے!

”رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ“ (الفتح:29)

اس کی تفصیل انشاء اللہ بشرط توفیق آئندہ مجلس میں گزارش کی جائے گی۔ آج جو کچھ بیان کیا گیا اللہ تعالیٰ اِس کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ اس سلسلہ میں یا گزشتہ جو گزارشات تھیں اس سلسلہ میں اگر کسی کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو وہ گزارش فرما سکتا ہے۔ یہ تمام کتابیں تقریباً تقریباً ہزار سال پہلے لکھی گئی ہیں۔ کشف المحجوب از حضرت داتا گنج بخشؒ، رسالہ قشیریہ از امام ابو قاسم قشیریؒ، عوارف المعارف از شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ اور غنیۃ الطالبین از غوث پاکؒ یہ تمام کتابیں تقریباً ایک آدھ صدی کے فرق سے آگے پیچھے ہی لکھی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ احیاء العلوم از امام غزالیؒ اور دیگر بھی کچھ کتابیں ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ کے زمانہ میں تصوف اپنے عروج پر تھا۔ ہم بھی اِس جستجو میں ہیں کہ ہمارے زمانہ کا جوڑ بھی اس زمانہ کے ساتھ ہو جائے تاکہ اللہ کی جناب میں ہم بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جن کو اُس نے پسند فرمایا ہے ۔اِن بزرگوں کی کتابوں کو دوام حاصل ہوا اور آج تک صرف ہمارے پاس ہی نہیں بلکہ دُنیا بھر میں یہ کتابیں موجود ہیں اور تقریباً تمام دُنیا کی بڑی بڑی زبانوں میں ان کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ کشف المحجوب شریف کا ترجمہ روسی زبان میں بھی ہو چکا ہے۔ یہ اُن کی بڑائی ہے کہ یہ بزرگ اِس دُنیا سے ظاہراً پردہ تو کر گئے لیکن اپنے احوال کی صفائی، اپنے باطن کی چمک اور اپنی کتابوں کی رہنمائی کے ساتھ وہ آج بھی زندہ ہیں۔ اُن کی زندگی کا ثبوت ان سب بزرگوں کے مزارات پر لوگوں کا اجتماع، چاہے یہ دُنیا کے کسی بھی ملک میں ہوں، حضرت غوث پاکؒ کا مزار مبارک عراق کے اندر ہے وہاں پر بھی میلہ ہے، حضرت داتا گنج بخشؒ کا مزار مبارک پاک و ہند لاہور میں ہے وہاں پر بھی لوگوں کا ہجوم ہے، حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ یہ بھی بغداد شریف میں ہیں ان کے مزار مبارک پر لوگ کثرت کے ساتھ جاتے ہیں اور اسی طرح دیگر بزرگ۔ یہ لوگ اپنے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ آج بھی زندہ ہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جو میرے راستہ پر مرتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو، وہ اللہ پاک کی رحمت کے ساتھ زندہ بھی ہیں اور ان کو رزق بھی نصیب ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی رضا کے واسطے اپنی زندگیاں وقف کی تھیں اور اسی سلسلہ میں ہی ان کی موت آئی۔ ان کی موت ان کی زندگی بن گئی، ایسی زندگی جس کا کوئی اختتام نہیں۔ ہم سب ان کی زندگی کا ذکر کر کے ان کی زندگی کا اثر اپنی زندگی میں بھی لانے کی جستجو کرنے میں مصروف ہیں۔ اللہ پاک کے حضور التجاء ہے کہ اللہ پاک ہمیں زندگی کی یہ تڑپ اور سرور عطا کرے تاکہ یہ دور بھی ان کا دور بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کہا اور سنا اپنی

بار گاہِ عالی میں قبول و منظور فرمائے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اگر کسی نے سوال نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ میری بات سب کو سمجھ آگئی ہے۔ فقہ کے مَسَائل تو آپ کو کتابوں میں بھی مل جائیں گے لیکن یہ دل کے معاملات ہیں ان کو کوئی چھیڑتا ہی نہیں ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ صاحب نے فرمایا! "درد مَنداں دے دُھویں دُھدے تے ڈردا کوئی نہ سیکے ہو" اِس طرف عموماً کوئی آنا ہی پسند نہیں کرتا، اللہ پاک نے ہم پر مہربانی فرمائی ہے، ہم پر توجہ دی ہے تو اللہ کی جناب میں عرض ہے کہ اللہ پاک ہمارے قدم بڑھاتا ہی جائے، استقامت نصیب فرمائے اور اللہ پاک ہمیں منزلِ مقصود عطا فرمائے۔ آمین۔ اپنی گفتگو کا اختتام اسی بات پر کرتا ہوں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ علم کی محفل میں شرکت ایک ہزار رکعت نماز، ایک ہزار جنازوں میں شرکت اور ہزار مریض کی عیادت سے افضل ہے، اللہ پاک اجر عطا فرمائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف۔15

دورانیہ۔59منٹ۔تاریخ۔12-09-2013

بمقام۔مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ، کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

" أُوْلَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهِ" (الانعام:90)

تصوف کے سلسلہ میں جن دروس کا آغاز ہوا اُن کا مقصد صرف کسی قسم کی معلومات کی تشہیر نہیں بلکہ ہم سب بشمول اس فقیر کے سب اُس راستہ کے طالب ہیں جس کو اختیار کر کے اللہ کے بندوں نے اللہ تک رسائی حاصل کی۔اللہ کریم نے ہمیں قُرانِ پاک میں یہ ہی حکم فرمایا "أُوْلَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ" وہ ہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی "فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهِ" تم ان کی ہدایت کی پیروی کرو۔قُرانِ پاک کی ابتدائی سورت اسی چیز کا عمل کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

"صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ"(الفاتحہ:7)

اور أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کو قُرانِ پاک نے ہی Define کیا ہے۔اس سلسلہ میں جو گزارشات اب تک کی گئی ہیں مختصر اً ہم پچھلے سبق کے ساتھ جائزہ لے کر آگے چلتے ہیں۔گزارش کی تھی کہ کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا!

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى" (الاعلیٰ:14)

کامیاب ہو گیا وہ جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا۔یہ نفس کا سنوارنا ہی حقیقتاً تصوف کہلایا۔جس میں احوال کی صفائی اورِ باطن کی درستگی شامل ہے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ اس راستہ کے امام سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں۔آپؓ نے سب سے پہلے باطن کی درستگی پر عمل درآمد فرمایا۔اس کے بعد جب تابعین کا زمانہ آیا تو پھر کیوں کہ صحابہ کرامؓ اپنا ظاہری زمانہ گزار کر دُنیا سے تشریف لے کر جا چکے تھے تو پھر ان لوگوں کو اہل تصوف یا صوفی کہا گیا۔اس سے پہلے یہ ہی لوگ صحابی کہلاتے تھے۔آپؒ نے تصوف کی چار اکائیاں بیان فرمائی ہیں۔ان میں سے سب سے پہلی اکائی شیخ، پھر ارادت، پھر مُرید اور اس سلسلہ میں جو طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے اُس کو بیعت کہا گیا۔شیخ سب سے پہلے اِس لیے کہ جب تک کوئی مرکز یا منبع نہ ہو اس وقت تک کسی چیز کا پھیلاؤ ممکن نہیں۔ہر چیز اپنے منبع سے پھیلتی ہے۔روشنی اپنے منبع سے پھیلتی ہے۔جو چیز روشن ہوتی ہے وہ سب سے پہلے اپنے آپ کو روشن کرتی ہے، اس کے بعد اس کی روشنی سے اس کے گردو پیش کی چیزیں بھی روشن ہو جاتی ہیں۔یہ ہی اصول دُنیا میں ہر جگہ کار فرما ہے۔جتنے بھی علوم وفنون موجود ہیں سب کے اُستاد ہیں اور ان کے ذریعے ان علوم وفنون کا اجراء ہوا اور ایک سے دُوسرے تک

پہنچے۔ اللہ کے راستہ کے واسطے بھی اسی بنیادی اکائی کی ضرورت ہے۔ ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام احکامات، اسرار، دانائیاں

"وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" (الجمعہ:2)

اور تربیت تک سب کا سب اپنے رسول ﷺ کو عطا فرما دیا، رب کریم فرما رہا ہے۔

"وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" (النور:46)

اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے صراط مستقیم پر، لیکن اللہ پاک نے اس کا جو چینل مقرر فرمایا، جو طریقہ کار مقرر فرمایا، اللہ پاک نے اس کے متعلق بھی ارشاد فرمایا ہے، اللہ پاک فرماتا ہے۔

"وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" (الشوریٰ:52)

اے میرے محبوب ﷺ جب اللہ کریم کا ارادہ بن گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ہدایت کی صورت میں اس کے بندوں تک پہنچانا آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے یہ قُرانِ پاک میں ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعے جتنا کچھ منتقل ہوا۔ "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ" قُرانِ پاک کی تعلیم "وَالْحِكْمَةَ" اس کے اندر وہ دانائی ہے جس کو قلب روشن ہی پا سکتا ہے، صرف ترجمہ اور تفسیر پڑھنے سے وہ حاصل نہیں ہوتی، بلکہ یہ عمل کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، اس کے بعد پھر " وَيُزَكِّيهِمْ" تزکیہ نفس، تزکیہ باطن اور اسی تزکیہ باطن کا جو طریقہ کار چلا آ رہا ہے اسی کا نام ہی تصوف ہے۔ اس میں ہر دور میں کسی نہ کسی رہبر یا اُستاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو کچھ اللہ کریم نے اپنے حبیب ﷺ کے ذریعے منتقل فرما دیا اس کی فرداً فرداً تَرسیل کے واسطے جس کا انتخاب کیا گیا، اس ہستی کا نام شیخ ہے۔ اس میں میں نے تفصیل اس واسطے بیان کی کہ آئندہ مزید اسی اکائی کی اہمیت کے بارے میں بیان کیا جائے گا۔ حضرت غوث پاک سیدنا عبد القادر جیلانیؒ اپنی کتاب "غُنیتہ الطالبین" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مُرید اس بات کا یقین رکھے کہ عادت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ اس زمین پر ایک پیر ہو ایک مُرید ہو، ایک مقتدر ہو دُوسرا مصاحب ہو، ایک پیشوا ہو دُوسرا پیرو ہو اور یہ عادت الٰہی حضرت آدم علیہ السلام سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ آپؒ نے شیخ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے "غُنیتہ الطالبین" میں ارشاد فرمایا، باب نمبر 24۔ مُرید پر واجب ہے کہ وہ ظاہری عمل میں شیخ کی مخالفت نہ کرے اور نہ دل میں اس پر اعتراض کرے۔ ظاہر میں شیخ کی نافرمانی کرنے والا گستاخ اور بے ادب ہے اور باطن میں اس پر مُعترض ہونے والا اپنی تباہی اور ہلاکت کا خواستگار ہے۔ مُرید کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کو شیخ کی طرفداری میں مصروف رکھے اور ظاہر و باطن میں اپنے نفس کو شیخ کی مخالفت سے باز رکھے اور اس کے باعث اس کو ملامت کرے اور اس آیت کی تلاوت کثرت سے کرے۔

"رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ" (الحشر:10)

بہر حال اِس سِلسلہ میں آپؒ نے شیخ کا criteria بیان کیا جو کہ میں تفصیلاً بیان کر چکا ہوں کہ شیخ کون شخص ہو سکتا ہے۔ شیخ کے مَرتبہ پر فائض

ہونے والی شخص کی تربیت اُس کا شیخ کرتا ہے، جب وہ اطمینان کر لیتا ہے کہ وہ تمام تر علوم جو ضروری تھے ان کی تَرسیل واقع ہو گئی ہے پھر اس شخص کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں پیش کیا جاتا ہے اور اس کی باقاعدہ منظوری ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ اس اہل ہوتا ہے کہ وہ بیعت لے سکے۔ کیونکہ بیعت ایک ایسا عمل ہے جس کے بارے میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا!

"إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" (الفتح:10)

اے میرے نبی ﷺ جو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک کو اپنا ہاتھ "ید اللہ" قرار دیا۔ جب تک شیخ طریقت اس "يَدُ اللّٰهِ" کے اثرات اپنے ہاتھ میں نہ پالے اس وقت تک وہ بیعت لینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ پیر اور مُرید کے درمیان جو یہ بیعت واقع ہوتی ہے یہ بیعت نسبت کہلاتی ہے۔ یہ ایک لڑی ہے جس کا ایک سرا اللہ کے محبوب ﷺ کے ہاتھ مبارک میں ہے اور دُوسری طرف قیامت تک آنے والے جتنے شیوخ اور جتنے بھی ان کے ساتھ وابستہ لوگ ہیں۔ لہذا جب اللہ کا کرم ہوتا ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نگاہِ کرم مدینہ طیبہ سے اُٹھتی ہے تو پھر تمام اہل طریقت تک وہ فیض پہنچتا ہے۔ بہر حال اس سِلسلہ میں یہ گزارش کی تھی کہ صوفیاء یا اہل تصوف کے جو آستان ہیں ان کو "رِبَاط" کہا گیا ہے۔ "رِبَاط" سرحدی چوکی یا سرحدی چھاؤنی کو کہتے ہیں۔ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف المعارف میں لکھا کہ اہل تصوف حقیقتاً اُمت مسلمہ کے واسطے ان مجاہدین کے مترادف ہیں جو سرحدوں پر رہ کر ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ جن کی حفاظت انفرادی طور پر ہر شخص کے قلب سے لے کر مسلمانوں کی سرحدوں تک جاتی ہے۔ ہر علاقے میں کسی نہ کسی اللہ کے بندے کی وجہ سے لوگ خیریت پاتے ہیں اور ان پر اللہ کی رحمت وسیع کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے گزشتہ درس میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی دو حدیثیں بیان کی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ایک نیک آدمی کی بدولت اس کی اولاد، اس کی اولاد کی اولاد، اس کے گھر والے، اس کے پڑوسی اور اس کے گرد و پیش رہنے والوں کے کاموں کو سدھار دیتا ہے اور جب تک وہ نیک بندہ ان میں موجود رہتا ہے وہ سب کے سب اللہ کی حفظ و امان میں رہتے ہیں، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ صاحبان اقتدار ان کو بھی ان اولیا اللہ کی توجہ حاصل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے کچھ مثالیں جن میں سے ایک سلطان محمود غزنوی کی سومنات کے قلعے کی فتح کی، دُوسری سلطان غیاث الدین بلبن کی اور تیسری سلطان علاؤ الدین خلجی کی گزارش کی تھی۔ وہ فتنہ تاتار جو اکثر علاقوں کو تخت و تاراج کر کے، شہروں کو تباہ کر کے، لوگوں کی کھوپڑیوں کے مینار بنا کر جب ہندوستان کی سرحد پر پہنچا اور اُس نے غیاث الدین بلبن کو للکارا جو حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے مُرید تھے۔ غیاث الدین بلبن نے اپنے شیخ سے دُعا کروائی اور اتنی بڑی قوت سے مقابلہ کے لیے اپنے شہزادے کو لشکر دے کر بھیجا۔ شہزادہ محمد نے تاتاریوں کو ایسی عبرتناک شکست سے دوچار کیا کہ تاتاریوں کا وجود ہی ختم ہو گیا۔ اُمت مسلمہ اس فتنے سے قیامت تک کے لیے نجات پا گئی۔ یہ اہل تصوف کا فیضان تھا۔ اہل تصوف اپنی خانقاہوں میں بیٹھ کر مجاہدین کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ہر کسی کا اپنا کردار ہے لیکن اہل تصوف کا رول، ہر پہلو، ہر طبقہ زندگی اور ہر شعبہ زندگی پر ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں اہل تصوف کی فضیلت کے بارے میں اُن کی خدمات میں ہم نے یہ دیکھا تھا کہ خدمتِ خلق اِس طریقہ کار کا سب سے بڑا شعار ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ خدمت کرنے والا اہل اللہ کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرتا ہے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت کے ذریعے مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ان کے دکھ دور کرتا ہے اور ان کے واسطے آسانی کا سامان پیدا کر کے اللہ کے نزدیک اپنا مَرتبہ بلند کر لیتا ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے حضرت عائشہ

صدیقہؓ نے گزارش کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ کی معراج کی رات جو خاص باتیں ہوئیں تھیں ان میں سے ایک عنایت فرمائی جائے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سجدہ ریز ہوگئے اور اجازت ملنے کے بعد فرمایا کہ ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ اگر کوئی شخص اللہ کی رضا کے واسطے کسی شخص کا دل خوش کرتا ہے اللہ پاک اس پر راضی ہو جاتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ خادم خدمت کی وجہ سے سستی اور کاہلی سے محفوظ رہتا ہے کہ یہ ہی سستی، کاہلی اور بے زاری دل کی موت ہے اور یہ ان طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے اللہ کا قُرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آپؒ نے تین قسمیں بیان کی تھیں۔ خادم وہ جو سچے دل کے ساتھ خدمت کرتا ہے اور متخادم وہ جس کی کوئی نہ کوئی اپنی غرض خدمت میں شامل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک کٹیگری اور بھی ہے، وہ مستخدم ہے یہ وہ شخص جس کی نہ صرف اس خدمت میں اپنی غرض بھی شامل ہوتی ہے بلکہ اس کا مفاد شامل ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی خدمت کی جہت میں لوگوں کے واسطے تکلیف کا بھی باعث بنتا ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے دو مثالیں بھی بیان کی تھیں۔ متخادم وہ جو اپنی کسی ذاتی غرض کے واسطے خدمت کرتا ہے۔ جیسا کہ لوگ خیرات کرتے ہیں اور اس سے مقصد ان کی اپنی مشہوری ہوتی ہے یا وہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتے ہیں، شہرت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ مستخدم وہ جو خدمت کی جہت میں تکلیف بھی دیتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے لوگوں کو خیرات کے واسطے بلایا، ان کو گالم گلوچ بھی کی، زدوکوب بھی کیا اور تکلیف بھی پہنچائی، آپؒ نے فرمایا اگرچہ یہ جھوٹے خادم ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ مثلاً جس شخص کو خیرات مل گئی اس کا کچھ بوجھ ہلکا ہوا، اس کو کچھ Relief ملا۔ اس Relief کا اللہ تعالیٰ خدمت کرنے والے کو اجر ضرور دیتا ہے اور یہ مستخدم کے واسطے ہے۔ اب ہم باب نمبر 15 عوارف المعارف کے حوالہ سے اپنی گفتگو کریں گے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ خانقاہوں کی بنیاد اس ہادی قوم کی زینت ہے۔ اہلِ خانقاہ اور اہلِ تصوف کی خصوصیات ایسی ممتاز ہیں جن کے باعث وہ دُوسری جماعتوں سے ممیز و ممتاز ہو گئے ہیں۔ یعنی یہ آثار و خصوصیات دُوسری جماعتوں میں نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک تو خدمتِ خلق ہو گئی۔ دُوسری انہوں نے فرمایا کہ ہم اہل خانقاہ، ہم اس کو تھوڑا سا modify کر کے یہ گزارش کرتے ہیں کہ اہل تصوف، اہل خانقاہ اہل تصوف ہی ہیں، وہ لوگ جو بزرگانِ دین کے ذریعے رَب کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں ان کو اہل تصوف کہا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے اتحاد کے باعث ایک جسم کی طرح ہوتے ہیں، دُوسری جماعتوں میں یہ بات نہیں ہے۔ ان میں ایسا اتحاد نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی تعریف اس طرح بیان فرمائی ہے کہ!

"كَأَنَّهُمْ بُنيَانٌ مَرْصُوصٌ" (الصف:4)

وہ مومن ایسے متحد و متفق ہیں اور اس قدر مضبوط ہیں جیسے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو، اس کے برعکس آپؒ فرماتے ہیں کہ اعدائے مسلمین کا ذکر اِس طرح فرمایا!

" تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ " (الحشر:14)

تم اِن کو متحد و متفق خیال کرتے ہو، حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں، منتشر ہیں، آپس میں دور دور ہیں۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بیشک مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں، اگر کوئی عضو مبتلائے درد ہوتا ہے تو تمام جسم میں تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی مومن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تمام مومن اس تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تمام اہل خانقاہ، اہل تصوف کے واسطے یہ لازمی وظیفہ ہے کہ وہ جمیعت خاطر کی بھرپور حفاظت کریں۔ علامہ اقبال نے اس کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ!

”فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں بیرونِ دریا کچھ نہیں“

موج دریا میں ہو تو وہ جہاز اور کشتی کو الٹا دیتی ہے لیکن اگر دریا میں نہ ہو تو چند لمحوں میں پانی کو زمین کی مٹی سینچ لیتی ہے اور اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اس واسطے موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں۔ آج کی جو گزارشات ہیں وہ اس سلسلہ میں ہیں کہ آپؒ نے فرمایا تمام صوفیاء، تمام اہل تصوف کے واسطے یہ لازمی فریضہ ہے کہ وہ جمعیت خاطر کی حفاظت کریں۔ دلوں میں پراگندگی پیدا نہ ہونے دیں۔ دلی اور رُوحانی اتحاد سے اس پراگندگی کا ازالہ کریں۔ اس لیے کہ وہ سب ایک رُوحانی رشتہ میں منسلک ہیں۔ تالیف الٰہی کے ربط سے باہم مربوط ہیں اور مشاہدہ قلوب کے ساتھ وابستہ ہیں۔ بلکہ خانقاہوں سے ان کا تعلق ہی اس لیے ہے کہ تزکیہ نفس اور آراستگی نفس حاصل ہو۔ اس صورت میں ان کے لیے باہمی خیر سگالی، محبت اور الفت اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا ”مومن آپس میں ایک دُوسرے کے ساتھ اُلفت و محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں، اُس شخص میں کچھ بھی بھلائی نہیں جو نہ خود دوسروں سے محبت کرتا ہے اور نہ دُوسرے اس سے محبت کرتے ہیں۔“ آپؒ فرماتے ہیں کہ یہی حال اہل خانقاہ اور اہل تصوف کا ہے کہ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو ان کے دل اور ان کے باطن بھی مجتمع ہو جاتے ہیں۔ اجتماع سے جمعیت خاطر پیدا ہوتی ہے، ان کے نفوس ایک دُوسرے کے مقید ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ایک دُوسرے کے مال کے نگران ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا۔ مومن دُوسرے مومن کا آئینہ ہے۔ پس جب کسی تفرقہ اور پریشانی خاطر کا ظہور پاتے ہیں، جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے کسی ساتھی میں تفرقہ پیدا ہو گیا تو اُس سے بچتے ہیں کہ تفرقے کا ظہور نفسانی خواہش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب کبھی کسی درویش میں یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے اور وہ نفس کا شکار ہو جاتا ہے تو یہ لوگ اُس کو پہچان کر اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ وہ پھر دائرہ جمعیت میں واپس آ جائے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ مُخاصمَت کے وقت صوفی کی روش کیا ہونی چاہیے۔ جب کوئی اہل تصوف میں سے کوئی شخص اپنے نفس سے مغلوب ہو کر اپنے کسی بھائی سے جھگڑ بیٹھے یا آمادہ پیکار ہو تو دُوسرے بھائی کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ اس کے نفس کا مقابلہ اپنے قلب سے کرے کہ نفس کا مقابلہ اگر نفس سے کیا جائے گا تو پھر فتنہ کھڑا ہو جائے گا۔ اس کے نفس کا مقابلہ اپنے قلب سے کرے اور اس کو پھر اسی حالت کی طرف کھینچ لائے۔ پس اگر شیخ کے پاس کوئی درویش اپنے بھائی کی شکایت لے کر پہنچے تو اس کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس کو شکایت ہے اور جس سے شکایت ہے جس پر چاہے خفگی کا اظہار کرے۔ اگر زیادتی کرنے والے سے خفگی کا اظہار مقصود ہو تو اس کو کہے کہ تم نے اپنے بھائی کے ساتھ یہ ظلم کیوں روا رکھا۔ جس پر زیادتی ہوئی ہے اس سے کہے کہ تم سے کون سا ایسا گناہ سرزد ہوا جس کی وجہ سے وہ تم پر مسلط ہوا۔ تم کو چاہیے تھا کہ تم اپنے قلب سے اس کا مقابلہ کرتے تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ اس طرح وہ دونوں ہی قصور وار ہیں۔ دونوں کو ملامت کر کے جمعیت اور اتحاد کے دائرے کی طرف واپس لائے۔ پس جب وہ

استغفار کرے گا اور اپنی بے گناہی کے لیے جستجو کرے گا تو پھر اللہ رب العزت اس کی مدد فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے روایت فرمایا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا " یا الٰہی تو مجھے ان لوگوں میں شامل فرما دے جو اچھا کام کر کے خوش ہوتے ہیں اور جب ان سے کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے تو وہ استغفار کرتے ہیں" آپؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کا طریقہ مصالحت یہ تھا کہ جب کسی درویش کی اپنے بھائیوں کے ساتھ رنجش ہو جاتی تو وہ اس درویش سے فرماتے اٹھو اور استغفار کرو۔ جس پر وہ درویش کہتا کہ میرا باطن صاف نہیں میں استغفار کیسے کروں۔ آپؒ فرماتے تم کھڑے تو ہو جاؤ، استغفار پڑھو، تمہاری کوشش اور صلح کی خاطر قیام کرنے سے، کھڑے ہونے سے تم کو اللہ صفائے باطن بھی میسر کر دے گا۔ لہٰذا ایسے ہی ہوتا تھا اور ان میں آپس میں جو رنجش تھی وہ دور ہو جاتی تھی۔ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ جماعت صوفیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ باطنی کدورت کے ساتھ رات نہیں گزارتے اور نہ اس حال میں وہ کھانے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ جب تک یہ تفرقہ ان سے دور نہ ہو جائے۔ اس کے بعد انہوں نے جو اگلا موضوع بیان فرمایا ہے وہ شیخ کی دست بوسی، اپنے شیخ کے ہاتھ چومنے کے بارے میں ہے۔ اس میں بھی انہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیث پاک کا حوالہ دیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دستِ اقدس کو بوسہ دیا۔ اسی طرح دیگر تمام مشائخ کا یہ ہی طریقہ کار جاری رہا۔ اس کے بعد میں اگلا پوائنٹ جو کہ آج کا آخری پوائنٹ ہے وہ گزارش کرتا ہوں کہ انہوں نے اہل تصوف کے باہمی تعلقات کے سلسلہ میں ایک مزید اہم بات فرمائی کہ اگر کسی بھائی نے اپنے کسی بھائی سے اپنی غلطی پر معافی طلب کی اور دوسرے نے اس کی معافی اور معذرت کو قبول نہ کیا تو اس نے غلطی کی۔ رسول خدا ﷺ نے معذرت قبول نہ کرنے پر سخت وعید فرمائی۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جس شخص کے سامنے اس کے بھائی نے معذرت کی اور اس نے وہ معذرت قبول نہ کی تو اس پر وہی کچھ عائد ہو گا جو اس شخص پر عائد ہو گا جو خراج وصول کرنے پر معمور ہے اور اس میں بددیانتی کرتا ہے"۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "اگر کسی شخص سے کسی نے معافی مانگی اور معذرت کی اور اُس نے اُس کی معذرت کو قبول نہ کیا تو وہ کل روز قیامت میرے حوض کوثر پر نہیں آ سکے گا۔ یہ جو گزارشات کی گئیں یہ اہل تصوف کے باہمی تعلقات کے سلسلہ میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے باب نمبر 15 میں "صوفیاء اور ارباب خانقاہ کی خصوصیات" کی ہیڈنگ کے تحت بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ آپس میں متحد ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ وہ آپس میں تفرقہ نہیں رکھتے۔ اگر رنجش پیدا ہو تو وہ دور کرتے ہیں جتنی بھی جلدی ممکن ہو سکے۔ مخاصمت کے وقت وہ اپنے شیخ کو حاکم مان کر اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرانِ پاک میں فرمایا!

"فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ"(النساء:65)

قسم ہے تمہارے رب کی اے میرے محبوب ﷺ وہ کبھی بھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ تمہیں اس معاملے میں منصف نہ مان لیں جو ان کا آپس کا تنازع ہو۔ یہ فرمان ربی ہے، مشائخ اسی سنت پر عمل پیرا ہیں۔ آپؒ نے یہ نقطہ بھی بیان فرمایا کہ جب ان کی آپس کی مخاصمت ہو جاتی ہے تو وہ

اپنے شیخ کے ساتھ رجوع کرتے ہیں۔ اُس کو اُس معاملہ سے آگاہ کرتے ہیں۔ تاکہ وہ نہ صرف ان کو ظاہراً بلکہ ان کے دلوں کو بھی نزدیک کر دے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنے شیخ کا عمل بھی بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد شیخ کی دست بوسی اور معذرت قبول کرنے کے سلسلہ میں کچھ گزارش کی۔ انشاء اللہ آئندہ اس سے آگے بیان کیا جائے گا یہ چونکہ گزشتہ سے پیوستہ جو مضمون میں نے پچھلے درس میں بیان کیا تھا یہ اس سے متعلق تھا کہ اہل تصوف کے اندر کیا خصوصیات ہونی چاہیں۔ یہ تھیوری ہے۔ ہم جتنی بھی دیر بیٹھے اللہ پاک کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس کو قبول فرمائے، ہم سب کے مل بیٹھنے کا ایک ہی مقصد ہے، ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کا ذکر کر کے جن پر اللہ پاک نے کرم کیا، جن پر وہ راضی ہوا اور جن کو اُس نے اپنا برگزیدہ کیا اُن کا ذکر کر کے اور ان کے اقوال کا ذکر کر کے اپنے آپ کو ان کے ساتھ شامل کر سکیں۔ تب ہی

"صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ"(الفاتحہ:6)

کی تفسیر مکمل ہوتی ہے۔ گزشتہ محفل میں میں نے عرض کیا تھا کہ ہم اس واسطے ان نیک لوگوں کا ذکر کرتے ہیں کہ!

"رانجھا رانجھا کردی نیں میں آپے رانجھا ہوئی"

اِس طرح کا کام ہمارے ساتھ بھی ہو جائے۔ یہ طریقہ کار صرف تقریر و تحریر تک وابستہ نہیں اور صرف اس کا اتنا ہی مقصد نہیں بلکہ اس درس تصوف کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے دل اللہ تعالیٰ کے انوار اور تجلیات سے آگاہ ہوں۔ انشاء اللہ۔ ہم دُنیا میں جیتے جی خُدا رسیدہ بن جائیں۔ کاش۔۔۔ انشاء اللہ۔ اِس راستہ پر چلیں گے تو بنیں گے۔ اِس راستہ پر چلیں ہی نہ، اس راستہ کی بات ہی نہ کریں تو پھر کیسے ممکن ہے، جس راستہ پر بندہ چلے ہی نہ تو اس کی منزل تک رسائی حاصل ہونا ناممکن ہے۔ لہٰذا اِس مقصد کو مد نظر رکھتے ہوئے جن نشستوں کا آغاز کیا ہے بخدا اِس میں میری اپنی ذاتی خواہشِ نفس، ذاتی مفاد یا کسی قسم کا ذاتی مقصد شامل نہیں۔ یہ اس سلسلہ کا طریقہ کار ہے اور ہر اہل تصوف نے اسی لائن کو اختیار کیا ہے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے بارے میں ان کے مُرید باصفاء حضرت محبوب الٰہی حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے یہ ہی کتاب عوارف المعارف کو سبقاً سبقاً پڑھا ہے۔ تمام مشائخ طریقت نے اِن تعلیمات کا احیاء، اجراء کیا اور ان تعلیمات کو منتقل کرتے رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس حکم کی تعمیل کے اندر کہ اِس قسم کی علم کی ایک محفل کے اندر آنا ہزار رکعت نماز پڑھنے، ہزار جنازوں میں شامل ہونے اور ہزار مریض کی عیادت سے بہتر ہے۔ الحمدللہ اللہ پاک کے فضل و کرم کے ساتھ اس چیز کا اثر رَفتہ رَفتہ نظر آئے گا، نظر آ بھی رہا ہے۔ الحمدللہ شب برات سے لے کر آج تک جب سے میں نے اپنے ساتھیوں سے تہجد کی التجاء خلوص نیت کے ساتھ کی تھی، اللہ پاک کا کرم ہے کہ بہت سارے نوجوان اس پر عمل پیرا ہیں، کیونکہ یہ عبادت ہی ایسی ہے جس کا تعلق اخفاء کے ساتھ ہے اس کے اظہار کرنے پر پابندی ہوتی ہے۔ الحمدُللہ بہت سارے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس سُنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائی ہے اور اس کی طرف قدم قدم بڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح آہستہ آہستہ دلوں میں نرمی پیدا ہو گی، جس طرح سخت سردی میں تھوڑی سی دھوپ تیز ہوتی ہے تو اثر ہونا شروع ہوتا ہے، درختوں کی خشک شاخوں میں سے چھوٹی چھوٹی کونپلیں نکلنا شروع ہوتی ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ سُڈھے نکلنے شروع ہو گئے ہیں اس قسم کا اثر ہوتا ہے۔ انشاء اللہ بڑھے گا۔ یہ چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی۔ میں کیوں اپنی زبان کو سی کر بیٹھا رہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات نہ صرف اس کے بندوں تک پہنچانے ہیں بلکہ اس کی ترغیب بھی دینی ہے اور اپنے واسطے ان کی خدمت میں التجاء کرنی ہے کہ اللہ پاک

مجھے بھی ان میں سے کر دے جو لوگ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اللہ کریم ہمیں ایسے کاموں کی توفیق دے اور ایمان کا وہ جذبہ اور ایمان کی وہ حرارت ہمارے دلوں میں پیدا کرے کہ جس کا اثر یہ ہے کہ!

"کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُن کے زورِ بازو کا

نگاہ مَردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"

یہ ضروری نہیں کہ وہ مَرد مومن جو وقت گزر گیا اُس میں غائب ہوگئے۔ علامہ اقبال بار بار پکار کر کہتے ہیں کہ!

"آج بھی گر ابراہیم کا سا ایماں پیدا

آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا"

اگر وہ لوگ رات کو اُٹھ کر وضو کر کے مصلے پر کھڑے ہو جاتے تھے تو ہم کو کون سی مجبوری ہے۔ وہ کنویں میں سے پانی نکال کر کتنی مشقت کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے، ہمارے واسطے تو ہر نعمت میسر ہے۔ ہم تھوڑی سی ہمت کریں تو بہت سارا کچھ کما سکتے ہیں۔ یہ میرے آقا کریم ﷺ کی اس شان کا صدقہ ہے جس کے بارے میں اللہ کریم نے فرمایا!"وَلَلآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الأُولَى" (الضحیٰ:4)

اے میرے محبوب ﷺ تمہارے اور تمہاری اُمت کے واسطے آنے والا وقت پہلے سے بہتر آئے گا۔ آرہا ہے پہلے سے بہتر آیا ہے۔ ہمارے اپنے ابتدائے بچپن کی بات ہے کہ اہل عرب کے اندر بہت ہی مفلسی اور غربت عام تھی، آج اہل عرب اِس قدر امیر اور تونگر ہو چکے ہیں کہ دُنیا کی بڑی بڑی طاقتیں بھی ان کی دولت کی محتاج ہیں۔

"وَلَلآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الأُولَى" (الضحیٰ:4)

"مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ"

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اے مَرد مومن گھبرانہ، مایوس نہ ہو اللہ پاک نے تیرے سے کوئی کام لینا ہے، مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ۔ تیرے واسطے انشاء اللہ جدوجہد کا وقت بھی آرہا ہے اور فتح کا بھی۔ اللہ کریم ہمیں ان اولیا اللہ کے ساتھ نسبت، محبت اور قُرب کے ساتھ ساتھ ان کے طرز عمل پر عمل کی توفیق دے، کیونکہ ان کا ہر عمل سُنت مصطفی ﷺ کے اندر معمور ہے۔ اور ہم کیوں یہ کہلوائیں کہ!

"فخر ہے تجھ کو کہ بدلا ہے زمانے نے تجھے

مَرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں"

اگر اغیار رات دیر تک اُٹھنا اپنے واسطے ایک خوبی جانتے ہیں، اپنا کلچر قرار دیتے ہیں، ثقافت جانتے ہیں تو ہم تہجد کے وقت اُٹھنے کو اپنے واسطے کلچر اور ثقافت کا درجہ دیتے ہیں۔ اس واسطے کہ اللہ پاک نے وعدہ فرمایا ہے۔

"فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا" (الاسراء:79)

اے میرے محبوب ﷺ "" تہجد کے نفل اس واسطے ہیں کہ شاید اللہ کریم آپ ﷺ کو مقام محمود سے سرفراز کرے اور نبی کریم ﷺ کی سرفرازی ان کی اُمت کی سرفرازی ہے۔ از روئے قُرانِ پاک!

"إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَى مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ" (المزمل:20)

اے میرے محبوب ﷺ آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ ﷺ اٹھتے ہیں پچھلی رات کو اور اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جاتے ہیں اور "وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ" اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے ان غلاموں کا بھی شمار ہے جو اس وقت اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جو بندہ تہجد کے واسطے اُٹھ بیٹھتا ہے وہ سمجھ لے کہ اُس کا ذکر بھی قرانِ پاک میں آگیا ہے۔ اللہ پاک ہمیں یہ ارادت اور محبت نصیب کرے اور یہ قُرب عطا کرے۔ اپنے دل کی طرف غور کر کے خود یہ فیصلہ فرمائیں کہ اِن چند گھڑیوں میں طبیعت میں کچھ بہتری آئی یا کہ نہیں۔ اگر تھوڑی تھوڑی آتی رہے گی تو انشاء اللہ تعالیٰ قطرہ قطرہ پھر دریا۔ ایک نہ ایک دن یہ دریا بن جائے گا اور

"جھوم کر اُٹھے ہیں دریا تنکوں سے نہ ٹالے جائیں گے"

اللہ کرے کہ وہ وقت آئے کہ یہ دریا اُٹھے اور پوری کائنات اَرضی پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی گُونج ڈال دے۔ اللہ تعالیٰ میرا کہا اور آپ سب کا سنا اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ اگر یہ چند لمحے کی گفتگو دل پر اثر انداز ہو سکتی ہے تو یہ صرف گفتگو نہیں، زبان سے کہا ہوا دل تک نہیں پہنچتا جب تک اللہ کی مدد شامل نہ ہو۔ اللہ کی مدد بھی آچکی۔ اللہ کرے یہ مدد ہمارے شامل حال ہو جائے۔ جو کچھ گزارشات میں نے آج کی ہیں کیا وہ سب کی سمجھ میں آگئی ہیں۔ کوئی چیز ایسی جو وضاحت طلب ہو۔

سوال۔ جنابؒ نے فرمایا ہے کہ مومن کسی کا دل دکھائے اور زیادتی کرے تو معذرت کرے۔ اگر کوئی شخص معذرت تو قبول کرلیتا ہے لیکن اس کے بدلے کوئی بھی معاوضہ لیتا ہے تو اس کے بارے میں کیا بیان ہے؟

جواب۔ یہاں پر کچھ تصحیح اور وضاحت کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی تکلیف پر معاوضہ لے بحیثیت معاوضہ کے تو وہ اس کے درجے کو کم کر دیتا ہے۔ لیکن معافی اور صُلح میں فرق ہے۔ معافی ہمیشہ کسی شرط کے بغیر ہوتی ہے اور صُلح مشروط ہوتی ہے۔ رسول پاک ﷺ کے زمانہ میں سب سے پہلی صُلح "صُلح حدیبیہ" تھی اور اس میں مختلف شرطیں عائد کی گئیں تھیں جن کو فریقین نے تسلیم کیا تھا اور اُس پر وہ صُلح قرار پائی تھی۔ جب دو متحارِب فریقوں کے مابین وجہ نزع کو دور کرنے کی جستجو کی جاتی ہے تو اُس میں دو صورتیں ہوتی ہیں ایک صُلح اور دُوسرا معافی۔ معافی کا درجہ بہت بلند ہے لیکن وہ conditional نہیں ہے اور اس کا جو کم تر درجہ ہے وہ صُلح ہے۔ اِس میں شرائط طے کی جاتی ہیں اور اُن کا شریعت میں وجود موجود ہے۔ اِس سلسلہ میں ہمارے معاشرے میں میں نے اپنے بزرگوں کو مختلف صُلح کے فیصلوں اور رسائیوں میں جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ عموماً ان معاملات میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ وہ یہ فرماتے تھے کہ مجرم پر کچھ شرطیں اس لیے لگائی جاتی ہیں کہ جرم کی حوصلہ شکنی ہو اور وہ آئندہ اس چیز کو نہ دہرائے۔ اس وجہ سے اس پر یہ حد لگائی جاتی ہے۔ حد کا مقصد یہ ہی ہوتا ہے کہ ایک غلط کام کا جو رجحان ہے اس کو روکا جائے۔ اس کے مختلف طریقے ہیں۔ اگر تو وہ شخص قلب کے ذریعے گھائل ہو گیا تو اس کے لیے معافی ہی کافی ہے۔ لیکن اگر اس کا قلب اس تزکیہ سے گھائل نہیں ہوا تو اس کے لیے دُوسرا طریقہ صُلح ہے۔

ایک سامع کے سوال کے جواب میں آپؒ نے فرمایا کہ!

اس سلسلہ میں نے جو رسول پاک ﷺ کی حدیث بیان کی ہے ہزار جنازے والی اور ہزار مریضوں کی عیادت والی۔ اس کا میں آپ کو مختصر سا دُنیاوی بھی اور دینی پہلو بھی گزارش کر دیتا ہوں کہتے ہیں کہ دوست کا دوست دوست ہوتا ہے۔ تو جب کوئی شخص کسی اللہ کے دوست کی صُحبت کرتا ہے تو وہ اس کے دوست کا دوست ہو جاتا ہے۔ اُس کا مختصراً جواب یہ ہے۔ اسی چیز کی اللہ پاک نے قُرانِ پاک میں جگہ جگہ ترغیب دی ہے۔

"أُوْلَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ" (الانعام:90) "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" (الفاتحہ:6)

یہ سب کا سب اللہ پاک نے قُرانِ پاک کی پہلی صورت میں اپنے تمام تر احسانات کو جتا کر بندے کی تکمیل اور اُس کے دُنیا میں قابل عمل ہونے کے بعد اُس نے فرمایا کہ مجھ سے مانگو، کیا مانگو اُس کے متعلق فرمایا مانگو!

"اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" (الفاتحہ:5)

یا اللہ تو نے ہمیں پیدا کیا، بڑا بھی کیا، تو نے ہماری ضرورتیں بھی پوری کر دیں، رزق بھی دیا، سب کچھ کر دیا لیکن اب ایک چیز تم سے مانگنے والی ہے کہ تو اب ہمیں صراط مستقیم بھی عطا فرمادے۔ اور وہ کیا ہے!

"صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" (الفاتحہ:6)

ہر ولی اللہ اللہ تعالیٰ کا انعام شدہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی ترغیب دی ہے۔ اس موضوع کی جتنی بھی تفصیل بیان کی جائے وہ کم ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں بنیادی باتیں عرض کی ہیں، جیسا کہ نصِ قرآنی ہوتی ہے، اس طرح جو اس کا اصول ہے وہ یہ ہے کہ دوست کا دوست دوست ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کے دوست سے محبت رکھتا ہے تو اس کی محبت اللہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اس کو اس کے بدلے اللہ کی محبت عطا کر دی جاتی ہے۔

سوال۔ سفر کی سُنتیں۔ عصر کی سُنتیں؟

جواب۔ یہ محبت کی بات ہے اس کا تعلق فقہ کے ساتھ نہیں ہے۔ جو آپ نے سوال کیا ہے ازروئے فقہ سُنتیں بے شک نفل ہو جاتی ہیں لیکن اہل محبت کے واسطے یہ سُنت اپنی جگہ اُتنی کی اُتنی برقرار رہتی ہیں۔ یہ اللہ پاک کا کرم ہے اُن لوگوں پر جو اِس سُنت کو قائم رکھتے ہیں۔ اس بارے میں آپ کو قُرانِ پاک کی ایک آیت آسانی کے واسطے بیان کرتا ہوں کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ جس دن تم سفر میں ہو تمہارے واسطے روزے کی رخصت ہے لیکن!

"لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ" (البقرۃ:184)

اگر رکھ لیں تو تمہارے واسطے اچھا ہے۔ اگر فرض کے اندر اتنی چھوٹ آگئی ہے، نماز کے اندر نہیں۔ کیونکہ نماز کے اندر قصر کی صورت بنادی گئی اس کا adopt کر لیا ہے۔ لیکن سُنت کا تعلق محبت کے اس اختیاری عمل کے ساتھ ہے جو انسان نے از خود کرنا ہے۔ اس کے اندر وہ اگر اس کو بطور نفل بھی ادا کرے تو وہ اس کے واسطے باقی نفلوں اور سُنتوں سے کئی درجے بہتر ہے اور اس کا بہت اجر ہے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کا اس سلسلہ میں واقعہ ہے کہ انہوں نے سُنت چھوڑی تھی اور رات کو نبی پاک ﷺ کی زیارت ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ مہر علی تم میری اولاد ہو کر میری ہی سُنتیں چھوڑ رہے ہو۔ بہر حال عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ محبت کی بات ہے۔ بڑا اچھا ہوا کہ آپ نے پوچھا اس کا تعلق فقہ کے ساتھ نہیں بلکہ محبت کے ساتھ ہے۔ اور اس کے ساتھ ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس فقیر کا بھی گذشتہ 25 سال سے یہ ہی عمل ہے کہ سفر ہو یا حضر ہو، سُنت موکدہ ہو یا غیر موکدہ ہو اس کو لازمی ادا کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں جب میں نے حرمین شریفین جانے کے لیے جہاز

کا سفر کیا تو راستہ میں جہاز میں مولانا صاحبان بھی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ سفر میں سُنتیں نہیں ہوتیں۔ میں نے کہا کہ حضرت آپ کی نہیں ہیں میرے لیے ہیں۔ بہر حال جو بھی ہے یہ محبت کا کام ہے اور محبت میں کوئی حد نہیں ہوتی۔ محبت بے حد و بے حساب ہوتی ہے۔ کوئی کتنی محبت کر سکتا ہے جتنی وہ کر سکے۔ اس میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ ماسواء اس کے جہاں جس سے محبت کی جاری ہے وہ کوئی پابندی نہ لگادے۔ اُس نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔

الحمدللہ آج آپ نے میرے سے بہت اچھی باتیں پوچھی ہیں۔ مجھے یقین ہوا کہ آپ کی اس میں دلچسپی آگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو انعام بھی ملے گا، مل بھی رہا ہے اور انشاء اللہ اس سے زیادہ بھی عطا ہوگا۔ میری دعا ہے کہ یہ شوق رَفتہ رَفتہ بڑھتا چلا جائے اور ہم اس قافلے میں شامل ہو جائیں کہ!

"رانجھا رانجھا کردی نیں میں آپے رانجھا ہوئی"

یہ ایسے ہی ہوتا ہے۔ حضرت امام ابوالقاسم قشیریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو سلیمانؒ جو بہت بڑے مشائخ کبار میں سے ہیں، آپ قصہ سننے کے واسطے ایک قصہ گو کے پاس جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں ٹیلی ویژن یا اس طرح کی چیزیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ کہانی سنانے والے لوگ ہوا کرتے تھے۔ باقی لوگ ان کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور کہانی سُنتے تھے۔ بعض اوقات ان میں کچھ اچھے لوگ بھی آجاتے تھے۔ وہ کوئی اچھا آدمی تھا اور اس نے کچھ اچھی کہانیاں سنانا شروع کردیں۔ پہلی دفعہ ابو سلیمانؒ کو تھوڑا سا اثر ہوا، اور پھر کرتے کرتے وہ اللہ پاک کے ساتھ واصل ہو گئے، ان کے بزرگوں نے فرمایا کہ چڑیا نے کونج کا شکار کر لیا۔ تھی چڑیا مگر وہ کونج شکار کر بیٹھی۔ اسی طرح ہی یہ کام ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ میں چڑیا سے کوئی کونج شکار ہو جائے۔ اللہ پاک سب کو اس راہ میں اپنے قُرب کی لذت عطا فرمائے۔ اگر یہ لذت مل جائے تو بخدا نہ کھانے میں کوئی مزہ ہوتا ہے اور نہ ہی نیند میں مزہ ہوتا ہے۔ اللہ نصیب کرے۔ اگر کسی کے ذہن میں کوئی اور سوال ہے تو وہ پوچھ سکتا ہے۔

سوال۔ خدمت کے آپ نے تین طریقے بتائے ہیں۔ آخری طریقہ جس میں لوگوں کی دل آزاری ہوتی ہے، بالفرض اگر کسی بندے نے زکوٰۃ کا آٹھ دس لاکھ روپیہ تقسیم کرنا ہے تو اس کا احسن طریقہ کون سا ہے؟

جواب۔ احسن طریقہ تو یہ ہے کہ آپ کسی کو وکیل مقرر کردیں، وہ آپ کا نام بتائے بغیر کسی کو دے دے اس میں جو اجر ہے اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔ پرانے اَسلاف کا یہی طریقہ تھا۔ یہ جو انہوں نے تین قسمیں بتائی ہیں یہ سب کچھ انہوں نے خدمت کی اہمیت بیان کی ہے کہ جو خدمت گئی گزری ہے وہ بھی رائیگاں نہیں جاتی اور اس کا اجر ہوتا ہے لیکن یہ جھوٹے خادم ہیں۔ یہ سچے خادم نہیں ہیں۔ لیکن باوجود اس کے اللہ نے ان کو بھی سعادت سے محروم نہیں رکھا۔ اُن سے جتنا فائدہ بھی مخلوق کو ہو گیا، اس کا ثواب ہے لیکن جو تکلیف اُن سے پہنچی اُن کو اس کا گناہ بھی اتنا ہی ہوتا ہے، لیکن جو فائدہ ہو گیا اللہ اس فائدہ کو ضائع نہیں کرتا۔ اگر کسی کو آپ نے اللہ کے نام پر دینا ہے تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ درمیان میں کوئی بندہ مقرر کرلیں کیونکہ سب سے طاقتور بندہ وہ ازروئے حدیث پاک۔ میں پوری طویل حدیث نہیں سناتا اس وقت صرف اِس کی تلخیص عرض کرتا ہوں کہ سب سے طاقتور وہ شخص ہے جو ایسے صدقہ دے کہ دایاں ہاتھ دے اور بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔ ازروئے حدیث پاک دُنیا میں اس سے طاقتور شخص کوئی نہیں۔ اللہ پاک کی جناب میں یہ دعا ہے کہ جس محبت کے ساتھ آپ آئے ہیں، جس قدر آپ نے یہاں پر وقت گزارا اللہ کی جناب میں میری یہ التجاء ہے کہ اللہ پاک اُس کو خالص عبادت میں شمار فرمائے اور اللہ پاک ہمارے اس مل بیٹھنے پر تَرس فرمائے اور ہمیں اپنے بندوں کے قافلے میں شامل کرلے۔ آمین۔

وماعلینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف۔16

دورانیہ۔75منٹ۔تاریخ۔19-09-2013

بمقام۔مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"وَإِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ"(القلم:4)

آج کی جو آیت کریمہ تلاوت کی گئی یہ اخلاقِ صوفیاء اور اہل تصوف کے اخلاق کے بارے میں ہے، بہتر ہے کہ نئے شامل ہونے والے حضرات کے لیے گزشتہ دروس کی تلخیص پھر عرض کر دی جائے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب شریف میں تصوف کو تزکیہ نفس کا واحد راستہ قرار دیا ہے۔ اُنھوں نے قُرانِ پاک کی ان آیت کریمہ کے مصداق!

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ"(الاعلیٰ:14) اور"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا۝وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" (الشمس:10،9)

کامیاب ہو گیا وہ جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا، اور ناکام رہا وہ جس نے اُس کو نہ سنوارا، خاک میں ملا دیا۔ کِس چیز کو سنوارا گیا یہ نفس ہے، کردار ہے اور انسان کا باطن ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس سلسلہ میں سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اہل تصوف کا امام قرار دیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ تک، صحابی لفظ ان کے واسطے موزوں تھا اور اس کی نسبت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذاتِ اَقدس کے ساتھ تھی، اس کے بعد اسی طبقہ زندگی نے صوفی کا لقب اختیار کیا۔ تصوف تعمیرِ کردار کا واحد راستہ ہے جو صحابہ اکرام نے اپنایا۔ اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور اولیا اللہ اس عَلم کو اٹھا کر چلتے رہے اور قیامت تک تاریخِ اسلام تصوف کے نام کے ساتھ تعمیرِ کردار کی اس تحریک کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ جتنے فرقے، گروپ، گروہ، تنظیمیں، مسلک آئے اور چلے گئے لیکن اس مسلک کا آغاز سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذاتِ اَقدس نے کیا اور اُس وقت سے یہ چلا آرہا ہے اور ہر دور میں اِس میں بڑی معروف شخصیات نظر آتی ہیں۔ کسی دور میں حضرت امام مالکؒ، حضرت امام بخاریؒ، حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور چلتے چلتے اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا اور ہر دور میں نابغہ روزگار ہستیاں ظہور پذیر ہوتی رہیں۔ جن میں جو ماضی قریب ہے اس میں بھی بڑے بڑے عظیم نام موجود ہیں۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ، حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ اور حضرت خواجہ جماعت علی لاثانیؒ اس طرح کی اور بے شمار ہستیاں ہیں جن سے اسلام کا دامن بھرا ہوا ہے۔ یہ سب کے سب اہل تصوف ہیں۔ تصوف تعمیرِ کردار کا واحد راستہ ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں ان اہل اللہ کو مجاہد قرار دیا ہے، جن کی وجہ سے مسلمان نہ

صرف سرحدوں سے محفوظ ہیں بلکہ اپنے باطن کے شیطان کے حملوں سے بھی محفوظ ہیں۔ مِن حَیثُ القوم محفوظ ہیں، انفرادی طور پر اکا دکا واقعات ہوتے رہتے ہیں لیکن مِن حَیثُ القوم اُمت مسلمہ ان نیک نفوس کی وجہ سے آج تک اپنی اصل حالت میں قائم ہے۔ آج بھی قُرانِ پاک اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔ نمازیں جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے تھیں اپنی اسی حیثیت میں ہیں، شریعت مصطفی ﷺ، احادیث مبارکہ بعین اسی طرح چلی آرہی ہیں۔ اس سب کا کریڈٹ ان اہل تصوف کو جاتا ہے۔ آپؒ نے اس سلسلہ میں تصوف کی چار اکائیاں بیان کی ہیں۔ ایک شیخ، دُوسرے ارادت، تیسرے مُرید اور چوتھے بیعت۔ شیخ وہ شخصیت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اس کے بندوں تک پہنچتی ہے۔ ہر دور میں اگرچہ ہدایت کا منبع اللہ کریم کا محبوب سرورِ کائنات، فَخرِ موجودات، نَبیِ مُکرم، نُورِ مُجسم، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ کی ذاتِ اَقدَس ہے، جن کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا!

"إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ" (الشوریٰ:52)

اے میرے محبوب ﷺ بے شک آپ ہی تو ہیں جو لوگوں کو ہدایت سے فیض یاب کرتے ہیں، بہرہ مند کرتے ہیں۔ إِنَّكَ بے شک آپ ﷺ ضرور صراط مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں اور اس منبع کی کرنیں شیوخ ہیں۔ شیخ طریقت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا نمائندہ ہوتا ہے، اس کو رہنمائی کی اجازت خود حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذاتِ اَقدَس سے عطا کی جاتی ہے، یہ سلسلہ چلا آرہا ہے اور قیامت تک اسی طرح اپنی اصل ترکیب میں چلتا رہے گا۔ جب شیخ کسی کو کرم کی نگاہ کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی رحمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس کے اندر تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ اس حالت کو ارادت کہا جاتا ہے۔ شیخ کے ساتھ وابستہ ہونے کے لیے جو طریقہ کار وہ شخص اختیار کرتا ہے اس کا نام بیعت ہے۔ بیعت کا مطلب ہے بِک جانا۔ جو شخص جس کے اندر یہ تبدیلی واقع ہوتی ہے اس کو مُرید کہا جاتا ہے۔ یہ اہل تصوف کی چار اکائیاں ہیں۔ اِس طرح یہ اصلاح کا نظام آگے بڑھتا ہے۔ ہم نے گزشتہ محفل میں یہ بات سمجھی تھی کہ اہل تصوف یا اہل اللہ وہ لوگ جنہوں نے اپنی زندگی کا مقصد اپنے رب کو راضی کرنا سمجھ لیا۔

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا" (الشمس:9)

جو اس بات پر تیار ہو گئے کہ ہم نے اپنے آپ کو سنوارنا ہے، اپنا کردار بنانا ہے، ہمیں دُنیا میں اس کام کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ہم نے اللہ پاک کی دی ہوئی امانت میں خیانت نہیں کرنی۔ ان کے واسطے کچھ اخلاق کا ذکر حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں کیا۔ جن میں سے کچھ گزارشات میں گزشتہ محفل میں کر چکا ہوں۔ ان میں سے خدمتِ خلق اور اس کے ساتھ ساتھ آپس کے تعلقات۔ خدمتِ خلق میں میں نے خادم کی تین قسمیں خادم، متخادم اور مستخدم گزارش کی تھیں۔ جو لوگ اہل تصوف ہیں ان کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ وہ ایک جسم کی طرح متحد ہوتے ہیں اور ان کے آپس کے باہمی تعلقات اس آیہ کریمہ!

"أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" (الفتح:29)

کی تصویر ہوتے ہیں۔ان کی یہ جو غالب خصوصیت ہوتی ہے اس کے بارے میں آپؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو ان کے دل اور ان کے باطن بھی مجتمع ہو جاتے ہیں اور اس اجتماع سے جمیعتِ خاطر پیدا ہوتی ہے۔ یہ صرف ایک ڈوسرے کے ہی نہیں بلکہ ایک ڈوسرے کے مال کے بھی نگہبان ہوتے ہیں۔ علیٰ ھذ القیاس۔ جب مُخاصمَت پیدا ہو جائے، آپؒ فرماتے ہیں کہ جھگڑا، غلط فہمی، یا آپس کے اندر جو تفرقہ پیدا ہوتا ہے وہ اس وقت ہوتا ہے جس وقت کوئی اہل محبت اپنے قلب کے بجائے اپنے نفس سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ اس کا طریقہ مصالحت بھی آپؒ نے بیان کیا جو میں نے پچھلی دفعہ بیان کیا تھا۔ آج ہم نے جو آیت کریمہ تلاوت کی گئی یہ اہل تصوف، اہل محبت اور اہل رجوع جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہتے ہیں ان کی ایک اور خصوصیت کا آپؒ نے ذکر فرمایا ہے اور وہ ذکر حُسنِ اخلاق۔ آپؒ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک حدیث حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے فرزند اگر تیرے سے ہو سکے تو تم ایسے کرو کہ تیرے صبح اور شام اس طرح گزریں کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف میل اور کدورت نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ یہ میری سُنت ہے ، جس نے میری سُنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا، جس نے مجھے زندہ کیا وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔ یہ اخلاق کی تعلیم ہے کہ تیرے صبح شام اس طرح گزریں کہ تیرے دل میں کسی کے خلاف میل اور کدورت نہ ہو۔ ہر وہ شخص جو اپنے رب کے ساتھ محبت کرنا چاہتا ہے اس کا شیخ اس کو پہلا سبق ہی یہ دیتا ہے کہ اپنے دل سے نفرت اور کینہ اور غصہ دور کر دے۔ محض اللہ کی رضا کے واسطے۔ جب میں اپنے شیخ کے دامن کرم کے ساتھ وابستہ ہوا تو آپؒ نے فرمایا کہ تب تک دل میں اسم اللہ کی روشنی نہیں پہنچے گی جب تک تیرا دل کرودھ، کینہ اور غصہ سے پاک نہیں ہو جائے گا۔ کیونکہ تاریکی اور روشنی ایک وقت کے اندر اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک پانی کا برتن ہو اور پانی کے ساتھ اس میں آدھی جگہ خالی رہ جائے۔ اگر پانی پڑے گا تو وہ جتنا پانی ہے وہ ساری جگہ کو گھیرے گا۔اسی طرح یہ کمرہ ہے اگر اس میں لائٹ جل جائے تو اندھیرا ختم ہو جائے گا۔ اگر لائٹ نہیں ہو گی تو اندھیرا ہو گا۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک وقت میں کمرے میں اندھیرا بھی ہو اور روشنی بھی ہو۔ اسی طرح کسی دل میں اللہ کی محبت رہ نہیں سکتی جب تک اس کے دل میں کسی کے خلاف کدورت، غصہ یا کینہ موجود ہے۔ اب یہاں پر ایک بات واضح کرنے والی ہے کہ اللہ کے دشمن، محبت اللہ کے ساتھ "الحب للہِ والبغض للہِ" یہ معقولہ ہے کہ محبت ہو تو اللہ کے واسطے اور نفرت ہو تب بھی اللہ کے واسطے۔ کوئی شخص کسی دشمنِ خدا کے ساتھ اگر نفرت کرتا ہے تو یہ حقیقتاً اللہ کے ساتھ محبت کا اظہار ہے لہذا اِس کو محبت کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اُس میں اُس کی ذات کا دخل ہو تو پھر اللہ کی محبت رخصت ہو جاتی ہے۔ کون اِس بات کو نہیں جانتا کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دشمن کے سینے پر سوار ہوئے اور خنجر کے ساتھ اُس کا سر قلم کرنے کا ارادہ کر لیا تو اس نے آپؓ کی شان میں گستاخی کی، آپؓ اس کے سینے سے اتر پڑے اور فرمایا کہ اب میں تمہیں قتل کروں تو اس میں میری ذاتی مُخاصمَت بھی شامل ہو جائے گی۔ لہذا یہ اصول طے پایا کہ جب اللہ کی محبت ہو تو اس میں اپنی ذاتی نفرت، کرودھ یا کسی قسم کے غصہ کو دخل نہیں ہونا چاہیے۔ اسی واسطے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اس چیز سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جس نے میری سُنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ

میرے ساتھ جنت میں جائے گا۔ میرے آقا کریم ﷺ کا اخلاق یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں کو جب معاف کر دیا تو پھر دل سے معاف کر دیا۔ یہاں تک کہ ابوسفیان اور اس کے عزہ و اقارب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں گستاخی بھی کرتے رہے اور تمام تر دشمنی کو بروئے کار لائے لیکن جب فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو میرے آقا کریم ﷺ نے نہ صرف ان کو معاف فرما دیا بلکہ حکم فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امان ہو گی، اس کی جان بخشی ہو جائے گی۔ کس قدر کرم ہے۔

"قَالَ لاَ تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" (یوسف:92)

فرمایا تم پر آج کے دن کوئی پوچھ نہیں "وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ" (القلم:4) حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عظیم خلق کا اظہار ہے۔ صوفیاء کرام وہ لوگ ہوتے ہیں جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شریعت اور سرکار ﷺ کی سنت پر بیک وقت عمل پیرا ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ اہل تصوف کو اقتداء رسول ﷺ میں دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ حصہ ملا ہے۔ اس واسطے یہ لوگ احیاء سُنت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ دوسروں کے مقابلے میں ان پر احیائے سُنت کی ذمہ داری زیادہ ہے۔ یہ ہی وہ لوگ ہیں جو نبی پاک ﷺ کی سُنت کے ساتھ متصف ہوتے ہیں۔ آپؒ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرمائی ہے کہ جب آپؓ سے رسول پاک ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا خُلق خُلقِ قرآن تھا۔ خُلقِ عظیم اور خُلقِ قرآن تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا خُلق سب سے اعلیٰ اخلاق تھا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ "کان خلقہ القرآن" میں ایک راز ہے کہ اس میں ایک اشارہ خفی ملتا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ ارشاد کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا خُلق خُلقِ قرآن ہے حقیقتاً آپؓ کا اس سے مقصد یہ تھا کہ نبی پاک ﷺ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف ہیں، ان کو اللہ پاک نے اپنے اخلاق عطا فرما دیئے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ان الفاظ کو بیان کرتے ہوئے سیدہؓ کو بارگاہ الٰہی سے حجاب محسوس ہوا لہٰذا انہوں نے "کان خلقہ القرآن" کے الفاظ استعمال فرمائے۔ لیکن اس کا معانی بھی وہ ہی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مذکورہ قول اور قرآن مجید کی ان روایتوں پر غور کیا جائے تو دونوں کا ربط باہمی ظاہر ہو جاتا ہے۔

"وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ" (القلم:4)

بے شک آپ ﷺ سب سے اعلیٰ اخلاق پر قائم ہیں۔ نبی پاک ﷺ کے اخلاق اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سُنت پر عمل پیرا ہونا صوفیاء، اہل محبت اور اہل تصوف کا شیوہ ہے۔ اس میں کیا کیا چیزیں آتی ہیں اجمالی طور پر ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ ہم نے ان دروس کا آغاز اس واسطے کیا ہے کہ ہم ان اولیا اللہ کے اخلاق کو اپنا لیں تا کہ ہمارا شمار بھی ان میں ہو۔ اسی واسطے ہم ان کا ذکر بار بار کرتے ہیں۔ اس سے ہمارا عملی طور پر اکتسابِ فیض حاصل کرنا مقصود ہے۔ کِس طرح اُس پر عمل درآمد ہوتا ہے، حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی نے اس بارے میں تفصیلاً گزارشات کی ہیں جو میں اجمالاً گزارش کرتا ہوں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک کے پاس اخلاق کا خزانہ ہے،

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اس کے اندر اس خُلق کو پیدا کر دیتا ہے۔ کسی بندے کو جب اللہ پاک نوازنا چاہے تو اس کے اندر حُسنِ اخلاق کی صفت پیدا فرما دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اسی واسطے مبعوث کیا گیا کہ میں اخلاق کو لوگوں تک پہنچادوں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وہ اسمائے حسنہ جو صفات الٰہی سے آگاہ کرتے ہیں مخلوق پر اس لیے ظاہر فرمائے کہ وہ اپنے بندوں کو ان کی طرف بلاتا ہے۔ اللہ پاک کے ننانوے اسماء حسنہ ہیں۔ جو ہر قرآن شریف کے اندر لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے ان اسماء سے ہمیں اس لیے آگاہ کیا ہے کہ مخلوق میں سے وہ لوگ جو اللہ سے پیار کرتے ہیں وہ ان اخلاق کو اپنالیں۔ یہ اللہ پاک کی صفتیں ہیں اور ان صفات کو وہ اپنالیں اگر انسان قوائے انسانی کے ساتھ اخلاقِ خداوندی کے ساتھ متصف ہونے کی صلاحیت اور اہلیت نہ رکھتا ہوتا تو پھر بندوں کو اِس کی دعوت نہ دی جاتی۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اسمائے حسنہ کو بتایا ہی اس لیے گیا کہ مخلوق بھی ان کو اپنائے اور اپنے اندر اخلاق پیدا کرے۔ یہ وہ دعوتِ خداوندی ہے جو صرف مخصوص بندوں کو دی جاتی ہے۔ سب کو اس دعوت سے آشناء نہیں کیا جاتا اور سب کے اندر اس کی قوت نہیں ہوتی۔

"جسے چاہا دَر پر بُلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے"۔

ہم اِن باتوں کو سننے کے لیے یہاں مل بیٹھے ہیں، عین ممکن ہے کہ اللہ پاک نے انتخاب فرمایا ہے کہ فلاں فلاں فلاں آجاؤ اور مل بیٹھو اور اُن صفات سے متصف ہو جاؤ تاکہ تمہیں بھی اللہ پاک کی طرف سے خاص انعامات عطا کیے جائیں۔

"إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" (النحل:77) اللہ پاک ہر چیز پر قادر ہے۔

"وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ"(النور:46) اللہ جسے چاہے صراط مستقیم پر ہدایت عطا فرمادے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کا انتخاب ہو جاتا ہے ان کو پھر ایسے لوگوں کے ساتھ ملایا جاتا ہے جن سے اُن کو ہدایت حاصل ہو اور پھر ان کو ان کی بشریت کی طاقت کے مطابق ان صفات سے متصف کر دیا جاتا ہے۔ اللہ پاک ان کو یہ صفتیں عطا کرتا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہر نماز میں جب قیام کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔

" إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۞ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۞ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ "(الفاتحہ:5،6،7)

کہ ان لوگوں کے ساتھ ہماری وابستگی اللہ کا امر ہے اور جب وابستگی ہو جاتی ہے تو پھر اس کے بعد والا کام شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی کتاب کشف المحجوب شریف میں فرماتے ہیں کہ میں ایک مَرتبہ اپنے شیخ کو وضو کروا رہا تھا میرے دل میں خیال آیا کہ اگر ہدایت اللہ نے ہی دینی ہے تو پھر ہم ان کی خدمت کیوں کرتے ہیں، ان بندوں کی خدمت کیوں کرتے ہیں، اگر ہدایت اللہ نے دینی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میرے مُرشد پاک نے نگاہ مبارک اٹھائی اور مجھے فرمایا اے علی جو بات تم سوچ رہے ہو وہ ایسے نہیں ہے۔ بلکہ بات اس طرح ہے کہ اللہ پاک

جس کسی پر کرم کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو وہ اس کو اپنے کسی بندے کی خدمت میں دے دیتا ہے۔ یہ اللہ کا طریقہ ہے۔ شیخ، ارادت، مُرید اور بیعت یہ سارا ایک نظام ہے۔ اس کے بغیر ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک اور حدیث حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت والے دن میرا سب سے زیادہ محبوب اور میری مجلس میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب تر وہ شخص ہو گا جو تم میں اخلاق کے اندر سب سے زیادہ پاکیزہ ہو گا، جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے وہ میرا سب سے قریبی ہو گا اور وہ لوگ مجھے ناپسند ہوں گے اور میرے سے دور ہوں گے جو بہت زیادہ باتونی، چیخ چیخ کر باتیں کرنے والے اور متکبر ہوں گے۔ خُلقِ عظیم حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی صفت ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدینؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک اور حدیث روایت کی ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ مکارمِ اخلاق دس ہیں کہ وہ کسی میں ہوتے ہیں لیکن اس کے بیٹے میں نہیں ہوتے، اور ہو سکتا ہے کہ بیٹے میں ہوں اور باپ میں نہ ہوں، ضروری نہیں کہ ہر کسی میں ہوں، لیکن جس کو اللہ تعالیٰ چاہے یہ سعادت عطا کر دیتا ہے۔ وہ دس اخلاق یہ ہیں۔ پہلا سچ بولنا، دُوسرا دُنیا سے نااُمیدی رکھنا، تیسرے اگر اس کا ہمسائیہ بھوکا ہو تو خود پیٹ بھر کر نہ کھائے بلکہ پہلے اُس کو کھلائے، چوتھا سوال کرنے والے کو دینا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ مچھلی کی خواہش ہوئی۔ مدینہ طیبہ سمندر سے کافی دور ہے۔ آج کل کی ٹرانسپورٹ پر بھی سمندر تک پہنچنے کے لیے پورا دن لگ جاتا ہے۔ اس زمانہ میں بہت وقت لگتا تھا۔ اتفاقاً ان کو مچھلی میسر آگئی۔ مچھلی تیار کی گئی، جب وہ پکا کر آپ کی بارگاہ میں پیش کی گئی تو ایک سائل نے صدا دی، آپؓ نے وہ مچھلی اٹھا کر اس سوالی کو دے دی اور خود پانی کے ساتھ روزہ افطار کر لیا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا سوال کرنے والے کو دینا، اللہ کرے ہمیں بھی اِن اخلاق میں سے کم از کم کچھ تو حاصل ہو جائے، پانچواں احسان کا بدلہ دینا، چھٹا اگر کسی کی امانت رکھے تو پھر اس میں خیانت نہ کرے، ساتواں صلہ رحمی کرے، آٹھواں اپنے دوست کے حقوق ادا کرے، نواں مہمان نوازی کرے اور دسواں آپؐ فرماتے ہیں کہ ان تمام خوبیوں کی جڑ ہے وہ حیاء ہے۔ اہل تصوف، اہل محبت اور جو شخص اپنے کردار کی تعمیر چاہتا ہے اس کے لیے حیاء کا ہونا یہ تمام تر اخلاق کی جڑ ہے۔ نبی پاک ﷺ سے سوال کیا گیا کہ وہ کون سے اخلاق ہیں جن سے متصف ہونے کے باعث زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ کون سے وہ اخلاق ہیں جو ان میں ہوں گے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک وہ شخص جو اخلاق کا اچھا ہو گا اور دُوسرا تقویٰ والا۔ پھر پوچھا گیا کہ دوزخ کے اندر کس وجہ سے لوگوں کو داخل کیا جائے گا۔ تو نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا خوشی اور غم۔ خوشی سے مُراد یہ ہے کہ دُنیاوی کامیابیوں پر خوش ہونا۔ حالانکہ قُرانِ پاک میں اس خوشی کی ممانعت آئی ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا!

"لِكَيْلاَ تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلاَ تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ" (الحدید:23)

تم کسی چیز کے نقصان پر غمگین نہ ہو اور جو تمہیں حاصل ہو جائے اس پر بہت زیادہ خوش بھی نہ ہو۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں لوگ زیادہ تر دو وجوہات سے داخل ہوں گے۔ ایک وہ لوگ جو دُنیاوی کامیابیوں پر خوشی کا اظہار کریں اور دُوسرے وہ

جو فانی لذتوں کے ضائع ہونے پر، دُنیا کے ظاہری نقصان پر غم زدہ ہو جائیں۔ یہ دو لوگ۔ یہ بڑی عجیب بات ہے شاید ہم میں سے کئی لوگوں نے یہ بات پہلے نہیں سُنی ہوئی ہوگی کہ دوزخ میں زیادہ تر لوگ ان دو وجوہات کی وجہ سے داخل ہوں گے۔ جو دُنیاوی کامیابیوں پر خوشی کریں اور فانی چیزوں کے نقصان پر غم زدہ ہو جائیں اور قدرت پر اعتراض کریں۔ اس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے۔ یہ اخلاق کا حصہ ہے۔

"إِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ"(القلم:4)

جس شخص نے کامیاب ہونا ہے اس کے واسطے اس سُنت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس سُنت کے سلسلہ میں میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیثیں آپ سے گزارش کر رہا ہوں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ حقیقی صوفیاء کی جماعت تمام اخلاق کی پابندی کرتی ہے اور تصوف سراپا اخلاق کا نام ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت امام ابو القاسم قشیریؒ، امام غزالیؒ، امام ابو طالب حارث مکیؒ اور تمام تر مشاہیر نے تصوف کو جو Define کیا ہے، تصوف کی جو تعریف بیان کی ہے وہ "التصوف حسن الخلق" ہے۔ تصوف نام ہے حُسنِ اخلاق کا۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہر وردیؒ فرماتے ہیں کہ صوفیاء چونکہ اہلِ تقرب ہیں، وہ نور اسلام کے ساتھ چلتے ہیں، جب وہ نور یقین حاصل کر لیتے ہیں اور وہ ان کے باطن میں جڑ پکڑ لیتا ہے پھر قلب میں نور یقین حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ آپؒ نے اس بات میں اخلاق کے ذریعے انسان کے دل روشن ہونے کا راز بیان فرمایا ہے۔ میں اس کو عملاً سمجھا سکتا ہوں مگر اگر اس طرح پڑھوں تو بات سمجھ نہیں آئے گی۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کا قلب نورِ احسان سے روشن ہوتا ہے، نورِ احسان کا مطلب ہے کہ جب اللہ پاک کسی پر احسان کرے، کرم کر دے اس کے دل کو اخلاق کی طرف مائل کرتا ہے اور اس اخلاق کی وجہ سے اس کا دل نور ایمان اور نور اخلاق سے روشن ہو جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ تمام تر اعمال کا دارومدار نفس کی مخالفت پر ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، قلب، نفس اور رُوح۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کی رحمت کے ساتھ قلب روشن ہوتا ہے اور اس قلب کی روشنی کے ساتھ رُوح منور ہو جاتی ہے، انسان کی رُوح پر اثر ہوتا ہے اور وح منور ہوتی ہے اور جب رُوح منور ہو جائے تو پھر نفس کی بھی قلب کی طرف کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ جب بھی قلب کی کشش رُوح کی طرف ہوتی ہے تو نفس قلب کی طرف کھنچتا ہے اور قلب کی طرف نفس کا جو رخ ہوتا ہے وہ روشن ہو جاتا ہے۔ آپؒ نے اس سیپ کی مثال دی جو سمندر میں ہوتی ہے اور اس میں موتی ہوتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اس سیپ کا باہر والا حصہ بد صورت ہوتا ہے لیکن جو حصہ موتی کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کی صحبت میں ہوتا ہے وہ چمکدار ہوتا ہے۔ اسی طرح نفس کا وہ حصہ، نفس کے دو حصے ہیں، جو حصہ قلب کی طرف ہوتا ہے وہ منور ہو جاتا ہے۔ اور جب نفس کے دو رخوں میں سے ایک رخ منور ہو جاتا ہے تو وہ تبدیلی صفات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ایسے وقت میں اس شخص کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس طریقہ کے ساتھ وہ بندہ ولی اللہ بن جاتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ حُسنِ اخلاق ولائیت کی سیڑھی ہے اور اس میں یہ تین چیزیں قلب، نفس اور رُوح آتی ہیں۔ اس کے بعد آپؒ نے قلب کا ذکر ذات کے ساتھ نورانی بن کر اخلاق الٰہی کے ساتھ تعامل پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ ذکر آپ نے پہلے بھی کیا ہے۔ حضرت شیخ ابو القاسم گورگانیؒ مشائخ کبار میں سے ہیں اور حضرت

داتا گنج بخشؒ نے بھی ان سے فیض حاصل کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے ننانوے اسمائے حسنہ سَالِک طریقت کے اوصاف بن جاتے ہیں اگرچہ وہ اپنی منزل پر نہ بھی پہنچا ہو۔ ایک وہ ہے جو اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے لیکن جو جستجو کر رہا ہے ابھی واصل بحق نہیں ہوا، ابھی سلوک کی منزل میں ہے اس کے اندر بھی اللہ پاک کے ان اسمائے حسنہ کی صفتیں منتقل ہونے لگ پڑتی ہیں۔ ان کا منتقل ہونا یہ بشری کمزوریوں اور انسانی کوتاہیوں کے مناسبِ حال ہوتا ہے۔ جس کی بشری کوتاہیاں اور کمزوریاں تھوڑی ہوں گی ان کے اندر یہ وصف زیادہ آجائے گا اور جن کے اندر وہ زیادہ ہوں گی ان کے اندر یہ وصف کم ہو گا۔ بہر حال اس مضمون کو آئندہ بشرطِ توفیق گزارش کریں گے۔ آج حسن الخلق ''التصوف حسن الخلق''۔ تصوف نام ہے اخلاق کا۔ ہم نے اگر اپنے کردار کو درست کرنا ہے اس کے واسطے یہ ایک بڑی اہم منزل ہے کہ ہمیں اپنی ترجیحات کو اللہ پاک کی ترجیحات پر قُربان کرنا ہو گا۔ جس بات میں رب راضی ہو ہمیں اس بات پر راضی ہونا پڑے گا۔ اخلاق میں میں نے جو چیزیں گزارش کی ہیں احادیث مبارکہ کے ذریعے آئندہ بھی انشاء اللہ ان کو دہرایا جائے گا۔ اُمید ہے کہ وہ سمجھ میں آئی ہوں گی کہ انسان اپنے دل کو ہر قسم کی نفرت، غصہ اور کینہ سے پاک کرلے۔ جس نے رب کو حاصل کرنا ہے اس کے واسطے ضروری ہے کہ وہ اپنے اِس تَن کے حُجرے کو صاف ستھرا کرلے۔ اگر یہ صاف نہیں ہو گا تو پھر اللہ پاک کی تجلّی اس کے اندر داخل نہیں ہو گی۔ اُس کا طریقہ کار میں نے مختصراً عرض کیا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ دوبارہ عرض کروں گا کیونکہ اس کو بار بار بتانے کی ضرورت ہے۔ ایک دفعہ کہنے سے اس کی سمجھ نہیں آتی، کہ اخلاق کے ذریعے انسان اللہ کے قریب کس طرح ہوتا ہے اور اس کے دل میں اللہ پاک کے انوار کس طرح داخل ہوتے ہیں۔ اس میں انہوں نے تین چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ قلب نفس اور رُوح۔ ان اخلاق کا حصول اگر بندہ اپنے اوپر جبر کرے تو حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے واسطے ضروری ہے کہ اس میں وابستگی ہو کہ!

''جس دے نال میں نیوہ لگایا اُوہدے وَرگی ہوئی''

جب تک یہ چیز حاصل نہیں ہوتی اُس وقت تک یہ اخلاق نہیں مل سکتے۔ رات کو سو مرتبہ اپنے دل کو پٹی پڑھالیں، صبح کوئی بندہ گالی دے دے فوری طور پر طبیعت جوش میں آجائے گی، تمام باتیں بھول جائیں گی، علیٰ ھذا القیاس کیونکہ یہ جبلت انسانی ہے سب سے پہلے ہم نے اپنی اس جبلت کو تبدیل کرنا ہے۔ جب تک لوہا مقناطیس کے ساتھ رگڑ نہ کھائے اُس کے اندر مقناطیس کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔ چاہے لوہے کو جتنا مرضی گرم کرلیں۔ اسی طرح بندہ بھی ہے!

''جاگ بِنا دودھ جمدے نَاہیں باھُو بھاویں لال ھُو ون کَڑھ کَڑھ کے باھُو''

جب تک یہ تعلق قائم نہیں ہوتا اُس وقت تک اِس اخلاق کا حصول ممکن نہیں۔ کہنے کو کہا جا سکتا ہے، سننے کو سنا جا سکتا ہے لیکن عملاً کہتے ہیں کہ جب تک محبت کی Flow of the love نہر نہ بہہ پڑے، اس وقت تک یہ چیزیں منتقل نہیں ہوتیں۔ شیطان اور نفس دونوں مل کر ایسا بند باندھتے ہیں کہ بندے کا سارا رجحان غارت ہو جاتا ہے۔ سو دفعہ بندہ اپنے آپ کو سمجھا کر نکلے لیکن پہلی بات سُنتے ہی تمام تکلف ایک طرف اور

بندہ وحشیوں کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اس کے واسطے پکے بند کی ضرورت ہے۔ اس بند کے واسطے ہم اکٹھے ہوتے ہیں اور اس ذکر کو سُنتے ہیں تاکہ ہم پر اللہ پاک تَرس فرمائے کہ ہم رات کے اس لمحہ جب کہ ہمارے ساتھی، عزہ واقارب، دوست احباب آرام کی نیند سو چکے ہیں ہم اللہ کے گھر میں بیٹھ کر اپنے مستقبل کی فکر کر رہے ہیں۔ اللہ پاک کو اِس بات پر بھی تو تَرس آسکتا ہے۔ اگر اُس کو ترس آگیا تو وہ پھر ہمیں اپنوں میں شمار کرلے گا۔ اگر اپنوں کی مہر لگ گئی تو پھر تمام صفتیں اپنے آپ پیدا ہو جائیں گی۔ یہ کہنے اور سننے سے کام نہیں بنتا لیکن ہمارے اس بیٹھنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ جب طالب الی اللہ اپنے شیخ کی صحبت میں بیٹھتا ہے حقیقتاً جس طرح پچھلی دفعہ میرے سے ایک ساتھی نے گزارش کی تھی کہ

"یک زمانہ صُحبت با اولیا۔ بہتر است صد سالہ طاعت بے ریاء"

ایک لمحہ کسی اللہ کے بندے، اس بندے جس سے رہنمائی مقدر ہو چکی اس کے پاس بیٹھنا سو سال کی خالص عبادت سے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ عبادت شیطان اور نفس کسی وقت مل کر ساری کی ساری تباہ وبرباد کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر یہ جاگ لگ جائے تو پھر شیطان کا زور نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ انشاء اللہ ہماری اس ریت کو جاری رکھے۔ جن اخلاق کا ذکر ہوا اللہ پاک یہ اخلاق ہمارے اندر پیدا کر دے۔ جب ہمارے دل میں اپنے کسی مخالف سے انتقام لینے کی سوچ آئے تو ہم یہ سوچیں کہ کیا ہمارے آقا و مولا اللہ پاک کے محبوب، سرورِ کائنات ﷺ نے بھی کبھی انتقام لیا تھا۔ آپ ﷺ کا تو یہ عالم تھا کہ کعب بن زہیر نے اپنے شعروں کے ذریعے مسلمانوں کی دل آزاری کی اور اتنی زیادہ کی کہ اس کے واسطے سرکار ﷺ نے قتل کا حکم فرمادیا کہ اگر یہ کعبہ کے پردوں میں چھپا ملے تو تب بھی اس کو قتل کر دیا جائے۔ جب کعب کو یہ اطلاع ملی تو اس کے ہوش اڑ گئے، اس نے ارادہ کیا کہ!

"نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں"

اُس نے سوچا کہ اِس کی ایک ہی صورت ہے کہ میں سرکار ﷺ کے دامنِ رحمت کے ساتھ وابستہ ہو جاؤں۔ اُس نے سنا ہوا تھا کہ سرکار ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ رات کو وہ وہاں پہنچا۔ ڈر کے مارے اس کو کوئی بھی ٹھہرانے کو تیار نہیں تھا۔ جس کس طرح رات گزاری، صبح کی نماز ہوئی، ابھی ملگجا اندھیرا اور روشنی ملی جلی تھی۔ کعب بن زہیر کھڑا ہوا ابھی شکل پہچانی نہیں جارہی تھی۔ ڈرتے ڈرتے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کعب بن زہیر آجائے اور معافی مانگے تو کیا اس کو معافی ہو سکتی ہے۔ میرے آقا کریم ﷺ نے فرمایا ہو سکتی ہے۔ کعب بن زہیر نے اپنا قصیدہ سنانا شروع کر دیا۔ جب ایک خاص شعر پر پہنچا تو عرض کی کہ سرکار ﷺ میں ہی وہ کعب بن زہیر ہوں۔ نبی پاک ﷺ نے نہ صرف معاف فرمادیا بلکہ اپنی وہ قیمتی چادر جو بیرون ملک وفود کی آمد کے موقع پر سرکار ﷺ اوڑھتے تھے اس کو تحفتہً عطا فرمادی۔ وہی چادر عرصہ دراز تک بغداد کے خلفاء کے پاس رہی۔ یہ میرے آقا کریم ﷺ کے اخلاق ہیں۔ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے قُرب کے خواہشمند ہیں؟ کیا ہم حضور علیہ الصلوۃ السلام کی غُلامی کے طلبگار ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر دل سے ماسواء اللہ سب کچھ خارج کر دیں۔ "الحب للہِ والبغض للہ" اللہ کے نام کی خاطر، یہ سودا اللہ کے ساتھ کر ہی لیں کہ یا اللہ ہم تیری خاطر!

"زمانہ چھڈیا اے اَساں ایک یار دی خَاطر"

یہ ارادہ کر ہی چھوڑیں۔ اخلاق کا آغاز ہی وہاں سے ہوتا ہے جس کے دل میں نفرت، کینہ، کرودھ، غصہ ختم ہو جاتا ہے۔ چاہے اپنا ذاتی دشمن ہو یا دوست ہو۔ فراموش کر دے، بھول جائے۔ ہم اپنے رب کی صفتوں کی طرف دھیان کریں اور اُس کی یاد کریں۔ اتنا سوہنا رب، اتنی شانوں والا محبوب ﷺ اگر مل جائے تو ان کو کیوں جانے دیں۔ اپنے نہاں خانہِ دل کے اندر صرف اُس کی جگہ بنائیں۔

"اے تن تیرا رب سچے دا حجرہ وِچ پَا فقیرا جھاتی ہُو

نہ کر منتاں خواج خضر دیاں تیرے اندر آپ حیاتی ہُو"

اللہ پاک جو کہا اور جو سنا گیا اپنی بارگاہِ عالی میں قبول و منظور فرمائے۔ اِس سلسلہ میں کوئی سوال کسی صاحب کے ذہن میں ہو تو وہ پوچھ سکتا ہے۔ ابھی اخلاق کے بارے میں بہت کچھ گزارش کرنا باقی ہے۔ اخلاق کی تو آج ہم نے صرف تمہید باندھی ہے۔ تفصیلاً انشاءاللہ آئندہ آہستہ آہستہ۔ ایک دن میں ساری بات نہیں کی جا سکتی۔

آج کے سوالوں میں تین بڑے اہم سوال تھے ایک قلب، دُوسرا نفس اور تیسرا رُوح کے بارے میں کہ قلب کیا ہے؟ نفس کیا ہے؟ اور رُوح کیا ہے؟ انشاءاللہ آئندہ میں اُن کو بیان کروں گا لیکن ابھی میں اُن کو مختصراً بیان کر دیتا ہوں، آئندہ بشرط توفیق پھر کبھی سہی۔

قلب دل کے اندر اس مقام کو کہا جاتا ہے جہاں پر تجلیات الٰہی وارد ہوتی ہیں۔ اللہ پاک کی طرف سے انسان کو جو رہنمائی ملتی ہے وہ قلب کے ذریعے ملتی ہے، اس مقام پر ان تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ قلب ایک مقام کا نام ہے، یہ کوئی organic یا جسم نہیں بلکہ ایک مقام، ایک جگہ ہے انسان کے جسم کے اندر جہاں تجلیات الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور اس مقام پر اسم اللہ کا سبق میں نے رمضان شریف کے اندر اعتکاف والوں کی موجودگی میں دیا تھا۔ بہت سارے لوگ اس میں موجود تھے اور اگر نہیں تھے تو پھر انشاءاللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ عرض کر دیں گے وہ لمبی بات ہے لیکن بہر حال اس کا کرنا بھی ضروری ہے۔ مقامِ قلب پر اللہ پاک کی تجلیات کا نزول ہوتا ہے، ان کو سمجھنے کے واسطے اس اسم اللہ کے ذکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ دل اس اہل ہو جاتا ہے، اس کے اندر یہ قابلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنے رب کی زبان سمجھ سکے۔ کہ میرا رب میرے ساتھ مخاطب ہے اور کیا فرماتا ہے اس کو پتہ چل جاتا ہے۔ یہ مقامِ قلب کہلاتا ہے۔ میں مختصراً اس کو بیان کر رہا ہوں اگر تفصیل بیان کریں تو اس پر پورا پورا باب لکھا گیا ہے۔ میں صرف مختصراً کیوں کہ کافی وقت ہو چکا۔ قلب مقام تجلیات الٰہی ہے۔ یہ ایک مقام ہے، ایک جگہ ہے، کسی جسم کا نام نہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ قلب جاری ہو گیا، ٹھک ٹھک کر رہا ہے یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ وہ قلب اور ہوتا ہے اس کا نام anatomical heart ہے۔ اور اس کے اندر مختلف اجزا organ موجود ہیں اور یہ دل تمام جانوروں میں ہوتا ہے جو خون کی گردش کرتا ہے۔ قلب ایک مقام کا نام ہے۔ دُوسرا نفس۔ نفس اس مقام کو کہا جاتا ہے جہاں پر شر کے تمام تر سگنل آتے ہیں۔ شیطان جہاں پر اپنے اثرات ڈالتا ہے اور مختلف دیگر عوامل اثر انداز ہوتے ہیں، اس کی تفصیل بھی ایک پورا علیحدہ موضوع ہے۔ لیکن نفس ایک مقام ہے جو محلِ شر ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی کتاب کشف المحجوب شریف کے مطابق نفس مقام شر ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ نفس محل شر ہے۔ نفس کی خواہشات

کی مخالفت تمام عبادات کا اصل اور مجاہدات کا کمال ہے۔ بندہ سوائے مخالفتِ نفس کے اللہ تعالیٰ کی طرف راہ نہیں پا سکتا، اس لیے نفس کی موافقت میں بندے کی ہلاکت اور نفس کی مخالفت میں بندے کی نجات ہے۔ قلب تجلیات الٰہی کا محل ہے اور نفس محلِ شر ہے۔ جہاں پر دو طرح کے بُرے اخلاق کا ورود ہوتا ہے۔ ایک بُرے افعال اور دُوسرے بُرے اخلاق ان کا ورود ہوتا ہے۔ یہ نفس اس مقام کا نام ہے جہاں پر بُرے افعال کی جڑ ہے۔ یہاں بُرے افعال پیدا ہوتے ہیں اور پھر جسم ان کو کر گزرتا ہے۔ اور تیسرا رُوح۔ رُوح کے بارے میں یہ فرمایا گیا کہ رُوح مادہ حیات ہے اور یہ محل خیر ہے۔ اللہ پاک نے قُرانِ پاک میں فرمایا کہ!

"فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي" (ص:72)

کہ ہم نے آدم کا پتلا بنایا اور اس میں اپنی طرف سے ایک رُوح پھونک دی۔ یہ وہ رُوح ہے اور یہ رُوح محلِ خیر ہے۔ یہاں پر نیکی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں پر بُرائی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اس کو نفس کہا جاتا ہے، جہاں پر نیکی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اس کو رُوح کہا جاتا ہے۔ قلب ان دونوں کو کنٹرول کرتا ہے اور یہاں پر تجلیات الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ جس کا قلب روشن ہو وہ بندہ پھر مرتا نہیں۔

"ہر گز نمیرد انکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما"

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ وہ کبھی بھی نہیں مرتے جن کے دل عشق کے ساتھ زندہ ہو جائیں۔ ان کا اس صفحہ ہستی پر رہنا قرار پا چکا ہے۔ بلھے شاہؒ نے بھی اور سبھی نے یہ ہی بات کی ہے۔

"بلھے شاہ اَساں مرنا ناہیں گُور پوے کوئی ہُور"

جن کا دل زندہ ہو جائے وہ نہیں مرتے وہ اپنی قبروں کے اندر بھی زندہ ہوتے ہیں۔ ہمیں ان کی زندگی کا احساس ہوتا ہے۔ ابھی میرے پاس وقت نہیں ورنہ میں آپ کو مثالیں دیتا۔ بے شمار مثالیں دورِ حاضر میں بھی موجود ہیں۔ ہمیں یہ دل زندہ کرنا ہی مقصود ہے۔ اللہ کرے کہ اس دل کو زندگی مل جائے۔ اگر اس کو زندگی مل جائے تو زندگی گزارنے کا لطف آئے گا۔ اس دُنیا پر تمام تر جتنے بھی فائدے ہیں تمام کے تمام سب حاصل ہوں گے اور جتنے اس کے نقصان ہیں بندہ سب سے بچ جاتا ہے۔ اللہ کرے دل زندہ ہو جائے۔ یہ تین سوال تھے جو پوچھے جا سکتے تھے۔ قلب، نفس اور رُوح ان کی میں نے بالکل مختصر definition تعریف گزارش کی ہے ورنہ ان کے بارے میں پورا پورا ایک ایک باب بیان کیا جا سکتا ہے۔ انشاء اللہ جب ان کا ذکر آئے گا تو پھر وہ گزارش کر دیا جائے گا۔ آج اخلاق کے بارے میں گفتگو کرنا مقصود تھی۔ اللہ رب العزت ہمارے اس مل بیٹھنے کو اور گزارشات کے سننے کو قبول و منظور فرمائے۔ اس تن کی دولت کے بارے میں میں علامہ اقبال کے چند شعر عرض کرتا ہوں، وہ اس واسطے کہ دل کے اندر شوق پیدا ہو جائے۔

"اپنے من میں ڈوب کر پا جا سُراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
مَن کی دُنیا؟ مَن کی دُنیا سوز و مستی جذب و شوق
تَن کی دُنیا؟ تَن کی دُنیا سود و سودا مکر و فن
مَن کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تَن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دَھن جاتا ہے دَھن
مَن کی دُنیا میں نہ پایا میں نے اَفرنگی کا راج
مَن کی دُنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ مَن
اپنے مَن میں ڈوب کر پَا جا سُراغِ زِندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بَن اپنا تو بَن

علامہ اقبال نے بڑا زبردست پیغام دیا ہے اور یہ پیغام انہی طریقوں سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ میری گزارشات سب کی سمجھ میں آئیں۔ ابھی میں نے اخلاق کے بارے میں آغاز کیا ہے۔ اعلیٰ اخلاق اگر یہ آپ کے دل میں پیدا ہو جائیں تو پھر انشاء اللہ نورِ ازلی آپ کے دل میں موجزن ہو جائے گا۔ اللہ پاک کے نور کے چنگارے دل میں روشن ہو جائیں گے اور عشق و مستی کی فضاء پیدا ہو جائے گی۔ اللہ کرے یہ دولت حاصل ہو جائے۔

سوال۔ بندے کے ذہن میں بُرے خیال آتے ہیں، وہ ایسے بُرے کام کو کرنا نہیں چاہتا اُس سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب۔ میں یہ ہی عرض کر رہا تھا کہ یہ خیال، ان سے بچنے کے لیے آپ خود کو جتنا مرضی سمجھالیں، جس وقت وقت آتا ہے، انسان کو حالات میسر آتے ہیں، مثلاً تنہائی یا موقع تو وہ باز نہیں رہ سکتا، وہ اس چیز میں چھلانگ لگا دیتا ہے۔ اس کے واسطے یہ ضروری ہے کہ اُس کا مَن اُس کے نفس کی مخالفت کا عادی ہو چکا ہو۔ یہ مخالفت ابھی میں نے آپ کے سامنے حضرت داتا گنج بخشؒ کا قول بیان کیا ہے کہ "نفس کی مخالفت تمام عبادات اور مجاہدات کی اصل ہے"۔ اس نفس کی مخالفت کی ٹریننگ کے سلسلہ میں ہی میں نے آج کا لیکچر دیا ہے کہ اخلاق آپ کو نفس کی مخالفت سکھائیں گے۔ مثلاً جب کوئی شخص آپ کو گالی دیتا ہے، اس وقت آپ کا نفس جوش میں آئے گا، اس وقت اپنے آپ پر کنٹرول کریں گے تو یہ ٹھپہ لگ جائے گا اور رَفتہ رَفتہ آپ کا من اس اہل ہو جائے کہ وہ اپنے آپ کو کنٹرول کر سکے۔ مقارمِ اخلاق ہونا اپنے نفس کو کنٹرول کرنے کی پہلی منزل ہے۔ اللہ پاک نے اس کی طرف جگہ جگہ اشارہ فرمایا ہے، بالخصوص!

"وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ"(العصر:3)

"وَتَوَاصَوْا" وصیت سے نکلا ہے کہ تلقین کرو دوسروں کو بھی لیکن زُبانِ گُفتار کے ساتھ نہیں بلکہ زبانِ کردار کے ساتھ اور اپنے آپ کو بھی تلقین کرو۔ "صبر" کہتے ہیں کہ انسان اچھائی پر رک جائے اور بُرائی کی طرف نہ جائے۔ صبر رک جانے کو کہتے ہیں انسان اپنے آپ کو روک

لے کہ بُرائی کی رو میں بہہ نہ جائے۔ وہ اخلاق کی نہر میں اپنے آپ کو ڈال لے تو وہ نفس کی رو سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اپنے نفس کی جب مخالفت کرے گا تو اس کے اندر قوت پیدا ہو گی، وہ قوت جب اس کو ہر بُرے اخلاق سے روکے گی تو آہستہ آہستہ اس کے اندر اللہ پاک کے جو اخلاق ہیں ان کا پرتو آسکتا ہے، پوری کی پوری تو کسی بھی صورت نہیں آسکتی، اللہ بے عیب ہے اور وہ مثال سے مُبرا ہے، اس کی نہ کوئی مثال ہو سکتی ہے ،نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ کبھی ہو گی۔ لیکن اپنی صفات میں سے وہ کچھ حصہ انسان کو عطا کرتا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ!

"إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً" (البقرۃ:30)

میں بنانا چاہتا ہوں روئے زمین پر اپنا ترجمان۔ اس کا ترجمان وہ ہی ہو گا جس کے اندر اللہ کے اخلاق پیدا ہوں گے۔ ورنہ ہر شخص، ہر انسان، مولانا صاحبان تفسیروں میں لکھتے ہیں کہ انسان خلیفۃ فی الارض ہے۔ ہر انسان نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر اللہ پاک "جَاعِلٌ" نہ فرماتا بلکہ "خَالِقٌ" فرماتا۔ پیدا کرنے لگا ہوں۔ پیدا تو سارے کے سارے انسان ہوئے ہیں پھر ہر انسان خلیفۃ فی الارض ہوتا۔ "جَاعِلٌ" کا مطلب یہ تھا کہ پیدا میں نے کیا ہے اب بناؤں گا اپنی مرضی سے۔ جیسے سب ایم اے یا بی اے پاس کر لیتے ہیں۔ گورنمنٹ چاہے ان میں سے کسی ایک کو ڈی سی مقرر کر دے، ایس پی مقرر کر دے یہ حکومت کی مرضی ہے جس کو وہ اہل سمجھے۔ اللہ پاک جس کو اہل سمجھتا ہے اس کو بنا دیتا ہے۔ "خلیفۃ فی الارض" خلیفہ وہ ہی ہو گا جس کے اندر صفات الٰہی آنا شروع ہوں گی ،وہ تب آتی ہیں جب وہ اخلاق کے ذریعے اپنے نفس کو کنٹرول کرے۔ یہ بڑی مشکل منزل ہے کہ انسان اپنی پسندیدہ چیز کو چھوڑ دے۔ میں نے اپنے سلوک کے دوران ان مشقوں کو پوری طرح محسوس کیا، کیونکہ ہر شیخ طریقت کسی بھی طالب کو اس راستہ سے گزارتا ہے اور نشتر ایسی جگہ لگاتا ہے جہاں پر درد زیادہ ہوتی ہے۔ وہیں پر وہ مادہ اکھٹا ہوا ہوتا ہے جس کو نکالنا مقصود ہوتا ہے۔ اس کی "میں" جب وہ مارلیتا ہے تو پھر اس کے اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ یہ اخلاق کے بارے میں ہے اس کے آگے میں آپ کو گزارش کروں گا تو یہ کام بڑا آسان ہو جائے گا۔ کہ جب آپ کے ذہن میں خیال آئے گا تو آپ کے اندر ایک Defense ہو گا، جب اس کی طرف خیال کریں گے تو وہ خیالات جو نفس کی طرف سے آرہے ہیں وہ فوری طور پر زائل ہو جائیں گے۔ اس طرح جیسے کے گرم توے پر اگر پانی کا قطرہ پڑے تو وہ فوراً اُڑ جاتا ہے اس طرح یہ خیال غائب ہو جائیں گے۔ اللہ پاک نصیب کرے۔ کیا آپ لوگ ایسی منزل چاہتے ہیں۔ اس کے لیے جستجو کرتے رہیں۔ میں آپ کو گزارش بھی کروں گا، آپ کا حوصلہ بھی بڑھاتا ہوں اللہ کرے آپ کو یہ اخلاق مل جائیں۔ انشاء اللہ۔ کہتے ہیں کہ اللہ کے بندے ہر کسی کی حالت برداشت کرتے ہیں ان کی برداشت اتنی بڑھ جاتی ہے۔ اللہ کرے اللہ یہ چیز ہمارے اندر بھی پیدا کر دے۔ پھر میں پچھلی بات دہراتا ہوں کہ ہم ان بزرگوں کی تعلیمات کا اجراء اس واسطے کر رہے ہیں کہ دورِ حاضر میں تصوف کو ایک شجر ممنوعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ اغیار کا ایجنڈا ہے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اعلیٰ اخلاق سے محروم ہو جائیں اور ہم ان پر قبضہ کر لیں۔ لہذا ہر اُس شخص کو جو اخلاقِ رزیل رکھتا ہے اسے پیر قرار دے کر اُس کو نمایاں کیا جاتا ہے اور یہ لوگ جو حقیقتاً تصوف کے ماخذ تھے اور اس کا اجراء کرنے والے تھے اُن کی تعلیمات کو پس پشت ڈالا جارہا ہے۔ چاہیے یہ کہ ہر آستان پر اُن کی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے، اُن کے درس دیئے جائیں تا کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ تصوف کیا ہے اور یہ ہی وہ واحد راستہ ہے۔

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا" (الشمس:9)

جو تعمیرِ کردار کی ضمانت ہے۔ ہم ان لوگوں کا ذکر اس لیے کرتے ہیں کہ ان کا ذکر کرتے کرتے شاید اللہ کو ہم پر ترَس آجائے اور!

"رانجھا رانجھا کر دی نیں میں آپے رانجھا ہوئی"

اللہ کرے ہم بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ ہم اس آس پر یہاں پر مل بیٹھے ہیں اور انشاء اللہ یہ مل بیٹھنا خالی نہیں جائے گا۔اس کا مثبت اثر نظر آرہا ہے اور بحمد للہ بے شمار نوجوان تہجد پڑھنے لگے ہیں، نمازوں کی طرف راغب ہو رہے ہیں، اچھائی کی طرف آرہے ہیں۔ میرے جیسا ایک حقیر، مسکین شخص کسی کو ہزار دفعہ کہتا شاید قائل نہ کر سکتا یہ مالک کی مرضی تھی کہ ہم نے یہ سلسلہ شروع کیا اور یہ بھی اس کی مرضی ہے کہ وہ ہم لوگوں کو اس راستہ پر چلا رہا ہے۔ جب اتنی کثیر تعداد میں لوگ اس راستہ پر چلیں گے تو سب سے زیادہ تکلیف شیطان کو ہو گی۔ راہ حق کی پہچان یہ ہے کہ اس کی مخالفت ہوتی ہے۔اس کے راستہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ اس کو ہر طریقہ سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسی کوششیں جب ہونے لگیں تو سمجھ لیں کے ہم راہ حق پر ہیں الحمد للہ۔ اللہ کریم ہمارے اس سفر کو جاری وساری رکھے۔

سوال۔مُردہ دل کیسے زندہ ہوتا ہے؟

جواب۔ جب آپ کسی زندہ دل والے کے ساتھ تعلق جوڑیں گے تو خود بخود اس کی زندگی آپ میں آنا شروع ہو جائے گی اور مردہ دل زندہ ہونا شروع ہو جائے گا۔ آپ الیکٹرسٹی کا کام جانتے ہیں، الیکٹرسٹی میں یہ ہوتا ہے کہ جب ایک موصل جس میں الیکٹرک کرنٹ داخل ہوتی ہے تو وہ کسی اور موصل دھات کے ساتھ ملتا ہے تو کرنٹ اس کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی روشن دل والے کے پاس جائے گا اس کا دل خود بخود روشن ہو جائے گا۔ ایک بلب جلتا ہے تو پورا کمرہ روشن ہو جاتا ہے۔ میں اگر سارے بلب بجھا دوں تو اندھیر اطاری ہو جائے گا۔ یہ سمجھنے کی بات ہے کہ بلب جو ہیں انہوں نے آگے بڑھ کر، اپنے مقام سے اٹھ کر کمرے کو روشن نہیں کیا، یہ جب خود روشن ہوئے ہیں تو کمرہ خود بخود روشن ہو گیا ہے۔ اس طرح جب کوئی شخص کسی روشن ضمیر کے ساتھ اپنا ناطہ جوڑ لیتا ہے تو اس کا دل زندہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

سوال۔ کسی سوالی کے سوال پورا کرنے کے بارے میں کیا بیان ہے؟

جواب۔ اس میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جو تخصیص فرمائی ہے وہ شریعت کی حدود کے اندر ہے۔ شریعت کی حدود سے باہر اگر کوئی آپ سے سوال کرے اس کا سوال except نہیں کرنا۔ شریعت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کوئی بھی سوالی سوال کرے تو اس سوالی کا سوال پورا کرنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سُنت ہے۔ یہ بس ایک اصول ہے اس کو مد نظر رکھیں۔ کوئی شخص آپ کو کسی غیر شرعی کام کے لیے کہے یا اس طرح کا کوئی مطالبہ کرے تو اس کا مطالبہ کبھی پورا نہ کریں۔ چاہے وہ آپ کا نزدیک ترین دوست ہو، حتیٰ کہ قُرانِ پاک میں اللہ پاک فرماتا ہے کہ اگر آپ کے والدین بھی آپ کو اللہ کے راستہ سے روکیں تو نہ رُکیں۔ اللہ پاک ہمارا مل بیٹھنا اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔(دعا)

درسِ تصوف۔17

دورانیہ۔65منٹ۔تاریخ۔2013-09-26

بمقام۔مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ چند اسباق ان صفات اور اخلاق کے بارے میں گزارش کیے گئے جو اہل تصوف کا شیوہ ہیں اور جن کے ذریعے اہل تصوف تعمیرِ کردار کی منزل تک پہنچتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قُرانِ پاک کے اندر ارشاد فرمایا!

”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا“(الشمس:9،10)

کامیاب ہو گیا وہ جس نے اپنے کردار کو سنوار لیا اور ناکام رہا وہ جس نے اس کو برباد کیا۔اِس کی ابتداء صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے فرمائی ہے۔یہ ہی سلسلہ جو صحابہ کرامؓ سے تابعین اور تبع تابعین تک پہنچا تو اس کو تصوف کہا گیا۔تصوف ایسے طریقہ کار کا نام ہے جو انسان کو تعمیرِ کردار کی منزل تک پہنچاتا ہے۔جتنے اولیا اللہ اسلام کی تاریخ میں آچکے اور آئندہ آئیں گے سب کے سب اس منزل کو طے کرنے کے واسطے جستجو کرتے ہیں۔اُن میں سے وہ لوگ خوش قسمت ہیں جو اپنے مقام کو حاصل کر لیتے ہیں۔ہم تصوف کے طریقوں اور اس کی اہم ترین خصوصیات کو مد نظر رکھتے ہوئے اُن کا ذکر اس واسطے کرتے ہیں کہ شاید مل بیٹھ کر اِس ذکر کرنے کی وجہ سے اللہ پاک کو ہماری اِس ادا پر ترس آئے اور ہمیں بھی وہ اہلِ کردار میں سے کر دے۔رہنمائی کے اصول کا ہمیشہ یہ ہی ذریعہ رہا ہے۔اس طرح مل بیٹھنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سُنت کے عین مطابق ہے اور یہ عمل ابتدائے اسلام سے جاری ہے۔میرے آقا کریم ﷺ جب نماز ادا فرما لیتے تھے تو اس وقت جتنے بھی لوگ مسجد کے اندر ہوتے تھے ان میں سے اکثریت سرکار ﷺ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے تھے۔اس محفل میں دو ذریعوں کے ساتھ فیضانِ مصطفی ﷺ کا حصول ہوتا تھا۔ایک سرکار ﷺ کی محفل میں بیٹھنا اور دوسرا ان کے ارشادات مبارکہ سننا۔اس ذریعے سے سُنت اور حدیث پاک کی ترویج ہوئی اور دین متین اپنی اصل حالت میں ہمارے تک پہنچا۔یہ کون سی صفات ہیں ان کے سلسلہ میں ہم گفتگو کرتے چلے آرہے ہیں۔گزشتہ محفل میں اہل تصوف کے اخلاق کے بارے میں گفتگو کی گئی۔حضرت شیخ الشیوخ اپنی کتاب عوارف المعارف کے اندر لکھتے ہیں کہ صوفیاء کرام وہ لوگ ہیں جو اس راستہ میں قدم اٹھا چکے ہیں، چاہے وہ منزل پر پہنچ چکے ہیں یا ان کا ابھی پہلا قدم ہے، اس سے اہل تصوف مُراد لیا جاتا ہے۔اُن کو اقتدائے رسول ﷺ میں سے دوسروں سے زیادہ حصہ ملا ہے اور احیائے سُنت کے وہ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔انہوں نے خود کو اخلاقِ نبوی ﷺ کے ساتھ متصف کرنے کی جستجو جاری رکھی، کچھ اپنی منزل پر پہنچے۔کچھ راستہ میں ہیں اور کچھ جستجو کا آغاز

کر رہے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ سے حدیث روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اے فرزند اگر تیرے سے یہ ہو سکے کہ تیرے صبح و شام اس طرح گزریں کہ تیرے دل میں کسی کے خلاف میل اور کدورت نہ ہو تو ایسی زندگی بسر کر۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے فرزند یہ میری سُنت ہے اور جس نے میری سُنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا، جس نے مجھے زندہ کیا وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کے اخلاقِ مُبارکہ کو "إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ" (القلم:4) فرمایا ہے۔ اگر کسی کو اس عظیم خُلق میں سے حصہ مل جائے تو وہ شخص ہدایت یافتہ کہلاتا ہے، اُس کا کردار اخلاق کے ساتھ جگمگا اٹھتا ہے۔ یہ حدیث پاک ہر وقت ہمارے مد نظر رہنی چاہئے کہ صبح شام اس طرح گزریں کہ ہمارے دل میں کسی کی طرف سے کوئی کینہ، کدورت یا میل نہ ہو۔ پچھلی دفعہ میں نے عرض کیا تھا کہ اس میں ایک اصول صوفیاء نے مد نظر رکھا کہ "الحب للهِ والبغض للهِ" اپنی ذات کی خاطر نہ محبت کی جائے اور نہ دشمنی کی جائے۔ اس میں ترجیح اللہ کی ذات کو ہو۔ حُسنِ اخلاق میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک اور حدیث، نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن تم میں سے میرا سب سے زیادہ محبوب اور میری مجلس میں مجھ سے قریب تر وہ شخص ہو گا جو تمہارے اندر اخلاق کے اندر پاکیزہ ہو گا، جس کے اخلاق بہترین ہوں گے۔ وہ لوگ مجھے ناپسند ہیں اور میری مجلس سے دور ہوں گے جو متکبر ہیں اور لغو گفتگو کرتے ہیں اور بغیر ضرورت کے باتیں کرتے ہیں۔ یہ اصول ہم اپنی زندگی کا شعار بنالیں۔ کہ ہمارے دل میں ہماری ذات کے واسطے نہ کسی کے بارے میں کدورت ہو اور نہ ہی کوئی میل باقی رہے۔ جو شخص اللہ پاک کو راضی کرنا چاہتا ہے، جس کا مقصود رب کی رضا ہے اس کا دل نفرت سے خالی ہونا چاہیے۔ ماسوا اللہ کے دشمنوں کے اُس کے دل میں اپنا مفاد یا اپنی غرض شامل نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے بارے میں میں نے دو گزارشات کی تھیں۔ ایک حضرت علی المرتضیٰؓ کی مثال کہ آپؓ ایک کافر کو مارنے کے واسطے اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے لیکن اس دوران اُس نے آپؓ کی شان میں گستاخی کی، آپؓ اُس کے سینہ سے اتر آئے اور فرمایا کہ اب میں تجھے قتل نہیں کرتا کہ اب اِس میں میرا ذاتی غصہ بھی شامل ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ کیونکہ میرا یہ عمل فقط رضائے الٰہی کے واسطے ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ اِس میں میری ذاتی غرض آجائے۔ دُوسری میں نے آپ کو اپنے شیخ کریم کی بات عرض کی تھی کہ جب ابتداء میں سلوک کے راستہ پر قدم رکھا تو میرے شیخ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ جب تک تیرا دل کدورت سے خالی نہیں ہو گا، اللہ کی محبت تیرے دل میں نہیں آسکتی۔ اس کی مثال اسی طرح ہے کہ کسی کمرے میں تاریکی ہو اس میں بلب روشن کر دیا جائے تو تاریکی ختم ہو جاتی ہے۔ روشنی ہو گی یا تاریکی ہو گی۔ اندھیرا ہو گا یا روشنی ہو گی۔ بیک وقت دونوں چیزیں نہیں رہ سکتیں۔ اسی طرح ہر وہ دل جو تعمیرِ کردار کا خواہاں ہے اس کو یہ قُربانی دینی ہو گی کہ اپنے ذاتی مفاد کو بالائے طاق رکھنا ہو گا۔ تمہارے صبح و شام اس طرح گزریں کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف میل اور کدورت نہ ہو۔ اس اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے۔ حضور پاک ﷺ کی چند دیگر احادیث مبارکہ بھی عرض کی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں سوال کیا گیا کہ وہ کون سے اخلاق ہیں جن سے متصف ہونے کے باعث زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا حُسنِ اخلاق اور تقویٰ ان کی وجہ سے زیادہ تر لوگ جنت میں داخل کیے جائیں

گے۔ پھر سوال کیا گیا کہ دوزخ میں کن وجوہات کی کثرت کی وجہ سے لوگ داخل کیے جائیں گے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا خوشی اور غم۔ غم سے مُراد فانی لذتوں کے ضائع ہونے پر غم کرنا۔ انسان کو کوئی دُنیاوی نقصان ہو اور وہ غم زدہ ہو جائے یہ تعمیرِ کردار کے خلاف ہے۔ یہاں پر صبر کا حکم ہے اور جو لوگ قُربِ الٰہی کے خواہاں ہیں ان کے واسطے شُکر کا حکم ہے۔ دُوسرا خوشی کہ وہ شخص دُنیاوی کامیابیوں پر خوش ہو۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت امام قشیریؒ اور دیگر تمام بزرگوں نے بھی لکھا ہے کہ بزرگوں میں سے ایک شخص جن کی بازار میں دُکان تھی اُن کو یہ اطلاع کی گئی کہ جناب بازار میں آگ لگ گئی ہے، دُکانیں جل گئی ہیں اور آپ کی دُکان بھی جل گئی ہے۔ انہوں نے سر جھکایا اور چند لمحے بعد فرمایا ''الحمد للہ'' شکر ہے۔ اُس کے بعد کچھ دیر گزر گئی ایک اور شخص آیا اُس نے کہا کہ بازار میں آگ لگ گئی تھی، دُکانیں جل گئیں لیکن اُن میں سے آپ کی دُکان بچ گئی ہے۔ آپ نے پھر سر جھکایا اور کچھ دیر کے بعد فرمایا ''الحمد للہ'' شکر ہے۔ پوچھا گیا کہ دونوں باتوں پر الحمد للہ کیوں کہا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب پہلی خبر جلنے کی سنی تو میں نے اپنے قلب کی طرف نظر کی، اس کے اندر کسی قسم کا غم محسوس نہیں کیا، میں نے اللہ کا شکرانہ ادا کیا کہ میں اس ایک گناہ سے بچ گیا۔ جب کسی شخص نے آکر کہا کہ آپ کی دُکان بچ گئی تو پھر میں نے اپنے قلب کی طرف نظر کی تو اس پر اپنے دل کے اندر کوئی خوشی محسوس نہیں کی، میں نے پھر اللہ پاک کا شکرانہ ادا کیا کہ دُنیاوی نقصان اور فائدے پر میرے دل کے اندر کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ ہمارے واسطے ایک آئیڈیل چیز ہے، اس کو حاصل کرنے کی جستجو کرنی چاہیے۔ انسان کا دل دُنیاوی واقعات سے لاتعلق ہو جائے کہ!

''ہم ساحل پہ ہوتے اور کشتی ڈوبتی اپنی''

علامہ اقبال نے کہا تھا کہ!

'' قفس میں رُودَادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری تھی جس پر کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو''

بہر حال میں اس کی تفصیل بیان نہیں کرتا جن کو سمجھ آرہی ہے وہ ٹھیک ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دُنیاوی نقصان پر غمزدہ نہ ہوں اور دُنیاوی فائدہ پر خوشی نہ کریں۔ یہ بھی اخلاق کی تعمیر کا حصہ ہے۔ ان چیزوں کو مد نظر رکھنا ہے۔ جو میں نے سب سے پہلا اصول بتایا وہ سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اس کے بغیر بندہ یاد اللہ کر ہی نہیں سکتا۔ اگر اس کا دل کدورت سے خالی نہیں ہو گا اس کے اندر اللہ کی یاد آ ہی نہیں سکتی۔ اس کو کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے یہ بھی میں گزارش کرتا ہوں۔ کیونکہ صرف اپنے آپ کو سمجھانے سے یہ دولت حاصل نہیں ہوتی۔ اس میں میں نے گزشتہ محفل میں یہ گزارش کی تھی کہ تصوف سراپا اخلاق کو کہتے ہیں۔ اس میں اہل تصوف کے باطن نورِ یقین کو حاصل کرتے ہیں اور پھر قلب منور ہوتا ہے، اس کی وجہ سے انسان کے تمام سوچیں اور عمل دونوں سنور جاتے ہیں۔ اس میں انہوں نے قلب، نفس اور رُوح ان تین مقامات کا ذکر کیا تھا۔ قلب تجلیات الٰہی کے نزول کی جگہ ہے، یہ ایک مقام ہے اور نفس وہ مقام ہے جس کی حضرت داتا گنج بخشؒ نے مختصر

تعریف یوں بیان فرمائی ہے کہ نفس محلِ شر ہے۔جہاں پر شر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اس مقام کو نفس کہا گیا ہے، ویسے نفس کی کلاسیفیکیشن اور بھی ہے لیکن فی الحال کیونکہ اس موضوع کے ساتھ اس کا تعلق نہیں اس واسطے اس سے اعراض کرتے ہیں۔اور تیسری رُوح۔رُوح کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا!

"قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي" (الاسراء:85)

دُنیا میں انسان کے اندر رُوح کا کام یہ ہے کہ رُوح کا ایک مقام ہے، اس مقام کی لوکیشن کے بارے میں جب اس کا ذکر آئے گا تو پھر گزارش کروں گا۔مُقامِ قلب، مُقامِ نفس اور مُقامِ رُوح یہ سات لطائف ہیں۔لطائف ستہ۔ویسے چھ ہیں لیکن نفس ایڈیشنل ہے۔ان لطائف کے بارے میں بعد میں گزارش کی جائے گی جب ان کے مقامات کا وقت آئے گا۔فی الحال ان تین چیزوں کا ذکر کیا ہے کہ جب انسان کے قلب پر نورِ یقین اثر کرتا ہے، نورِ یقین کہاں سے حاصل ہوتا ہے؟

"جاگ بناں دودھ جمے ناہیں باھُو بھاویں لال ہو ون کڑھ کڑھ کے ھُو"

لیکن جب شیخِ کامل کی نگاہ پڑتی ہے تو!

"مطلب سَب حاصل ہووَن باھُو جد پیر اِک نظر تکے ھُو"

نورِ یقین ملتا ہے اور یہ نورِ یقین قلب سے رُوح کی طرف منتقل ہوتا ہے۔رُوح محلِ خیر ہے۔جہاں پر اچھائی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔نیک کام کرنے کے جذبات کا یہاں سے احیاء ہوتا ہے۔اس کو رُوح کہتے ہیں۔نفس کہتے ہیں جہاں سے شر کے جذبات پیدا ہوں اور قلب جہاں پر تجلیات الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔قلب ان سب پر حاکم ہے۔جس طرح قلب کی حالت ہو گی۔قلب کبھی نفس سے متاثر ہوتا ہے اور کبھی رُوح سے متاثر ہوتا ہے اور کبھی براہِ راست اللہ کسی پر تَرَس فرمادے تو وہ مختلف ذرائع یا براہ راست اللہ پاک کی رحمت سے متاثر ہوتا ہے۔جب قلب متاثر ہوتا ہے تو رُوح اس کا ساتھ دیتی ہے، اس کی وجہ سے آپؒ فرماتے ہیں کہ نفس قلب کی طرف کھنچتا ہے اور نفس کے اس رخ کی تابانی جو قلب کے قریب ہے ایسی ہے جیسے صدف کے ایک رخ میں پائی جاتی ہے۔صدف "سیپ" کو کہا جاتا ہے۔سیپ جب بند ہوتی ہے تو اس کے اندر کیڑا ہوتا ہے اور وہ موتی بناتا ہے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ سیپ کا اندر والا حصہ بڑا چمکدار اور خوبصورت ہوتا ہے، باہر کا حصہ بد صورت ہوتا ہے۔نفس کا جو رخ قلب کی طرف ہو وہ تبدیلی پا جاتا ہے اور اس طرح اس کا نفس بُرے خیالات جذبات اور دل پر اثر انداز ہونے سے بچ جاتا ہے۔یہ طریقہ کار انہوں نے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔لیکن اس کو ذہن میں رکھنے کی اتنی ضرورت نہیں صرف تھیوری کے طور پر اس کو سمجھ لیا جائے۔جب اہل اللہ کی نگاہ کسی مقتدی پر جو اللہ کے راستہ پر چلنا چاہتا ہے پڑتی ہے تو اس کا قلب روشن ہوتا ہے، اس کا نفس پر کنٹرول کرنا آسان ہو جاتا ہے، رُوح طاقتور ہو جاتی ہے۔پھر اُس سے جو اخلاق بر آمد ہوتے ہیں وہ اخلاقِ حسنہ ہوتے ہیں۔اچھے اخلاق۔رسول پاک ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک وصیت فرمائی تھی جس کو مُقارمِ اخلاق کہا جاتا ہے۔لیکن اس سے پہلے جو میں گزشتہ مضمون بیان کر رہا ہوں اس سلسلہ میں چند دیگر گزارشات کر دوں کہ جب قلب اس طرح اخلاق حسنہ کے ساتھ معمور ہو جائے اور صفاتِ حسنہ نفس کی نہروں میں بہنے لگ پڑیں تو آپؒ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے اندر اچھے اخلاق راسخ ہو جاتے ہیں۔اس کی عادت بن جاتے ہیں۔جب نفس کنٹرول ہو

گیا، رُوح پہلے ہی محل خیر ہے اور قلب کو مدد حاصل ہو گئی نگاہ کامل کی تو پھر اخلاق کا احیاء ہوتا ہے، اس کے بغیر کوئی شخص جتنی مرضی کوشش کرلے، ساری رات سوچتا رہے کہ میں نے اخلاق ٹھیک کرنے ہیں، عین ممکن ہے کہ وہ صبح کسی بندے کے سامنے آئے اور وہ اس کو گالی دے تو وہ فوری اُس کے جواب پر ری ایکشن دے۔ ایسا ہوتا ہے، کثرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اکثر آپ رمضان المبارک میں دیکھتے ہیں کہ باوجود روزہ ہونے کے لوگ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، برداشت کی قوت جو روزے میں زیادہ ہونی چاہئے وہ اور کم ہو جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہی ہے کہ یہ صرف ظاہر تک محدود رہتا ہے باطن پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ اگر روزے کا اثر باطن پر ہو جائے تو پھر وہ اخلاق کو کنٹرول کرتا ہے۔ آپؒ نے حضرت شیخ ابو القاسم گورگانیؒ کو جو سلسلہ تصوف کے بہت عظیم بزرگ ہیں، جن کے پاس سے حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی طویل سفر طے فرما کر رہنمائی حاصل کی، انہوں نے اپنی کتاب کشف المحجوب شریف میں کئی جگہ پر ان کا ذکر فرمایا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے ننانوے اسماء حسنہ، جب کوئی سَالِک طریقت جو شخص اپنے تعمیرِ کردار کی کوشش کر رہا ہے وہ جب ان نعمتوں کو حاصل کرتا ہے، جب اس پر نگاہِ کرم پڑتی ہے تو وہ پھر چاہے سلوک کی منزل میں ہو یا ابھی اپنی منزل پر نہ پہنچا ہو اس کے باوجود اس کو اسمائے حسنہ کی صفتوں میں سے حصہ مل جاتا ہے۔ وہ ان میں سے ایک صفت کا حامل بن جاتا ہے جو بشری کمزوریوں اور انسانی کوتاہیوں کے مناسب حال ہوتی ہے۔ یعنی اس کی جہاں تک پہنچ ہے اتنا اس کو حصہ مل جاتا ہے۔ مثلاً وہ اللہ پاک کے اسم صفاتی "الرحیم" سے رحم کرنے کی صفت بقدر طاقت بشری حاصل کر لیتا ہے۔ جتنی اس کی طاقت ہے اتنی اس کو یہ صفت حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ پاک کے یہ اسمائے حسنہ حقیقت میں منبع فیوض و برکات ہیں۔ جب کسی شخص کو اللہ کی رحمت نصیب ہوتی ہے، اس کا قلب اللہ پاک کی رحمت کے ساتھ معمور ہوتا ہے، اس کے ذریعے اس کا نفس اس سے متاثر ہو جاتا ہے اور کنٹرول میں آجاتا ہے تو پھر یہ اللہ پاک کی صفتوں میں سے کچھ صفتوں کا اس کو حصہ ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ ابتداء میں تھوڑا، آہستہ آہستہ زیادہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں ہماری تاریخِ اسلام میں موجود ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جن مکارم اخلاق کی تعلیم دی وہ مکارم اخلاق ان صفات کے تابع ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اے معاذؓ میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ تم گفتگو میں نرمی اختیار کرو، یتیموں پر رحم کھاؤ، ہمسائیوں کی خبر گیری کرو، خیانت کو تَرک کر دو، امانت ادا کرو، وعدہ پورا کرو اور جھوٹ سے اجتناب کرو۔ سچ بولنا اور جھوٹ سے اجتناب کرنا اخلاق کا بڑا اہم حصہ ہے۔ بندہ عام گفتگو میں بغیر سوچے سمجھے مبالغہ آرائی کر جاتا ہے، سوچیں تو سہی اگر نفع اور نقصان اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے تو خواہ مخواہ اللہ کو غلط بیانی کر کے ناراض کیوں کریں۔ بندہ وہ بات کرے ہی نہ اگر وہ سمجھتا ہے کہ یہ بات کر کے مجھے نقصان پہنچ سکتا ہے وہ بات کرے ہی نہ بہ نسبت اس کے کہ وہ کوئی جھوٹ بولے۔ کیونکہ جھوٹ تمام بُرائیوں کی جڑ ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں ایک نوجوان شخص حاضر ہوا، اس نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی کہ جناب ﷺ اسلام بہت سارے اعمال کا مجموعہ ہے اور میں ایک ناتواں شخص ہوں میں سارے اعمال پر عملدرآمد نہیں کر سکتا۔ مجھے صرف ایک حکم فرما دیں میں اس پر عمل کر لوں اور میری نجات ہو جائے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ٹھیک ہے تم صرف ایک کام کرو کہ آج کے بعد تم نے جھوٹ نہیں بولنا سچ بولنا ہے۔ احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ وہ شخص صرف اس ایک عمل کے ساتھ سنور گیا۔ اللہ پاک نے اس کو اپنے مقربین میں شامل کر لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سچ بولو، خوف خدا کرو۔ سلام کرنے میں پہل کرو، حسن عمل پیدا کرو اور اپنی اُمیدیں گھٹا دو، ایمان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور قُرانِ پَاک کو غور و فکر کے ساتھ پڑھو اور اپنی آخرت کے ساتھ محبت رکھو۔ اپنی آخرت کا خیال کرو۔ اللہ کی جناب میں اپنے گناہوں کی پوچھ کے خیال سے، ان کی پکڑ کے خیال پر گریہ وزاری کر کے معافی مانگو۔ تواضع اختیار کرو۔ اپنی طبیعت میں عاجزی پیدا کرو، بُردبَار

شخص کو گالی نہ دو اور سچ بولنے والے کو مت جھٹلاو۔ امام عادل کی نافرمانی نہ کرو، گناہ گار کی اطاعت نہ کرو اور فرمایا کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہر حجرو شجر یا زمین پر سے ہر جگہ سے گزرتے ہوئے اللہ کا ڈر اپنے اندر رکھو۔ پھر فرمایا کہ اپنے ہر گناہ پر توبہ کرو۔ اگر پوشیدہ کیا ہے تو پوشیدہ اور اعلانیہ کیا ہے تو اعلانیہ۔ یہ مُکارمِ اخلاق ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اسلام مُکارمِ اخلاق اور حُسنِ آداب کے ساتھ بھرا ہوا ہے۔ نبی پاک ﷺ سب سے زیادہ اخلاق والے اور سب سے زیادہ سخاوت والے تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سارا دن جو کچھ بھی آپ ﷺ کی بارگاہ میں آتا رات آنے سے پہلے پہلے سب کچھ تقسیم فرما دیتے اور رات کے وقت سرکار ﷺ کے پاس کوئی بھی چیز باقی نہیں بچتی تھی۔ اخلاق صوفیاء اور اہل تصوف کے اخلاق میں یہ شرط ہے کہ اپنے دل کو کسی کی نفرت، کدورت، کینہ اور میل سے بچا کر رکھنا ہے یہ بنیادی شرط ہے۔ اللہ اللہ کرنے کی شرط ہے۔ وہ شخص جس کے ذہن میں اپنی زندگی کا حساب دینا ہے اور جس کو یہ یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ دُنیا چھوڑ کر جانی ہے اس کے واسطے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ ملاقات کے وقت اس کی بارگاہ میں سرخرو ہو کر پیش ہو۔ اس میں سب سے زیادہ اہم چیز اپنے دل کے اخلاق ہیں۔ اگر ان پر عمل درآمد ہو گیا تو باقی سارے اخلاق آزاد ہیں وہ خود بخود حاصل ہو جائیں گے۔ اپنے دل میں کسی کے بارے میں کدورت، میل، کینہ نہ رکھے۔ یہ بات میں بار بار اس واسطے کہہ رہا ہوں کہ اس کے بغیر کوئی شخص یہ چاہے کہ اس کی بخشش ہو یا اللہ اس پر راضی ہو یا وہ دُنیا میں رہتے ہوئے اللہ پاک کے قُرب کی لذت محسوس کر سکے اور اپنی عبادت میں حلاوت کا احساس محسوس کرے یہ ممکن نہیں۔ اس واسطے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان دونوں چیزوں میں آپس کے اندر تضاد ہے۔ جس طرح زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔ اُس سے اگلا خُلق تواضع ہے۔ تواضع عجز و انکسار کو کہتے ہیں۔ کہ اہل تصوف کے اخلاق میں حضرت شیخ الشیوخ نے عوارف المعارف کے اندر لکھا ہے کہ بندے کے واسطے تواضع سے بہتر اور کوئی لباس نہیں۔ انہوں نے تواضع کو لباس قرار دیا ہے اس کے بغیر بندہ ایسے ہے جیسے وہ ننگا ہو۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذاتِ اقدس سے تواضع کے بارے میں جو اعمال نبی پاک ﷺ نے اختیار فرمائے ان میں سے کچھ انہوں نے گزارش کیے ہیں۔ کہ حضرت سلیمان بن عمرو بن شعیبؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تواضع کی چھوٹی سی بات یہ ہے کہ جس کو آپ ملیں اس کو پہلے سلام کریں اور جو آپ کو سلام کرے اس کا لازمی جواب دیں۔ اس میں عجز و انکسار کا پتہ چلتا ہے۔ کوئی شخص اپنی خود ساختہ بڑائی کو مد نظر کر رکھتے ہوئے اگر یہ چاہے کہ لوگ اس کو پہلے سلام کریں تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا اخلاق یہ ہے کہ تم جب کسی سے ملو تو سلام میں پہل کرو۔ اگر کوئی تمہیں سلام کرے تو اس کا جواب ضرور دو۔ یہ نہ ہو کہ بے اعتنائی اختیار کی جائے۔ اس کے ساتھ دُوسرے کی دل شکنی ہو گی اور تکبر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس واسطے فرمایا گیا کہ تمام اہل تصوف نے اس چیز کو بیان کیا ہے کہ سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے۔ جو بندہ سلام کا جواب نہیں دیتا وہ گناہ گار ہے۔ تواضع کے اندر حضرت شیخ الشیوخ اپنی کتاب عوارف المعارف میں شیخ ابو حفص کی طرف سے ان کا قول انہوں نے درج کیا ہے کہ اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کا دل تواضع اختیار کرے، عجز و انکسار اس کو نصیب ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ نیکوں کی صحبت اختیار کرے، ان کی عزت و حرمت کرے، اس صحبت کی وجہ سے خود بخود اس کے اندر عجز و انکسار پیدا ہو جائے گا۔ ہم اپنے بزرگوں میں یہ چیز دیکھتے رہے۔ حضرت میاں نور محمد چنابیؒ جن کو نبی پاک ﷺ کی حضوری کا شرف حاصل ہوا (میرے جدِ امجد) آپؒ نے ایک کتاب لکھی شرح قصیدہ امالی۔ اس میں وہ اپنے والد صاحبؒ کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے والد صاحب کا اسم گرامی خلیفہ عبد الرحیم۔ ان کا مزار پر انوار لاہور میں ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد ایک دن لاہور شہر میں ایک مسجد میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے ایک بزرگ آدمی کو دیکھا کہ اس کے چہرے سے تکلیف کے آثار

ہیں، انہوں نے اپنی بزرگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کو دبانا شروع کر دیا۔ اس کی ٹانگیں دبائیں، اس عمل کے ساتھ ان کو بے شمار انوار و تجلیات الٰہی حاصل ہوئے۔ یہ طریقہ کار تواضع پیدا کرتا ہے کہ انسان خدمت کرے۔ خدمت ہمیشہ اپنی ذات سے دُوسرے کو ترجیح دینے کا نام ہے۔ کوئی شخص اگر اس کی نظر ٹھیک ہے وہ نابینا کو سڑک پار کروادے، کوئی شخص اگر اس کے پاس خوراک موجود ہے اپنے پر دُوسرے کو ترجیح دیتے ہوئے اس کو کھانا کھلادے۔ علیٰ ھذا القیاس۔ یہ چیز عجز و انکسار پیدا کرتی ہے۔ یہ اصول ملحوظ خاطر رہے کہ عجز و انکسار عبادت کا جوہر ہے۔ جب تک کسی کے دل میں عجز نہیں آئے گا۔ اس کی عبادت قبول نہیں ہو سکتی۔ یہ عبادت کا جوہر ہے، یہ اہل تصوف کے اخلاق کا دُوسرا حصہ ہے۔ چونکہ ہر محفل میں کافی لوگ پہلی دفعہ بھی شامل ہونے والے ہوتے ہیں، ان کے لیے میں دوبارہ عرض کیے دیتا ہوں کہ اہل تصوف وہ لوگ ہیں جو اپنے کردار کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں تا کہ اللہ کی بارگاہ میں اپنے آپ کو پیش کرنے کے قابل بنالیں اور دُنیا میں بھی ان کی زندگی خوبصورت ہو جائے، دُنیا کے تمام نعمتیں اور فوائد جو اللہ پاک نے انسان کے واسطے مقرر کیے ہیں ان کے نصیب میں بھی آجائیں، ان کے واسطے اخلاق درست کرنے ضروری ہیں۔ ان میں سے پہلا اپنے دل کی حالت درست کرنا، اس پر میں نے زیادہ زور دیا ہے اور اس کا پورا طریقہ کار بھی تفصیلاً گزارش کیا ہے۔ دُوسرا عجز و انکسار ہے کہ جو شخص تواضع اختیار کرے گا، عبادت کا لطف اس کو ہی آئے گا اس کے بغیر لذت و حلاوتِ عبادت نصیب نہیں ہوتی۔ ایسا شخص جو صالحین، نیکوں کی صحبت اختیار کرتا ہے ان کی نگاہ اور ان کے سنگ کے طفیل اللہ پاک اس کے اندر عجز و انکسار پیدا کرتا ہے، بڑا فائدہ ہے کہ بغیر محنت کیے ہوئے!

"جِدے نال میں نیوہ لگایا اُودھے وَرگی ہوئی"

یہ دولت نصیب ہو جائے اِس واسطے لوگ اولیا اللہ کے پاس جاتے ہیں۔ یہ ان کے پاس بیٹھ کر ان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ ہم یہاں اُن کا ذکر اور ان کی کتابوں کا درس اِس واسطے دے رہے ہیں جیسا کہ میں گزشتہ دو محافل میں عرض کر چکا ہوں کہ شاید ہم بھی!

"رانجھا رانجھا کر دی نیں میں آپے رانجھا ہوئی"

اس طرح یہ کیفیت ہمیں بھی نصیب ہو جائے کیونکہ اللہ پاک کا نظام ہی اس طرح کا ہے کہ ہمیشہ حصول فیضان انسان کو انسان کے ذریعے ملتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید پھر نبیوں کو بھیجنے کی اللہ تعالیٰ ضرورت محسوس نہ کرتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ اس بارے میں میں تفصیلی گزارشات کر چکا ہوں، شیخ کے سلسلہ میں اللہ پاک نے قُرانِ پاک کی ابتدائی سورت میں ہی بیان فرمادیا ہے فرمایا!

"اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۞ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" (الفاتحہ:6،7)

یہ کیا ہے کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر اللہ پاک نے انعام کیا ہے۔ جب کوئی شخص نیکوں کے ساتھ صحبت کرتا ہے، ان کے ساتھ سنگت اختیار کر لیتا ہے، اُن کے ساتھ اپنا نیوہ لگالیتا ہے تو پھر رَفتہ رَفتہ ان جیسا ہی ہو جاتا ہے۔ اس میں نہ محنت کرنی پڑتی ہے، نہ چلے کرنے پڑتے ہیں، نہ تسبیحاں پھیرنی پڑتی ہیں اور نہ کوئی رقم خرچ ہوتی ہے۔

"تسبیح پھری تے مَن نہ پھیریا کی لینا تسبیح پھڑ کے ھُو
چلے کیتے کُجھ نہ کھٹیا کی لینا چلیاں وَڑ کے ھُو"

حضرت سلطان باھو صاحبؒ نے بھی یہ ہی نتیجہ نکالا ہے کہ!

یہ عجز و انکسار عبادت کا جوہر ہے، اس کا حصول بھی عبادت اور نتیجہ تعمیرِ کردار ہے۔ آپؒ نے اپنے شیخ حضرت ابو نجیب سہروردیؒ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ میں نے ان دروس میں ایسے واقعات بیان کیے ہیں جن سے ہم رہنمائی حاصل کرسکتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ ایک مَرتبہ شام کے سفر میں میں اپنے شیخ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ راستہ میں ان کی ایک مقام پر کسی رئیس نے دعوت کی۔ اس کے پاس فرنگی قیدی تھے یعنی ان زمانوں میں جنگیں ہو رہی تھیں اور جو جنگی قیدی عیسائیوں کے آئے ہوئے تھے وہ اس رئیس کے پاس بھی موجود تھے جن سے وہ خدمت لیتا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب ہمارے لیے کھانے کے خوان رکھے گئے اور دستر خوان بچھایا گیا تو قیدی برتنوں کے خالی ہونے کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ اس وقت میرے شیخ نے خادم کو کہا کہ ان سب قیدیوں کو بلالو تاکہ وہ بھی ہم درویشوں کے ساتھ کھانے میں شامل ہوں۔ جب وہ سب دستر خوان پر بٹھا دیئے گئے تو شیخ اپنے مصلے سے اٹھے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان قیدیوں کے درمیان میں آکر بیٹھ گئے گویا وہ بھی ان میں سے ایک ہیں۔ اُس کے بعد انہوں نے ان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ یہ بھی عجز و انکسار کی ایک مثال ہے۔ عجز و انکسار کے بغیر عبادت ممکن نہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا گیا کہ انسان کو کب عجز و انکسار حاصل ہوتا ہے؟ فرمایا جب وہ خود کو مخلوق میں سب سے کم تر سمجھے۔ یہ ہی سبق تمام تر صوفیاء دیتے چلے آئے ہیں، جب کوئی شخص اپنی منزل میں ترقی کرتا ہے تو اس کو یہ عجز و انکسار اپنے اندر محسوس ہوتا ہے۔ اس کو یہ پتہ چلتا ہے کہ میں اپنی نظروں کے اندر گر گیا ہوں۔ اس کا ذکر ہر کسی بزرگ نے کیا ہے۔ حتیٰ کہ علامہ اقبال نے بھی اِس کا ذکر کیا ہے!

"تو بچا بچا کر نہ رکھ اس کو تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں"

یہ جو نام نہاد عزت ہے اس کا تعلق تکبر اور غرور کے ساتھ ہے۔ اس کو گرایا جائے، کم کیا جائے اور یہاں تک کہ اُس شخص کو اپنا آپ سب سے بدتر نظر آئے۔ یہ تواضع ہے اور عجز و انکسار ہے۔ اسی عجز و انکسار کو حاصل کرنے کے واسطے بزرگانِ دین نے ملامت کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اکثر بزرگوں کے واقعات موجود ہیں باوجود اس کے کہ وہ شریعت مصطفی ﷺ پر عمل کرنے والے تھے۔ اپنے علاقے میں باعزت تھے۔ لیکن اپنے نفس کی اس خرابی کو درست کرنے کے واسطے intensive care، خصوصی توجہ حاصل کرنے کے واسطے انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا اس میں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا واقعہ بڑا مشہور ہے۔ ہم جو آئیڈیل واقعات ہیں ان کو اس واسطے بیان کرتے ہیں کہ سو میں سے اگر ایک فیصد میں بھی اس کا اثر آجائے تو شاید زندگی سنور جائے۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے بارے میں حضرت داتا گنج بخشؒ بیان فرماتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا کہ آپؒ نے سب سے زیادہ لذت کب محسوس کی۔ آپؒ نے فرمایا کہ ایک مَرتبہ میں سفر میں تھا اور میرے بال گرد و غبار کے ساتھ الجھے ہوئے تھے، کپڑے میلے ہو چکے تھے اور اسی حالت میں میں دریا پار کرنے کے واسطے میں کشتی میں بیٹھ گیا۔ ایک مسخرہ میرے پاس آبیٹھا۔ اور وہ لوگوں کو ہنسانے کے واسطے میرے سر کے بال پکڑ کر ان کو جھٹکتا تھا اور لوگوں کو اپنی بہادری کے قصے سناتا تھا کہ میں نے اس طرح کیا

وغیرہ وغیرہ اور پھر میرے بالوں کو جھٹکا دیتا تھا۔ اور تاآنکہ میں اپنی لذت کی انتہا کو پہنچا جب وہ مسخرہ کھڑا ہوا اور اس نے مجھ پر پیشاب کر دیا۔ ابراہیم بن ادھمؒ وہ شخص ہیں جو اپنی سلطنت چھوڑ کر فقیری کے راستہ پر آئے تھے۔ یہ راستہ جان بوجھ کر اولیا اللہ نے عجز و انکسار حاصل کرنے کے واسطے اختیار کیے ہیں۔ اسی طرح حضرت داتا گنج بخشؒ نے خربوزے کے چھلکوں کا واقعہ بیان کیا ہے سب کو اس کا بھی علم ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے رمضان المبارک میں جب کہ ان کو بخار تھا۔ آپؒ نے محسوس کیا کہ عبادت میں لذت جاتی رہی ہے۔ خیال آیا کہ کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ آخر ذہن میں یہ آیا کہ جس وقت میں بازار میں نکلتا ہوں سب لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور مجھے سلام کرتے ہیں۔ میرے نفس نے اس سے اثر لے لیا ہے اور عبادت کی لذت جاتی رہی ہے۔ آپؒ رمضان المبارک میں روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں پکڑ کر کھاتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ہر کسی نے نفرت کی اور آپؒ نے رات کو جب اپنے نفس کی طرف توجہ کی اس کو اپنا مطیع پایا اور عبادت کی لذت بحال ہو گئی۔ یہ طریقہ کار intensive care ہے اور کوئی ذریعہ اثر انداز نہ ہو رہا ہو تو پھر اس طرح بھی کر گزرتے ہیں۔ لیکن یہ آخری حربہ ہے اس سے پہلے والے ہی حربے اگر لگ جائیں تو بہتر ہے کہ باعزت انسان کی بحالی ہو جائے۔ اس میں عاجزی، عزت اور ذلت میں بھی فرق ہے۔ ذلت وہ ہوتی ہے جس میں بندہ دوسروں کی نظروں میں اپنے کسی غلط عمل کی وجہ سے قابل نفرت بن جاتا ہے۔ اور تواضع اور عجز یہ ہے کہ بندہ تمام تر خوبیاں رکھنے کے باوجود ان سے قطع نظر کر لے، ان کو نظر انداز کر دے اور اپنے عمل میں عاجزی پیدا کر لے۔ جس طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذاتِ اَقدس، ایک شخص جب آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو وہ ادب کے دائرے سے بڑھتا ہوا خوف زدہ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ڈرو مت میں قریش کی اس عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی تم مجھ سے ڈرو مت۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہدیہ قبول فرماتے تھے چاہے وہ خرگوش کی ایک بھنی ہی ٹانگ ہی کیوں نہ ہوتی۔ عجز و انکسار کی یہ بہترین مثال ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے دشمنوں کے لیے اپنی چادریں بچھائی ہیں۔ یہ عاجزی ہے۔ ذلت وہ ہوتی ہے جو انسان کسی غلط عمل کے سبب قابل نفرت ہو جائے۔ وہ ذلت ہے اور اس سے بچنا چاہیے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ!

"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ" (المنافقون:8)

لیکن عجز اور ذلت میں فرق ہے یہ فرق ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تکبر کی نفی عجز و انکسار ہے۔ تکبر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنے مرتبے سے بلند سمجھنے لگ پڑے۔ یہ نفس کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آپؒ نے عبرت کے بارے میں بھی دیگر کچھ گزارشات فرمائی ہیں، اُس کے بعد ایثار انشاء اللہ آئندہ ان کا ذکر کریں گے کیونکہ یہ وہ خصوصیات ہیں جو راہ حق پر چلنے والوں کے واسطے ضروری ہیں۔ ساتھ اٹھتے بیٹھتے حاصل تو ہو جاتی ہیں لیکن ان کا علم بھی ہونا ضروری ہے۔ عین ممکن ہے کہ جو لوگ اس شوق کے ساتھ کہ اُن کو کچھ حاصل ہو اللہ کے گھر آ گئے ہیں، اللہ پاک کریم ہے سخی ہے اور یہ اس کے حسبِ شان ہے کہ وہ آنے والے کو نوازتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اللہ پاک ہمیں دوسروں کی اصلاح کی توفیق عطا فرما دے۔ ہر شخص دوسروں کی اصلاح کا اہل ہو جائے۔ عین ممکن ہے کے آنے والے وقت میں اللہ کسی کو بھی چاہے تو اُس کو

اِن تمام ترجزیات کا علم ہونا ضروری ہے۔ آج دو چیزیں بیان کی ہیں۔ ایک خُلقِ عظیم۔ خُلقِ عظیم یہ ہے کہ انسان کسی کے بارے میں اپنے دل میں میل، کدورت، کینہ نہ رکھے چاہے وہ اس کا ذاتی دشمن ہی کیوں نہ ہو، اللہ کا دشمن نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے دل میں میل رکھے گا تو وہ اللہ کے قریب نہیں ہو سکتا، کبھی بھی نہیں ہو سکتا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رَفتہ رَفتہ اس کا چہرہ بگڑ جاتا ہے، اس کے کبر اور دل کے حالات اس کے چہرے پر بھی اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ جو شخص آخری عمر تک اپنے چہرے کو پُرکشش رکھنا چاہتا ہے وہ بھی اس بات کا خیال رکھے۔ کہ دل کے اخلاق انسان کی ظاہری حسن کی ضمانت ہیں۔ دُوسری گزارش آج جو کی گئی وہ عجز وانکسار ہے۔ عبادت عاجزی کا نام ہے، جب تک عاجزی پیدا نہیں ہو گی اس وقت تک انسان کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ اللہ چاہے تو کسی کی ہو جائے لیکن اس کا اصول یہ ہے۔ عجز وانکسار کا حاصل ہونا عبادت کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔ آپؒ نے اس کا ذریعہ بیان کیا ہے کہ جو شخص صالحین کی صُحبت اختیار کرے، ان کی عزت و حرمت کرے اس طرح وہ ان کی صُحبت میں خود بخود متواضع ہو جائے گا۔ اپنے آپ یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔ جس کا عبادت میں دل نہ لگ رہا ہو، نماز میں شوق نہ آتا ہو تو وہ اللہ کے بندوں کی صُحبت میں بیٹھے اس کی نمازیں ٹھیک ہو جائیں گی اور اس کے دل میں عاجزی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا میں ایک اور بھی پریکٹیکل، عملی راستہ بتا دوں اس پر بھی عمل کر کے دیکھ لیں کہ جو شخص حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذَاتِ اَقدَس پر کثرت کے ساتھ درود بھیجے اس طریقہ کے ساتھ کہ وہ یہ محسوس کرے کہ سرکار ﷺ میرے سامنے موجود ہیں تو اس کو بڑی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، ان نعمتوں میں سے ایک تواضع بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ "راہ پئیا جانے تے واہ پئیا جانے"۔ کوئی شخص اس پر عمل کر کے دیکھے اس کو درست پائے گا۔ درود شریف کو توجہ کے ساتھ پڑھے کہ گویا سرکار ﷺ اس کا درود شریف خود سن رہے ہیں۔ اس کے واسطے جو اکثیر درود پاک ہے وہ درود تاج ہے۔ میری یہ ذاتی رائے ہے کہ یہ درود پاک ہر کسی کو یاد ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس درود شریف کے پڑھنے والا کبھی ایمان سے خالی نہیں رہتا۔ ہم نے یہ دیکھا کہ ہمارے بزرگ اپنی اولادوں کو سب سے ابتداء میں بچپن کی ابتداء میں ہی درود تاج یاد کرواتے تھے۔ جس کو یاد ہو جاتا ہے وہ ایک منٹ میں ایک دفعہ پڑھ سکتا ہے۔ یہ درود پاک یاد کر لیا جائے۔ اس کو بندہ بار بار پڑھے تو یہ رواں ہو جاتا ہے، چند دن پڑھیں گے تو یہ اپنے آپ یاد ہو جائے گا۔ اس کے اندر یہ خصوصیت ہے۔ جو شخص صبح کی نماز کے بعد یا پہلے کثرت کے ساتھ درود تاج پڑھتا ہے، کثرت سے مُراد جتنا بھی وہ پڑھ سکے، اس کی مقدار تین سے لگ کر تین سو تیرہ تک ہے۔ جتنا زیادہ پڑھیں گے اتنی زیادہ لذت عبادت میں بھی حاصل ہو جائے گی اور زندگی پُرکیف ایک لہر کی صورت اختیار کر جائے گی۔ یہ بھی عجز وانکسار حاصل کرنے کا ایک عملی ذریعہ ہے۔ جن لوگوں کو شوق ہو وہ اس پر بھی عمل درآمد کر کے دیکھیں، اس کے ساتھ ایک اور بہت بڑی نعمت ملتی ہے کہ جو شخص چالیس راتیں مسلسل عشا کے بعد اکتالیس مَرتبہ درود تاج پڑھے اس کو آقائے دوجہاں، سَرَوَرِ کَائنات، فَخرِ موجودات، نَبیِ مُکرَم، نورِ مجسم، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ پاک یہ نعمت عطا فرمائے۔ بہت سارے لوگوں نے اس کی اجازت لی اور ان کو اللہ پاک نے یہ نعمت عطا کی۔ اللہ رب العزت انشاء اللہ عجز وانکسار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آج یہ دو موضوع بیان کیے ہیں۔ پچھلے موضوع بھی کچھ بیان کیے گئے میری عادت ہے کہ میں پچھلا مضمون بھی بیان کرتا ہوں کہ تاکہ جو لوگ پچھلی محفل

میں موجود نہیں تھے ان کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے۔ آج کا موضوع تواضع تھا اس کے بارے میں بھی کچھ گزارشات کر دی گئیں۔ اور انشاء اللہ انشاء اللہ آئندہ اس موضوع کو جاری رکھتے ہوئے ایثار کے بارے میں کوشش کی جائے گی۔ آئندہ جمعرات کو میرے جد امجد حضرت میاں شمس الدین صاحبؒ کا ختم شریف اور عُرس مبارک بھی ہے جو اس آستان کا پہلا عُرس ہے۔ شروع سے چلا آرہا ہے۔ میرے پر دادا جان میاں محمد سعید صاحبؒ کی حیات طیبہ کے دوران میں نے اپنی ہوش میں اُس عُرس میں شمولیت اختیار کی جب ان کی صدارت ہوا کرتی تھی اس کے بعد باقی تمام بزرگوں نے اس کو جاری رکھا۔ ہم اس میں اس مَرتبہ کچھ اختصار کر رہے ہیں۔ کیونکہ پاک بیگھہ شریف اور دیگر انتہائی اہم ذمہ داریاں جو اسی مالک کی ہیں جس کا یہ کام ہے اس واسطے ان کی تقسیم میں آسانی پیدا کرنے کے واسطے کوشش کریں گے کہ آئندہ جمعرات کو بھی ہماری یہ محفل انشاء اللہ حسبِ معمول ہو، کیونکہ عُرس مبارک کی تقریب عصر سے مغرب تک ہو گی۔ انشاء اللہ مغرب کے بعد تقسیم لنگر اور اجازت۔ اس کے بعد انشاء اللہ عشا کے بعد ہم حسبِ معمول اپنے اس سلسلہ کو جاری رکھیں گے۔ کیونکہ تعمیرِ کردار جہاد اکبر ہے اس کے واسطے جستجو کرنا لازم ہے، میں اس حدیث کے بارے میں ہر دفعہ گزارش کرتا ہوں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ علم کی ایسی محفل میں شمولیت اختیار کرنا ہزار جنازے میں شمولیت اختیار کرنے سے، ہزار مریض کی عیادت سے اور ہزار رکعت نماز نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔ اللہ کریم توفیق عمل عطا فرمائے۔ وماعلینا الا البلاغ المبین۔

اللہ کرے ہمارے اخلاق سنور جائیں۔

"دل دریا سَمندروں ڈونگھے"

ہمارے دل اس قدر وسعت اختیار کر لیں کہ معمولی رنجش ان پر اثر انداز نہ ہو۔ انشاء اللہ یہ عبادت اپنا رنگ دکھائے گی اور وہ رنگ گہرا چڑھے گا۔ ایسا چڑھے گا کہ آپ کے ساتھ کوئی ہاتھ ملائے گا تو وہ بھی رنگا جائے گا۔ اللہ پاک نصیب کرے۔ کسی نے کوئی سوال کرنا ہو تو وہ پوچھ سکتا ہے۔

سوال۔ درود تاج اکتالیس مَرتبہ چالیس دن پڑھنے کی اجازت؟ اور اِس کے علاوہ اِس کو کتنی دفعہ پڑھا جا سکتا ہے۔

جواب۔ آپ جتنے بھی لوگ تشریف فرما ہیں، میری طرف سے آپ سب کو اجازت ہے۔ اکتالیس مَرتبہ اور چالیس دن یہ تو شروع سے ہی بزرگوں کا معمول چلا آرہا ہے۔ اللہ پاک اس کے ذریعے بہت ساری نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ اس سے زیادہ بھی اگر پڑھنا چاہیں تو اس سے زیادہ تعداد بہتر (72) مَرتبہ ہے۔ اس سے زیادہ ایک سو اکیس (121) مَرتبہ ہے اور اس سے زیادہ تین سو تیرہ (313) مَرتبہ ہے۔ یہ اتنا اتنا بھی لوگوں نے روز پڑھا ہے۔ اللہ پاک جس کسی کو جتنا نصیب کرے۔ جتنا زیادہ کریں گے انشاء اللہ اتنا ہی زیادہ گہرا رنگ چڑھے گا۔ اللہ پاک آپ کے نصیبوں میں کرے۔ یہ جو میں لوگوں کو کرنے کے لیے کہتا ہوں اس کی اجازت ساتھ ہی شامل ہوتی ہے۔ جو بھی بندہ سن رہا ہے اُس کو اجازت ہے۔ آمین۔ وماعلینا الی البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف- 18

دورانیہ- 66منٹ۔ تاریخ- 03-10-2013

بمقام-مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب، کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ محفل میں اہل تصوف کے اُن اعمال کے سلسلہ میں گفتگو کی گئی جو تعمیرِ کردار کے لیے ضروری ہیں، نئے شامل ہونے والے افراد کی رہنمائی کے لیے گزارش ہے کہ ہم نے گزشتہ سے پیوستہ محافل میں تصوف کے سلسلہ میں گفتگو کی اور اس کے لیے کشف المحجوب شریف کو رہنما کتاب کی حیثیت سے منتخب کیا اور اُس سے اِس سلسلہ کا آغاز کیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف وہ راستہ ہے جو تعمیرِ کردار کے واسطے اختیار کیا گیا۔ اس کے امام سیدنا صدیق اکبرؓ ہیں، آپؓ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سرپرستی اور تعلیمات کے مطابق سَب سے پہلے اپنی ذات میں اور اُس کے بعد اپنے گردوپیش تعمیرِ کردار کے سلسلہ میں جُستجو فرمائی۔ اس سلسلہ میں حضرت داتا صاحبؒ نے قرآن پاک کی آیت پیش فرمائی!

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" (الشمس:9،10)

فلاح پا گیا وہ جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا اور برباد ہوا وہ جس نے اس کو خراب کیا، اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں ہمیں اپنی زندگی میں اپنے کردار کو سنوارنے کے لیے جستجو کرنا ضروری ہے۔ "زَكَّاهَا" نفس کے تزکیہ کے لیے جستجو کرنا ضروری ہے۔ یہ فرض عین ہے، تمام عبادات کا نچوڑ ہے، اگر انسان کا کردار درست نہ ہوا، تو پھر اس کے دیگر تمام اعمال بے کار جاتے ہیں، زندگی ایک دفعہ ملی ہے دوبارہ نہیں ملنی،

"زندگی آمد برائے بندگی، زندگی بے بندگی شرمندگی"

وہ لوگ خوش قسمت ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے اس سوچ کو اختیار کیا اور اس کے لیے جستجو کی۔ اس سلسلہ میں ہم نے اپنے دروس میں اہل تصوف کی تعریف بیان کی، اس کے بعد تزکیہ نفس کی منازل کے لیے آستانوں کا کردار، جو حقیقتاً اصلاح اور تعمیر کردار کے واسطے بنائے گئے ہیں، ان کو زیر بحث لایا گیا، اس کے بعد آستانوں کا اہلِ اقتدار اور عوام الناس پر اثر و رسوخ بھی مثالوں کے ساتھ گزارش کیا گیا۔ اہل تصوف کو اپنے تعمیرِ کردار کے لیے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے اس میں سب سے پہلے جو موضوع بیان کیا گیا وہ خدمتِ خلق ہے، اس کے بعد باہمی میل جول اور آپس کے تعلقات، قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" (الفتح:29) "ہو حلقہ یاراں تو ریشم کی طرح نرم" اِس بارے میں گزارش کی گئی، اس کے بعد اخلاق کے سلسلہ میں گزارش کی گئی تھی کیونکہ تصوف کی بنیاد اعلیٰ اخلاق ہے، انسان کا کردار دو حصوں پر

مشتمل ہے، ایک اس کے اخلاق اور دُوسرا اس کا ایمان، اخلاق درست ہوں گے تو ایمان پیدا ہوگا، ایمان موجود ہوگا تو عمل عملِ صالح خود بخود بن جائیں گے۔ لہٰذا تعمیرِ کردار میں اخلاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اس سلسلہ میں عوارف المعارف کا باب نمبر 29 حوالہ کے طور پر پیش کیا گیا، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبیِ مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا" اے فرزند اگر تجھ سے یہ ہو سکے کہ تمھارے صبح و شام اس حالت میں گزریں کہ تمھارے دل میں کسی کے خلاف میل اور کدورت نہ ہو تو ایسی زندگی بسر کرو، پھر ارشاد فرمایا اے فرزند یہ میری سُنت ہے جس نے میری سُنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا" تعمیرِ کردار کے لیے اچھے اخلاق سب سے زیادہ ضروری ہیں، اخلاق کے سلسلہ میں گزارشات کی گئیں، انسان کے اندر تین ایسے مقامات ہیں جو اخلاق پر اثرانداز ہوتے ہیں، ان میں مختلف صفات پائی جاتی ہیں ان میں ایک مقامِ قلب، یہ میں تھیوری عرض کر رہا ہوں، کہتے ہیں کہ!

"کام کرتی ہے ساقی کی نظر
میکدے میں گردش جام برائے نام ہے"

وہ جن کے نام مبارک پر ہم مل بیٹھے ہیں ان کی نگاہِ کرم اپنا اثر کر رہی ہے، لیکن ہمیں یہ علم بھی ہونا چاہیے کہ اخلاق کی ماہیت کیا ہے تاکہ ہم اس کو اختیار کر سکیں، خود کو پرکھ سکیں اور دوسروں کو تعلیم دے سکیں، اس میں تین مقامات کا ذکر کیا گیا، پہلا مُقامِ قلب، دُوسرا مُقامِ نفس اور تیسرا مُقامِ رُوح۔ مُقامِ قلب تجلیاتِ الٰہیٰ کے انوار کا مرکز ہے، جس جگہ پر ہمیں اسم ذات "اللہ" کو دیکھنا ہے وہ مُقامِ قلب ہے۔ مُقامِ قلب کے اپنے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے وہ جس قسم کا اثر لیتا ہے ویسا ہی جسم کو حکم دے دیتا ہے اور جسم اس حکم کے مطابق کام کرتا ہے۔ اگر قلب پر "اسم اللہ" کی قید لگا دیں تو پھر یہ راہِ راست پر چلنا شروع ہو جاتا ہے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے اگر کوئی سرکش گھوڑا سدھار لیا جائے تو اس کو تانگے کے آگے لگا کر اس سے کام لیا جا سکتا ہے، اگر گھوڑا سدھارا ہوا نہ ہو تو وہ تانگے سمیت کھائی میں گر جاتا ہے، قلب مختلف چیزوں سے اثر انداز ہوتا ہے، شیطان سے بھی، نفس سے بھی، رُوح سے بھی، چونکہ یہ تجلیاتِ الٰہی کی آمد کا مرکز ہے، اگر انسان اہل اللہ کی صُحبت اختیار کر لیتا ہے تو پھر ان کی صُحبت اور نگاہ کی برکت سے دل تجلیاتِ الٰہی اور انوارِ الٰہی کا منبع اور مرکز بن جاتا ہے، رُوح اور نفس کے مقام کو حضرت داتا گنج بخشؒ نے بیان فرمایا ہے، آپؒ نے رُوح کے مقام کو محلِ خیر اور نفس کے مقام کو محلِ شر فرمایا ہے، کہ شر اور بُرائی کے خیالات، ان کا اثر و رسوخ ان کی ابتداء مُقامِ نفس سے ہوتی ہے اور اچھائی کی ابتداء مُقامِ رُوح سے ہوتی ہے، مقامات اور بھی ہیں ان کا وقت آنے پر تذکرہ کیا جائے گا، اخلاق کی بہتری کے لیے یہ تین مقامات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جب مقام قلب "اسم الٰہی" کی تجلیات سے منور ہو جاتا ہے تو پھر یہ نفس اور رُوح پر اثرانداز ہوتا ہے اور نفس کو مفلوج کر دیتا ہے، تاآنکہ نفس اس قابل نہیں رہتا کہ وہ اپنا اثر دکھا سکے اور نفس جسم کو کسی بُرے اخلاق کے لیے مائل کرے، نفس کی یہ طاقت مفلوج ہو جاتی ہے، جس طرح فالج زدہ شخص اپنے اعضاء استعمال نہیں کر سکتا اسی طرح نفس مفلوج ہو جاتا ہے، اسی طریقہ سے اس پر قابو پایا جا سکتا ہے، اگر اس پر قابو نہ پایا گیا ہو تو آپ اس کو چاہے جتنی مرضی پٹیاں پڑھالیں، جتنا مرضی تسبیحات

کر لیں، جتنے مرضی چلے کر لیں، جتنی چاہے کتابیں پڑھ لیں، جتنا مرضی اس کو سمجھالیں یہ سمجھتا نہیں، اس کو جب بھی موقع ملے گا یہ اپنی پرانی ڈگر پر چل نکلے گا۔ اس کو کنٹرول کرنے کے لیے اللہ رب العزت کی تجلیات جو اہل اللہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں، ان کے زیرِ اثر قلب محفوظ ہو جاتا ہے اور انسان کا بُرے کام کا دل ہی نہیں چاہتا، اس طرف طبیعت مائل ہی نہیں ہوتی اس طریقے سے انسان کے اخلاق میں جان اور قوت آتی ہے، میں نے جو حدیث پاک گزارش کی اس کو مدِ نظر رکھا جائے، اس کو بار بار گزارش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مِن حَیثُ القوم ہم میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ہمارے دل میں کسی نہ کسی کے خلاف بغیر کسی وجہ کے کینہ، حسد، میل یا نفرت موجود ہوتی ہے۔ یہ بات انسان کی ساری عبادت کا ستیاناس کر دیتی ہے، اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ ایک کوٹھری میں گیلی لکڑیوں کا دھواں مسلسل موجود ہو تو وہ کوٹھری اندر سے کالی سیاہ ہو جاتی ہے، اسی طرح یہ بیماری انسان کو نیک اعمال کے قابل ہی نہیں چھوڑتی، دل کی صفائی "اسم اللہ" کے ذکر اور توجہ کامل کے بغیر ممکن نہیں، اس کی سب سے پہلی بنیاد اخلاق ہے، انسان کے صبح وشام اس طرح گزرے کہ اس کے دل میں کسی کے بارے کدورت نہ ہو، دُوسرا موضوع جو میں نے گزارش کیا وہ تواضع ہے، تواضع کے بارے میں بھی مثالیں گزارش کی تھیں، حضرت بایزید بسطامیؒ سے پوچھا گیا کہ انسان کب متواضع ہوتا ہے، آپؒ نے فرمایا جب مخلوق میں خود کو سب سے بدتر سمجھے، اس کے بارے میں میں نے مختلف مشقیں اور تواضع پیدا کرنے کے جو مختلف طریقہ کار ہیں وہ گزارش کیے تھے۔ عرض کیا تھا کہ درودِ تاج کی کثرت کرنا انسان کے دل میں نرمی، گداز اور عجز وانکسار پیدا کر دیتا ہے، عجز وانکسار عبادت کا جوہر ہے، اگر یہ نہیں ہے تو عبادت نہیں ہے، عجز وانکسار کے واسطے ضروری ہے کہ انسان تکبر سے بچے، تواضع اور تکبر ایک دُوسرے کے الٹ ہیں، اگر تکبر ہو گا تو عاجزی نہیں ہو گی اگر عاجزی ہو گی تو تکبر نہیں ہو گا۔ اس لیے اس موضوع کو گزارش کرنا ضروری ہے کیونکہ جتنے بھی اخلاق ہیں اور جتنے بھی تعمیرِ کردار کے اعمال ہیں ان کو ہر جگہ اس دشمن سے واسطہ پڑتا ہے، جو کردار کو تباہ وبرباد کرتا ہے، اس سلسلہ میں حضرت امام غزالیؒ کی احیائے العلوم کو بطور ریفرنس بک پیش کرتا ہوں، کیونکہ انہوں نے تکبر کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور اس کے مختلف پہلو بھی بیان فرمائے ہیں جو جو ہمارے لیے عملاً ضروری ہیں، اب ہم نے ہمہ تن گوش ہو کر اپنے کانوں اور دل کے تمام شعبے کھول کر اس بات پر غور کرنا ہے کہ ان میں سے کون کون سی خامی ہے جو ہم میں موجود ہے، ہم نے اس نیت کے ساتھ غور کرنا ہے کہ ہمیں اپنی یہ خامیاں دور کرنی ہیں، اگر ہم یہ بند نہیں توڑیں گے تو ہم تعمیرِ کردار کی منزل پر نہیں پہنچ سکتے، تکبر ہمارے لیے سدِّ سکندری ہے، تکبر ضروری نہیں کہ امیر آدمی میں ہو، تکبر ایک عام فقیر، ایک گداگر اور ایک مفلوک الحال شخص کے اندر بھی موجود ہو سکتا ہے، یہ ایسی بیماری ہے جو اولیا اللہ سے لے کر کمزور سے کمزور گناہ گار شخص کے اندر بھی موجود ہو سکتی ہے، جو جو خامیاں ہمارے اندر پائی جاتی ہیں ہم نے ان کو ڈھونڈنا ہے اور ان کی اصلاح کی عملاً کوشش کرنی ہے، تکبر کے سلسلہ میں سب سے پہلے انہوں نے اللہ رب العزت کی کچھ صفات بیان فرمائی ہیں، آپؒ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو خالق ہے پیدا کرنے والا، شکلیں بنانے والا، بڑائی والا، ایسا بلند جسے کوئی نیچا نہ دکھا سکے، وہ جبار ہے، سرکش اس کے سامنے ذلیل ورسوا ہے، ہر متکبر اس کی بارگاہ میں مسکین وبے کس اور عاجز ہے، وہ ایسے

دبدبے والا ہے کہ کوئی بھی اس کو اپنا کام پورا کرنے سے روک نہیں سکتا، وہ بلا شرکتِ غیرے غنی ہے اور ہر چیز پر قادر ہے، مخلوق کی آنکھوں پر اس کا جلال اور جمال غالب ہے، اس کی حمد وثناء سے انبیاء اکرام کی زبانیں بھی عاجز ہیں، اُس کی بلندی اور اُس کے استواء نے عرشِ مجید کی گردن کو جھکا دیا ہے، جو شخص اُس کے اِس لباسِ عظمت کے لیے اُس کا مقابلہ کرتا ہے اُس کو وہ توڑ کر رکھ دیتا ہے اور پھر موت کے سوا اُس کا کوئی علاج باقی نہیں ہے، اللہ کی شان بلند ہے اور اس کے اسمائے پاک ہر عیب سے پاک ہیں، بڑائی صرف اللہ رب العزت کی ذاتِ اَقدس کو زیب دیتی ہے، جو مالک الملک ہے، خالق ہے، معبود ہے اور مسجودِ خلائق ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ تکبر کرنے والا انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور اس کے غضب کا شکار ہے، سب سے پہلے تکبر کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے جو مذمت فرمائی وہ قرآن پاک میں ان الفاظ میں ہے۔

”سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ“ (الاعراف:146)

اللہ کریم نے فرمایا، میں پھر دوں گا اپنی نشانیاں ان لوگوں کو جو زمین پر ناحق تکبر کرتے ہیں، پھر فرمایا!

”كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ“ (غافر:34)

اللہ پاک ہر متکبر اور سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے، پھر فرمایا!

”إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ“ (النحل:23)

بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پھر ارشاد فرمایا ”لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا“ (الفرقان:21)

وہ لوگ جن پر اللہ پاک نے عذاب کیا وہ اپنے دلوں میں خود کو بڑا سمجھنے لگ گئے اور انہوں نے سرکشی اختیار کرلی۔

پھر فرمایا ”إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ“ (غافر:60)

بے شک جو لوگ ہماری عبادت سے تکبر کرتے ہیں ہم عنقریب ان کو جہنم میں اس حال میں داخل کردیں گے، کہ وہ ذلیل ورسوا ہوں گے۔ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بڑائی اور عظمت میری چادر ہے اور یہ میرا اعزاز ہے یہ دونوں وصف صرف میرے شایانِ شان ہیں جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی میرے ساتھ مقابلہ لگائے گا، میں اس کو جہنم میں ڈال دوں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، یہ تکبر کی اہمیت کے سلسلہ میں ارشادات ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی رُوح اِس حال میں اُس کے جسم سے جدا ہو کہ وہ تین باتوں سے بَری ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، پہلی تکبر، دُوسری قرض اور تیسری خیانت، ان تین چیزوں سے جو شخص بچتا رہے اللہ پاک اس کو جنت میں داخل کردے گا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کوئی شخص کسی دُوسرے کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے نزدیک چھوٹا ہے اللہ کے نزدیک وہ

بڑا ہے۔ حضرت سلیمان فارسیؓ سے اس گناہ کے بارے میں پوچھا گیا جس کی وجہ سے نیکی نفع نہیں دیتی ہے، آپؒ نے فرمایا وہ گناہ جس کو نیکی صاف نہیں کرتی وہ گناہ تکبر ہے، تکبر کے سلسلہ میں مختلف موضوعات بیان کیے گئے ہیں لیکن میں ان میں سے چیدہ چیدہ چند ایک گزارش کروں گا۔ پہلا تکبر کی حقیقت! فرمایا جان لو کہ تکبر کی دو قسمیں ہیں ایک باطنی تکبر دُوسرا ظاہری۔ باطنی تکبر نفس کی عادت کا نام ہے اور ظاہری تکبر اعضاء سے ظاہر ہوتا ہے۔ اعضاء کے تکبر کی بنیاد بھی باطن ہے، جس شخص کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس نے تکبر کیا ہے اس کے اندر یہ بُرائی موجود ہوتی ہے کہ وہ خود کو دوسروں سے بڑا سمجھتا ہے اور بہتر جانتا ہے۔ اپنے نفس کی طرف مائل ہونے پر راحت حاصل کرتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تکبر اور خود پسندی دو چیزیں ہیں، خود پسندی میں انسان خود کو پسند کرتا ہے، یہ تکبر کی وجہ ہے، لیکن تکبر اسی وقت ہو سکتا ہے جب کوئی دُوسرا بھی شامل ہو اور آدمی صفاتِ کمال میں خود کو اس سے بہتر جانے، اس کو تکبر کہتے ہیں۔ انسان اپنی ذات کو جب اس نگاہ کے ساتھ دیکھتا ہے کہ وہ خود کو معزز سمجھتا ہے تو وہ تکبر کرتا ہے۔ تکبر ایسی حالت کا نام ہے جو ان اعتقادات سے نفس میں پیدا ہوتی ہے، ان اعتقادات کی وجہ سے خود کو بڑا جاننا تکبر کہلاتا ہے، آپؒ نے انسان کے خود کو بڑا جاننے کے متعلق بڑی واضح مثالیں بیان کی ہیں، آپؒ نے فرمایا یہ عظمت[17] کچھ ظاہری اور باطنی اعمال کا تقاضہ کرتی ہے، جس کے اندر تکبر پایا جاتا ہے اس میں درج ذیل عادات پائی جاتی ہیں۔ اب ہم نے اپنی ذات کو اِس کسوٹی پر رکھنا ہے اور خود کو پَرکھنا ہے کہ ہم میں اُن میں سے کون کون سی عادت پائی جاتی ہے، جو جو عادت ہم میں پائی جارہی ہو اس کی نشاندہی کرتے جائیں تاکہ ان عادتوں کو چھوڑ سکیں، آپؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسروں کے مقابلے میں خود کو بڑے رتبے والا سمجھتا ہے، دوسروں کو حقیر جانتا ہے ان کو اپنے آپ سے دور کرتا ہے، ان کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا کھانا پینا پسند نہیں کرتا، مثال کے طور پر اگر دستر خوان پر بیٹھ کر سارے کھانا کھائیں تکبر والا علیٰحدہ بیٹھ کر کھانا کھائے گا۔ دوسروں کے ساتھ نہیں بیٹھے گا۔ ان کے ساتھ بیٹھنے میں اس کو اپنی بے عزتی محسوس ہوتی ہے، یہ تکبر کی نشانی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ پاک کی نگاہ میں انسان کی کوئی ویلیو نہیں، عارضی ویلیو ہے، ان کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا پسند نہیں کرتا اور جب تکبر بڑھ جائے تو اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ دُوسرا اُس کے سامنے جھک کر کھڑا ہو اور یہ اُس کا حق ہے، جب تکبر میں اور اضافہ ہوتا ہے تو وہ لوگوں سے خدمت لینے میں بھی عار سمجھتا ہے، اُن کو اپنے سامنے کھڑا ہونے کا اہل نہیں جانتا بلکہ ڈیوڑھی[18] کی خدمت بھی اُن سے لینا مناسب نہیں سمجھتا، اگر کوئی آکر اس سے کہے کہ میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں تو کچھ دن تو وہ خدمت کرواتا ہے پھر نہیں کرواتا، یہ بھی تکبر کی نشانی ہے، چونکہ زیادہ تر مذہبی رہنمائوں میں تکبر پایا جاتا ہے اس لیے ان نکات کو زیادہ واضح کیا گیا ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ وہ اپنے مقابل کی برابری سے نفرت کرتا ہے، راستہ چلتے ہوئے جدھر کوئی روکے اُس سے آگے بڑھتا ہے، مجالس میں اونچی جگہ بیٹھتا ہے، اِس انتظار میں رہتا ہے کہ سلام میں دُوسرا شخص پہل کرے، اگر کوئی اُس کے کام کاج کو بجالانے میں تاخیر کرے تو

17- یہاں پر عظمت بامعنی تکبر استعمال ہوا ہے۔

18- ڈیوڑھی گھر کے داخلی راستہ کو کہتے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ ان کو اپنا دربان بننے کا بھی اہل نہیں جانتا۔

اُس کو تعجب خیز سمجھتا ہے اور اِس میں اپنی بے عزتی جانتا ہے کہ کسی کو وہ کام کہے اور دُوسرا شخص نہ کرے تو متکبر شخص کے لیے وہ عزت کا مسئلہ بن جاتا ہے اور اس کے جواب میں وہ کام نہ کرنے والے شخص کو ہر ایذاء پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر کوئی نصیحت کرے تو اُس کو قبول کرنے سے نفرت کرتا ہے۔ اگر خود دوسروں کو نصیحت کرے تو نہایت سخت مزاجی سے کرتا ہے۔ اُس کی بات کو رد کیا جائے تو سخت غصہ میں آ جاتا ہے۔ اگر کوئی بندہ اُس کو اُس کی غلطی سے آگاہ کرے مثال کے طور پر کسی صاحب نے قرآن پاک کی آیت غلط پڑھ دی تو اس کو بتایا جائے کہ آپ نے یہ غلطی کی ہے یا اسی طرح حدیث سناتے ہوئے اگر کوئی غلطی ہو جائے یا نماز میں کوتاہی سرزد ہو جائے اور اُس سے آگاہ کیا جائے تو وہ مرنے مارنے پر تل جائے گا، اُس کی بات کو رد کیا جائے تو سخت غصہ میں آجاتا ہے اور عام لوگوں کو اِس طرح دیکھتا ہے گویا وہ گدھے کو دیکھ رہا ہے۔ امام غزالیؒ نے ان چیزوں کو بڑی برجستگی کے ساتھ بیان کیا ہے، اِس لیے ان لیکچرز میں اُن کی کتاب کو ریفرنس بک کے طور پر لیا گیا ہے۔ آپؒ نے فرمایا اس تکبر کی عادت مہلک ہے، اِس سے خاص لوگ بھی تباہ ہو جاتے ہیں، عام لوگوں کا ذکر ہی کیا عابد، زاہد اور نمازی بھی اِس سے بڑی مشکل سے محفوظ رہتے ہیں، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہو گا۔ تکبر جنت کے راستہ میں رکاوٹ بنتا ہے کیونکہ یہ بندے اور اخلاق کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، میں نے ابتداء میں یہ گزارش کی کہ میں اخلاق پر گفتگو کر رہا تھا جب تواضع کا موضوع آیا تو محسوس ہوا کہ تواضع نام ہے عجز وانکسار کا۔ جب تک تکبر واضح نہیں کیا جائیگا اُس وقت تک تواضع کی سمجھ نہیں آسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص دھوپ سے واقف نہ ہو اُس کو چھاؤں کی افادیت معلوم نہیں ہو گی۔ اِس لیے اس موضوع کو شروع کیا گیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اخلاقِ حسنہ جنت کے راستہ ہیں جبکہ تکبر اور عزت نفس ان تمام دروازوں کو تالے لگا دیتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کا آدمی ایسا نہیں کر سکتا کہ جو کچھ اپنے لیے پسند کرے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند کرے، وہ تواضع پر ہی قادر نہیں ہوتا جو کہ متقی لوگوں کے اخلاق کی جڑ ہے اور جب تک اس میں تکبر رہے وہ کینہ بھی نہیں چھوڑ سکتا، اپنی عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹی عزت کی وجہ سے غصہ نہیں چھوڑتا نہ ہی حسد ترک کرتا ہے، اچھی نصیحتیں نہ کر سکتا ہے نہ سن سکتا ہے، لوگوں کی غیبت اور ان کو حقیر جاننے سے باز نہیں رہتا، خلاصہ یہ ہوا کہ متکبر آدمی ہر بُرے کام کی طرف مجبور ہوتا ہے۔ جب تک انسان اِس بُرائی کو اپنے سے دور نہیں کرتا اُس وقت تک اُس کو تقویٰ اور ایمان حاصل نہیں ہو سکتا۔ اِس لیے اِس خامی کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ہر کام میں متکبر شخص کی عزت کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر بات اور ہر کام کو وہ اپنی عزت کا سوال بنالیتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا!

"ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ" (الزمر:72)

اللہ کریم نے ارشاد فرمایا جہنم کے دروازوں میں سے تم جہنم میں داخل ہو جاؤ تم ہمیشہ اُسی میں رہو گے۔ تکبر کرنے والوں کا یہ ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ اناج نرم زمین پر پیدا ہوتا ہے پتھر پر نہیں، اِسی طرح حکمت اور سچائی عاجزی کرنے والے کے دل پر اثرانداز ہوتی

ہے جو شخص تکبر کرے اُس پر نہ نصیحت اثر کرتی ہے نہ اُس کو سچی بات کا کوئی اثر ہوتا ہے، نہ ہی اُس کی رہنمائی ہو سکتی ہے۔ اِس کے بعد انہوں (امام غزالیؒ) نے فرمایا کہ وہ کون کون سی باتیں ہیں جن سے تکبر واقع ہوتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی خود کو بڑا سمجھے تو تکبر واقع ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو وہ ہی شخص بڑا سمجھتا ہے جو اپنی ذات میں کسی کمال رکھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ کمال چاہے دینی ہو چاہے دُنیاوی دونوں طریقے سے یہ انسان کے کردار کو تباہ کرتا ہے۔ انہوں نے اسبابِ تکبر کی بھی نشاندہی کی ہے۔ تکبر دو قسم کا ہے ایک ظاہری اور دُوسرا باطنی، ظاہری تکبر کے تین اسباب ہیں ان میں سے ایک سبب خود متکبر شخص ہے دُوسرا وہ بندہ جس پر وہ تکبر کر رہا ہے جس کو وہ نیچا دکھانا چاہتا ہے اور تیسرا وہ غیر متعلقہ جس کو اپنی ریاکاری کے ذریعے مرعوب یا متاثر کرنا چاہتا ہے۔ تکبر کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ انسان کسی کو اپنے سے اونچا نہیں جانتا، اس لیے جو بھی شخص اس کی بات نہ مانے اُس پر اُس کو غصہ آتا ہے، اگر متکبر شخص کمزور ہے تو مخالف کے لیے اپنے دل میں کینہ، بُغض اور میل رکھے گا، اگر طاقتور ہے تو اپنے غصہ کا اظہار کرے گا۔ مخالف کو زدوکوب کرے گا، اُس پر تشدد کرے گا۔ یہ تکبر کی نشانی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تکبر انسان کی عادتوں میں بھی ہوتا ہے۔ جیسے منہ پھیلانا، ترچھی نظروں سے دیکھنا، سر کو ایک طرف جھکانا، ایک شخص مسجد نبوی ﷺ میں سر کو ایک طرف جھکا کر بیٹھا تھا سیدنا عمر فاروقؓ تشریف لائے آپؓ نے اُس شخص کو دیکھا اور فرمایا کہ تم جو حرکت کر رہے ہو یہ ریاکاری ہے۔ عجز و انکسار کا مقام سر نہیں دل ہے۔ بغیر کسی عذر کے سر کو ایک طرف جھکانا، اور جہاں دُوسرے لوگ دوزانو بیٹھے ہوں وہاں متکبر شخص بغیر کسی عذر کے چوکڑی مار کر بیٹھتا ہے۔ تاکہ اُس کی بڑائی ظاہر ہو اور دیکھنے والا محسوس کرے کہ یہ بڑا آدمی ہے اسی طرح گفتگو میں بھی تکبر کرنا، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور حرکات و سکنات سے بھی تکبر جھلکتا ہے۔ آپؒ نے علاماتِ تکبر کے اندر یہ بیان فرمایا ہے کہ متکبر شخص یہ چاہتا ہے کہ جس وقت وہ چلے تو اُس کے پیچھے چلنے والے بھی کچھ لوگ موجود ہوں۔ وہ اکیلا چلنا پسند نہیں کرتا، اِس بات کا اطلاق اُس شخص پر نہیں ہو گا جس کو موجودہ حالات کے پیشِ نظر اپنی جان کی حفاظت کے لیے کوئی بندہ اپنے ساتھ رکھنا پڑ جائے اور اُس کا یہ اقدام بامرِ مجبوری ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا!

"انما العمال بالنیات"

کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اگر اس شخص کو مکمل تحفظ حاصل ہو اور اس کے باوجود وہ اکیلا چلنا پسند نہ کرے بلکہ اپنے ساتھ کچھ لوگوں کو چلانا پسند کرے تو یہ تکبر کی علامت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تشریف لے جاتے تو کچھ لوگ آپ ﷺ کے آگے کچھ پیچھے ہوتے تھے۔ متکبر شخص تکبر کی وجہ سے دوسروں کی ملاقات کے لیے نہیں جاتا، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ آئیں اور اُس کو ملیں، اِس میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ درویش اور فقیر اگر دُنیادار کے پاس جائے تو وہ معیوب خیال کیا جاتا ہے اس لیے کہ اگر بادشاہ کسی درویش کی طرف آئے تو اُس بادشاہ کا درجہ بڑھ جاتا ہے اور اگر فقیر اور درویش کسی دُنیادار اہلِ اقتدار کی طرف جائے تو اُس کا درجہ گھٹ جاتا ہے۔ ایک دُوسرے سے ملاقات سے مُراد ہے کہ وہ اپنے جیسے دُوسرے لوگوں کی ملاقات کے لیے نہیں جاتا، اگر کوئی بندہ اُس کے پاس بیٹھ جائے تو وہ اُس

بات سے نفرت کرتا ہے۔ یعنی جس چیز پر وہ بیٹھا ہو کوئی بندہ اُس پر بیٹھ جائے لیکن اگر وہ بندہ اُس کے سامنے بیٹھے تو یہ متکبر شخص پسند کرتا ہے۔ متکبر شخص بیمار کے پاس بیٹھنے سے گریز کرتا ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں ایک شخص آیا اس کو چیچک نکلی ہوئی تھی اُس وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی وہ شخص جس بھی صحابیؓ کے پاس بیٹھتا تھا وہ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا تھا لیکن حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اُس کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ متکبر شخص اپنے گھر میں اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کے گھر والے اُس کو سارا کام کر کے دیں۔ کسی بھی کام کو سر انجام دینے کے لیے اُس کو خدمت گار کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپؒ نے اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی مثال دی ہے کہ ان کے ہاں کوئی شخص مہمان آیا آپؒ اس وقت کچھ لکھ رہے تھے، رات کا وقت تھا، چراغ بجھ گیا، آپؒ چراغ ٹھیک کرنے کے لیے اُٹھے تو مہمان بولا کہ جناب چراغ میں ٹھیک کر دیتا ہوں، آپؒ نے فرمایا کہ مہمان سے خدمت نہیں لیتے، مہمان نے عرض کی کہ میں خادم کو جگا دیتا ہوں آپؒ نے فرمایا کہ اس کو بیدار نہیں کرنا وہ بے آرام ہو گا۔ آپؒ خود اٹھے چراغ میں تیل ڈالا اور اُس کو جلا دیا اور پھر فرمایا کہ میں جب چراغ ٹھیک کرنے کے لیے اٹھنے لگا تھا اُس وقت بھی عمر بن عبد العزیز تھا اور جب اب بیٹھنے لگا ہوں تو اِس وقت بھی عمر بن عبد العزیز ہی ہوں۔ میرے اندر کوئی فرق نہیں آیا، متکبر شخص اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا ہے۔ اپنے گھر کوئی چیز اٹھا کر نہیں لے جاتا، اپنا ذاتی کام نہیں کرتا اس کے لیے دُوسرے لوگوں کو معمور کرتا ہے۔ تکبر کے علاج کے سلسلہ میں ضروری ضروری موضوعات گزارش کر رہا ہوں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تکبر ہلاک کرنے والی عادتوں میں ایک عادت ہے اور مخلوق میں کوئی بھی اس سے خالی نہیں ہے۔ لہذا چاہیے کہ اِس کا علاج کیا جائے تا کہ انسان کا کردار بن سکے، تکبر کے علاج میں دو مقامات ہیں پہلا دل کے اندر موجود ہے اور اس کا پہلا علاج یہ ہے کہ اِس کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے، اور دُوسری طرف اُن اسباب کو ختم کیا جائے جو تکبر کی وجہ بنتے ہیں، اِس میں سب سے پہلا عمل جو اُنہوں نے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ تکبر کو دِل سے نکالا جائے یہ نہایت علمی اور عملی پہلو ہے اور یہ زیادہ ضروری ہے کیونکہ تمام اعمال دِل کے تابع ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اِس سلسلہ میں اللہ کی معرفت اور نفس کی پہچان کرنا ضروری ہے، اللہ رب العزت کی معرفت کا طریقہ شیخ کامل کے سوا نہ کوئی بتا سکتا ہے اور نہ ہی کبھی کسی نے بتایا ہے، معرفت کے موضوع کو اُنہوں نے یہ کہہ کر یہیں پر ختم کر دیا ہے لیکن نفس کی پہچان کے بارے میں اُنہوں نے کچھ لکھا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی اِن آیاتِ کریمہ کی طرف دھیان دینا چاہیے۔

”قُتِلَ الإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ۞ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ۞ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ۞ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ۞ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ۞ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ“ (عبس:17،18،19،20،21،22)

فرمایا کہ وہ انسان ہلاک ہو کس قدر ناشکرا ہے، اُس کو پانی کی بوند سے پیدا کیا گیا، اُس کو طرح طرح کے اندازوں میں رکھا اور پھر اُس کے واسطے راستہ آسان کیا، پھر موت دی، پھر قبر میں رکھا اور جب چاہے گا اُس کو نکال لے گا۔ یعنی انسان کے بس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ پاک نے

ایک بوند سے پیدا فرمایا ہے، اُس کے بعد پھر اُس نے مٹی میں جا کر مِل جانا ہے، جب اللہ پاک کا حکم آنا ہے پھر اُس کی تخلیق دوبارہ ہونی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اِس آیتِ کریمہ میں انسانی تخلیق کے آغاز، اُس کے انجام اور درمیان والی حالت کا ذکر ہے۔ انسان کو اِس پر غور کرنا چاہیے، اپنے دل کے تکبر کو دور کرنے کے لیے اِس چیز پر غور کرنا چاہیے۔ یہ غور انسان اُس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک مرشدِ کامل کی نگاہ نہ ہو۔

"جاگ بِنا دودھ جمدے ناہیں باھُو بھاویں لال ہووِن کڑھ کڑھ کے ھُو"

انسان چاہے جتنا جی چاہیے خود کو سمجھالے لیکن جب وقت آتا ہے اُس کی جبلت میں کوئی فرق نہیں آتا، آپؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو اِس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اُس کو اللہ تعالیٰ نے اُس کو ناپاک چیز سے بنایا، پہلے مٹی، پھر نطفہ، پھر جما ہوا خون، اُس کے بعد لوتھڑا تھا، اُس کے بعد ہڈی بنائی اُس کے بعد ہڈی پر گوشت چڑھایا یہ انسان کا آغاز ہے، جب انسان وجود میں آگیا تو پھر اُس میں مختلف قسم کے خصیص اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابتداء میں انسان ایک پتھر کی مانند تھا، نا حرکت کرتا نہ دیکھتا، سُنتا، جانتا، پکڑتا اور محسوس کرتا تھا گویا زندگی سے پہلے موت، طاقت سے پہلے کمزوری، علم سے پہلے جہالت، بینائی سے پہلے نابینا، سننے سے پہلے بہرہ، بولنے سے پہلے گونگا، ہدایت سے پہلے گمراہ، مال آنے سے پہلے فقیر اور عاجز تھا، ہمیں غور کرنا چاہیے کہ کتنے متکبر ایسے ہیں جو شکمِ مادر میں دیکھ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں اور نہ ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ یہ ہی انسان کی حقیقت ہے اِس حقیقت کے باوجود اگر بندہ اترائے اور تکبر کرے تو اُس کو خود سوچنا چاہیے کہ وہ کِس بات پر اکڑ رہا ہے۔ یہ محض کم عقلی اور بے وقوفی ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ بہرہ تھا ہم نے اُس کو سننے کی قوت دی وہ دیکھ نہیں سکتا تھا ہم نے اُس کو بینائی عطا کی، کم زور تھا ہم نے طاقت دی جاہل تھا علم دیا، اعضاء نہیں تھے اعضاء پیدا کر دیئے، یہ نشانیاں ہیں کہ وہ محتاج تھا ہم نے اُس کو با اختیار کیا، بھوکا تھا اُس کو شکم سیر کیا، ننگا تھا اُس کو لباس پہنا دیا، جو بھی انسان اِس دنیا میں آتا ہے وہ ننگا ہوتا ہے اِس دنیا میں آنے کے بعد اُس کو لباس عطا کیا جاتا ہے۔ راستہ معلوم نہ تھا ہم نے اُس کی رہنمائی کی اُس پر اتنے احسانات کیے اِس کے باوجود اگر وہ متکبر ہو گیا ہے تو پھر یقیناً وہ اپنی حیثیت کو بھول گیا۔ انسان کس قدر نادان ہے کہ آنے والے وقت میں بھی اُس کا یہ ہی حال ہونے والا ہے اور اُس کو یہ بات بھی یاد نہیں۔ اللہ پاک نے فرمایا!

"أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ " (یٰس:77)

کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُس کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، جبکہ وہ صریح جھگڑالو ہے۔ اللہ پاک نے انسان کو کس کس طرح اپنی نعمت سے نوازا ہے کہ معزول تھا موجود کیا، مُردہ تھا زندہ کیا، محتاج تھا مالدار بنایا کچھ نہیں تھا کچھ بنا دیا، اِس کے باوجود اگر وہ خود کو کچھ جانے تو یہ اُس کی بے وقوفی پر مبنی ہے۔ جس شخص کی ابتداء اِس طرح ہو، جس کے اعمال اِس طرح ہوں اُس کو اکڑنے تکبر کرنے اور فخر کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔ اگر وہ بڑا ہو بھی گیا اُس میں طاقت آ بھی گئی اِس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اُس پر بیماریاں مسلط کی ہوئی ہیں۔ اللہ پاک جب چاہیے بڑے سے بڑے متکبر اور امیر انسان کو بیمار کر کے چارپائی پر ڈال دیتا ہے۔ یہ اللہ پاک کے اختیار میں ہے اور پھر وہ دوسروں کا محتاج ہو کر رہ جاتا ہے یا پھر اُس پر موت مسلط کر دی جاتی ہے کیونکہ موت کا ایک سانس کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ اِس حالت میں کہ وہ شخص پوری دولت طاقت

رکھتے ہوئے بھی اپنی زندگی کا ایک سانس بھی نہیں بڑھا سکتا۔ انسان اتنا مجبور ہو کر پھر تکبر کرے تو محض اُس کی بے وقوفی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو اِس چیز پر غور کرنا چاہیے اور جس کو یہ بات سمجھ آجائے وہ شخص پھر تکبر نہیں کرتا، جس آدمی کا یہ حال ہو جائے اُس کا تکبر سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اگر انسان خود کو پہچان لے تو پھر اُس حالت میں تکبر کرنا کتنی بڑی جہالت ہے، جو شخص تکبر کرتا ہے اُس کا پھر یہ انجام ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے فرمایا!

"ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۝ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ "(عبس:22،21)

پھر اُس کو موت دی، قبر میں پہنچایا اور جب چاہے گا اُٹھالے گا۔ مطلب یہ کہ اُس کی روح، سماعت، بصارت، علم قدرت، احساس و ادراک اور ہر حرکت لے لی جائے گی، پہلے کی طرح محض بے جان اور بے حرکت ہو گا اور اب اُس کے صرف اعضاء اور صورت باقی رہے جائے گی۔ اُس میں کوئی حِس ہو گی نہ حرکت، پھر اُس کو قبر میں رکھا جائے گا اور وہ بد بو دار، مُردار کی شکل اختیار کر لے گا۔ جیسے وہ اپنی ابتداء میں بد بو دار تھا اُس کے اعضاء پرانے ہو جاتے ہیں، ہڈیاں گل سڑ جاتی ہیں، کیڑے اُس کے جسم کو کھا جاتے ہیں، وہ کیڑوں کے پھیپڑوں میں گوبر کی شکل میں چلا جاتا ہے اور پھر حیوانات بھی اُس سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں اور وہ پھر مٹی کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ جب دوبارہ وقت آئے گا تو اُس کو بوسیدہ ہونے کے باوجود دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اُس کے بوسیدہ اعضاء جمع ہوں گے، وہ قبر سے نکلے گا، خوفناک منظر کا سامنا کرے گا اور پھر اُس کا نامہ اعمال اُس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ آپؒ نے تکبر کے دو علاج بیان فرمائے ہیں ایک عملی اور قلبی علاج، یہ گزارشات اسی علاج کے متعلق ہیں کہ انسان اپنی پیدائش کو دیکھے اپنی انتہا کو دیکھے تو اُس کو تکبر کرنا زیب نہیں دیتا کیونکہ وہ تکبر کرنے کے اہل ثابت نہیں ہوتا ہے۔ جس نے ایک بوند قطرہ سے تخلیق پائی ہو اور آخر میں ایک بد بو دار مُردار کی شکل اختیار کر جائے، اُس کو تکبر زیب نہیں دیتا وہ دوسرے پر کیوں کر تکبر کرے۔ مگر اِس کے باوجود یہ بات انسان کا دل قبول نہیں کرتا اور یہی بات ہے جو انسان کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ انسان سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے انجان بن جاتا ہے اور اپنے انجام سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ تکبر کا عملی علاج تواضع ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اُس کی تمام مخلوقات کے لیے عجز و انکسار کا رویہ اختیار کر لے۔ اِس کے لیے وہ خود کو لاکھ سمجھائے مگر سمجھا نہیں سکتا۔ اِس کے لیے نگاہِ کامل کی ضرورت ہے کہ!

" کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُن کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"

" تیری نگاہ نے سنوارا میرا اندازِ حیات
تیرا نہ ہوتا گر میں سگِ دنیا ہوتا"

انسان کو اپنی تمام تر حقیقت کا ادراک اُس وقت ہوتا ہے جب اُس کو حقیقت دیکھنے والی آنکھیں نصیب ہو جاتی ہیں یہ آنکھیں اُس کو اہل دل سے نصیب ہوتی ہیں۔ جب تک کوئی شخص خود کو اہل اللہ کے سپرد نہ کر دے!

"سپر دم بہ تو مایہ خویش راہ۔ تو دانی حساب کم و بیش را"

جب انسان خود کو اہل اللہ کا فرماں بردار کر لے اُن کا تابع ہو جائے تو پھر یہ لوگ اِس اہل ہیں کہ یہ مقدر سنوار دیتے ہیں، انسان کی سوچیں بدل جاتی ہیں، اُس کے کردار میں تبدیلی آجاتی ہے، اُس کا سخت مزاج نرم اور گداز ہو جاتا ہے، اُس کے دل کی سختی رقتِ قلب میں بدل جاتی ہے، اِس حال میں جب وہ اللہ کا نام لیتا ہے اُس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مقناطیس کے ساتھ جو بھی لوہا مَس کیا جاتا ہے اُس میں بھی مقناطیس کے اثرات آجاتے ہیں۔ یہ سب کچھ اہل اللہ کے بغیر ممکن نہیں۔ میں نے تکبر کے متعلق چند اہم باتیں آپ کے گوش گزار کر دی ہیں، تکبر کی بے شمار علامتیں بتائی گئی ہیں، اتنی علامتیں چونکہ یاد نہیں رہتی اِس لیے چند ایک گزارش کی گئی ہیں تاکہ یاد رہ سکیں۔ ہمیں چاہیے کہ جو عادتیں بیان کی گئی ہیں اُن کو اپنی ذات میں تلاش کریں اور ان میں سے جو عادات ہم میں پائی جاتی ہیں اُن کی اصلاح کریں کیونکہ جتنی دیر ہم مل بیٹھے ہیں اُس سارے وقت میں نگاہ کا عمل اپنی جگہ جاری رہا اب ہمارے قلب میں انشاء اللہ برکت آجائے گی۔ اگر ہم کوشش کریں گے تو انشاء اللہ اِس پر عمل درآمد ہو جائے گا۔ وقت کافی ہو چکا ہے لہذا آج محض تکبر کے قلبی علاج پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ دوسرا علاج اُس کے اسباب کو ختم کرنا ہے، اُس کے متعلق گزارشات بشرطِ توفیق آئندہ کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ چونکہ تکبر ہر اخلاقِ حسنہ کے مدِ مقابل آتا ہے یہ اتنی بڑی رکاوٹ ہے کہ شروع کرنے والے بندے سے لے کر اپنی انتہا تک پہنچنے والے بندے تک یہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اِس لیے اِس سے باخبر رہنا بہت ضروری ہے اِس سلسلہ میں ہم انشاء اللہ آئندہ بھی رفتہ رفتہ گفتگو کرتے رہیں تاکہ ہمیں تکبر سے صحیح آگاہی حاصل ہو جائے، ہم اِس کی چالوں سے واقف ہو جائیں اور ہم میں جہاں جہاں یہ اپنی مار کر رہا ہے وہاں وہاں ہم اُس نگاہ کے زیر اثر اپنی اصلاح کر سکیں، اللہ ربِ کریم کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ اللہ کریم ہمیں یہ استطاعت نصیب فرمائے کہ ہم خود کو پہچان کر اپنے رَب کریم کی معرفت حاصل کریں۔ " من عرف نفسہ فقد عرف ربہ " ہم اپنے نفس کی سازشوں سے باخبر ہونگے تو اللہ کریم کی معرفت ہمارے قریب آجائے گی۔ تعمیرِ کردار میں سب سے بڑی رکاوٹ تکبر ہی ہے یہ انسان پر اِس اِس طرح حملہ آور ہوتا ہے کہ انسان کو سمجھ ہی نہیں آتی کہ مجھ یہ فعل سرزد ہو رہا ہے۔ یہ فعل ہر کسی سے سرزد ہوتا ہے اِسی لیے میں نے درس کی ابتداء میں عرض کی تھی کہ متوجہ ہو جاو اور جو جو چیز کسی شخص کو اپنے اندر محسوس ہو اُس کو نوٹ کر لیا جائے اور اُس کی اصلاح کی جستجو کی جائے۔ اللہ کریم ہماری اِس سلسلہ میں مدد فرمائے، اللہ کریم ہمیں تکبر کی لعنت کو ختم کرنے کی استطاعت بخشے۔ آج کی گزارشات کے سلسلہ میں کسی شخص کا کوئی سوال ہو تو کر سکتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارا یہ مل بیٹھنا رنگ لائے، آپ حضرات یقین جانیں کہ ایک ایک قطرہ ٹپکتا رہے تو وہ پتھر میں بھی سوراخ کر دیتا ہے، پانی کا قطرہ اگر پتھر میں سوراخ کر سکتا ہے تو ہم جو جستجو کر رہے اگر اِس کا عشرِ عشیر بھی اللہ پاک نے ہمیں نصیب فرما دیا تو نہ صرف اپنے باطن کی حالت بدل جائے گی بلکہ جہاں پر کوئی روشن باطن والا شخص ہوتا ہے وہ اپنے گرد و پیش کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ یہ اللہ پاک کی مرضی پر منحصر ہے کہ کتنا علاقہ اُس شخص سے فیض یاب ہوتا ہے۔ سلطان باہوؒ سے نے فرمایا!

اللہ پاک کی جناب میں میری دلی التجا اور تمنا ہے کہ جتنے لوگ رات کے اِس پہر بغیر کسی دنیاوی لالچ، اپنا آرام تیاگ کر، اپنا وقت قربان کر کے اپنی اصلاح کے لیے آبیٹھے ہیں اللہ پاک اُن کو صبر عطا فرمائے۔ اُن کا کردار سنور جائے وہ جہاں بھی جائیں مینارہِ نور بنتے جائیں۔ ایک ایک بندے کو اللہ تعالیٰ لاکھوں افراد کی تقدیر بدلنے کا اہل بنادے۔ اللہ تعالیٰ جو کہا جو سُنا اپنی بارگاہ عالی میں قبول و منظور فرمائے۔ اخلاقِ حسنہ اور تعمیر کردار کے سلسلہ میں آج تکبر کے موضوع پر گزارشات کی گئی ہیں کیونکہ تواضع اور عجز وانکسار کی سمجھ اُس وقت آئے گی جب انسان کو تکبر کا کچھ تھوڑا بہت احاطہ ہو جائے گا۔ اللہ پاک اِس کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ آمین۔ وماعلینا الی البلاغ المبین۔ (دُعا)

درسِ تصوف۔19

دورانیہ۔56منٹ۔تاریخ۔10-10-2013

بمقام۔مسجد۔آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیرِ کردار کے سلسلہ میں ہم نے ان نشستوں کا آغاز کیا، تاکہ ایسی زندگی نصیب ہو جائے جو اللہ پاک کو پسند آئے۔انسان دُنیا اور آخرت میں کامیاب قرار پائے۔اِس کا واحد ذریعہ تعمیرِ کردار ہے۔اِس کا آغاز حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیمات کے مطابق حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی ذاتِ اَقدَس سے ہوا۔ یہ سلسلہ صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین تبع تابعین میں جب پہنچا تو پھر اِس کو تصوف کہا گیا۔تصوف میں تعمیرِ کردار کے جو مختلف طریقے کار استعمال ہوتے ہیں اُن کے سلسلہ میں گزارشات کی گئیں۔گزشتہ محفل میں یہ عرض کیا تھا کہ عبادت کا دارومدار عجز وانکسار پر ہے۔اگر انسان میں عاجزی نہ ہو تو پھر اُس کا کوئی بھی عمل کسی بھی طرح عبادت کہلانے کا مستحق نہیں۔اللہ اور بندے کے درمیان جو تعلق ہے، اللہ کریم نے ارشاد فرمایا!

"إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ"(فاطر:28)

بے شک اللہ سے ڈرنے کا حق سب سے زیادہ وہ لوگ ادا کرتے ہیں جن کو پتہ ہے۔جو لوگ خوفِ خدا رکھتے ہیں، اللہ کی عظمت، اس کی کبریائی اور اُس کی بڑائی کو دل سے تسلیم کرتے ہیں اُن کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں۔ان کی شخصیت نکھر جاتی ہے ،وہ صاحبِ عمل ہو جاتے ہیں۔اِس راستہ کو اپنانا ہر انسان کے واسطے لازم ہے۔ اُس بندے کے واسطے جو اپنی دُنیا اور آخرت اچھی چاہتا ہے۔ اللہ کریم نے قُرانِ پاک میں ارشاد فرمایا!

"إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ" (غافر:60)

بے شک وہ لوگ جو میری عبادت پر سے تکبر کرتے ہیں، فرمایا میں ان کو عنقریب جہنم میں داخل کروں گا اس حال میں کہ وہ ذلیل ورسوا ہوں گے۔ان کو ذلیل ورسوا دُنیا میں بھی کیا جاتا ہے، چاہے کسی بھی ذریعے کے ساتھ کیا جائے اور آخرت میں بھی ان کو ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی شخص جو عبادت، یہاں پر لفظ "عَنْ عِبَادَتِي" عبادت کا لفظ استعمال ہوا ہے اور عبادت صرف نماز روزے کا نام نہیں بلکہ زندگی کا ہر لمحہ اپنے رب کی رضا کے واسطے گزارنا یہ عبادت ہے۔اِس میں بندہ ایک لمحہ کے واسطے بھی اپنے مالک سے بے خوف نہ ہو یہ عبادت کا جوہر ہے۔اس کو جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے اس کا نام تکبر ہے۔پچھلی محفل میں میں نے تکبر کے سلسلہ گزارشات کی تھیں۔ تکبر کی تھوڑی

سی تفصیل دوبارہ عرض کردوں کیونکہ یہ ایک ایسا مرض ہے جو تقریباً ہر کسی میں کسی نہ کسی طرح پایا جاتا ہے۔ اس میں بادشاہ اور فقیر، امیر اور غریب، صحت مند اور بیمار کسی کا بھی کوئی امتیاز نہیں۔ تکبر کی تعریف حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو دوسروں سے بلند سمجھنا اور اپنے نفس کی طرف مائل ہو کر راحت محسوس کرنا تکبر کہلاتا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو بڑا محسوس کرتا ہے حقیقتاً وہ غلط فہمی کے اندر مبتلا ہے۔ کیونکہ اس کائنات میں فقط اللہ رب العزت کو یہ حیثیت حاصل ہے کہ اللہ رب العزت امر ہے۔

"كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ" (ال عمران:40)

جو چاہے کرے۔ ایسی صورت میں کوئی شخص جو اپنے آپ کو اِس نگاہ سے دیکھے یا اپنے آپ کو بڑا سمجھے تو وہ تکبر کا شکار ہو جاتا ہے۔ اِس ذریعے سے اِس میں بہت ساری خامیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہم مل بیٹھے ہیں کہ ہم اگر اپنے اندر وہ خامیاں دیکھیں تو اُن کو دور کرنے کی کوشش کریں تاکہ اللہ اور ہمارے درمیان دوری ختم ہو سکے، فاصلے سمٹ سکیں اور قُربِ الٰہی نصیب ہو سکے۔ ہمیں اپنے دل کی گہرائی سے اِس چیز کی طرف غور کرنا ہے کہ ہم اپنے اندر اپنے ردِ عمل کا جائزہ لیں اور اپنے اندر پائی جانے والی خامیوں کو دور کریں۔ میں نے گزشتہ لیکچر میں متکبر شخص کی کچھ علامات گزارش کی تھیں۔ اُن کو دوبارہ بیان کر دیتا ہوں۔ تکبر کرنے والا اپنے آپ کو دوسروں سے اُونچا سمجھتا ہے، بہتر جانتا ہے، دوسروں سے اپنے آپ کو رتبے میں بلند سمجھتا ہے۔ اُن کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا پسند نہیں کرتا۔ جب تکبر بڑھ جائے تو اُس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دُوسرا شخص میرے سامنے کھڑا ہو اور میں بیٹھا ہوا ہوں۔ مزید یہ کہ وہ اُس کے ساتھ برابری سے نفرت کرتا ہے، مجالس میں اپنے آپ کو اونچی جگہ پر بٹھاتا ہے۔ جب کسی کو ملتا ہے تو اِس انتظار میں ہوتا ہے کہ دُوسرا اسلام میں پہل کرے۔ اگر کوئی اُس کو نصیحت کرے تو وہ اُس کا غصہ کرتا ہے، اُس سے لڑنے پر آمادہ ہوتا ہے، اُس کو اپنی بے عزتی سمجھتا ہے۔ اگر اُس کو کسی غلط بات سے روکا جائے تو وہ غصے میں آجاتا ہے، اپنی انا کے واسطے کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ عام لوگوں کو اِس طرح حقارت کی نظر کے ساتھ دیکھتا ہے کہ گویا وہ کسی حقیر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تکبر ایک بڑی مہلک آفت ہے، اِس سے خاص لوگ بھی تباہ ہو سکتے ہیں۔ عام کا تو ذکر ہی کیا۔ تکبر کا نقصان یہ ہے کہ یہ بندے اور اللہ کے درمیان حدِ فاصل قائم کر دیتا ہے۔ انسان کو اپنے رب کے قُرب سے محروم کر دیتا ہے۔ اِس کو دور کرنے کے واسطے حتیٰ الامکان کوشش کرنی چاہیے۔ حضرت امام غزالیؒ نے اس سلسلہ میں کچھ نکات بیان فرمائے ہیں۔ لیکن اِس سے قبل متکبر کے مزید چند ایک اعمال بھی گزارش کر رہا ہوں، متکبر کی یہ بھی پہچان ہے کہ جب کبھی وہ لوگوں کے درمیان میں چلے تو اُس کی خواہش ہوتی ہے کہ دُوسرے اُس کے پیچھے چلیں۔ جب بات کرے تو دُوسرے کی بات قطع کر دیتا ہے اور سُنتا نہیں یہ بھی تکبر کی نشانی ہے۔ اگر کوئی شخص بات کرے تو اُس کی بات سُننی ہے چاہے وہ اپنے سے کم تر ہو۔ یہ کسی بھی عبادت گزار کا شیوہ ہے۔ اگر کوئی شخص بات کاٹتا ہے تو یہ تکبر کی نشانی ہے۔ اپنے سے بڑے کی بات کاٹنا بے ادبی میں بھی آتا ہے۔ اِس واسطے اِس چیز سے اجتناب کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر اُس کا زور چلے تو پھر غصہ کرتا ہے اور اگر نہ چلتا ہو تو پھر اُس کے دل میں کینہ اور حسد پیدا ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں تکبر کا اظہار ہیں۔ اِن سے بچنے کی کوشش لازمی کرنی چاہیے۔ مزید یہ کہ تکبر کرنے والا اپنے

اخلاق سے بھی پہچانا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ لوگوں کے ساتھ تُرش رُوئی کے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔ ایک بات کہنی ہے وہ بندہ مسکرا کر بھی کہہ سکتا ہے، ہشاش بشاش ہو کر بھی کہہ سکتا ہے چاہے اُس کو اندر سے کتنی بھی تکلیف کیوں نہ گزر رہی ہو، اُس شخص سے نہیں بلکہ اپنی ذات سے۔ کوئی بندہ کسی تکلیف میں مبتلا ہو اُس کے باوجود اپنی تکلیف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دُوسرے کے واسطے وہ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئے۔ تُرش رُوئی نہ کرے۔ تُرش رو ہونا تکبر کی نشانی ہے۔ جب دُوسرے لوگ دوزانو ہو کر بیٹھے ہوں تو متکبر ان کے درمیان چوکڑی لگا کر بیٹھتا ہے۔ جب دُوسرے بغیر تکیہ کے بیٹھے ہوں وہ تکیہ لگا کر بیٹھتا ہے۔ اپنی گفتگو میں اپنی حرکات و سکنات کے ذریعے تکبر کا اظہار کرتا ہے، اگر کوئی شخص اُس کے قریب بیٹھے تو اُس سے نفرت کرتا ہے۔ وہ دوسروں کی ملاقات کے لیے نہیں جاتا۔ اس میں ایک استثناء ہے ان علما اور درویشوں کو جو اللہ کی ڈیوٹی ادا کر رہے ہیں ان کے علاوہ جو فارغ ہوں اُن کا اپنے سے کم تر لوگوں کی طرف جانا یہ تکبر کے خلاف ہے۔ متکبر آدمی بیمار کے پاس نہیں بیٹھتا، اُس سے دُور دوڑتا ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے حدیث پاک کا حوالہ دیا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اُس کو چیچک نکلی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کے پاس صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کھانا کھا رہی تھی۔ وہ جس صحابی کے پاس بیٹھتا تو اُس کے گرد و پیش کے صحابی اٹھ کر کھڑے ہو جاتے، کیونکہ اُس کے چیچک کے دانوں سے پانی نکل رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اُس شخص کو اپنے پہلو میں بیٹھا لیا۔ اِس چیز کا اظہار کرنے کے واسطے کہ یہ بات تکبر کا باعث ہے۔ تکبر کرنے والا حتیٰ الامکان دُوسرے لوگوں کی بات کو اہمیت نہیں دیتا اور اپنی رائے کو مُقدم جانتا ہے۔ علی ھذا القیاس یہ چند ایک نکات بیان کیے گئے تھے، اِن کے علاوہ بھی بہت سارے نکات ہیں انشاء اللہ وقت آنے پر اُن کا بھی اظہار کیا جائے گا۔ تکبر کے علاج کے بارے میں عرض کی تھی کہ اِس کے دو طریقے کار ہیں۔ اِس میں سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کی معرفت، اِس کی عظمت و بزرگی کا دل میں آنا یہ ماسواء کامل کی نگاہ کے ممکن نہیں۔ انسان اپنے آپ کو پہچانے۔ یہ پہچان بھی جب تک اُس کے دل میں یہ صلاحیت پیدا نہیں ہو گی وہ کبھی بھی اپنی حقیقت کی طرف دھیان کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس واسطے ایک ہی راستہ ہے۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

”علم پڑھیا پر اَدب نہ سِکھیا کی لینا علم نُوں پڑھ کے ہُو
چِلے کَٹے کُجھ نہ کھٹیا کی لینا چِلیاں وَڑھ کے ہُو
جاگ بِنا دودھ جمدے ناہیں باہُو بھاویں لَال ہوَون کَڑھ کَڑھ کے ہُو“

جب کامل کے ساتھ بندہ اٹھتا بیٹھتا ہے، اُس کی صُحبت اختیار کرتا ہے تو اُس کے دل میں یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنی حقیقت سے باخبر ہو جائے۔ جب وہ اپنی حقیقت سے باخبر ہوتا ہے تو اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں کامل پیدا نہیں ہوا تھا، وہ ایک مُردہ پتھر کی طرح تھا، نہ سُنتا تھا، نہ دیکھتا تھا، نہ محسوس کرتا تھا، نہ حرکت کرتا تھا، گویا زندگی سے پہلے موت اور قوت سے پہلے کمزوری اُس کا شعار تھا۔ جہالت اور نابینائی، سننے سے پہلے بہرہ پن، جب انسان ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اُس کے اندر انسان کی زندگی کے کوئی افعال نہیں ہوتے۔ ماسوا اُس خون

کے جو اُس کے اندر گردش کرتا ہے۔ جب وہ پیدا ہو جائے تو اللہ کریم یہ فرماتا ہے کہ وہ ایک بے جان مردہ تھا ہم نے اُس کو پیدا کیا، بہرہ تھا اُس کو سننے کی قوت دی، دیکھ نہیں سکتا تھا اُس کو بینائی عطا کی، کمزور تھا قوت عطا کی، جاہل تھا علم عطا کیا، اعضاء نہیں تھے اعضاء عطا کیے اور اعضاء کو حرکت کرنے کی طاقت عطا کی۔ یہ سب عجائبات اور نشانیاں سب اللہ تعالیٰ کی حکمت کی ہیں۔ وہ شخص غریب تھا ہم نے اس کو مالدار کیا، وہ بھوکا تھا ہم نے اس کو شکم سیر کیا، ننگا تھا ہم نے اُس کو لباس عطا کیا، راستہ معلوم نہیں تھا اُس کو راستہ عطا کیا۔

''اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ''(الفاتحہ:6) ''وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ''(النور:46)

جب سب کچھ مل گیا تو پھر تکبر کیوں کر کرے اور پھر یہ جو کچھ ملا ہے یہ سب کچھ چھن جانے والا ہے۔ انسان کے اندر یہ سوچ ہونی چاہیے کہ اُس کو کِس قدر قوت عطا ہوئی ہے کسی وقت بھی وہ اُس سے چھینی جاسکتی ہے۔ اُس کے اپنے کنٹرول میں نہ اُس کی جان ہے اور نہ اُس کی کوئی حرکت ہے۔ دل اُس کے کنٹرول میں نہیں۔ دن رات کا ایک لحظہ پر بھی اُس کا قابو نہیں، وہ اِس بات سے بے خوف نہیں ہو سکتا کہ اُس کی بینائی ضائع ہو جائے اور اعضاء فالج کا شکار ہو جائیں۔ کسی کو کیا پتہ۔ اگر فالج ہو جائے تو انسان بیکار ہو جاتا ہے۔ جو اتنا محکوم و مجبور ہے، جس کو اپنے اگلے سانس کا پتہ نہیں کہ وہ آنا ہے یا کہ نہیں آنا تو وہ پھر کس بات پر تکبر کرے۔ ایسی حالت میں تکبر کرنا کتنی بڑی جہالت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِس کے باوجود جب انسان تکبر کا شکار ہوتا ہے اُس کو اپنی حیثیت بھول جاتی ہے۔ جب اُس کی رُوح، اُس کی سماعت، اُس کی بصارت، اُس کا علم قدرت، احساس اور حرکت لے لی جائے گی تو وہ پتھر کی طرح بے جان ہو گا۔ جب پھر اُس کو قبر میں رکھا جائے گا تو وہاں پر وہ بدبو دار مُردار کی شکل اختیار کر لے گا۔ اُس کا وجود کیڑوں کے پیٹ میں جا کر گوبر بنے گا۔ اِن سب کیفیات کا ذہن میں آنا یہ غافل شخص کے واسطے ممکن نہیں۔ جب تک کامل کی نگاہ اُس کے دل کو روشن نہ کرے وہ اپنی حیثیت سے غافل رہتا ہے اِس واسطے ضروری ہے علامہ اقبال نے فرمایا کہ!

''اپنے مَن میں ڈُوب کر پَا جا سُراغِ زِندگی

تو میرا نہیں بنتا نہ بَن اپنا تو بَن''

''من عرف نفسہ فقد عرف ربہ'' اپنے نفس کو پہچاننا یہ نفس گر کے بغیر ممکن نہیں۔ وہ ایسی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ!

''مطلب سَب حاصل ہوَون باہُو جَد پیر اِک نظر تکے ہُو''

اِس سے اُس میں کیا تبدیلی واقع ہوتی ہے اُس کی بھی گزارش کر دی جائے گی کہ جب کوئی شخص کسی اللہ کے بندے کے ساتھ اپنا تعلق بنالیتا ہے اُس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، رَفتہ رَفتہ اُس کے دل میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور یہ محبت اتنی بڑھتی ہے وہ کہہ اٹھتا ہے کہ!

''اب میری نگاہوں میں جچتا نہیں کوئی

جیسے میری سرکار ہیں ویسا نہیں کوئی''

''آپڑے ہیں تیرے قدموں میں یہ سُن کر ہم بھی

جو بھی تیرے قدموں میں گرتے ہیں سنبھل جاتے ہیں"

جب انسان کے اندر یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر تکبر رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص اہلِ محبت ہو اور اُس میں تکبر ہو۔ اسی طرح جیسا کہ ایک کمرے میں روشنی ہو سکتی ہے یا پھر اندھیرا۔ اگر روشنی ہو گی تو پھر اندھیرا نہیں ہو گا۔ اسی طرح جس دل میں محبت موجود ہو گی اُس دل میں نفرت نہیں ہو سکتی۔ تکبر سراسر نفرت کا نام ہے۔ اللہ کی مخلوق کے ساتھ نفرت اپنی احساس بڑائی کی وجہ سے یہ تکبر ہے۔ محبت والا کبھی تکبر نہیں کرتا۔ اِس کا ایک ہی راستہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نگاہ کا حصول اور اُس کی جستجو کرے۔ پھر عشق رسول ﷺ کے رنگ میں رنگا جائے اور پھر رَفتہ رَفتہ انشاء اللہ اُس کی زندگی سنور جاتی ہے، کردار درست ہو جاتا ہے۔ پچھلی محفل میں میں نے یہ ہی گزارش کی تھی کہ اُس سلسلہ میں درود شریف اپنی ایک اہمیت رکھتا ہے۔ جو بنیادی چیز ہے وہ نگاہِ کامل ہے۔ لیکن اس نگاہ کو حاصل کرنے کے واسطے درود پاک ایک ذریعہ ہے۔ ہمیں زندگی میں بے شمار مصروفیات ہیں، ہم کامل کی محفل میں بھی غافل رہتے ہیں، پوری طرح اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اُس کے واسطے درود پاک ایک ذریعہ ہے۔ جو اُس نگاہ کے حصول میں مدد کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں گزارش کی تھی کہ درود تاج شریف انتہائی اہمیت کا حامل ہے، کہتے ہیں کہ آپ بیتی جگ بیتی سے بہتر ہوتی ہے۔ درود تاج اس سلسلہ میں مجرب ہے کہ جو شخص اس کی کثرت کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں عجز وانکسار پیدا کر دیتا ہے۔ جب تک تکبر کے بارے میں آگاہی نہ دی جائے اُس کا درست طور پر پتہ چلنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس میں آپؒ نے دو چیزیں بیان کی ہیں۔ ایک تو تکبر جس کو میں نے پچھلی دفعہ بھی گزارش کیا اُس کو ملحوظ خاطر رکھا جائے، اپنے عمل سے ہر وقت یہ ٹیسٹ لیتے رہیں کہ کیا جو خامیاں متکبر شخص میں ہوتی ہیں یہ ہمارے اندر تو موجود نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو پھر اُن کو دور کیا جائے اور اپنے اُٹھنے بیٹھنے، رہن سہن، چال ڈھال، کھانے پینے اور سونے جاگنے کے اندر اُن چیزوں کو ہر طریقے سے ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ صاف ظاہر ہے جب کوئی شخص کسی درویش کے ساتھ اپنا ناطہ جوڑتا ہے تو رَفتہ رَفتہ اُس کے اندر یہ چیزیں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ کوئی شخص بھی اپنا آپ آئینہ کے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میں نے اپنا چہرہ دیکھنا ہو تو وہ ویسے دیکھ لوں یہ ممکن نہیں۔ جب تک سامنے آئینہ نہیں ہو گا اپنا آپ نظر نہیں آئے گا۔ اسی طرح کسی کا شیخ، مرشد اس کے واسطے آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس کو اُس کے ذریعے اپنی حیثیت کا پتہ چلتا ہے اور جہاں کہیں خرابی ہوتی ہے شیخ اُس خرابی کی طرف نہ صرف متوجہ ہوتا ہے بلکہ اُس کو دور کرنے کی جستجو کرتا ہے۔ صاف ظاہر ہے جہاں پر پھنسی ہو، پیپ اکٹھی ہوگئی ہو اگر وہاں پر نشتر مارا جائے تو درد ہوتی ہے۔ اِس واسطے بعض اوقات اپنے رہبر کی کچھ باتیں جو لوگ اُن کے پاس رہتے ہیں اُن کو ناگوار بھی گزرتی ہے لیکن حضرت غوث پاکؒ نے اپنی کتاب غُنیتہ الطالبین میں پہلا جملہ ہی یہ فرمایا ہے کہ شیخ کی نہ ظاہر میں گستاخی کرے اور نہ حکم عدولی کرے، نہ باطن میں اُس سے اختلاف کرے کہ باطن میں شیخ پر اعتراض کرنے والا اپنی تباہی کا خواستگار ہے کہ اُس نے اُس کی خامیاں بتائی ہیں اور حقیقت میں دوست وہ ہی ہوتا ہے جو انسان کو اُس کے عیبوں سے آگاہ کرے۔ جس طریقہ کو وہ پسند کرے۔ کسی کو ذلیل کرنا اور بات ہے۔ اُس کو لوگوں کے درمیان ذلیل کرنا غلط بات ہے۔ لیکن کسی کے عیبوں سے کسی کو آگاہ کرنا ایسے طریقہ کے ساتھ کہ

اُس کی عزت نفس متاثر نہ ہو یہ ایک ساتھی کا بھی فرض ہے۔ اگر شیخ مجمع عام میں بھی کہے تو اُس کے کہے میں سبق ہوتا ہے تاکہ دُوسرے سننے والے بھی اُس سے سبق حاصل کریں۔ لہذا اُس کی بات کا کسی بھی طریقہ سے غصہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ زندگی کے تجربے ہیں کہ شیخ کا ہر فرمان اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ جب اللہ پاک کا فیصلہ ہے کہ!

"كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ" (ال عمران:40)

اللہ جو چاہے کرے۔ تو پھر شیخ کا کہنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے اگر وہ نہ چاہے تو وہ نہیں کہتا۔ بہر حال یہ چیز تکبر سے نجات دے دیتی ہے۔ اس کے واسطے شیخ کی صُحبت اختیار کرنا یا محبت کا تعلق رکھنا، اُس کی توجہ حاصل کرنا، جو لوگ اپنے شیوخ کے پاس نہیں رہتے، وہ درود پاک کے ذریعے اُس کی توجہ حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر شیخ طریقت، میری اِس سے مُراد وہ لوگ نہیں جن کو مُریدوں نے پیر بنایا ہے بلکہ وہ لوگ ہیں جن کو حضور سرورِ عالم ﷺ کی طرف سے یہ خلافت عطا کی گئی۔ ہر دور میں شیخِ کامل وہ ہی ہوتا ہے جس کو اُس کا شیخ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی کچہری میں پیش کرتا ہے اور سرکار ﷺ اُس پر کرم فرماتے ہیں۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ نے یہ بات شمس العارفین کے اندر لکھی ہے اور دیگر کتابوں میں بھی یہ بات لکھی ہوئی ہے۔ بہر حال میری اِس سے مُراد وہ شیخ ہے اور ایسے شیخ کا فرمان حقیقت میں اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے اُس میں حکمت ہوتی ہے اور اُس کے ذریعے تکبر سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص دور رہتا ہو اور ہر وقت شیخ کی صُحبت میں نہ بیٹھ سکتا ہو، اُس سے فرق نہیں پڑتا وہ درود پاک کے ذریعے اپنے اندر وہ چیز پیدا کر سکتا ہے۔ انشاء اللہ ۔ پھر اِس کے علاوہ بھی اُس کے طریقے ہیں۔ میں نے اسم اللہ کا رمضان شریف میں سبق دیا تھا اگر کوئی شخص اُس پر عمل کرے تو اُس کا راستہ بڑی جلدی طے ہو جاتا ہے اور سمٹ جاتا ہے۔ اللہ کرے وہ طریقہ کار جس کسی کو شوق پیدا ہو وہ حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

"مُرشد وسے سہہ کوہاں تے مینوں دسے نیڑے ہو

کی ہویا بت اوہلے ہویا اوہ وسے وچ میرے ہو"

"نَحْنُ أَقْرب إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ" (ق:16)

"نحن اقْرب لب لیاسیں جھگڑے کل نبیڑے ہو"

اور پھر فرماتے ہیں کہ!

"جس خانے جانی نظر نہ آوے سجدہ مول نہ دیئے ہو"

علیٰ ھذا القیاس سمجھدار کے لیے اشارہ کافی ہے۔ مُرشد اللہ کا ترجمان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نشانی ہوتا ہے۔ مُرشد خدا نہیں ہوتا۔ اللہ رب العزت شرک سے پاک ہے اور پاک ہے ہر عیب سے، پاک ہے صورت سے، لیکن مُرشد اللہ پاک کا ترجمان ہوتا ہے۔ وہ مُرشد جس کو حضور

علیہ الصلوۃ والسلام کی کرم نوازی اور توجہ کے ساتھ سلیکٹ کیا گیا ہو۔ یہ طریقہ کار قیامت تک اسی طرح جاری رہنا ہے۔ بہر حال تکبر سے بچنے کا طریقہ کار یہ ہی ہے اور جو شخص تکبر سے بچنا چاہتا ہے صاف ظاہر ہے دو خاصیتیں ہیں یا نفرت یا محبت۔ جس دل میں محبت آئے گی نفرت نہیں رہے گی اور اگر نفرت رہے گی تو پھر محبت نہیں ہو گی۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص تکبر والا بھی ہو اور ایمان والا بھی ہو۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ نفرت بھی کرے اور اس کے اندر محبت بھی ہو۔ اللہ پاک نے فرمایا

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ“ (الذاریات:56)

ہم نے جن وانسان کو بندگی کے واسطے پیدا کیا ہے۔ اس آیہ مبارکہ سے پہلے میں نے قُرانِ پاک کی جو آیت تلاوت کی اس میں اللہ پاک نے فرمایا کہ جو تکبر کرے گا ہم اس کو ذلیل ورسوا کر کے جہنم میں داخل کریں گے۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ عزت کے ساتھ دُنیا میں رہیں اور عزت کے ساتھ آخرت میں پیش ہوں ان کے واسطے ضروری ہے کہ وہ اہل محبت میں سے ہوں اہل نفرت میں سے نہ ہوں۔ اہل محبت میں ہونا تکبر سے نجات کے بغیر ممکن نہیں۔ جتنے لوگ محفل میں موجود ہیں میرے سمیت اللہ کریم ہم سب کو تکبر سے محفوظ رکھے اور اللہ ہمیں عجز وانکسار کی دولت عطا فرمائے۔ اس کے ساتھ آپؒ نے خود پسندی پر بھی ایک باب لکھا ہے جس کے بارے میں مختصراً گزارش کرتا ہوں کہ خود پسندی حقیقتاً اپنے آپ کو اچھا سمجھنا۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ خود پسند شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ خوش بخت ہے، اپنی مُراد کے حصول میں کامیاب ہو چکا ہے اس لیے وہ جستجو کرنے سے محروم رہ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم تو بخشے ہوئے ہیں، ایک نماز پڑھی پانچ لاکھ نیکی کا ثواب مل گیا اب ہمیں نمازیں پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ علیٰ ھذ القیاس۔ اس طرح کے جو اعتقادات ہیں وہ انسان کے اندر خود پسندی پیدا کرتے ہیں اور خود پسند شخص بالآخر کسی نہ کسی وقت دھوکے کا شکار ہو جاتا ہے۔ آپؒ نے حضرت مرتضیٰؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آپؓ فرماتے ہیں کہ میں رات سو کر اور صبح ندامت کے ساتھ اٹھ کر عبادت کروں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ساری رات عبادت میں کھڑا رہوں اور صبح اپنے آپ کو تعریف کی نظر سے دیکھوں۔ ساری رات عبادت کروں اور اگلے دن صبح شیشہ لے کر دیکھوں کہ میرے چہرے پر نور آ گیا، میرے چہرے پر چمک آ گئی، کیا میں بڑا عبادت گزار ہو گیا۔ اس سے بہتر ہے کہ میں عشا کی نماز پڑھ کر سو جاؤں اور صبح کی نماز اٹھ کر پڑھوں اور اس چیز کی مجھے شرمندگی اور ندامت ہو کہ یا اللہ میری ساری رات سوئے ہوئے گزر گئی۔ میں رات کو اٹھ نہیں سکا۔ اللہ کریم نے اس سلسلے میں خصوصی ہدایات فرمائی ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے سے گناہ سرزد نہ ہو تو مجھے تم سے اس سے بھی بڑے جرم کا خطرہ ہے اور وہ جرم اپنے آپ کو پسند کرنا ہے۔ اپنی تعریف کرنا۔ اس میں بہت ساری عادتیں پائی جاتی ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ خود پسند شخص کی خود پسندی گناہوں کو بُھول جانے اور نظر انداز کرنے کی دعوت دیتی ہے چنانچہ وہ بعض گناہوں کو بالکل بُھول جاتا ہے اور جن کو یاد رکھتا ہے ان کو بھی معمولی جانتا ہے۔ ان کو اہمیت نہ دیتے ہوئے ان کی بخشش کی جستجو نہیں کرتا۔ بلکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ یہ بھی بخشے جائیں گے۔ اپنے آپ کو اس خوف میں رکھنا ایمان کا ایک حصہ ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ میں خود دن رات کے اندر ستر 70 مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ اگر سَروَرِ کَائنات ﷺ جو معصوم عن الخطاء ہیں ان کا یہ عمل ہے تو پھر خود پسند شخص کتنے بڑے دھوکے میں

مبتلا ہے۔ خود پسند شخص اپنی رائے اور اپنی عقل پر ناز کرتا ہے، مشورہ لینے اور کسی سے پوچھنے سے باز رہتا ہے۔ اپنی مرضی کرتا ہے۔ وہ شخص مشورہ لینا اپنے واسطے عار سمجھتا ہے۔ دوسروں کو یوں دیکھتا ہے کہ جیسے وہ جاہل ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اپنے بارے میں یہ خیال کرتا ہے کہ میں کامیاب ہو چکا ہوں لہذا اب مجھے عمل کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ واضح ہلاکت ہے۔ اگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی راتیں قیام میں گزاری ہیں

"فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ" (الاسراء:79)

نبی پاک ﷺ ہر رات کے پچھلے پہر کو اٹھ کر تہجد ادا فرماتے رہے تو کوئی کتنا عبادت گزار کیوں نہ ہو جائے آپ ﷺ کے عمل سے بڑھ نہیں سکتا۔ اگر اُن کی نماز معاف نہیں ہوئی اور آپ ﷺ نے نوافل بھی جاری رکھے تو یہ ہی اِس چیز کا ثبوت ہے کہ کوئی بھی شخص کبھی بھی اُن سے اپنے آپ کو دور نہ رکھے۔ اپنے آپ کو اتنا بڑا نہ جان لے، اپنی ذات میں نیکوکار نہ بن بیٹھے کہ اپنے واسطے رخصت طلب کرے۔ خود پسندی کے بارے میں حضرت امام غزالیؒ نے کافی زیادہ گزارشات کی ہوئی ہیں لیکن میں اُن میں سے اتنی ہی گزارش کرتا ہوں جو ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ خود پسندی یا اپنے آپ کو پسند کرنا یہ جو شخص علم، عمل اور مال کے ذریعے اپنے نفس میں کمال جانتا ہو آپؒ فرماتے ہیں کہ اس کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دل میں کبھی نہ رکھے کہ یہ علم، عمل اور مال ہمیشہ اُس کے پاس رہے گا، کسی شخص نے کسی کو لمبی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور جب اُس نے سلام پھیرا تو اُس نے دیکھا کہ پیچھے ایک بندہ کھڑا ہے اور وہ اُس کی نماز کو بڑی مستحسن نظروں کے ساتھ دیکھ رہا ہے نمازی نے اُس کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ تم میری نماز پر نہ جانا، تم شیطان کا خیال کرو کہ اُس نے لاکھوں سال عبادت کی اور اپنی ایک غلطی کی وجہ سے راندہ گیا۔ لہذا اپنے عمل، علم اور مال پر ناز نہ کرے کہ کسی وقت بھی اُس کا مال اُس سے جدا ہو سکتا ہے۔ کسی وقت بھی اُس کو مالداری سے غریبی کی حالت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ اور دیگر تمام بزرگانِ دین نے ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ وہ حج کرنے واسطے گیا، اُس کے ساتھ ملازموں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ وہ خود پالکی پر بیٹھا تھا اور اُس کے ملازم اس کے واسطے راستہ بنانے کے واسطے لوگوں کو طعن و تشنیع، زدوکوب، تکلیف اور ایذا دیتے ہوئے نظر آئے۔ آپؒ نے یہ نظارہ دیکھا اور کچھ عرصہ بعد جب آپؒ حج کر کے واپس بغداد آئے تو آپؒ نے دیکھا کہ بغداد کے ایک پل پر ایک شخص اِس حالت میں کھڑا ہے کہ اُس کے بال بڑھے ہوئے ہیں، کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، بڑی ذلیل ورسوا حالت میں ہے۔ آپؒ اُس کو پہچاننے کے لیے غور کے ساتھ دیکھنے لگے۔ اُس شخص نے کہا کہ تم مجھے کیوں دیکھتے ہو۔ آپؒ نے اُس شخص سے کہا کہ تم وہ شخص تو نہیں ہو جو حج کے دوران مکہ مکرمہ میں تکبر کر رہا تھا۔ کہنے لگا کہ ہاں میں وہی ہوں۔ میں نے اُس جگہ بڑائی کی جس جگہ مجھے عاجزی کی ضرورت تھی، لہذا اللہ تعالیٰ نے مجھے ذلیل کر دیا۔ مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔ اِس چیز کو جو شخص اپنے ذہن میں رکھتا ہے وہ خود پسندی کا شکار نہیں ہوتا۔ کہ یہ جو کچھ مجھے ملا ہے یہ اللہ کا دیا ہوا ہے اور جب چاہے لے سکتا ہے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہیں ہو گا تو ایسا شخص پہلے خود پسندی کا شکار ہو گا اور پھر تکبر کا شکار ہو جائے گا۔ خود پسندی تکبر کا ایک ذریعہ ہے۔ اِس کا علاج یہ ہی ہے کہ اُس کا مقابلہ اُس کی ضد کے ساتھ کیا جائے۔ جو شخص اِس مرض کا شکار ہو وہ اپنے اندر عجز وانکسار پیدا کرنے کے واسطے شیخ کامل کی صحبت

اختیار کرے۔ یہ کامل کی مرضی ہے کہ اپنی توجہ کے ساتھ اُس کے اس عیب کو دور کر دے۔ اللہ کے اَمر کی بات ہے۔ شیخ کی مرضی اللہ کے اَمر کی محتاج ہوتی ہے۔ بعض اوقات خصوصی توجہ اور خاص احتیاط کے واسطے کچھ لوگوں کو ٹریٹ کیا جاتا ہے۔ لیکن بہتر ہے کہ معاملہ اِس سے آگے نہ ہی جائے۔ کیونکہ یہ بڑی تکلیف دہ صورت حال ہوتی ہے۔ جس طرح حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ میرا ایک مسئلہ اٹک گیا۔ ایک مقام پر میں ایسا اٹک گیا کہ وہ مسئلہ حل نہیں ہوتا تھا میں نے بڑی عبادت کی، بہت سارے بزرگوں کو ملا لیکن میرا مسئلہ حل نہ ہوا۔ بالآخر میں ایک بزرگ کے مزار پر پہنچا۔ وہاں پر مجھے ایک نقلی صوفیوں کی جماعت ملی جنہوں نے کہا کہ یہ ہم میں سے نہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ بے شک میں اُن میں سے نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے نیچی جگہ پر ٹھہرایا، خود بالا خانے میں تھے، خربوزے کھاتے تھے، اُس کے چھلکے از راہِ تمسخر میرا مذاق اڑانے کے واسطے میرے سر پر پھینکتے تھے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اس طریقہ سے میرا مسئلہ حل ہو گیا اور میں اپنی منزل کو پہنچا۔ اسی طرح میں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا واقعہ میں بیان کر چکا ہوں۔ میں بار بار اُس کو بیان کرنا بے ادبی جانتا ہوں۔ اسی طرح حضرت بایزید بسطامیؒ جنہوں نے محسوس کیا کہ میری عبادت میں لذت و سرور جاتا رہا ہے۔ آپؒ بڑے پریشان ہوئے، بڑا غور کیا اور بالآخر یہ معلوم ہوا کہ جب لوگ میرا ادب و احترام کرتے ہیں تو میرا نفس اُس کے ساتھ موٹا ہوتا ہے اور میں خود تکبر کا شکار ہو رہا ہوں۔ تو آپؒ نے ایک دن رمضان المبارک کا مہینہ تھا، بخار چڑھا ہوا تھا، آپؒ نے روزہ نہیں رکھا ہوا تھا، روٹی لی اور بازار میں کھاتے ہوئے نکل گئے۔ جس نے دیکھا اس نے نفرین بھیجی کہ دیکھو کہ یہ شخص بزرگ بنا پھرتا ہے، اِس کو رمضان کا کوئی احترام نہیں۔ اُس رات آپؒ نے اپنی عبادت کے اندر سرور محسوس کیا۔ اِس کو ملامت کہا جاتا ہے۔ یہ ملامت ایک مشکل طریقہ ہے۔ آج کل ملامت کو exploit کیا جا رہا ہے، فقط اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے واسطے، ان کو لوگوں کے سامنے اچھا دکھانے کے واسطے اُس پر ملامت کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ آج کل یہ ملامت عام ہے۔ ہم نے قرون اولیٰ کے بزرگوں کو فالو کرنا اور اپنے کردار کی تعمیر کرنی ہے لہٰذا اِس چیز کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ تکبر سے نجات کے واسطے آخری طریقہ یہ ہے لیکن یہ سخت طریقہ ہے۔ ہر شخص اِس امتحان میں پورا نہیں اتر سکتا۔ اِس لیے کوشش یہ کی جائے کہ اس سے پہلے ہی کام ہو جائے۔ کیونکہ اِس منزل پر پہنچ کر ہر کسی کا پار ہونا مشکل ہوتا ہے۔ ملامت ایک آخری سٹیج ہے۔ اِس سے پہلے اگر انسان کامل کی توجہ میں رہے تو کامل کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیدا کر دیتا ہے کہ یا اُس کو خود ملامت کا شکار بنا کر دوسروں کی نفرین سے محفوظ کر دیتا ہے۔ بہر حال تکبر سے نجات حاصل کرنا حقیقت کے حصول کے واسطے ضروری ہے۔ اِس کے بغیر نہ عبادت عبادت ہے، نہ شخصیت شخصیت ہے اور نہ ہی کوئی کردار ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں تکبر کو پہچاننے کی اور اِس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ خود پسندی یہ ہے کہ میں اکثر دوستوں کو از راہ تفنن گزارش کرتا ہوں کہ ذرا شیشہ کم دیکھا کریں۔ بندہ اپنی تعریف یہاں سے ہی شروع کرتا ہے۔ جب اُس کو اپنے آپ میں حسن نظر آتا ہے، کوئی شخص بھی بدصورت سے بھی بدصورت جب اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتا ہے اُس کو خود سے زیادہ اور کوئی خوبصورت نہیں نظر آتا یہ حقیقت ہے۔ اِس چیز سے اجتناب ضروری ہے۔ ہمارا اپنا سراپا اللہ اور ہمارے درمیان حجاب ہے۔ اگر ہم اپنا پردہ درمیان میں سے نکال دیں تو پھر اللہ اور بندے کے قُرب کے درمیان کوئی بھی چیز حائل نہیں رہتی۔ اِس کو ہٹانا ہی اصل مقصد ہے۔ بغیر رہبر کی توجہ حاصل کیے اِس سے نجات حاصل کرنی ممکن نہیں۔ اِس

کے لیے ضروری ہے کہ اپنی طرف کم از کم توجہ دی جائے۔ اپنی تعریف سننے سے اجتناب کیا جائے، پرہیز کی جائے، اپنے آپ کو لوگوں میں مشتہر کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اِن چیزوں سے بچیں گے تو تکبر سے نجات مل جائے گی۔ خود پسندی تکبر کی بنیاد ہے۔ تکبر اِنسان کے اَعمال کو تباہ کرنے کا موجب ہے۔ عاجزی اور انکساری کے موضوع پر اس سلسلہ میں آئندہ گفتگو کریں گے۔ انشاء اللہ۔ کہ عجز و انکسار کتنا ضروری ہے ، یہ عبادت کا کیسا جوہر ہے۔ کیونکہ عجز و انکسار تکبر کا الٹ ہے اِس لیے تکبر کا بیان کرنا ضروری تھا۔ اِس سلسلہ میں سوال سے پہلے میں گزارش کر دوں کہ آئندہ جمعرات کیوں کہ عید کے ساتھ متصل آرہی ہے اس واسطے لوگ اپنے معمولات میں مصروف ہوں گے۔ ہم آئندہ جمعرات کو درس کی چھٹی کرتے ہیں۔ لیکن عید والے دن عشا کے بعد حسبِ معمول حضرت آباد مسجد میں عشا کی نماز کے بعد جو غیر رسمی محفل ہوتی ہے، جن کو شوق ہو اُس میں شمولیت فرماسکتے ہیں۔ وہ محفل اِس درس کا قائم مقام ہو گی۔ انشاء اللہ آئندہ بشرطِ توفیق تواضع کے بارے میں گزارش کی جائے گی۔ کسی شخص کو اس سلسلہ میں کوئی ابہام ہو یا کسی چیز کی وضاحت چاہتا ہو تو وہ پوچھ سکتا ہے۔

سوال۔ تکبر اور خود پسندی دو خامیاں ہیں اِن میں فرق کیا ہے؟

جواب۔ خود پسندی اپنی نظروں میں بڑا ہونا، اپنی نظروں میں اچھا ہونا اور اپنی نظروں میں نیک ہونا ہے۔ تکبر دُوسرے کی نظر میں اپنے آپ کو بلند کرنا ہے یہ فرق ہے۔ اس لیے تکبر خود پسندی کی نسبت زیادہ سخت گناہ ہے۔ اِس کا نقصان زیادہ ہے۔ اِس میں حقوق العباد بھی متاثر ہوتے ہیں۔ آج محفل بوجہ نوچندی جمعرات دیر سے شروع ہوئی، دیگر بھی بہت ساری ذمہ داریاں تھیں۔ بخدا ہمارا اِس محفل سے مقصد یہ ہے کہ ہم اُن اصولوں پر عمل درآمد کر سکیں، جو اسلام کے جید اولیا اللہ، علما اور بزرگانِ دین نے مُرتب فرمائے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اُن پر عمل درآمد کر سکیں۔ اُن تعلیمات کو دانستہ عوام الناس سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے، کسی بھی تعلیمی ادارے میں اِن کو نہیں پڑھایا جاتا۔ کسی بھی یونیورسٹی میں اِن پر کوئی لیکچر نہیں ہوتا۔ کوئی ریسرچ ورک نہیں ہوتا۔ حالانکہ پنجاب یونیورسٹی میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی چیئر موجود ہے لیکن کشف المحجوب نہیں پڑھائی جاتی۔ ایسی چیئر کا کیا فائدہ۔ یہ ہماری خواہش ہے کہ پاکستان اور اُمتِ مسلمہ کی یونیورسٹیوں میں تصوف کا موضوع بھی بطور مضمون شامل کیا جائے اور اِس کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ تا کہ ہم اپنے کردار کی تعمیر کر سکیں وگرنہ تصوف کا حلیہ اِس قدر بگاڑ دیا گیا ہے کہ لوگوں کے سامنے جب تصوف کا نام لیا جاتا ہے تو وہ بطور مزاح ہنسنا شروع کر دیتے ہیں۔ اِس کو لوگوں کے طعن و تشنیع کا ایک ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ پیر کا لفظ لوگوں میں ایک بے عزتی کا لفظ بن چکا ہے۔ اِس میں اپنے اور پرائے سب شامل ہیں۔ ہم اُن بزرگ لوگوں کی تعلیمات دیکھیں تو اسلامی معاشرے کا دارومدار ہی انہی تعلیمات پر ہے اور حقیقتاً یہ ہی طریقت اور شریعت مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے اور اِس پر عمل درآمد کرنا تعمیرِ کردار کی ضمانت ہے۔ اللہ پاک ہمارا بیٹھنا اور چند لمحے گزارنا، مل کر نماز پڑھنا، مل کر ذکر اذکار کرنا اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ اللہ پاک ہمارے دلوں کی تاریکی، غفلت اور گُمراہی دور فرمادے۔ اللہ پاک ہمیں نورِ ہدایت عطا فرمائے اور رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سچی غلامی نصیب کرے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف۔20

دورانیہ۔60منٹ۔تاریخ۔24-10-2013

بمقام۔مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کی تمام مخلوقات کو پیدا کیا لیکن انسان اور جنوں کے واسطے زندگی کا لائحہ عمل مقرر کر کے اس کا قُرانِ پاک کے اندر اعلان فرما دیا کہ!

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ" (الذاریات:56)

انسانوں اور جنوں کو ہم نے اس واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ ہمارے بندے بن جائیں۔ جو شخص دُنیا میں آیا ہے اُس کی چاہے جتنی لمبی عمر ہو جائے ایک نہ ایک دن اُس نے لوٹ کر اللہ کے پاس واپس جانا ہے اور اِس بات کا جواب دینا ہے کہ اُس نے اپنی زندگی کس طرح گزاری ہے۔ جس شخص کو اپنی زندگی میں کامیابی کی خواہش ہے وہ اللہ پاک کے اِس فرمان کو مدنظر رکھے۔ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا!

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ◉ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" (الشمس:9،10)

کامیاب ہو گیا وہ جس نے اپنے کردار کو سنوار لیا اور ناکام رہا وہ شخص جس نے اپنے کردار کو نہ سنوارا اُس کو خاک میں ملا دیا۔ اس واسطے یہ ضروری ہے کہ اگر زندگی کامیاب زندگی کہلانے کا حق رکھتی ہے تو صرف اُس شخص کے واسطے جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا اور اپنے کردار کو ٹھیک کر لیا۔ اس کے بغیر اور کوئی راستہ کامیابی کا نہیں ہے۔ اللہ کریم نے قُرانِ پاک میں سورۃ العصر میں ارشاد فرمایا!

"وَالْعَصْرِ ◉ إِنَّ الإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ◉ إِلاَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" (العصر:1،2،3)

قسم ہے زمانہ کی انسان نقصان کے اندر ہے۔ ماسوا اُن کے جن کو ایمان نصیب ہوا اور ان کے عمل اچھے ہوئے۔ اپنے آپ کو سنوارنا یہ انسان کا فرض عین ہے۔ انسان کے پاس اس کے علاوہ کوئی آپشن موجود نہیں، وہ ناکام ہو گا یا کامیاب تیسری کوئی صورت موجود نہیں ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی گزارنے کا لائحہ عمل طے کر لیں کہ کیا ہم نے زندگی رسوائی، ناکامی اور اللہ پاک کی نافرمانی میں گزارنی ہے یا اُس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے کامیابی کے ساتھ گزارنی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ تزکیہ نفس کے دُنیا میں سب سے پہلے امام حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ جنہوں نے تزکیہ نفس پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سرپرستی میں عمل کر کے دکھایا اور نبی پاک ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں اُن کو شرف باریابی نصیب ہوا اور اُن کے واسطے صحابی کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اُن کے بعد آنے والے جو لوگ اِس راستہ پر چلے اُن کو صوفیاء یعنی اہل تصوف کا نام دیا گیا۔ میں ہر درس سے پہلے اس کا بیک گراؤنڈ بیان کرتا ہوں، کہ ہماری اِن نشستوں کا مقصد کیا ہے۔ ہم اپنے اَسلاف کے

طریقہ کار پر چلتے ہوئے اللہ کی رضا کے حصول کے خواہشمند ہیں۔ اس واسطے کہ ہماری دُنیا بھی کامیابی کے ساتھ گزرے، عزت و آبرو کے ساتھ اور ہماری آخرت بھی اچھی ہو۔ ہم جب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو ہم اُس کے بارگاہ میں اِس معاملے میں اِس فرض کو ادا کرنے والے ہوں۔ اِس لیے یہ راستہ اپنانا تزکیہ نفس، تعمیرِ کردار یا تصوف ایک ہی چیز ہیں۔ تصوف حقیقت میں تزکیہ نفس یا تعمیرِ کردار کو کہا جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس سلسلہ میں ایک مقولہ اپنی کتاب کشف المحجوب شریف میں تحریر فرمایا۔ "التصوف حسن الخلق" تصوف اچھے اخلاق کا نام ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اخلاق دو طرح کے ہیں۔ ایک اخلاق اللہ کے ساتھ اور ایک اخلاق اُس کی مخلوق کے ساتھ۔ اللہ کے ساتھ اخلاق یہ ہے کہ انسان اللہ کی نافرمانی نہ کرے، اُس کی مخلوق کے ساتھ اخلاق یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے واسطے مخلوق کے کام آئے اور زندگی تعمیرِ کردار کے حصول کے واسطے بسر کرے۔ اِس اصول کے حصول کے واسطے، اُس کو حاصل کرنے کے واسطے جو راستہ، طریقہ کار جو لائحہ عمل متعین کیا گیا اُس کا نام تصوف ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے تصوف پر ایک پورا باب لکھا ہے۔ ہم اس سلسلہ میں گفتگو کر چکے ہیں۔ ہم نے تصوف کی تعلیم یعنی تعمیرِ کردار، اپنے آپ کو سنوارنے اور اپنی زندگی کو درست کرنے اور اللہ کے نزدیک اُس کو کامیاب زندگی قرار دلانے کے واسطے جس راستہ کا انتخاب کیا ہے اُس کا نام تصوف ہے۔ اِس سلسلہ میں کچھ رہنما کتابیں بزرگانِ دین نے لکھی ہیں جو عالمِ اسلام کے بڑے بڑے مشہور نام ہیں۔ جن میں "غُنیۃ الطالبین" سیدنا غوث اعظمؒ اور "قوت القلوب" حضرت امام ابو طالب حارث مکیؒ، "رسالہ قشیریہ" امام ابو القاسم قشیریؒ، "عوارف المعارف" شیخ شہاب الدین سُہروردیؒ، "احیاء العلوم" حضرت امام غزالیؒ اور "کشف المحجوب" حضرت داتا گنج بخشؒ اور دیگر کی کتابیں بھی موجود ہیں۔ ہم اِن کتابوں کو ریفرنس بکس کے طور پر اپنے ساتھ لے کر چل رہے ہیں۔ تا کہ قرونِ اولیٰ کے اِن بزرگوں نے جو کامیاب زندگی گزاری، جس اصول اور طریقہ کار کا ہمیں پتہ دیا ہم اُن کی رہنمائی میں اپنی زندگیاں اُس کے مطابق گزار سکیں۔ اس سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے ہم عوارف المعارف کے باب اخلاق کے سبق تواضع پر پہنچے ہیں۔ خشوع و خضوع اور تواضع۔ لیکن اس سے پہلے تواضع کا دُوسرا پہلو جس کا نام تکبر ہے اس کا بیان کرنا ضروری تھا اور گزشتہ چند نشستوں میں تکبر کے سلسلہ میں گزارشات کی گئیں۔ تا کہ تواضع کا مفہوم واضح ہو سکے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ دو چیزیں جو انسان کے اخلاق اور کردار کو تباہ کرتی ہیں اُن میں سے ایک خود پسندی اور دُوسرا تکبر ہے۔ خود پسندی میں انسان اپنی نظروں میں اپنی بڑائی کا اظہار کرتا ہے، تکبر میں دوسروں کے سامنے اپنی نام نہاد بڑائی کا اظہار کرتا ہے۔ جب کہ درحقیقت انسان کی اپنی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قُرانِ پاک میں جگہ جگہ انسان کو اِس کی حقیقت یاد دلائی ہے۔ میں صرف ایک واقعہ میں اِس کا تذکرہ کر دیتا ہوں تا کہ سمجھ آ جائے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے ایام شہزادگی میں جب ابھی وہ خلیفہ نہیں بنے تھے، اموی خاندان سے اُن کا تعلق ہے۔ جب ابھی وہ خلیفہ نہیں بنے تھے تو آپ کو ایک بزرگ نے مکہ مکرمہ میں اکڑ اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اُن کو بلا کر فرمایا کہ اے عمر بن عبد العزیز تیری ابتداء ایک بدبودار قطرے سے ہوئی اور تیری انتہا ایک مردار کی صورت میں ہونی ہے۔ تم دُنیا میں اپنے اندر غلاظت لے کر پھر رہے ہو، تیری یہ حقیقت ہے اور تم اِس بات پر اکڑ رہے ہو۔

حقیقت یہ ہی ہے کہ ہماری اصلیت اتنی سی ہی ہے کہ ابتداء اور انتہا دونوں ناچیز ہیں۔زندگی میں انسان اپنے پیٹ میں غلاظت لیے پھرتا ہے،اس کے ہوتے ہوئے تکبر کرے، بڑائی کرے تو یہ پھر اس کی کم فہمی اور نادانی ہے۔ بہرحال تکبر کے سلسلہ میں گزارشات کی گئیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت امام غزالیؒ نے اس سلسلہ میں تفصیلاً اس موضوع کو بیان کیا ہے گزشتہ محافل میں حضرت امام غزالیؒ کے بقول تکبر کی اصلاح کے واسطے دو طریقہ کار بیان فرمائے ہیں، جو میں نے گزارش کیے۔ ان میں سے ایک جو سب سے زیادہ ضروری ہے اور دُوسرے طریقہ پر حاوی ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ انسان اپنی حقیقت پر غور کرے کہ اُس کی عزت، اُس کا حسب ونسب، اُس کی دولت، اُس کا اقتدار، اُس کی جوانی یہ سب ڈھل جانے والی ہیں اور اِن پر کبھی بھی وہ تکبر نہ کرے۔ دُوسری جو سب سے بنیادی چیز ہے کہ کسی اللہ کے بندے سے وابستہ ہو کر اس سے حقیقت میں ادب کی تعلیم لے۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ نے بھی فرمایا کہ!

"علم پڑھیا پر اَدب نہ سِکھیا کی لینا علم نُوں پڑھ کے ہُو"

اِس میں ضروری ہے کہ انسان اپنی زندگی میں تکبر سے جس حد تک بچ سکے بچے، کیونکہ تکبر ایک ایسا زہر ہے جو انسان کے کردار کو اِس طرح تباہ و برباد کر دیتا ہے کہ جس طرح کسی کمرے میں دھواں اور آگ جلتی رہے تو اُس کے اندر دیواریں کالی ہو جاتی ہیں۔ اِس طرح تکبر انسان کو حسد اور کینہ کے اندر مبتلا کرتا ہے اگر وہ کچھ کر سکتا ہو اور اگر اُس کی طاقت نہ ہو تو پھر وہ مایوسی کے اندر مبتلا کر کے اُس کا ایمان ختم کر دیتا ہے۔ اِس واسطے تعمیرِ کردار میں تکبر سے بچنا از حد ضروری ہے۔ اِس سلسلہ میں اخلاق کے حصول واسطے آپؒ نے جو مضمون بیان فرمایا وہ آج ہم "رسالہ قشیریہ" از حضرت امام ابو القاسم قشیریؒ جو حضرت داتا گنج بخشؒ کے اُستاد شمار ہوتے ہیں۔ آپؒ نے اپنی کتاب میں اُستاد ابو القاسم لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا!

"قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ" (المومنون:1،2)

بے شک مُراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز کے اندر خشوع و خضوع کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔ آپؒ نے خشوع و خضوع اور تواضع کی جو تعریف بیان فرمائی ہے وہ درج ذیل ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ خشوع اللہ کے سامنے عجز وانکسار کو کہتے ہیں اور تواضع اپنے آپ کو حق کے سپرد کر دینے کو کہتے ہیں، اُس کے حکم پر اعتراض نہ کرنے کو کہتے ہیں۔ بہرحال تواضع ایک ایسا لفظ ہے جس کے معانی بڑے جامع ہیں، یہ تکبر کا اُلٹ ہے۔ تکبر کے اندر بڑائی، اپنی جھوٹی انا کا اظہار کیا جاتا ہے۔ تواضع میں اپنی عاجزی کا اظہار کیا جاتا ہے اِس طریقہ کے ساتھ کہ اُس میں ذلت نہ پائی جائے۔ عزت بھی ہو اور عجز وانکسار بھی ہو۔ رسول پاک ﷺ کا تواضع اِس طرح کا تھا کہ آپ ﷺ کے تواضع میں ذلت کا شائبہ تک نہیں تھا۔ حضرت امام ابو القاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام تواضع فرماتے لیکن اُس میں ذلت کا پہلو نہیں ہوتا تھا، سخاوت فرماتے تھے لیکن اُس میں اسراف نہیں تھا، غمگین ہوتے تھے لیکن ترش رو نہیں ہوتے تھے۔ ہر کسی کے ساتھ خندہ پیشانی اور تبسم کے ساتھ پیش آتے تھے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نرم خو اور نرم اخلاق والے تھے۔ کریم الطبع، اچھا میل جول رکھنے والے، کسی کو سلام کرتے تھے تو

پہل فرماتے تھے، دُوسرے کے سلام کرنے کا انتظار نہیں فرماتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے کپڑے کو خود پیوند لگاتے تھے، اپنے جانور کو خود چارہ ڈالتے تھے، گھر کے اندر خود جھاڑو دے لیتے تھے، اپنے جوتے مُبارک کو خود مرمت فرماتے تھے اور اپنے خادم کے ساتھ کھانا کھانے میں تکبر محسوس نہیں فرماتے تھے۔ یہ تواضع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کو ہم نے بہترین اخلاق عطا فرمائے ہیں تو یہ خلق عظیم کی ایک نشانی ہے، "وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ"(القلم:4) آپ ﷺ کی یہ ایک مثال ہے، نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا جائزہ لیا جائے اور اُس سے اپنی زندگی میں رہنمائی حاصل کی جائے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہر مسلمان پر رحم فرمانے والے، نبی کریم ﷺ اتنا پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے کہ جس کے ساتھ ڈکار آئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کبھی بھی لالچ کے طور پر کسی بھی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ یہ تواضع ہے۔ دوسروں کے ساتھ تواضع یہ ہے کہ انسان اُن کے ساتھ تکبر کا سلوک نہ کرے۔ تکبر کے بارے میں میں تفصیلاً دو دفعہ گزارش کر چکا ہوں۔

جب متکبر شخص لوگوں کے ساتھ میل جول کرتا ہے تو اُس کا اُن کے ساتھ رویہ کیسا ہوتا ہے، اُس رویہ کا الٹ تواضع ہے۔ بندہ اپنے آپ کو عجز و انکسار میں رکھے، دوسروں کو اپنے برابر یا اپنے سے بہتر جانے۔ متکبر ہمیشہ دوسروں کو اپنے سے کم تر جانتا ہے۔ لیکن جو شخص اخلاق کی بہتری کا خواہش مند ہے وہ دوسروں کو اپنے سے بہتر جانتا ہے، اُس میں اِسی وجہ سے ایمان داخل ہوتا ہے۔ اگر تکبر ہو تو تکبر ایک اندھیرا ہے جو ایمان کی روشنی قائم نہیں رہنے دیتا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوا وہ جنت میں نہیں جائے گا اور جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوا وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بیمار کی بیمار پرسی، عیادت فرماتے تھے، غُلام کی دعوت قبول کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام غُلام کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی نوش فرماتے تھے۔ پہلے بھی محفل میں نے یہ گزارش کی تھی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی محفل میں ایک چیچک شدہ شخص آیا جب صحابہ کرامؓ کھانا کھا رہے تھے۔ وہ جس بھی صحابی کے پاس بیٹھنے لگتا تو وہ کھانا چھوڑ کر کراہت کی وجہ سے کھڑا ہو جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اُس شخص کو اپنے پاس بلایا اور اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ نبی کریم ﷺ کے اخلاق یہ تھے۔ اس لیے کوشش یہ کرنی چاہیے کہ اپنے رویئے میں عجز و انکسار پیدا کیا جائے تا کہ اللہ کی رحمت ہمارے قریب آسکے۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ تم اپنے دین میں سب سے پہلے جو چیز سب سے پہلے گم محسوس کرو گے وہ خشوع ہے اور جب خشوع کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دل کا پورے ارادے کے ساتھ کھڑا ہو جانا عجز و انکسار کے ساتھ اس کا نام خشوع ہے۔ خشوع کی علامت یہ ہے کہ اگر بندے کو غصہ دلایا جائے، اُس کی مخالفت کی جائے تو وہ غصہ نہ ہو، اُس کو غصہ نہ آئے، اُس کی طبیعت میں تپش پیدا نہ ہو یہ صاحب خشوع اور صاحب انکسار کی علامت ہے۔ اگر کسی شخص کو غصہ دلایا جائے اور اُس کو غصہ نہ آئے اور وہ ہر ناپسندیدہ بات کو جذب کر جائے، برداشت کر جائے وہ شخص صاحبِ تواضع ہے۔ جب تک تواضع نصیب نہیں ہوتی اُس وقت تک انسان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا۔ حضرت محمد بن علی ترمذی کا قول آپؒ نے درج فرمایا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ خشوع کرنے والا شخص وہ ہے جس کی خواہش کی آگ بجھ جائے، اس کے سینہ کا دھواں ٹھہر جائے اور اُس کے دل میں اللہ کی تعظیم کا نور چمکے۔ جب کسی شخص کے دل میں کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے تو پھر وہ جائز و ناجائز طریقہ کے ساتھ اُس کو پورا کرنے

کی کوشش کرتا ہے تا آنکہ اپنی عاقبت برباد کر بیٹھتا ہے۔ اپنے آپ پر اِس معاملے میں کنٹرول کرنا، اپنے غصے پر کنٹرول کرنا، اپنی خواہش پر کنٹرول کرنا اِس کا نام تواضع ہے۔ یہ چیز اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک انسان کو اہل اللہ کی صُحبت کے ساتھ یہ مقام حاصل نہ ہو جائے کہ اُس کے دل میں بھی ایمان کی روشنی جگمگا جائے۔ کیونکہ انسان کی طبیعت کا رجحان جو اللہ پاک نے بنایا ہے وہ اُس کے فرمان کے مطابق، اللہ پاک نے فرمایا کہ اللہ نے انسان کو بہترین صورت کے اندر پیدا کیا!

"فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ" (التین:4،5)

پھر اس کے رجحان کو پستیوں کی طرف دھکیل دیا۔ جو شخص زندگی اِس رجحان کے بر خلاف گزارتا ہے وہ اُس مچھلی کی طرح جو پانی کے مخالف سمت چلتی ہے، وہ ہی حقیقتاً "إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً" (البقرۃ:30) کے مقام کے حصول کا حقدار ٹھہرتا ہے، وہ ہی اللہ کی نظر میں پسندیدہ قرار پاتا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو پھر اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے اندر بُرائی پر صبر نہیں ہے تو وہ لوگ جانور بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ان کو خلیفۃ فی الارض نہیں کہا جا سکتا۔ خلیفۃ فی الارض اللہ پاک کا ترجمان ہوتا ہے یہ بہت بڑی بات ہے۔ کسی بھی ملک کا سفیر سب کو پتہ ہے کہ اس کو عزت مآب کہا جاتا ہے، اس کے واسطے خاص پروٹوکول ہوتا ہے، کیونکہ وہ اپنے ملک کا ترجمان ہوتا ہے۔ جو اللہ کا ترجمان ہوتا ہے اس کا ادب واحترام اس دُنیا کی ہر مخلوق کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے پڑھا کہ حضرت ابراہیمؒ بن ادھم جب اپنی بادشاہی چھوڑ کر جنگلوں میں نکل گئے تو ان کے مصاحب اور درباری ان کو تلاش کرتے جنگل میں پہنچے۔ آپ ایک دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور اپنی گُدڑی کو سوئی دھاگے کے ساتھ پیوند لگا رہے تھے۔ اُن کے درباریوں نے اُن سے کہا کہ حضرت کہاں آپ اتنی اعلیٰ پوشاکیں پہنتے تھے اور تخت پر بیٹھتے تھے، آج آپ ریت پر بیٹھے ہوئے ہیں، پھٹے ہوئے کپڑے آپ کے پاس ہیں۔ آپ نے یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے، ہم آپ کو واپس لے جانے کے واسطے آئے ہیں، آئیں آپ اپنے مقام پر واپس لوٹ جائیں۔ آپؒ نے اپنی سوئی دریا میں گرائی اور فرمایا دریا کی مچھلیو! میری سوئی واپس لے کر آؤ، لوگوں نے دیکھا کہ مچھلیوں نے مختلف چیزیں منہ میں لے کر دریا میں سے منہ باہر نکال لیے، کسی مچھلی کے منہ میں جواہرات، کسی کے منہ میں کوئی نعمت تھی اور کسی کے منہ میں کوئی اور نعمت، آپؒ نے فرمایا مجھے ان میں سے کچھ بھی نہیں چاہیے، مجھے میری سوئی چاہیے۔ ایک مچھلی آئی اور سوئی رکھ کر واپس چلی گئی۔ آپؒ اپنے درباریوں کو مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ کیا یہ بادشاہی مجھے وہاں پر مل سکتی ہے تو انہوں نے کہا کہ جی یہ وہاں پر ممکن نہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ میں نے چھوٹی بادشاہی چھوڑ کر بڑی بادشاہی حاصل کر لی ہے۔ بحر حال عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب تک انسان اپنی خواہش پر کنٹرول نہیں کرتا اُس وقت تک وہ ترجمان الٰہی نہیں بن سکتا

"إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً" (البقرۃ:30)

اللہ کریم نے اعلان فرمایا ہے، یہ مقام انسان کے واسطے مخصوص کیا ہے۔ لیکن غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ پاک نے "خالق فی الارض خلیفۃ" نہیں فرمایا بلکہ جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً" (البقرۃ:30)

خلیفہ پیدا ہی نہیں کیا۔ پیدا ہونے سے کوئی خلیفہ نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ!

”عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی　　　یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری“

خلیفۃ فی الارض بننے کے واسطے تعمیرِ کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں صاف ظاہر ہے کہ کسی نے جو ہنر حاصل کرنا ہے اُس کے لیے اُس کے صاحبِ ہنر کے ساتھ ملنا پڑے گا، اُس کے ساتھ اپنا ربط بنانا ہو گا تب ہی وہ ہنر مل سکتا ہے۔ اگر کوئی لوہار بننا چاہے تو وہ لوہار کی شاگردی اختیار کرے گا۔ سُنار بننا چاہے تو سُنار کی شاگردی اختیار کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی اپنے کردار کی تعمیر کرنا چاہے تو صاحبِ کردار کی صُحبت اُس کے واسطے انتہائی ضروری ہے۔ صاحبِ کردار صرف اپنی زُبانِ گُفتار کے ساتھ اصلاح نہیں کرتا بلکہ زبانِ کردار کے ساتھ اصلاح کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ!

”کام کرتی ہے ساقی کی نظر　　　میکدے میں گردش جام برائے نام ہے“

اُس کی نگاہ میں وہ اثر ہوتا ہے کہ اس کی نگاہ تقدیر بدل کر رکھ دیتی ہے!

”کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُن کے زور بازو کا　　　نگاہ مَردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں“

اُس کے واسطے اُس کے حصول کا ہر جگہ یہ ہی طریقہ ہے کہ انسان صاحبِ کردار کے ساتھ اٹھے بیٹھے، اُس کے ساتھ اپنا ربط بڑھائے تا کہ اُس کو اپنی زندگی کا مقصد یعنی خلیفۃ فی الارض کا مقام حاصل ہو سکے وگرنہ فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا تھا۔ اگر انسان اپنے کردار کی اصلاح نہیں کرتا تو کل کو اُس کو آدم علیہ السلام کے سامنے بھی اور فرشتوں کے سامنے بھی شرمسار ہونا ہو گا۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے خشوع اور اس کی تواضع کی علامت ہے کہ اگر کوئی بات اُس کو غصہ دلانے کی کی جائے تو اُس کو غصہ نہ آئے وہ برداشت کرے۔ یہ بڑا پن ہے، یہ وسیع الظرفی ہے۔ کہتے ہیں کہ!

”کہہ رہا تھا مجھ سے سمندر کا سکوت　　　جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے“

اس کے واسطے ایک علامت یہ ہے اور دُوسری علامت یہ ہے کہ انسان اپنی خواہش کی پیروی نہ کرے۔ اس کے واسطے ہی اللہ پاک نے فرمایا تھا کہ!

”وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ“(العصر:103)

حق کی تلقین کرے اور صبر کی۔ صبر یہ ہے کہ انسان ہر اُس بات سے اجتناب کرے جو اللہ کو ناپسند ہے، انسان کی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ کسی بھی صورت رہ نہیں سکتا۔ جس طرح شیر کے سامنے گوشت ڈال دیا جائے اور پھر اُس کو سمجھایا جائے کہ یہ گوشت کھانا مت، اُس کو کوئی اثر نہیں ہو گا۔ اُس کی جبلت ہے کہ بھوکا شیر گوشت کی طرف چھلانگ لگائے گا۔ کسی کو اللہ تعالیٰ عشق کی طاقت عطا فرما دے، اُس عشق کے حصول کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ وہ اُن لوگوں کے سنگ لگ جائے جن کو اللہ پاک نے یہ نعمت عطا فرمائی ہوتی ہے۔ اسی طرح آپؒ نے جو مضمون بیان فرمایا ہے اُس میں آپؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی قدر نہیں گھٹاتا، دوسروں کے نزدیک اُس کی قدر بلند نہیں کی جاتی۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی نظروں میں اپنے آپ کو بڑا جانے لوگوں کی نظروں میں وہ کبھی بڑا نہیں ہوتا۔ بڑا وہ ہی ہوتا ہے جو اپنی نظروں میں اپنے

آپ کو کمتر جانتا ہے۔ اگر انسان اپنی نظروں میں خود پسندی اور تکبر کا شکار ہو جائے تو اُس پر کوئی بھی شخص رحم نہیں کرتا ہے۔ حضرت امام ابو القاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ تواضع ایک نعمت ہے، اِس نعمت پر کوئی حسد نہیں کرتا۔ کوئی شخص عجز و انکسار کا اظہار کرے اُس کے ساتھ کوئی حسد نہیں کرے گا۔ جس کے اندر تکبر ہے اُس کے اوپر کوئی رحم نہیں کرتا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ عزت تواضع کے اندر ہے۔ جو شخص تکبر کر کے عزت تلاش کرتا ہے وہ عزت کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ چاہے اُس کے سامنے لوگ اس کو سلام کر بھی لیں، اُس کی پیٹھ پیچھے اُس کی بُرائی کریں گے۔ عزت و آبرو یہ ہمیشہ تواضع کے اندر پائی جاتی ہے۔ تواضع نہ صرف انسان کے اپنے کردار کو درست کرتا ہے بلکہ لوگوں کی نظروں میں اُسے عزت والا، تعظیم والا اور قدر والا بنا دیتا ہے۔ اسی طرح آپؒ نے مختلف مثالیں بیان کی ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوتے ہوئے بھی آپؓ کا یہ عمل تھا کہ آپؓ غریبوں کے گھر پانی کا مشکیزہ اٹھا کر جا کر پانی بھر آیا کرتے تھے۔ لوگوں کے کام کرتے تھے، اُن کو سودا لا کر دیا کرتے تھے، اسی طرح لکڑیاں اٹھا کر غریبوں کے گھر پہنچاتے تھے۔ آٹا اُٹھا کر پہنچاتے تھے۔ یہ اُن کے تواضع کی نشانی تھی۔ حضرت عبد اللہ رازی کا قول بیان فرمایا ہے کہ کسی امتیاز کے بغیر خدمت کرنا تواضع ہے۔ یہ نہیں کہ انسان اپنے سے برتر آدمی کی خوشامد واسطے اُس کی خدمت کرے اور اگر کوئی غریب آدمی آ جائے تو اُس سے بے اعتنائی برتے اور اُس کی طرف توجہ نہ دے۔ تواضع یہ ہے کہ بغیر کسی امتیاز کے غریب اور امیر کی ایک طرح سے خدمت کرے۔ امیر کو زیادہ پروٹوکول اور غریب کو اُس کے مقابلے میں اپنی نظر میں کم تر نہ کرے۔ اسی طرح آپؒ نے دیگر مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ ایک متکبر شخص کی مثال جو دیگر بزرگوں نے بھی بیان فرمائی ہے، ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں نے طواف کے دوران ایک شخص کو دیکھا کہ اُس کے نوکر اُس کے آگے آگے لوگوں کو طواف سے روک کر اُس کو جگہ فراہم کر رہے تھے۔ دوسروں کا راستہ روک کر اُس کو گزارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مدت کے بعد بغداد کے ایک پل پر ایک شخص کو سوال کرتے ہوئے دیکھا شکستہ حال اور پھٹے پُرانے کپڑوں میں بیٹھا تھا۔ میں نے اُس کو غور کے ساتھ دیکھا تو اُس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا دیکھتے ہو۔ میں نے کہا کہ مجھے لگ رہا ہے کہ تم وہی شخص ہو جس کے واسطے لوگ مسجد الحرام میں دوسروں کا راستہ روکتے تھے۔ اُس نے کہا کہ میں واقعی وہی ہوں کہ میں نے اُس جگہ تکبر کیا جہاں پر لوگ عجز و انکسار کرتے ہیں۔ اللہ نے مجھے اُس جگہ ذلت میں مبتلا کر دیا جہاں لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اس چیز کا خیال کرنا چاہیے۔ آج صبح میں نے اپنے ساتھیوں کو دست بستہ اور تاکید کے ساتھ یہ گزارش کی کہ براہ کرم کسی شخص کو کسی شخص کے گزرنے کے واسطے نہ روکا جائے، کسی کو غیر ضروری پروٹوکول نہ دیا جائے یہ اللہ کو پسند نہیں۔ ہم میں سے اس کی نظروں میں کون بہتر ہے اور کون بدتر ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ پاک ہر شخص کی اصلیت اور اوقات سے واقف کار ہے، حتی الامکان عجز کرنے والا اللہ پاک کی نگاہوں میں پسندیدہ ہوتا ہے۔ میں اپنا واقعہ بھی بیان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو ایثار اور تواضع اس قدر پسند ہے کہ اللہ کریم اِس کا اجر عطا فرماتا ہے۔ جب میں حج پر گیا، پہلے میں نے یہ واقعہ شاید چند لوگوں کے سامنے بیان کیا ہے، حج کے دنوں میں طواف کرتے ہوئے کیونکہ حجر اسود کے ارد گرد بڑا ہجوم ہوتا ہے، جب تک بندہ کسی دوسرے کو کھینچ کر پیچھے نہ کرے وہ بوسہ نہیں دے سکتا۔ تو میں نے احتیاطاً پیچھے دور کھڑے ہو کر اشارہ کر کے بوسہ کر لیا کرتا تھا، اس کو استراحاً کہتے ہیں یہ اس واسطے کرتا تھا کہ میں خود کو کسی پر ترجیح نہ دے بیٹھوں۔ اللہ کریم کو یہ چیز پسند

آئی۔ اللہ پاک نے مجھے ایک ایسے طواف کا موقع عطا فرمایا کہ جس میں صرف ایک طواف کرنے والا تھا اور وہ ہر چکر میں حجرِ اسود کو بوسہ دے کر طواف کرتا تھا۔ اللہ کریم کسی کے عمل کو کبھی بھی نظر انداز نہیں فرماتا۔ اِس واسطے اپنی زندگی کا یہ اصول بنالیں کہ دُوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دی جائے اور کسی سے اپنے آپ کو بڑا نہ بنایا جائے، کسی کی ضرورت کو روک کر اپنی ضرورت کو پورا نہ کیا جائے۔ انسان کسی کے غصہ دلانے پر سیخ پا نہ ہو ماسوا اِس کے کہ وہ اللہ کی خاطر ہو یا اِصلاح کی خاطر ہو۔ کسی کی اِصلاح کی خاطر یا اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اِس کے علاوہ انسان کسی کے غصہ دلانے پر غصہ میں نہ آئے یہ ایمان کی نشانی ہے۔ اگر بندہ فوری طور پر سیخ پا ہو جائے گا اور ریش (Rash) ہو جائے گا تو اِس کا مطلب ہو گا کہ اس کے اندر ابھی ایمان داخل نہیں ہوا۔ یہ پریکٹیکل پوائنٹ ہے، اِس کا خیال کرنا چاہیے۔ اسی طرح اِس میں انہوں نے اور بہت ساری مثالیں بیان کی ہیں میں چند ایک ضروری عرض کرتا ہوں تاکہ وقت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ جو میں موضوع بیان کر رہا ہوں اس میں نفسِ مضمون کی طرف ساتھیوں کی توجہ مبذول رہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ وہ ہی بزرگ ہیں جو بادشاہی چھوڑ کر فقیری کی طرف آئے تھے۔ حضرت امام قشیریؒ، حضرت امام غزالیؒ اور حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی ان کے واقعات کو درج فرمایا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں اسلام کی حالت میں تین دفعہ اپنی خوشی کی انتہا پر پہنچا، ایک دفعہ میں کشتی میں تھا جس میں ایک شخص لوگوں کو ہنساتا تھا، مسخرا تھا اور کہتا تھا کہ ہم ترکوں کے علاقہ میں کفار کو یوں پکڑتے تھے جیسے وہ میرے سر کے بالوں کو پکڑ کو جھٹکا دیتا تھا، مجھے خوشی ہوئی کہ اِس کی نظر میں کشتی میں میرے سے حقیر کوئی شخص نہیں تھا۔ دُوسری بار اُس وقت جب میں مسجد میں بیمار تھا، مؤذن داخل ہوا، اُس نے مجھے کہا کہ باہر نکلو، میرے اندر طاقت نہ تھی وہ مجھے گھسیٹتا ہوا باہر لایا اور مسجد سے باہر پھینک دیا۔ تیسرا اُس وقت جب میں ملک شام میں تھا، میں نے پوستین پہن رکھی تھی، میں نے دیکھا اور میں اپنے بالوں اور جوؤں میں امتیاز نہ کر سکا، مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے کبھی بھی اپنے آپ کو اپنی نظروں میں پسندیدہ قرار نہیں دیا۔ بہر حال یہ لوگ تو اپنی عظمت کی انتہا تک پہنچے تھے لیکن ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے کردار کی تعمیر کے واسطے کم از کم اپنے آپ کو دُوسرے سے بڑا نہ جانیں، تواضع کریں، جب کسی سے ملیں تو اُس کے ساتھ خوش اخلاقی، خندہ پیشانی اور محبت کے ساتھ چاہے ہمیں کتنی تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جب کوئی بوڑھا بندہ ہوتا ہے اور اُس کو بات سمجھ میں نہیں آتی، تو اُس کو ساتھی سمجھاتے ہیں کہ بابا جی یہ دوائی اتنی دفعہ استعمال کرنی ہے، وہ اگر دُوسری دفعہ پوچھ بیٹھے، تیسری دفعہ پوچھ بیٹھے تو سیخ پا ہو جاتے ہیں، اُس کے ساتھ تُرش رو ہو کر بولتے ہیں، اُس کو جھاڑ دیتے ہیں۔ ایسا کرنا درویش کے شایانِ شان نہیں۔ یہ چیز انسان کی درویشی کو نقصان پہنچاتی ہے۔ تُرش رو نہیں ہونا، خندہ پیشانی کے ساتھ بولنا چاہیے کوئی کسی طرح کا بھی رویہ اختیار کرے یہ بڑے دل گردے کا کام ہے اور اِس کی مشق کرنی چاہیے۔ اپنے دل کو اِس طرف راغب کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ خندہ پیشانی اور کسی کے ساتھ ہنس کر بولنا یہ عبادت ہے۔ تُرش بولنا، کسی کو اُس کی بات کا جواب دینا ہو تو کوئی بندہ اوئے کر کے بھی دے سکتا ہے، جی کر کے بھی دے سکتا ہے۔ زبان کی حرکت میں فرق کوئی نہیں لیکن اُس کے ساتھ بہت زیادہ فرق پڑ جاتا ہے۔ اُس بندے کا مقام اللہ کی نظروں میں گر جاتا ہے جو کسی کے ساتھ بد اخلاق ہوتا ہے۔ لہذا اپنے سے کم تر ہو یا برتر ہو ایک طرح کا رویہ اخلاق رکھا جائے، کسی کے ساتھ تُرش رُوئی کے ساتھ پیش نہ آنا کہ اگر کسی کا آپ دل نہیں رکھتے، اُس کی دل شکنی کرتے ہو، اُس کو آپ کی

بات پسند نہیں آتی، وہ اپنے دل کے اندر بوجھ لے کر چلا جاتا ہے تو بخدا آپ گویا یہ جان لیں کہ آپ نے اللہ کو ناراض کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ حضرت ابو بکر شبلیؒ کی زبان میں لکنت تھی۔ آپؒ نماز کی جماعت کروا رہے تھے۔ آپؒ کے مُرشد حضرت جنید بغدادیؒ تشریف لے آئے۔ آپؒ نے اُن کی تلاوت سنی، اُنہوں نے ابھی نماز ادا کرنا تھی۔ لیکن جب اُنہوں نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر شبلیؒ سورۃ الحمد اُس طرح نہیں پڑھ رہے جس طرح پڑھنی چاہیے تو آپؒ لوٹ گئے اور اپنی نماز علیحدہ پڑھی۔ اُس کے بعد رات کو دیکھا کہ ایک فرشتے نے اُن سے کہا کہ آپ اللہ کی رضا کو پہنچ چکے تھے لیکن آپ نے اللہ کی رضا کو چھوڑ دیا اور اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھی۔ فقط اپنی بڑائی کو مد نظر رکھتے ہوئے معاذ اللہ انسان کسی کو کم تر جانے تو بڑے بڑے لوگوں کی بھی پکڑ ہو جاتی ہے۔ اللہ رب العزت اِس چیز سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جب کسی شخص کے ساتھ مخاطب ہوں، اپنے آپ کو کم تر جان کر جناب، جی، آپ کہہ کر اُس سے ملیں۔ ہم نے جناب اُس کو نہیں کہنا بلکہ ہم نے تو جناب اُس کو کہنا ہے جو اُس کا بنانے والا ہے۔ اِس سلسلہ میں بخدا میرا ذاتی عمل یہ ہے کہ میں کسی جانور کو بھی کبھی تحقیر کی نظر کے ساتھ نہیں دیکھتا۔ اِس واسطے کہ بے شک جانور اُس چیز سے آگاہ نہیں کہ ہم اُس کو کیا کہہ رہے ہیں یا کیسی نظر کے ساتھ دیکھ رہے ہیں لیکن اُس کا بنانے والا تو دیکھ رہا ہے۔ اِس کو مد نظر رکھتے ہوئے دلجوئی کرنا ہر اُس شخص کا شیوہ ہونا چاہیے جو اللہ پاک کا پسندیدہ بننا چاہتا ہے، اپنے رب کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ اپنے رب کی بنائی ہوئی کسی بھی چیز کے ساتھ وہ شخص نہ ریش ہو، نہ غصہ دکھائے، نہ ترش رو ہو، نہ اُس کے ساتھ کینہ رکھے، نہ اُس سے حسد کرے۔ یہ کامیابی کا راستہ ہے۔ اللہ کرے کہ ہمیں یہ راستہ حاصل ہو جائے، جب انسان اِس راستہ پر چل پڑتا ہے تو میں نے دو نشانیاں عرض کی ہیں کہ انسان غصہ دلانے سے غصے میں نہیں آتا اور اُس بات کو ٹال دیتا ہے۔

"کہہ رہا تھا مجھ سے سمندر کا سکوت　　　جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے"

فرض کریں آپ اُس شخص کی بات کا جواب نہیں دینا چاہتے تو خاموشی اختیار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کے بھی آداب بتائے ہیں کہ جب کوئی جاہل آپ کے سامنے آجائے تو اُس کو سلام کر کے ایک طرف ہو جائیں، اُس کے ساتھ فوراً دست و گریبان نہ ہوں اور اُس کے مقابلے میں نہ آئیں، بحث و مباحثہ کرنا نادانی ہے۔ آپ ایسے شخص کو بحث کر کے، مناظرہ کر کے درست نہیں کر سکتے۔ درست ہونا دل پر منحصر ہے۔ کسی کا اگر دل جیت لیں گے تو وہ آپ کے راستہ پر چل پڑے گا۔ کسی کو اپنی باتوں کے ذریعے مطمئن کر کے اُس کا دل نہیں بدلا جا سکتا۔ تھوڑی دیر گزرے گی اُس کا خیال لوٹ جائے گا اور وہ اپنی پرانی ڈگر پر چل پڑے گا۔ اِس واسطے لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ براہِ کرم سَر نہ جیتیں بلکہ دل جیتیں۔ دل جیتنا یہ اصلاح کا طریقہ کار رہا ہے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کبھی بھی کسی کو درشتگی کے ساتھ بلایا نہ کسی کے ساتھ درشتگی کے ساتھ پیش آئے، نہ کسی کے ساتھ گالم گلوچ کی، آپ ﷺ کا انداز مبارک یہ تھا کہ آپ ﷺ تو اپنے دشمنوں کے واسطے بھی اپنی چادر بچھاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب کعب بن زہیر جس کے واسطے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر خانہ کعبہ کے کپڑوں میں بھی نظر آئے تو وہاں پر بھی قتل کر دیا جائے۔ لیکن جب وہ یہ خبر سن کر، پشیمان ہو کر رات کو مدینہ پاک پہنچ گیا اور صبح ملگجے اندھیرے میں نماز کے بعد، حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنے صحابہ کے جُھرمٹ میں بیٹھے تھے، اُس نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ اگر کعب بن زہیر آجائے اور معافی مانگے

تو کیا اُس کو معافی مل سکتی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہاں مل سکتی ہے۔ جب اُس نے یہ سنا تو وہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں ایک قصیدہ لکھا تھا وہ پڑھ کر سنایا اور وہ سن کر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مسرت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی وہ چادر جو غیر ملکی وفود کی آمد کے موقع پر آپ ﷺ کو اوڑھائی جاتی تھی وہ چادر کعب بن زہیر کے حوالے کر دی، اُس کو عطا کر دی۔ نبی پاک ﷺ کی سُنت طیبہ پر عمل کرنا تعمیرِ کردار کے واسطے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس سلسلہ میں ان چیزوں کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ میں ایک اور مثال پیش کرتا ہوں حضرت امام ابو القاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ جناب حضرت ابو ذرؓ اور حضرت بلال حبشیؓ کا ایک مَرتبہ آپس میں جھگڑا ہو گیا اور حضرت ابو ذرؓ نے اُن کو اُن کے سیاہ رنگ کی عار دلائی اور اُن کو کالے رنگ کا طعنہ دیا۔ حضرت بلالؓ نے حضور نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت ابو ذرؓ کو بلا لیا اور فرمایا اے ابو ذر تمہارے دل میں سے ابھی تک جہالت کا تکبر نہیں گیا۔ جب آقا کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تو ابو ذرؓ نے اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا اور قسم اٹھائی کہ جب تک حضرت بلالؓ میرے رخسار پر اپنا پاؤں نہیں رکھیں گے وہ سر نہیں اٹھائیں گے۔ انہوں نے قسم اٹھالی اور زمین پر گر گئے، لیٹ گئے اور اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور دُوسرا اوپر کی طرف تھا اور عرض کی کہ اے بلال حبشیؓ اب اپنا پیر میرے چہرے پر رکھو تو تب میں اُٹھوں گا ورنہ میں نہیں اُٹھوں گا۔ تا آنکہ حضرت بلالؓ نے ان کی قسم پوری کرنے کے لیے اپنا قدم ان کے چہرے پر رکھا اور اس کے بعد سیدنا ابو ذرؓ کھڑے ہوئے۔ یہ صحابہ کرامؓ کا کردار ہے۔ کیا ہمارا کسی کے ساتھ جھگڑا ہو جائے تو ہم ایسا عمل سوچ سکتے ہیں۔ ہمیں یہ چیزیں ملحوظ خاطر رکھنی ہوں گی اگر ہم اپنے کردار کی تعمیر چاہتے ہیں۔ ہم میں سے اگر کوئی شخص اِن چیزوں پر پورا اترتا ہوا نظر نہیں آتا اور وہ ہمارا دوست ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اُس کو یہ چیزیں یاد کروائیں۔ بشمول میرے ہم سب اِس چیز کے طلب گار ہیں کہ اللہ پاک ہمیں تواضع نصیب کر دے تاکہ ہمیں عبادت کا لطف آئے۔ یاد رکھیں جب کوئی شخص عبادت میں کھڑا ہوتا ہے، اُس کی آنکھ میں سے آنسو کا قطرہ اُس وقت تک نہیں ٹپک سکتا جب تک اُس کے دل میں تواضع اور عجز و انکسار نہیں آتا، اِس واسطے کہ عبادت نام ہی عجز و انکسار کا ہے، اِس کے بغیر عبادت مکمل نہیں ہوتی۔ عجز و انکسار عبادت کا مَاحَصل ہے۔ یہ ہی وہ چیز ہے جو ہم نے اللہ کی بارگاہ میں پیش کرنی ہے۔ اللہ کریم بزرگ و برتر ہے۔ عظمت و کبریائی کا منبع ہے۔ اُس کے پاس دُنیا جہان کی سب نعمتیں موجود ہیں۔ اُس کو ہماری کسی چیز کی ضرورت نہیں صرف ایک عاجزی ایسی چیز ہے جو ہم اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں تو وہ خوش ہو سکتا ہے۔ اگر کسی نے اللہ کو راضی کرنا ہے تو وہ عجز و انکسار کرے۔ میں نے ابتداء میں تکبر کو دور کرنے کے واسطے درود پاک کے ورد کا بھی ذکر کیا تھا۔ اِس میں درود تاج شریف کا ورد کثرت کے ساتھ کرنا۔ یہ میں آپ بیتیاں عرض کر رہا ہوں۔ کہتے ہیں کہ آپ بیتی جگ بیتی سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر آپ درود تاج شریف پڑھیں تو انشاء اللہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں عجز و انکسار پیدا فرما دے گا۔ اُس کی کثرت کرنے سے اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی طرف توجہ اور عبادت کے اندر حلاوت اور لذت نصیب کرتا ہے۔ لذت اور حلاوت کا حصول بغیر تواضع کے ممکن نہیں۔ اِس واسطے اُس کے حصول کی کوشش کرنا اَز حَد ضروری ہے۔ گفتگو کرنے میں بعض اوقات رکاوٹ اس لیے محسوس ہوتی ہے کہ دن بھر یہ ہی سارا سلسلہ جاری رہا اور تقریباً 1700 سے زائد افراد کے ساتھ ملاقات کرنی تھی۔ وہ ساری ڈیوٹی سرانجام دینی تھی۔ اللہ تعالیٰ تمام لغزشیں، کوتاہیاں معاف فرمائے، اپنے طور پر تو ہم

نے کوشش کی، اللہ تعالیٰ اِس کو قبول و منظور فرمائے۔ تواضع کے سلسلہ میں کسی شخص کے دل میں کوئی سوال ہو۔ آپ اپنے ردعمل کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ اس میں فالٹ، خامی کس جگہ پر ہے اِس کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ سے کم تر آپ کا نوکر پانی کا گلاس لا کر دے تو اُس کا شکریہ ادا کریں۔ اللہ پاک راضی ہو گا اور وہ خوش ہو جائے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں التجاء کی یارسول اللہ ﷺ معراج کی رات آپ ﷺ کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص باتیں ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک بات مجھے بھی عطا ہو جائے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سجدہ ریز ہو گئے۔ اللہ پاک سے اجازت لی اور فرمایا کہ جو شخص کسی کا دل اللہ کی رضا کے واسطے راضی کرے اللہ اُس پر راضی ہو جاتا ہے۔ کسی شخص کو آپ اچھے الفاظ کے ساتھ یاد کریں گے۔ اُس کا دل خوش ہو جائے گا، اللہ راضی ہو جائے گا۔ اپنا نوکر پانی کا گلاس لا کر پیش کرے، اُس کو شکریہ کہہ دیں۔ آپ نے اُس سے پانی منگوانا ہے اُس کو حکم دینے کے بجائے اُس سے request کر دیں تو یہ تعمیرِ کردار ہے۔ اللہ کرے ہمارے اندر یہ خصلتیں پیدا ہو جائیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کا آپؒ نے اِس سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز جب خلیفہ وقت ہو گئے۔ آپؒ رات کو کچھ تحریر فرما رہے تھے، آپؒ کا خادم سویا ہوا تھا۔ چراغ کے اندر تیل ختم ہو گیا اور اس کی لو پھڑ پھڑانے لگ پڑی۔ ایک مہمان آپؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپؒ اُٹھے تو اُس نے عرض کی کہ آپؒ اپنے خادم کو بلالیں کہ وہ چراغ میں تیل ڈال دے۔ آپؒ نے فرمایا کہ یہ ابھی ابھی سویا ہے میں اُس کی نیند خراب نہیں کرتا۔ آپؒ خود اٹھے اور آپؒ نے چراغ کے اندر خود تیل ڈالا اور آ کر فرمایا کہ جب میں اٹھا تھا اُس وقت بھی میں امیر المؤمنین تھا اور تیل ڈال کر بیٹھا ہوں تو بھی امیر المؤمنین ہوں۔ میرے درجے میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اگر ہم یہ کردار اپنالیں تو بخدا دنیا بھی راضی ہو گی اور اللہ بھی راضی ہو جائے گا۔ جو شخص اپنے اندر تواضع پیدا کرتا ہے لوگوں کی نظر میں عزت والا ہو جاتا ہے، اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کہا اور جو سنا گیا اُس کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرمائے۔ آج کی گزارشات تواضع کے سلسلہ میں تھیں۔ اُس میں مختصراً جو کچھ میں نے عرض کیا مجھے اُمید ہے کہ یہ مثالوں کے ساتھ ذہن نشین ہو گیا ہو گا۔ اس سلسلہ میں میں نے کوئی باقاعدہ لکھی ہوئی تقریر گزارش نہیں کی۔ کیونکہ بے انتہا مصروفیت ہے، یہ میرے ذاتی تجربات ہیں کہتے ہیں کہ آپ بیتی میں جگ بیتی سے بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہمیں اِن باتوں پر عمل کی توفیق ہو۔ تواضع حاصل کرنے کے بعد انسان کو بندگی کا صحیح لطف آتا ہے۔ اللہ پاک یہ لطف عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمارا آج کا بیٹھنا اپنی بارگاہِ عالی میں قبول و منظور فرمائے۔ انشاء اللہ آئندہ جمعرات بھی اور اُس سے آئندہ جمعرات کو بھی اِس سلسلہ کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دعا)

درس تصوف۔ 21

دورانیہ۔70منٹ۔ تاریخ۔31-10-2013

بمقام۔ مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ، کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

گزشتہ نشست میں تواضع کے بارے میں گزارشات کی گئیں۔ اُس کو سمجھنے کے لیے تکبر کا موضوع بیان کیا تھا کہ تواضع تکبر کا الٹ ہے۔ تکبر کا تعلق اللہ رب العزت کی نافرمانی اور اس کے غضب کے ساتھ ہے۔ متکبر کے بارے میں اللہ کریم نے واضح ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ پاک اُن کی معافی نہیں کرتا اور عبادت کا جوہر تواضع ہے۔ تواضع کا معنی عجز و انکسار ہے۔ پچھلی محفل میں تواضع کے سلسلہ میں صاحب رسالہ قشیریہ حضرت امام ابوالقاسم قشیریؒ نے اپنی کتاب میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ گزارش کیا گیا تھا۔ آج عوارف المعارف میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ گزارش کرنا ہے۔ تواضع کا مفہوم سمجھنے کے واسطے ضروری ہے کہ ان تمام چیزوں کو بیان کیا جائے، جو لوگ پچھلی محافل میں موجود نہیں تھے اُن کے علم کے واسطے اور اُن کو اپنے اِس مضمون میں شامل کرنے کے لیے میں حسبِ معمول گزشتہ گفتگو کا مختصر اعادہ کرتا ہوں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے تزکیہ نفس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو تزکیہ نفس کی منزل طے کر رہے ہیں ان کے امام حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی ذاتِ اَقدس ہے۔ تزکیہ نفس ہر کسی کے واسطے ضروری ہے۔ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا!

”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا“(الشمس:9،10)

وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا اور اپنے کردار کی تعمیر کر لی اور وہ ناکام رہا جس نے اِس کو خاک میں ملا دیا۔ جو شخص دُنیا میں آیا اور جس کو یہ یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن اُس نے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اس کو یہ احساس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی زندگی کا حساب لینا ہے اُس کے واسطے تزکیہ نفس از حد ضروری ہے۔ تزکیہ نفس کی منازل یا اُس راستہ کو طے کرنے والے لوگ اہل تصوف کہلاتے ہیں۔ تصوف ایک ایسا راستہ ہے جو تعمیرِ کردار کی ضمانت دیتا ہے۔ ہر وہ شخص جو تزکیہ نفس کر رہا ہے وہ صاحبِ تصوف ہے۔ اہل تصوف جن بھی مختلف اعمال کے ذریعے اپنے نفس کو سنوارتے اور اپنے کردار کی تعمیر کرتے ہیں، ان تمام طریقہ ہائے کار میں خدمتِ خلق اور اچھے اخلاق ضروری عمل ہیں۔ اخلاقِ سب سے زیادہ ضروری ہے، اہل تصوف میں سب سے بہت بہتر خُلق تواضع ہے۔ انسان کی تمام تر عبادات کا دارومدار اِس پر ہے۔ اگر تواضع نہیں تو نماز سمیت کسی بھی عمل میں اخلاص پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ اخلاقِ صوفیاء میں سب سے بہتر خلق تواضع ہے۔ بندہ کے لیے تواضع سے بہتر کوئی لباس نہیں۔ جو شخص تواضع کا خزانہ حاصل کر لیتا ہے وہ ہر شخص

کے سامنے اپنی حیثیت کو ایک اندازہ پر قائم رکھتا ہے، اِسی طرح وہ شخص دُوسرے کو بھی صحیح مقام اور رُتبے پر رکھتا ہے، جس کو یہ نعمت حاصل ہو گئی وہ خود بھی آرام سے رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اِس سے نفع پہنچتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی نازل فرمائی کہ تم تواضع اختیار کرو اور کوئی شخص ایک دُوسرے کے ساتھ زیادتی نہ کرے"۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تواضع کی چوٹی کی بات یہ ہے کہ جس کے ساتھ تم ملو اُس کو تم پہلے سلام کرو اور جو تمہیں سلام کرے تم اُس کا جواب دو۔ یہ چیز آہستہ آہستہ معدوم ہوتی چلی جارہی ہے۔ ہم نے بچپن میں دیکھا کہ جب دو راہ چلنے والے ایک دُوسرے کے مقابل پہنچتے تھے تو اُن میں سے ایک بندہ دُوسرے کو سلام کہتا تھا۔ یہ سلسلہ تمام سفر جاری رہتا تھا۔ پیدل ہو یا سواری پر ہو لیکن اب اس اچھے عمل تھا کو پس پشت ڈالا جارہا ہے۔ ہم یہود و ہنود اور نصاریٰ کی تہذیب و تمدن کا شکار ہوتے چلے جارہے ہیں۔ از خود دوسروں کو سلام کرنا یہ درود پاک کا قائم مقام ہے۔ تواضع تو اپنی جگہ۔ عجز و انکسار جس میں ہوتا ہے وہ ہی دُوسرے کو سلام کرتا ہے۔ جس کے اندر تکبر ہو اُس کا جی چاہتا ہے کہ دُوسرے اُس کو سلام کریں۔ تواضع کا یہ ایک لازم و ملزوم عمل ہے۔ یہ درود پاک کا قائم مقام ہے اِس واسطے کہ اللہ پاک نے قُرانِ پاک کے اندر اِس کا حکم فرمایا ہے!

"فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً" (النور:61)

کہ تم اپنوں کو سلام کیا کرو تمہارے واسطے اِس میں برکت ہے، خوشخبری ہے اور یہ تمہارے واسطے مبارک ہے۔ یہ درود پاک کا قائم مقام اس واسطے کہ جہاں پر بھی نبی پاک ﷺ کا ایک اُمتی بھی موجود ہو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی رُوحِ اقدس وہاں پر موجود ہوتی ہے اور اِس کا ثبوت یہ ہے کہ چاہے ایک بندہ ہو یا ایک سے زیادہ ہوں "السلام علیکم" کہا جاتا ہے، السلام علیکم جمع کا صیغہ ہے، ایک سے زیادہ کے لیے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ خالی مکان کے اندر بھی سلام کہو کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی رُوح مبارک وہاں پر موجود ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قُرانِ پاک میں ارشاد فرمایا کہ!

"لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ"(التوبہ:128)

روز ازل سے آنے والے پہلے شخص سے لیکر قیامت کے وقت سے پہلے تک آنے والے آخری شخص تک " أَنفُسِكُمْ "کوئی بھی ہو سکتا ہے" لَقَدْ "رسول پاک ﷺ تشریف لائے تمہاری جانوں میں سے۔ "عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا "اور جو کچھ تمہیں پیش آتا ہے اِس سے وہ تمہارے سے زیادہ وہ باخبر ہیں۔ اُن کو سب سے پہلے محسوس ہوتا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر بھی رسول پاک ﷺ کا کوئی اُمتی ہو سرکار ﷺ کی رُوحِ اقدس اور اُن کی توجہ وہاں پر موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان دُوسرے کو سلام کرتا ہے تو سب سے پہلے رُوح مصطفی ﷺ کی طرف سے اُس کے سلام کا جواب دیا جاتا ہے۔ کون وہ شخص ہو گا جو یہ نہ چاہے کہ اُس کو سرورِ کائنات، فخر موجودات، نبیِ مکرم، نورِ مجسم، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ سلام کا جواب دیں۔ کس قدر خوش قسمتی ہے۔ اس واسطے جب بھی دُوسرے کو ملا جائے یا ہم کسی دُوسرے کے پاس سے گزریں، ہمیں سلام میں پہل کرنی چاہئے، ابھی بھی کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں پر یہ عمل قائم ہے۔ لیکن ہمارے علاقے

سے یہ عمل معدوم ہوتا چلا جارہا ہے۔ جس محفل کے اندر بھی آپ تشریف لے جائیں اُس پوری محفل کو سلام کہیں۔ چاہے اُن میں سے ایک شخص ہی کیوں نہ جواب دے۔ چونکہ سلام سب کو ہو گا جو آپ کی طرف سے تصور کیا جائے ہو گا۔ آپ کے نامہ اعمال میں اتنی بار درود پاک کا ثواب لکھا جائے گا۔ اگر کسی محفل میں سو آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ اور آپ اُن کو سلام کہتے ہیں تو جواب چاہے ایک بندہ دے۔ آپ کو سو مَرتبہ درود پاک کا ثواب خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تواضع کی چوٹی کی بات یہ ہے کہ آپ جس کو ملیں اُس کو آپ پہلے سلام کریں۔ جو آپ کو سلام کرے اُس کا جواب دیں۔ کیونکہ سلام کرنا سُنت ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے۔ بالکل اِسی طرح جس طرح کوئی نماز فرض ہوتی ہے یا روزے فرض ہیں اس طرح سلام کرنے والے کو سلام کا جواب دینا فرض ہے۔ اگر کوئی جواب نہیں دیتا تو وہ فرض ادا نہ کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ فرمایا کہ مجلس کے اندر کم تر جگہ پر بیٹھنے میں آپ کو شرم محسوس نہ ہو۔ جہاں پر بھی جگہ ملے وہیں پر بیٹھ جاؤ۔ تمہیں یہ خواہش نہ ہو کہ تمہاری کوئی تعریف کرے یا کوئی تم پر احسان کرے۔ یہ تواضع ہے۔ عجز و انکسار یہ ہے کہ انسان ہر چیز سے بے نیاز ہو جائے۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ جس کو عطا کر دیتا ہے اُن کو حقیقت میں بے نیاز کر دیتا ہے۔ دُنیا کی ہر نعمت اُن کو مانگنے سے پہلے عطا ہو جاتی ہے۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

"لایحتاج جنہاں نوں ہویا فقر جنہاں نوں سار اہُو نظر جنہاں دی کیمیا ہووے اوہ کیوں مارن پارہ ہُو"

جو لوگ محتاجی سے نکل جاتے ہیں، بے نیاز ہو جاتے ہیں، جن کو اللہ پاک مخلوق کی اُمیدوں سے دور کر دیتا ہے، مخلوق سے اُمید رکھنے سے بچا لیتا ہے۔ اللہ پاک اُنہیں کسی کا محتاج نہیں کرتا۔

"نظر جنہاں دی کیمیا ہووے اوہ کیوں مارن پارہ ہو"

پارہ مارنے سے مُراد یہ ہے کہ پرانے زمانہ میں لوگ سونا بنانے کے واسطے پارہ استعمال کرتے تھے۔ حضرت سلطان باہوؒ نے اِس لیے اِس ٹرم کا استعمال فرمایا ہے۔ یہ صرف سمجھنے کے واسطے ہے۔ کہ ایسے شخص کو سونا بنانے کی ضرورت نہیں۔ وہ جب چاہے، جتنا چاہے اللہ پاک اتنا ہی عطا فرما دیتا ہے۔ اس بے نیازی کی بنیاد عجز و انکسار اور تواضع ہے کہ انسان اپنے آپ کو دُوسرے سے کم تر سمجھے۔ تکبر کے بارے میں میں نے عرض کیا تھا کہ تکبر خود پسندی کا نتیجہ ہے۔ خود پسندی میں انسان اپنی باتوں میں اپنے آپ کو دُوسرے سے بہتر خیال کرتا ہے۔ ہر شخص جب شیشہ دیکھتا ہے، اس کو اپنی ذات دوسروں سے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ!

"لَقَدْ خَلَقْنَا الإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ" (التین:4)

ہم نے تم کو "احسن تقویم" بہترین تناسب میں پیدا فرمایا۔ پوری انسانیت کو بہترین تناسب میں پیدا فرمایا۔ لیکن اس کے اوپر اللہ پاک نے عجز و انکسار کی ایک کسوٹی بھی رکھ دی۔ کوئی شخص اپنے آپ کو دیکھ کر خود ساختہ گھمنڈ کا شکار نہ ہو جائے۔ اسی واسطے جو لوگ اہل تصوف ہیں میں اکثر ان کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ حتیٰ الامکان اپنے آپ کو اپنی نظروں میں تولنے سے پرہیز کی جائے۔ اُس میں سب سے پہلا جو ادب

ہے وہ یہ ہے کہ انسان شیشہ دیکھنے سے اجتناب کرے۔ ماسواءاُس وقت کے جب وہ اپنے بال سنوار رہا ہو۔ کیونکہ بال سنوارنے کے وقت شیشہ کا استعمال سُنت مصطفی ﷺ میں شامل ہے۔ اُس سے خود پسندی پر کنٹرول حاصل ہوتا ہے لیکن اصل جو اِس کا علاج ہے وہ میں آگے گزارش کرتا ہوں۔ خود پسندی تکبر کو جنم دیتی ہے اور رَفتہ رَفتہ جو شخص اپنی نظروں میں اچھا بن جاتا ہے پھر وہ دوسروں کی نظروں میں اچھا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ بزاحم خود دوسروں پر خود کو (Superior) اعلیٰ قرار دینے کے لیے وہ تمام حرکات کرتا ہے جن کا ذکر میں پیچھے کر چکا ہوں۔ اِس عمل کو تکبر کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کو سخت ناپسند فرمایا ہے، یہ حدیث مبارکہ میں بھی منقول ہے اور اِس کو بزرگان دین نے بھی منقول کیا ہے کہ وہ شخص جس کی ابتداء ایک ناپاک قطرے کے ساتھ ہوتی ہے اور ساری زندگی وہ اپنے پیٹ میں غلاظت لیے پھرتا ہے اور اس کی انتہا ایک مُردار کی صورت میں ہو ایسے شخص کو تکبر کرنا جچتا نہیں۔ اِس واسطے اِس چیز سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یہ سبق بشمول میرے سب کے واسطے عرض کرتا ہوں۔ تواضع کے بارے میں حضرت فضیل ایازؒ سے سوال کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا کہ حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، حق کو تسلیم کرنا اور حق کہنا یہ تواضع ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کی قدر و قیمت کا اعتبار کرتا ہے تواضع میں اِس کا کوئی حصہ نہیں۔ جو اپنے آپ پر ناز کرے اور اپنے آپ کو کسی قابل سمجھے۔ اپنی کوئی شان قرار دے۔ تواضع میں اُس کا کوئی حصہ نہیں، وہ عجز و انکسار سے محروم ہے۔ اُس کی عبادت بے حضور ہے، اُس کی عبادت شرفِ قبولیت حاصل کرنے تک نہیں پہنچتی۔ حضرت شیخ ابو حفصؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ اُس کا دل تواضع اختیار کرے تو اُس کو چاہیے کہ وہ صالحین کی صُحبت اختیار کرے۔ اللہ والوں کے پاس اُٹھے بیٹھے۔ اُن کے ساتھ وقت گزارے، اُن کے ساتھ محبت رکھے، اُن کی عزت و حرمت کرے۔ جس طرح وہ اُن صالحین کی شدتِ تواضع سے اقتداء کرے گا اسی طرح تکبر سے بچ جائے گا۔ وہ شدتِ تواضع جو اُن کے نفوس میں موجود ہے۔ اُن کی صُحبت اُس پر اُتنا ہی اثر کرے گی کہ اُس کو تکبر اور خود پسندی سے شرم آنا شروع ہو جائے گی۔ خود بخود اُس کی عادت میں یہ چیز گھر کرنے لگ پڑے گی۔ جیسا کہ حضرت میاں صاحب کھڑی شریفؒ فرماتے ہیں کہ!

"چنگے بندے دی صُحبت وانگ دُکان عطاراں — بھاویں خوشبو لیئے نہ لیئے بُلے آون ہزاراں"

جو شخص نیکوں کے ساتھ سنگ رکھتا ہے اللہ پاک اُس کے دل میں سے بھی تکبر اور اُس کے متعلقہ جتنی بھی بیماریاں ہیں دور فرما دیتا ہے۔ تکبر سے متعلقہ بہت ساری ایسی رُوحانی بیماریاں ہیں جو حقیقتاً انسان کو اس کی رُوحانی موت تک لے جاتی ہیں۔ ان میں کینہ، حسد، غضب، غصہ اور علیٰ ھذا القیاس مایوسی اور دیگر بہت ساری بیماریاں شامل ہیں، جن کے بارے میں پہلے بھی تکبر کے موضوع میں اِشارۃً گزارش کر چکا ہوں۔ جو لوگ تواضع یا عجز و انکسار حاصل کرنے کے خواہشمند ہوں اُن کے واسطے ضروری ہے کہ وہ اہل اللہ کے ساتھ اپنا ناطہ جوڑیں۔ تاکہ ان کی صُحبت ان کے اندر وہ ہی خصوصیات پیدا کر دے۔ کیونکہ!

"صُحبت صالح ترا صالح کنند اور صُحبت طالع ترا طالع کنند"

جس طرح کی صحبت ہو گی بندہ ویسا ہی ہو جائے گا۔ اِس واسطے یہ اُس کا ایک ذریعہ ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سُہر وردیؒ نے اپنے شیخ حضرت شیخ ابو نجیب سُہر وردیؒ سے ایسی تواضع کا مظاہرہ فرمایا، آپؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مَرتبہ ملک شام کے سفر میں اپنے پیر و مُرشد کے ساتھ سفر میں تھا اور ان کی ایک جگہ پر دعوت کی گئی۔ اس علاقے کے جو سردار اور سرکردہ لوگ تھے اُنہوں نے ہمارے مُرشد کی دعوت کی۔ میں بھی درویشوں کے ساتھ شامل تھا۔ میں نے دیکھا کہ جو لوگ کھانا اٹھا کر لائے وہ قیدی تھے۔ فرنگی قیدی تھے۔ غیر مسلم قیدی جو کسی جنگ میں گرفتار ہوئے تھے وہ سرداروں کو خدمت کی ڈیوٹی دینے کے واسطے ملے تھے۔ وہ قیدی اپنے سروں پر کھانوں کے خوان اُٹھا کر حاضر ہوئے اور جب کھانا دستر خوان پر لگ گیا تو وہ تمام قیدی ایک جگہ علیحدہ بیٹھ کر برتن خالی ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ تب شیخِ مُحترم نے خادم کو کہا کہ اِن سب قیدیوں کو بُلا لو تاکہ وہ بھی ہم درویشوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں۔ خادم جب سب کو لے آیا اور سب دستر خوان پر بیٹھا دیئے گئے۔ اُس وقت شیخ اپنے مصلے سے اٹھے اور آہستہ آہستہ اُن کے درمیان میں آکر بیٹھ گئے کہ گویا وہ بھی اُن میں سے ایک ہیں پھر سب نے مل کر کھانا کھایا۔ اُس وقت ہمیں اپنے شیخ محترم کے چہرے پر اُن کے باطن کے خلوص، تواضع اور عجز و انکساری کی وہ جھلک نظر آئی جس سے اُن کے ایمان اور وسعتِ علم کا پتہ چلتا تھا۔ یہ وہ مثال دیتے ہیں۔ پھر حضرت شیخ ابو ذرؒ کا قول ہے آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخؒ سے سنا کہ اہلِ معرفت کے پانچ ظاہری اور پانچ باطنی اصول ہوتے ہیں۔ ظاہری اصول یہ کہ سچ بولنا، سخاوت کرنا، جسمانی طور پر تواضع کرنا۔ دوسروں کو اذیت سے بچانا اور کسی اِنکار کے بغیر خود اذیت برداشت کرنا۔ تواضع میں دو چیزیں بڑی اہم ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان ہر دُوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے، اِس میں میں یہ بھی عرض کر دوں کہ اِس میں صرف انسان ہی شامل نہیں بلکہ اللہ کی تمام مخلوقات، شجر و حجر، حیوانات اور انسان سب شامل ہیں۔ جس شخص کو جتنی اللہ تعالیٰ پذیرائی بخشتے اپنے اپنے دائرہ کار کے مطابق سب کے ساتھ تواضع کرنا ضروری ہے۔ ایک اپنے آپ کو باقی مخلوق سے کم تر سمجھنا، دُوسرا یہ کہ مخلوق سے ملنے والی اذیت کو اللہ کی رضا کے واسطے برداشت کرنا اُن کو جواباً اذیت نہ دینا۔ یہ دو چیزیں عجز و انکسار کا جوہر ہیں۔ اِن کو یاد رکھنا چاہیے۔ یہ دو اصول ہیں کہ اپنے آپ کو ہر کسی سے کم تر جاننا اور دُوسرا مخلوق سے ملنے والی اذیت محض اللہ کی رضا کے واسطے برداشت کرنا اور اُن کو اُس کا جواب نہ دینا یہ بہت بڑا مقام ہے۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث پاک اگر میں گزارش کروں تو اُس سے اِس بات کی زیادہ سمجھ آئے گی۔ ایک مَرتبہ رسول کریم ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ کیا تمہارے میں کوئی ابو زمزم کی طرح ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرام حیران ہو گئے۔ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ ابو زمزم کا کیا عمل تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ روزانہ صبح کے وقت کہتے تھے کہ یارب العالمین میں نے اپنی آبرو اُس شخص پر قُربان کر دی جو مجھ پر ظلم کرے۔ پس جو کوئی مجھ کو مارے گا میں اُس کو نہیں ماروں گا۔ جو مجھ گالیاں دے گا میں اُس کو گالیاں نہیں دوں گا اور جو مجھ پر ظلم کرے گا میں اُس پر ظلم نہیں کروں گا۔ یہ ابو زمزم کا طرزِ عمل تھا۔ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہارے میں سے کوئی ابو زمزم کی طرح کا ہو سکتا ہے۔ پھر حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ مومن وہ ہے جو لوگوں کے ساتھ رہن سہن رکھتا ہو اور اُن کی طرف سے ملنے والی تکلیف پر صبر

کرے۔ یہ بڑے مقام کی بات ہے۔ اگر کسی نے کردار سازی کرنی ہے، اپنے آپ کو سنوارنا ہے تو اس کے واسطے رہنما اصول ہے اس پر جتنا عمل ہو سکے۔ بہر حال کوشش کرنی ضروری ہے۔ اگر ہم آئیڈیل سامنے رکھیں گے تو منزل پالیں گے، اگر ہم سو میں سے نوے نمبروں کی کوشش کریں گے تو ساٹھ لازمی مل جائیں گے۔ اگر کوشش ہی پاس مارکس کی کریں تو پھر پاس ہونا بھی مشکل ہوتا ہے۔ کائنات کا ایک اصول ہے Resistance، مدافعت ، جتنی انسان کوشش کرتا ہے اُس کی مدافعت بھی اتنی ہی ہوتی ہے۔ اِس میں اس کی بہت ساری efficiencies ضائع ہو جاتی ہیں۔ اس واسطے اپنے آئیڈیل کو سب سے اچھا رکھنے کی کوشش کی جائے۔ تاکہ انسان کسی نہج پر پہنچ سکے۔

"نِگاہ بُلند، سُخن دِلنواز، جاں پُر سوز ہے یہی رختِ سفر میر کارواں کے لیے"

جو شخص اپنے اندر commanding abilities یعنی جو شخص لوگوں کی قیادت کرنے کا اپنے آپ کو اہل بنانا چاہے اور معاشرے میں باعزت زندگی گزارنا چاہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ تین چیزیں وہ اپنے اندر پیدا کرے۔ اور ان تینوں کا تعلق تواضع کے ساتھ ہے۔

"نِگاہ بُلند، سُخن دِلنواز اور جاں پُر سوز"

نگاہ بلند سے مُراد یہ ہے کہ اپنی منزل اعلیٰ رکھیں۔ منزل کبھی چھوٹی نہ رکھیں۔ سخن دلنواز یعنی جب بھی کلام کریں، اللہ پاک فرماتا ہے کہ لوگوں کے لیے اچھا بولو اور صرف لوگوں کے واسطے نہیں، انسانوں کے واسطے ہی نہیں بلکہ ساری مخلوق کے واسطے۔ جانور کو بھی بُرا بھلا کہنے میں عار سمجھنی چاہیے کہ جانور اگر ہماری بولی نہ بھی سمجھے، لیکن اُس کا پیدا کرنے والا تو سمجھ رہا ہے۔ اگر ہم جانور کو بُرا بھلا کہیں گے تو اُس کے پیدا کرنے والے کو دکھ ہو گا۔ یہ چیز انسان کے درجے گھٹا دیتی ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں کو اِس سے بھی بڑھ کر عمل کرتے ہوئے دیکھا۔ اپنے انتہائی بچپن میں حضرت میاں سعید صاحبؒ کا یہ طرز عمل بار ہا دیکھنے میں آیا کہ آپ سبز درخت کی ٹہنی اور اس کے پتے نوچنے نہیں دیتے تھے، اگر کوئی شخص ایسا کرتا تھا تو آپ بڑا سخت ناراض ہوتے تھے۔ فرماتے تھے کہ سبز درخت کی ٹہنی اور پتے ہرگز نہ نوچیں یہ اللہ کا ذکر کر رہے ہیں، ان کے ساتھ ایسا کرنا ظلم کے مترادف ہے۔ اولیا اللہ نہ صرف انسانوں بلکہ ہر مخلوق کی دلجوئی کرتے ہیں۔

"نال سلوک دے بول وے ماہی"

ہر کسی کے ساتھ محبت اور سلوک کے ساتھ بولنا تواضع کا ایک جزولاینفک ہے۔ عبادت کے واسطے یہ ضروری ہے۔ یہ موضوع اِس قدر ضروری ہے کہ انسان اِس کے بغیر کامیاب زندگی کا تصور بھی کر سکے یہ ناممکن ہے۔ اِس واسطے میں اِس موضوع کو رَفتہ رَفتہ مختلف پہلوؤں کے ساتھ بیان کر رہا ہوں۔ جتنے بھی بزرگوں نے اپنا کلام کہا یا کتابوں میں لکھا اُنہوں نے ہر جگہ اپنی کم مائیگی کا احساس رکھا اور کیا کہ جس طرح مختلف شعروں میں انہوں نے فرمایا!

"میں گلیاں دا رُوڑا کُوڑا محل چڑھایا سَائیاں"

اِسی طرح اور بھی بے شمار جگہوں پر انہوں نے بیان کیا ہے میں اِس کی کتنی مثالیں بیان کروں۔ لیکن کوئی شخص اہل اللہ ہونا تو درکنار مومن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کے اندر یہ عجز و انکسار پیدا نہ ہو جائے۔ جب کسی کے ساتھ آپ مخاطب ہوں چاہے وہ کتنا درشت رو ہو، چاہے آپ

کے ساتھ کتنا ہی سختی کے ساتھ پیش آئے آپ اُس کے جواب میں اُس کے ساتھ نرمی کریں۔ انشاء اللہ رب تو راضی ہو گا اُس کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ اُس پر بھی کرم ہو جائے گا۔ میرے آقا کریم ﷺ کی ساری زندگی کا یہ ہی وطیرہ رہا اور یہ ہی سُنت مبارکہ ساری زندگی رہی لمحہ بہ لمحہ۔ ایک شخص نے مسجد نبوی کے اندر پیشاب کر دیا۔ بدوی تھا، بے خبر تھا، اُس کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ مسجد ہے۔ لوگ مارنے کو دوڑے لیکن میرے آقا کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ اُس کو کچھ نہ کہو کہ اُس کو پتہ نہیں تھا۔ اُس کو مسجد کی اہمیت کے بارے میں آگاہ کرو۔ طائف کے سفر میں پتھر مارے گئے۔ جبرائیل امین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں پہاڑ اٹھا کر اِن پر پھینک دوں اور اِن کو ختم کر دوں۔ میرے آقا ﷺ نے فرمایا ہر گز نہیں۔ میں اِن کے واسطے رحمت کی دعا کرتا ہوں۔ یہ تواضع تھی۔ پتھر کھا کر بھی رحمت کی دعا۔ جب حاتم طائی کا بیٹا سرکار ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میرے آقا ﷺ نے اپنی نبوت کی چادر، وہ چادر جو سرکار ﷺ کو وحی کے نزول کے وقت اُوڑھائی جاتی تھی، اُس کے واسطے زمین پر بچھا دی۔ اُس چادر پر اُس کو بٹھایا۔ یہ تواضع تھی۔ ساری زندگی تمام اولیا اللہ نے رسول پاک ﷺ کے اِس طرز عمل اور اِس سُنت مبارکہ پر عمل کیا ہے۔ اِس کے بغیر ایمان کا حصول ممکن ہی نہیں۔ اِس واسطے ضروری ہے کہ ہر جگہ اس چیز کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اگر کوئی آپ کو ایسا سوال ڈالے جو کام آپ نہ کر سکتے ہوں یا پسند نہ آئے تو اُس کو جواب میں بُرا بھلا نہ کہا جائے بلکہ محبت اور پیار کے ساتھ اُس کو سمجھا دیا جائے۔ اِس سے بڑا فرق پڑتا ہے۔ میں اکثر اپنے ساتھیوں سے عرض کرتا ہوں کہ اندھیرے کو دور کرنا ہو تو اندھیرا کبھی اندھیرے سے دور نہیں ہوا۔ اندھیرے کو ہمیشہ روشنی سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ آپ بُرے اخلاق کا جواب اچھے اخلاق سے دیں گے کہ اخلاق بد اندھیرا ہے اور حُسنِ اخلاق روشنی ہے۔ جب آپ بُرے اخلاق کا جواب اچھے اخلاق سے دیں گے تو روشنی ہو گی اور وہ روشنی اِس قدر بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کا پورا علاقہ اُس سے روشن ہو جائے۔ بخدا اگر ہم اِس چیز پر عمل درآمد کر لیں تو انشاء اللہ اصلاح معاشرہ تو کیا چیز ہے اللہ کریم اُمتِ مسلمہ کو عروج عطا فرما دے گا۔ حضرت شیخ ابو ذرؒ فرماتے ہیں کہ اہل معرفت اور اہل حقیقت پانچ ظاہری اور پانچ باطنی اصولوں کا خیال رکھتے ہیں۔ سچ بولنا، سخاوت کرنا۔ سچ بولنا ہر حالت میں چاہے اُس کا نقصان ہو یا فائدہ ہو۔ کیا پتہ انسان جس کو فائدہ جانتا ہو اللہ کہ نزدیک وہ ہی نقصان ہو۔ فائدہ اُس کا ہی ہے جس نے اپنے رب کو راضی کر لیا۔ رب کو راضی کرنے کے واسطے سچ بولنا۔ اِس سے مقصد واضح رہے کہ بعض چیزیں confidential خفیہ ہوتی ہیں۔ جن کا عوام الناس پر آشکار کرنا ضروری نہیں وہ اِس سچ بولنے میں نہیں آتیں۔ اِن کا اخفاء ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ میاں محمد بخش صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

"خاصاں دِی گل عاماں اَگے نہی مُناسب کَرنی مِٹھی کھیر پکا محمد کُتیاں اَگے دَھرنی"

یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ ہر بات کسی کو بتانا یہ جھوٹ میں آجاتا ہے سچ نہیں رہتا۔ اِس واسطے بعض باتیں اہل اللہ کی خاص ہوتی ہیں۔ اِن میں اُن کا اللہ سے تعلق ہے۔ اِس بارے میں اخفاء کرنا لازم ہے اور یہ سچ بولنے کے زُمرے میں نہیں آتا۔ سچ بولنے کے زمرے میں وہ چیز آتی ہے جس کو چھپا کر بندہ اپنا مالی مفاد حاصل کرتا ہو۔ سخاوت کرنا اور جسمانی طور پر تواضع کرنا۔ دوسروں کو اذیت سے بچانا اور کسی انکار کے بغیر خود اذیت برداشت کر لینا۔ ماں کا کردار اِس سلسلہ میں ہمارے سامنے ایک اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ جب چھوٹا بچہ بستر آلودہ کر دیتا ہے تو ماں

اُس کپڑے کو دھوتی ہے اور گیلی طرف خود سو جاتی ہے اور بچے کو خشکی کی طرف سلا دیتی ہے بشرطیکہ کہ اُس کے پاس کوئی اور کپڑا نہ ہو۔ یہ اصول ساری زندگی ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ پانچ باطنی اصول ہیں، اور یہ بڑے کمال اصول ہیں۔ پہلا اپنے آقا و مولا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ محبت رکھنا۔ انسان جو کرے اگر اس سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوا ہے جو نامناسب ہے تو اپنے دل میں شرمساری رکھے۔ بخدا شرمسار دل بڑی جلدی ایمان کے حصول تک پہنچتا ہے۔ اپنے دل میں شرمساری رکھنا اللہ پاک کی رضا کے حصول کے واسطے مُجرب ہے۔ اپنے دل میں شرمساری کا رہنا معرفت الٰہی کی پہلی منزل ہے۔ توبہ کی قبولیت کا راستہ ہے۔ تیسرا اپنے رب سے حیاء کرنا۔ یہ بڑے کمال کی بات ہے۔ یہ دس اصول ہیں اِن کو اپنی زندگی میں مشعلِ راہ بنالیں اِس سے بخدا زندگی سنور جاتی ہے۔ انشاء اللہ میں کوشش کروں گا کہ کسی کاغذ پر لکھ کہ یہ لگا دیئے جائیں، اپنے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے محبت کرنا، اپنے فعل پر شرمندہ رہنا، اچھے پر بھی رہے تو یہ بڑی بات ہے، ورنہ کوئی ایسا فعل جس کا کوئی فائدہ نہ ہو اُس پر شرمسار رہنا چاہیئے۔ اپنے رب سے حیاء کرنا۔ جہاں پر بھی ہم میں سے کوئی ہو وہ جان لے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ اللہ تعالی دیکھ رہا ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کریم ہے۔ قُرانِ پاک میں ارشاد فرمایا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ اللہ کا دیکھنا انسان کو بے شمار گناہوں سے بچالیتا ہے۔ اس احساس کا دل میں آجانا گویا عبادت کی قبولیت کے واسطے کیمیاء ہے۔ انسان کی عبادت قبول ہو جاتی ہے اگر اِس کو مد نظر رہے کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ ایمان کی دو حالتیں ہیں۔ اللہ حاضر اور اللہ ناظر۔ اللہ موجود ہے، اللہ دیکھ رہا ہے۔ اپنے رب سے حیا کرنا اس چیز سے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اور چوتھا اپنے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وصال کی اُمید رکھنا،

وصال سے مُراد ملنا ہوتا ہے، آقا کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے وصال سے مُراد ان کی بارگاہ میں حضوری ہے۔ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہمارے آقا ہیں ہمارا اُن سے وصال سے مُراد اُن کے قدموں میں حاضری ہے۔ اپنی حاضری کی اُن کے حضور اُمید رکھنا، پانچواں نبیِ مکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جُدائی کا خوف رکھنا، یہ ایک ایسا اصول ہے کہ انسان جب بھی کوئی ایسا عمل کرنا چاہے گا جس کے متعلق اُس کو علم ہو گا کہ یہ اللہ کریم اور نبی مکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پسند نہیں تو اُس کے دل میں اُن کی جدائی کا خوف آجائے گا، وہ اُس عمل سے باز آجائے گا۔ مندرجہ بالا پانچ ظاہری اور پانچ باطنی اصول ہیں، اگر یہ انسان میں پیدا ہو جائیں تو اُس میں تواضع خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ عجز و انکسار کو پیدا کرنے کے لیے کسی محنت، مشقت، مشق، یا کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ یحیٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ عجز و انکسار اگر تمام مخلوق سے سَرزد ہو تو اچھا ہے، لیکن اگر دولت مندوں سے واقع ہو تو یہ بہت اچھا ہے۔ اسی طرح تکبر اگر عام مخلوق سے سَرزد ہو تو بُرا ہے، لیکن اگر کسی درویش سے تکبر کا ظہور تو یہ بدترین ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں، تواضع کی تین علامتیں ہیں، اپنے نفس کو حقیر جاننا تاکہ نفس کا عیب معلوم ہو سکے۔ توحید کی حرمت کے لیے دوسروں کی تعظیم و تکریم کرنا، توحید کی حرمت کا مطلب ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلیے دوسروں کی تعظیم و تکریم کرنا، دوسروں کی تعظیم کسی ذاتی یا مالی مفاد کی خاطر کرنا اِس میں شامل نہیں ہے۔ دوسروں کی تعظیم و تکریم کرنا تواضع ہے، تیسرا سچی بات اور نصیحت ہر شخص سے قبول کی جائے، کوئی شخص کسی کی نصیحت اِس وجہ سے رد نہ کرے کہ نصیحت کرنے والا اُس سے درجے میں چھوٹا ہے، غریب ہے یا کمزور شخص ہے، اگر کوئی شخص کسی کو

نصیحت کرے اور اُس شخص میں واقعتاً وہ خامی موجود ہے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ نصیحت کو قبول کرے، حضرت بایزید بسطامیؒ سے پوچھا گیا کہ اِنسان کب متواضع ہوتا ہے۔ عجز و انکسار اِنسان میں کب پیدا ہوتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا جب اپنی ذات پر اپنے نفس کا کوئی حاکم نہ سمجھے اور خود کو مخلوق میں سب سے بد تر سمجھے، یہ تمام چیزیں نورِ باطن کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ آپؒ نے اِس کو حاصل کرنے کا ذریعہ بھی لکھا ہے، جس کو انشااللہ آئندہ محفل میں بشرطِ توفیق گزارش کیا جائے گا۔ کیونکہ اسی پر ہماری کردار سازی کا دارومدار ہے، اگر کسی میں تواضع موجود نہیں تو پھر کردار کے بارے میں سوچنا بھی عبث ہے اور عبادت کی قبولیت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ لکھتے ہیں کہ بندہ تواضع کی حقیقت تک اُس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اُس کے دل میں نورِ مُشاہدہ کی تابانی نہ ہو، جب نورِ مُشاہدہ کی تابانی ہوتی ہے اُس سے انسان کے نفس میں گداز پیدا ہوتا ہے۔ اُس گداز سے اُس کے تکبر کی صفائی ہو جاتی ہے۔ اُس وقت اُس کے اندر نرمی اور حلاوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے وہ حق کا اور خلق کا مطیع ہو جاتا ہے۔ یہ بڑی عظیم منزل ہے۔ نورِ مشاہدہ حاصل کرنے کے لیے بات پھر وہیں پر آکر رکتی ہے، حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا!

"مطلب سَب حاصل ہووَن باہُو جَد پیر نظر اک تکے ہُو"

جب تک مُرشد کامل سے انسان مشاہدے کی تربیت حاصل نہ کرے، اُس وقت تک یہ چیز حاصل نہیں ہوتی، اِس کے علاوہ باقی جتنے بھی اعمال ہیں وہ چاہے جتنا بھی سمجھالیں، جب نفس غضب میں آیا ہوا ہوتا ہے یا اُس کا کوئی مفاد داؤ پر لگ جائے اس وقت تمام تر کردار بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ ایک اچھا خاصا انسان بھیڑیئے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اِس چیز کو کنٹرول کرنے کے لیے نورِ مشاہدہ ہے، نورِ مشاہدہ کیا چیز ہے اِس کو اِس طرح بیان نہیں کیا جاسکتا۔ جس کسی کو یہ چاہیے وہ اسم ذات "اللہ" سے آغاز کرے اور اِس منزل کی طرف چلے۔ اللہ تعالیٰ اُس پر اپنے عجائبات کے تمام دروازے کھول دیتا ہے۔ اُس کا کردار سنور جاتا ہے، اِس سلسلہ میں جو آپؒ نے پہلا علاج لکھا ہے وہ یہ ہے کہ انسان صالحین کی صُحبت اختیار کرے، اِس کا طریقہ کار یہ ہی ہے جو جناب سلطان باہوؒ نے فرمایا!

"تسبیح پھری دل نہ پھریا کی لینا تسبیح پھڑ کے ہو
چلے کیتے کج نہ کھٹیا کی لینا چلیاں وڑ کے ہو
جاگ بنا دودھ جمدے ناہیں باہو بھاویں لال ہوون کڑھ کڑھ کے ہو"

جس وقت مُرشدِ کامل کی رہنمائی میسر آتی ہے اُس وقت انسان نورِ مشاہدہ کی طرف خود بخود راغب ہو جاتا ہے۔ ویسے بتانے سے نہ تو سمجھ آسکتی ہے اور نہ ہی اُس پر عمل ہو سکتا ہے۔ یہ اِس کا حتمی علاج ہے، اِس سے پہلے مُرشد کامل کا ساتھ ضروری ہے۔

"نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز"

اِن تین چیزوں کی کوشش کرنی چاہیے، میری آئندہ گفتگو کے مخاطب درویش حضرات ہیں، جب ہم عوام الناس سے ملاقات کر رہے ہوتے ہیں، اُس وقت درویش حضرات کے چہرے پر ناگواری اور اُن کے لہجے میں سختی، تُرش رُوئی پائی جاتی ہے، اِس سے اجتناب کی ضرورت

ہے تاکہ یہ درویش حضرات اپنی منزل پر پہنچ سکیں۔ اگر پیاسا آدمی دریا کے کنارے پہنچ جائے اور وہاں پہنچ کر بھی پانی نہ پیئے تو یہ بڑی بدقسمتی ہے۔ اِس لیے کوشش یہ کرنی چاہیے کہ اپنے ساتھی کے تجربات سے سبق حاصل کیا جائے اور ہر آنے والے کے ساتھ محبت کے ساتھ پیش آیا جائے، جب کسی شخص نے کوئی سوال کیا تو اُس کو ہاں جی، اوئے اور جناب کے ساتھ مخاطب کیا جاتا ہے، کہنے کو یہ تینوں مخاطب کرنے کے الفاظ ہیں، لیکن اِس سے انداز میں بہت فرق آتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے!

"وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا "(البقرۃ:83)

لوگوں کے ساتھ اچھا بول بولو۔ آپ کے اندر جو کچھ بھی ہو وہ بعد کی بات ہے، اُس کی اصلاح مُرشد کر لیں گے، لیکن آپ یاد رکھیں کہ " قولو للناس حسنا" کوئی چاہے جس قدر مَسائل کا بھی شکار ہو جائے، جب وہ سامنے آجائے اور اُن کا اظہار کرے تو آپ کو چاہیے کہ آپ اُس کو جواب دیں کہ کوئی بات نہیں میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ اِس سے اُس کی دلجوئی ہو جائے گی اُس کا دل بڑھ جائے گا۔ عین ممکن ہے کہ اُس کا دل راضی ہو جائے اور آپ پر رب راضی ہو جائے۔ اگر کسی پر رب تعالیٰ راضی ہو جائے تو اُس کو اور کیا چاہیے محاورہ ہے کہ!

"رب راضی تے سارا جگ راضی"

اللہ کرے کہ ہم میں یہ چیز فروغ پائے، عجز و انکسار کی علامت ہے کہ انسان خندہ پیشانی سے پیش آئے، تُرش رو نہ ہو، اور غیر مناسب بات کا جواب بھی اچھے طریقے سے دے۔ اِس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے اگر ہم اِس اصول کو مدِ نظر نہیں رکھیں گے تو ہماری عبادتیں اور دیگر تمام امور کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے، بندے نے اِس دُنیا میں وقت گزار کر جانا ہے، اللہ رب العزت نے اُس سے پوچھنا ہے کہ کیا کما کر آئے ہو، اُس وقت انسان سے کوئی جواب نہیں بن پائے گا۔ اللہ رب العزت سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں کم از کم یہ نعمت عطا فرما دے، آپؐ فرماتے ہیں کہ اخلاق میں سب سے بہتر خلق تواضع ہے۔ بندہ کے لیے تواضع سے بہتر کوئی لباس نہیں، جو شخص اِس کو حاصل کر لے وہ خود بھی آرام سے رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اِس سے نفع پہنچتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارے اندر یہ صفت پیدا ہو جائے کہ!

"نال سلوک دے بول وے ماہی"

کسی نے کیا خوب کہا تھا کہ!

" سب سَیاں دے گُن ہے پلّے کَر دِیاں وَڈیائیاں   میں کوچجی، کُو جھی، کملی، کَم دِی نہ کَاج دِی"

یہ کہیں گے تو بات بنے گی، وہ ملے گا، اگر اپنی ذات کو خود ہی سب سے اچھا سمجھنا شروع کر دیا گیا تو پھر اُس سے ملاقات کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اللہ رب العزت اُسی کو عطا فرماتا ہے جو عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ اُس کی بارگاہ میں عجز ہی قبول ہے، اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عجز کا ہی مقام ہے۔ تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جو اِس بات کا سبق دیتے ہیں کہ جن لوگوں نے عاجزی کا راستہ اپنایا وہ کامیاب ہو گئے۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ!

یہ مالک کی مرضی ہوتی ہے، چاہے تو کمزور کو طاقت ور کر دے، گناہ گار کو نیکو کار کر دے، جو بُراق سب سے کمزور تھا اور ایک کونے میں بیٹھ کر رو رہا تھا، اُس کا ہی انتخاب کر لیا گیا کہ اللہ رب العزت کی بار گاہ سے تمہیں شرفِ قبولیت حاصل ہو گیا ہے، آقائے دو جہاں ﷺ کی سواری کے لیے تمھارا انتخاب کر لیا گیا ہے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عجز و انکسار کامیابی کے دروازے کھول دیتا ہے۔ تکبر انسان کو ذلت اور رسوائی کا شکار کر دیتا ہے۔ اگر انسان طاقتور ہو تو تکبر انسان کے اندر کینہ اور غصہ پیدا کرتا ہے۔ اگر کمزور ہو تو وہ اُس کو مایوسی کا شکار کر دیتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسان کی ذات کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اِن چیزوں سے بچنے کے لیے عجز و انکسار سب سے بڑا سبق ہے۔ میں جب سے اِس آستان پر حاضر ہوا ہوں، اُس وقت سے اپنے دوستوں کو اسی بات کی تعلیم کرتا رہا ہوں اور جو اُس وقت کے میرے ساتھی ہیں وہ اِس بات کو جانتے ہیں کہ بخدا میں اپنی ٹوپی اتار کر اِن لوگوں کے پاؤں میں رکھتا رہا ہوں، جب یہ اکیلے ہوتے تھے، اللہ کرے کہ "شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات" جو جھک جاتا ہے وہ پھل والا ہو جاتا ہے، جس ٹہنی کو پھل لگتا ہے وہ جھک جاتی ہے۔ جس کو کانٹے لگے ہوتے ہیں وہ سیدھی کھڑی ہوتی ہے، ہمیں بھی اِس چیز سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ جس کو جو کچھ ملتا ہے اُس کا واحد ذریعہ عجز و انکسار ہے اور اُس کے لیے درویش تک پہنچنا ضروری ہے، اللہ کرے کہ یہ نعمت عطا ہو۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب تواضع انسان کے اندر سے نکل جائے، اُس کی جگہ غرور اور تکبر لے لیں پھر اس وجہ سے انسان کے اعضاء بھی متاثر ہونے لگتے ہیں، اور یہ مسلّم ہے کہ کسی برتن میں سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو کچھ اُس میں موجود ہو۔ اگر کسی برتن میں دودھ ہے تو اُس میں سے دودھ بہے گا، پانی ہے تو پانی بہے گا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تواضع کی صفت دل سے رخصت ہو جائے اور غرور اُس کی جگہ لے لے تو اُس کا اثر گردن میں کجی کی صورت میں پیدا ہوتا ہے، کبھی رخساروں میں ظاہر ہوتا ہے اور انسان کا منہ بگڑ جاتا ہے۔ معاذاللہ، معاذاللہ۔ اللہ تعالیٰ نے قُرانِ پاک میں اِس کا ذکر فرمایا ہے، اِس چیز سے حتیٰ الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہیے، تواضع ایک پسندیدہ عمل ہے، اِس کا حصول اللہ رب العزت کے نزدیک مستحسن ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس کو حاصل کرنے کا شوق اور جذبہ عطا فرمائے، جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ تواضع کے دو رُخ ہیں، حضرت ابو داؤد ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ تواضع کے دو رُخ ہیں، ایک یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کے امر و نواہی، جو اللہ تعالیٰ نے حکم کیا اور جس سے اُس نے منع فرمایا، یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں تواضع کرے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کو ماننے جس کا حکم دیا گیا اُس کو ماننے اور جس چیز یا کام سے منع فرمایا گیا اُس سے باز رہے، کیونکہ نفس راحت طلب واقع ہوا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر غفلت برتتا ہے، دُوسری صورت یہ کہ اپنے نفس کو عظمتِ الٰہی کے لیے پست کر دے، جو کچھ اُس نے اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑا اپنے نفس کو اُس خواہش سے روک دے۔ یہ موضوع ابھی جاری ہے اِس کا باقی بیان آئندہ ہو گا، انشااللہ،

میں نے جو تواضع کی کلاسیفیکیشن بیان کی ہے، اِس میں دو چیزیں ہیں، پہلی یہ کہ دوسروں کے ساتھ عجز و انکسار کرنا، دُوسرا یہ کہ مخلوق سے ملنے والی اذیت کو برداشت کرنا، اِن دونوں چیزوں پر انشااللہ آئندہ گزارشات کی جائیں گی یہ ایسا موضوع ہے، جس کو بار بار بیان کرنا ضروری ہے

شاید کسی دل کے اندر اس کی کوئی جگہ بن جائے، اگر جگہ بنے گی تو اُس کے بعد اگلا کام شروع ہو گا۔ اُس کے بغیر اگر کوئی کہے کہ اُس نے عبادت کی تو اُس کا وجود ممکن نہیں، عبادت نام ہی عجز و انکسار کا ہے۔ اگر عجز و انکسار نہیں ہے تو پھر عبادت کا وجود ہی نہیں ہے۔ اللہ کرے یہ چیز ہمارے اندر پیدا ہو اور ہم اس کا عملاً اظہار کریں۔ اگر کسی کو ملیں تو سلام میں پہل کریں، کوئی سلام کرے تو اُس کا جواب دیں، جہاں جگہ ملے وہیں پر بیٹھ جائیں، کسی سے اپنی تعریف سننے کا شوق نہ ہو، یہ حدیث پاک ہے اللہ تعالیٰ اِس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین،

یہ چیزیں جو میں نے گزارش کی ہیں اِس کے بعد چند ایک ٹرمز ہیں جو میں مختصراً عرض کر دوں، پہلی تکبر اور خود پسندی اِس کے متعلق گزارش کر چکا ہوں، دُوسرا خوف، قرآن پاک میں یہ لفظ بار بار استعمال ہوا ہے، خوف بھی اور خشیت بھی!

"إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" (فاطر:28)

اللہ پاک نے فرمایا کہ اللہ کی خشیت کا حق اُس کے جاننے والے زیادہ ادا کرتے ہیں، یہ خوف بھی ہے اور تواضع بھی، تواضع اپنی ذات میں عجز و انکسار کا نام ہے، خود کو اپنی نظروں میں گرا دینا، ہر کام میں خفیہ طور پر اپنے نفس سے مخاطب ہو کر اُس کو لعن طعن کرتا رہے، اُس سے مخلوق کی لعن طعن سے بچ جاتا ہے، یہ تواضع ہے۔ تکبر اور خود پسندی کے بارے میں میں نے عرض کیا ہے کہ خود پسندی میں انسان اپنی ذات کو اچھا سمجھتا ہے، جبکہ تکبر یہ ہے کہ انسان دوسروں پر اپنی بڑائی کا رعب جمائے۔ خشیت کیا ہے، اِس کے بارے میں تفسیریں لکھنے والوں نے ایک حقیقت سے پہلو تہی کی، اِس کو پوری طرح سے آشکار نہیں کیا ہے۔ خوف سے مُراد یہ نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ پاک مار دے گا، جلا دے گا، تباہ کر دے گا، ذلیل و رسوا کرے گا، خوار کر دے گا۔ نہیں۔ وہ تو ہمارا رب ہے ہم اس کو "اللھم" کہہ کر پکارتے ہیں، اے رب ہمارے! اگر ہمارا ہی رب ہو گا تو وہ ہمارے ساتھ ایسا نہیں کرے گا۔ انشاءاللہ، اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا ضروری ہے، یہ ہی تقویٰ ہے۔ ترجمہ کرنے والے حضرات میں سے اکثر نے اِن اصطلاحات کا غلط استعمال کیا ہے، تقویٰ پرہیز گاری نہیں، تقویٰ اللہ کریم پر اعتماد کا نام ہے، پرہیز گاری تو یہ ہے کہ کوئی آلو سے پرہیز کرے، کوئی قیمہ کھانے سے پرہیز کرے، پرہیز گاری تو اِس کو کہتے ہیں، یہ لفظ اللہ کریم کے شایانِ شان نہیں، تقویٰ سے مُراد اللہ کریم پر اعتماد ہے، نصِ قرآنی اسی چیز کو جگہ جگہ واضح کرتی ہے۔ دُوسرا خوف! خوف اور خشیت حقیقتاً اس ڈر کے مترادف نہیں جو کسی ظالم سے کسی کو ہوتا ہے، اللہ پاک نے فرمایا!

"أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" (الیونس:62)

اللہ کریم فرما رہا ہے کہ جو میرے دوست ہیں ان کو کوئی خوف نہیں ہوتا، کسی کی دل آزاری مقصود نہیں، معاذ اللہ، میں صرف حقیقت عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ خوف سے مُراد وہ خوف نہیں جس کا معنی ڈر ہے، اس سے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں، بلکہ ہر ایمان والے کو مُستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اللہ پاک دوست ہو جاتا ہے ہر اس کا جو صاحبِ ایمان ہو۔ "أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ" ان کے لیے خوف ہوتا ہی نہیں، خشیت حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا احساسِ کبریائی، دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس ہونا، اس بارے میں تواتر کے ساتھ میں وہ آیات پیش کر

سکتا ہوں جو اِس مفہوم کو واضح کرتی ہیں۔ "ولمن خاف مقام ربہ جنتان" جو کھڑا ہوا اپنے رب کی عظمت اور کبریائی کا احساس کرتے ہوئے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ اس کی تفصیل پھر عرض کروں گا، یہ اصطلاح چونکہ اس کے ساتھ متعلق ہے، اس لیے عرض کر دی تا کہ اس معاملے میں آپ کو سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے، بعض افراد جھجکتے ہوئے سوال نہیں کرتے، اِس لیے میں نے اِس کو واضح کر دیا۔ تواضع عجز و انکسار کا نام ہے، اپنی نظروں میں خود کو گرا دینا، خوف اور خشیت اللہ کریم کی عظمت اور کبریائی کا احساس ہے۔ اِس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں کہ اگر آپ دور سے کھڑے ہو کر ایک مینار کو دیکھیں تو مینار آپ کے ہاتھ کے پیچھے چھپ جائے گا، اگر آپ مینار کے قریب چلے جائیں اور دیکھیں تو ممکن ہے کہ اُس کی بلندی کو دیکھتے ہوئے آپ کے سر سے ٹوپی بھی نیچے گر جائے اور پھر بھی آپ کو اُس کی ساری بلندی نظر نہ آئے۔ اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کے جتنے زیادہ قریب ہوتے ہیں وہ اُس کی عظمت سے اتنے زیادہ آگاہ ہوتے ہیں اور اُس کا اظہار کرتے ہیں۔ یہاں پر خوف سے مُراد اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا دل میں جاگزین ہو جانا ہے۔ تواضع، خوف خود پسندی اور تکبر مختلف کیفیات ہیں۔ ان کے بارے میں عرض کر دیا گیا۔ آج کی گزارشات تواضع کے سلسلہ میں تھیں، اللہ کرے کہ تواضع کا عملی پہلو ہمارے اندر پیدا ہو، ہم لوگوں سے جھجکتے ہوئے اپنے رب کی فرمانبرداری سے اجتناب نہ کریں، اس معاملے میں انسان کو جو جھجک محسوس ہوتی ہے اُس سے اجتناب کرنا چاہیے، اِس سے تعمیرِ کردار ہوتی ہے۔ انشاء اللہ۔ جس بے عزتی سے بندہ ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ عجز و انکسار والے کو بے حد اور بے حساب عزت عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ پاک کے حکم پر چلنے والا ہی کامیاب ہوتا ہے۔ انشاء اللہ

"کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُن کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"

بندہ اللہ سے تواضع کرے تو مَردِ مومن ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا کہ!

"فخر ہے تجھے کہ زمانے نے بدلا ہے تجھے
مَرد وہ ہے جو زمانے کو بدل دیتے ہیں"

آئیں ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ زمانہ کے جو شب و روز ہیں ہم نے ان کا شکار نہیں ہونا، ہم نے زمانہ کو اپنی بات پر چلانا ہے۔ مَرد وہ ہے جو زمانے کو بدل دیتے ہیں، آپ جہاں بھی رہیں گے گرد و پیش بدلتا چلا جائے گا، انشاء اللہ۔ کیونکہ روشنی کا یہ خاصا ہے کہ جہاں کوئی چیز روشن ہو جاتی ہے اُس کے گرد و پیش کی جگہ اُس سے روشن ہو جاتی ہے۔ جس کا دل روشن ہو گا اللہ پاک اُس کا گرد و پیش اس کے ملنے والے اور اُس کے گرد و پیش رہنے والوں کے دلوں کو بھی منور فرما دیتا ہے۔ اللہ پاک کے نزدیک تبلیغ کا سب سے زیادہ موثر طریقہ کار یہ ہی ہے، اللہ پاک اِس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ آخر میں میں علمِ تصوف کے بارے میں دوبارہ حضرت داتا گنج بخشؒ کا قول بیان کرتا ہوں، جو آپ نے اپنی کتاب کے آغاز میں بیان فرمایا ہے " علم تصوف کی اصل خوبی یہ ہے کہ اِس کی شاخ بار آور ہے، جو مشائخ اہل علم ہوئے ہیں۔ اپنے تمام مُریدوں کو علم تصوف حاصل کرنے پر ابھارتے ہیں اور اُس پر عمل کرنے کی ترغیب دلاتے رہتے ہیں نہ وہ خود لچر باتوں کے تابع رہے نہ لغو طریقے پر چلے اور نہ ہی اپنے مُریدوں کو ایسا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، علم تصوف اور اس سلسلہ میں گفتگو کرنا یہ ہماری ذمہ داری میں شامل ہے۔ اللہ

کرے کہ اللہ اپنے ان نیک بندوں کے طفیل یہ باتیں ہمارے دلوں کی گہرائی تک پہنچائے، ہمارا کردار سنور جائے، انشاءاللہ۔ اگر ایک کا کردار سنور جائے گا تو تبدیلی واقع ہو جائے گی۔ اللہ پاک ہمارا کہا، سُنا قبول و منظور فرمائے۔ اگر کوئی سوال کرنا چاہے تو اجازت ہے، آج کل میڈیکل کیمپس کا سیزن شروع ہو چکا ہے۔ سارا دن اللہ پاک کی مخلوق کے ساتھ مصروفیت میں گزرتا ہے، یہ بھی اُسی کی ڈیوٹی ہے، اِس سے فارغ ہوتے ہوئے تھوڑی دیر ہو جاتی ہے۔ اِس لیے درس بھی تاخیر سے شروع ہوتا ہے۔ دیر میں ہم اکٹھے ہی ہیں کیونکہ میں نے اب آپریشن شروع کرنے ہیں، ممکن ہے کہ لسٹ نمازِ فجر کے بعد بھی جاری رہے۔ یہ امر ربی کی بات ہے اِس کا بیان کرنا اور سُننا دونوں ضروری ہیں، اِس پر عمل کرنا بھی اسی طرح ضروری ہے۔ اللہ پاک عمل نصیب فرمائے، آئیں مل کر اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔ آمین۔

وماعلینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف۔22

دورانیہ۔53منٹ۔تاریخ۔2013-11-07

بمقام۔مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

پچھلی محفل میں تواضع کے بارے میں گزارشات کی گئیں۔تصوف تعمیرِ کردار کا نام ہے، اللہ پاک نے قرآن کریم میں تعمیرِ کردار کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ ہر وہ شخص جس نے اپنی زندگی فانی جان لی اور اُس زندگی کے بعد اللہ کی جناب میں حاضر ہونے کا یقین کر لیا "والیہ ترجعون" اللہ پاک نے قُرانِ پاک میں اِس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ تمہیں لوٹایا جانا ہے، بلایا جانا ہے، اُس کی طرف آنا ہے۔ جس نے واپس لوٹ کر جانا ہے تو اُس سے اُس کے کردار کی پوچھ ہونی ہے۔ تعمیرِ کردار کے واسطے ہی انسان کو دُنیا میں بھیجا گیا ہے۔ تعمیرِ کردار اپنے ظاہر اور باطن دونوں کو سنوارنے کا نام ہے۔

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۞ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" (الشمس:9،10)

اللہ پاک نے فرمایا وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا اور وہ ناکام ہو گیا جس نے اُس کو خاک میں ملا دیا۔ اللہ پاک نے انسان کو دُنیا میں مہلت عطا فرمائی اور یہ کہہ کر کہ!

" وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ"(الذاریات:56)

انسانوں اور جنوں کو اس واسطے پیدا کیا کہ تا کہ وہ میرے بندے بن جائیں۔ اگر انسان دُنیا میں آیا اور بغیر بندگی اختیار کیے واپس چلا گیا تو پھر!

" زندگی آمد برائے بندگی   زندگی بے بندگی شرمندگی"

اس دُنیا کی بھی اور آخرت کی بھی۔ دُنیا میں ہر کسی نے وقت گزارنے کے بعد اپنے مقررہ وقت پر یہاں سے روانہ ہونا ہے۔ اُس سے قبل جس شخص کو اِس اہمیت کا احساس ہوتا ہے اُس کے واسطے ضروری ہے کہ وہ اپنے بارے میں کچھ غور کرے۔ کہتے ہیں کہ!

"اپنے من میں ڈوب کر پا جا سُراغِ زِندگی   تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن"

کم از کم انسان اپنا تو بن جائے۔ جو شخص اپنے کردار کو خاک میں ملا دیتا ہے وہ دُنیا میں بھی قابل نفرت اور اللہ کے نزدیک بھی قابل نفرت ہوتا ہے۔ اللہ پاک نے قُرانِ پاک میں ارشاد فرمایا!

" أُوْلَٰئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ" (الاعراف:179)

"وہ لوگ جانوروں کی مانند بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں" ہم سب چند گھڑیاں اس واسطے مل بیٹھتے ہیں کہ ہم سب کو کم از کم اس حقیقت کا احساس ہو جائے کہ ہم کس واسطے آئے ہیں۔ حضرت امام ابو طالب حارث مکیؒ فرماتے ہیں۔ ہر رات ایک فرشتہ صدا دیتا ہے کہ کاش یہ مخلوق

پیدا نہ ہوئی ہوتی، اگر پیدا ہوئی تھی تو یہ اپنی زندگی کے مقصد کو جان لیتی اور اگر جان لیا تھا تو اُس پر عمل کر گزرتی۔ اس دُنیا میں آنے کا جو مقصد ہے اگر کوئی شخص اس سے لاپرواہ رہے، تو اس کی یہ زندگی بھی نقصان میں ہے۔

"وَالْعَصْرِ ۞ إِنَّ الإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ" (العصر:1،2)

اللہ نے پہلے ہی categories کر دیا ہے کہ!

"إِلاَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" (العصر:3)

کامیاب شخص وہ ہے جو صاحبِ ایمان ہو اور اُس کے عمل صالح ہوں۔ صاحبِ ایمان ہونا اور عملِ صالح کا نصیب ہونا یہ دونوں بالترتیب واقع ہوتے ہیں، sequence of the events یعنی پہلے ایمان ملتا ہے اور اس کے بعد عملِ صالح۔ صاحبِ ایمان سے جو بھی نیک اعمال سرزد ہوتے ہیں اُن کو عملِ صالح کہا جاتا ہے۔ ہم اِن محافل میں اپنے آپ کو یہ احساس دلانے کے واسطے اکٹھے ہوتے ہیں۔ کیونکہ بعض ایسے آستانے ہیں جن کے واسطے یہ ضروری ہے کہ نہ صرف وہ اچھائی کریں یا اپنے ساتھ والوں کو اچھائی کے بارے میں آگاہ کریں بلکہ اُس اچھائی کی تعلیم دیں، اُس کو عام بھی کریں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ تمام مشائخ علمِ تصوف کی اصل خوبی ہیں اور اِس کی شاخ بارآور ہے۔ تمام مشائخ جو اہلِ علم ہوئے ہیں اپنے تمام مُریدوں کو علمِ تصوف حاصل کرنے پر ابھارتے ہیں اور اُس پر عمل کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ نہ خود لُچر اور فضول باتوں کے تابع رہے، نہ لغو طریقہ پر چلے اور نہ ہی اپنے مُریدوں کو ایسا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اِس ردِ عمل کے طور پر یہ ضروری ہے کہ ہم اِن محافل کا انعقاد کریں، اِس کے دو فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ ہمیں خود کو یہ احساس ہو گا کہ ہم کس ڈگر پر چلے جا رہے ہیں۔ کیا وہ ہمارے واسطے درست ہے یا کہ نہیں۔ جس کو یہ احساس ہو جائے۔ یقیناً اس کے واسطے توبہ کا دروازہ کُھل جاتا ہے، توبہ معرفتِ الٰہی کی پہلی منزل ہے۔ کہتے ہیں کہ!

"وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا   کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا"

دل کے اندر یہ احساس ہونا کہ ہم غلط راستہ پر ہیں یا ٹھیک ہیں یہ ابتداء ہے، اِس سے اگلی بات اُس پر عمل درآمد ہے۔ اگر کسی کو یہ احساس ہی نہیں تو اُس کے واسطے شب و روز ایک کولہو کے بیل کے مترادف ہیں۔ اِس واسطے ہم نے چند گھڑیاں مل بیٹھنا شعار بنایا۔ یہ طریقہ کار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذَاتِ اَقدَس سے چلا آرہا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ نبی کریم ﷺ جب نماز ادا فرما لیتے تھے تو اس کے بعد صحابہ کرام ان کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے تھے بلکہ کچھ صحابہ نے اپنی زندگیاں اِس کام کے واسطے وقف کر دیں، اُنہوں نے مسجدِ نبوی شریف کے اندر ہی اپنا ٹھکانہ بنالیا، حصولِ علم کو اپنا اُوڑھنا بچھونا بنالیا۔ اُن کو اصحابِ صُفہ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابی ہریرہؓ اور حضرت انسؓ جیسے صحابہ اُن صحابہؓ میں شامل ہیں۔ اُن کے ذریعے ہمیں دین اسلام کا ایک بڑا حصہ ملا۔ اُس زمانہ میں نہ تو کوئی کلاسیں ہوئیں، نہ کوئی منشور چھاپا گیا بلکہ یہ ہی وہ گفتگو تھی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے بعد فرماتے تھے، صحابہ کرام اُس کو اپنے دلوں میں ریکارڈ کرتے تھے، یہ ہی گفتگو آگے چل کر قرآن و سُنت بنی، قُرانِ پاک بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تلاوت کرنے سے ہم تک پہنچا اور صحابہ کرام کے ذریعے پہنچا، یہ ہی فقہ اور سُنت بنی اور یہ ہی ترویجِ اسلام کا طریقہ کار ہے۔ بہر حال اس سلسلہ میں ہم تصوف، تصوف کا معانی ہے تعمیرِ کردار۔ اپنی تعمیر کرنا، اپنے آپ کو درست کرنا، اپنے

آپ کو سنوارنا، جو خود اپنے آپ کو سنوار لیتا ہے وہ معاشرے کو بھی سنوار لیتا ہے۔ یہ قدرت کا اصول ہے اور یہ جملہ انڈر لائن کرنے والا ہے، سنبھال کر رکھنے والا ہے کہ!

"روشن چیز کی روشنی جس پر پڑے وہ بھی روشن ہو جاتا ہے"

بلب روشن ہوتا ہے، جس جس پر بلب کی روشنی پڑتی ہے وہ بھی روشن ہو جاتا ہے۔ یہ پہلی مرتبہ 1995ء میں معراج النبی ﷺ کے عرس کے موقع پر میں نے اپنی گزارشات میں یہ مقولہ گزارش کیا اور میری والدہ صاحبہ نے سماعت فرمایا، انہوں نے اِس کو لکھ کر، فوٹو اسٹیٹ کروا کر بے شمار کاپیاں تقسیم کیں کہ "روشن چیز کی روشنی جس پر بھی پڑتی ہے وہ بھی روشن ہو جاتی ہے" جو شخص اپنا کردار سنوارے گا اُس کا صرف اپنا نہیں سنورے گا بلکہ زمانہ سنور جائے گا۔ میں یہ پہلے ہی گزارش کر چکا ہوں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی احادیث مبارکہ کے پیش نظر کہ کسی علاقے میں اگر کوئی ایک شخص اپنے آپ کو سنوار لیتا ہے تو اُس کے گرد و پیش رہنے والے اُس سے فیض یاب ہوتے ہیں، اُس کے بغیر کہے اُن کے دلوں کی حالت بدلتی چلی جاتی ہے۔ اِس زریں اصول پر عمل کرتے ہوئے ہمیں تعمیر کردار کے واسطے جستجو کرنی ہے اور یہ نیت لے کر بیٹھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن لوگوں میں کر دے جو اپنے آپ کو سنوار لیں اور اُن کے ذریعے زمانہ سنورے۔ اگر ہم اِس جدوجہد کو اختیار نہیں کریں گے تو مِن حَیثُ القوم تاریکی بڑھتی چلی جائے گی اور رَفتہ رَفتہ حقیقت معدوم ہوتی چلی جائے گی۔ یاد رکھیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت تب تک نہیں آئے گی جب تک ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا شخص اِس دُنیا میں رہے گا۔ مطلب یہ کہ جس وقت اللہ اللہ کرنے والے اٹھ گئے تو اِس دُنیا نے فنا ہو جانا ہے، قیامت آ جانی ہے۔ اِس واسطے یہ ہمارا فریضہ بنتا ہے کہ ہم اتنی جیتی جاگتی مخلوق اِس کائنات ارضی میں جس کا شمار ہی کوئی نہیں، بے شمار مخلوقات، ایک گھر میں اگر چار بندے رہتے ہیں تو کئی ہزار چیونٹیاں اور اسی طرح کے بے شمار جانور وہ بھی چاہتے ہیں کہ اُن کو بھی عزت مل جائے۔ اگر یہ طریقہ کار ختم ہو جائے معاذ اللہ معاذ اللہ تو پھر اِس کائنات کا اختتام ہو جاتا ہے۔ اللہ نے جب تک چاہنا ہے اِس کو قائم رکھنا ہے لیکن اُس نے یہ بھی وارننگ دے دی کہ اگر تم اِس راستہ سے ہٹ جاؤ گے تو پھر میں تمہیں لے جاؤں گا، تمہاری جگہ اور قوم لے آؤں گا جو میری عبادت کرنے والی ہو گی اور میرا دم بھرنے والی ہو گی۔ اپنی بقاء اور اِس کائنات ارضی کی بقا کے واسطے ضروری ہے کہ ہم اپنے کردار اور اپنے گرد و پیش کی فکر کریں۔ روٹی کھا لی، وقت گزار لیا، آرام مل گیا یہ کافی نہیں۔ اِس کے ساتھ ذمہ داری ادا نہیں ہوتی۔ اللہ کی بارگاہ میں یہ سوال ہونا ہے۔ بہر حال اِس میں بھی جو تصوف کے اصول پہلے سماعت کیے اُن میں سے ایک خدمتِ خلق تھا، دوسرا اخلاق۔ اخلاق کے سلسلہ میں تواضع، عجز و انکسار۔ یہ ایک ایسا اخلاق ہے جو انسان کو جچتا ہے اور بحیثیت اشرف المخلوقات اللہ نے انسان کو سب سے اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔

"خَلَقْنَا الإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ" (التین:4)

ہم نے انسان کو بہترین تناسب میں پیدا کیا۔ "خلق الادم علی صورتہ" حدیث قدسی ہے۔ اللہ پاک نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔ اور فرمایا!

"فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي" (الحجر:29)

میں جب اس کا پتلا بنا بیٹھا تو اس میں اپنی طرف سے رُوح پھونکی۔ یہ سارے اعزاز انسان کو نصیب ہوئے۔ اسی واسطے اِس کو تعمیرِ کردار کا حکم ہوا ہے۔ تاکہ اِس کے ذریعے کائنات کی باقی مخلوق کو فیضان ملے، ہدایت ملے، روشنی ملے، زندگی ملے، رزق ملے، رحمتیں اور انعامات ملیں۔ اللہ نے انسان کو اپنی عنایات کا چینل بنایا ہے، ذریعہ بنایا ہے۔ یہ ذریعہ بننے کے واسطے ضروری ہے کہ ہمارے اندر وہ اخلاق پیدا ہوں جن کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کر سکیں۔ اللہ پاک نے فرشتوں کے سامنے ارشاد فرمایا تھا کہ!

"إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً" (البقرۃ:30)

میں روئے زمین پر بنانے لگا ہوں اپنا ایک نمائندہ، پیدا کرنے لگا ہوں نہیں فرمایا۔ اگر "خالق فی الارض خلیفۃ" ہوتا تو پھر ہر پیدا ہونے والا شخص اللہ کا خلیفہ ہوتا، اُس کا نمائندہ ہوتا، اُس کا ترجمان ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ پاک نے فرمایا "جَاعِلٌ" بناؤں گا، بنے گا وہ جو اللہ پاک کے حکموں پر عمل کرے گا۔ جو عمل نہیں کرے گا اُس کو سائیڈ پر کر دیا جائے گا۔ اللہ پاک نے اُن کو جانور یا اُس سے بھی بدتر قرار دے کر reject کر دیا ہے۔ اپنی نمائندگی سے خارج کر دیا ہے۔ اللہ پاک کی اِس کائنات ارضی تک اللہ کی نعمتیں، اُس کی عنایات، اُس کا رزق، اُس کی شفقت اور رحمت پہنچانے کا ذریعہ اللہ پاک نے انسان کو ہی بنایا ہے۔ اگر اِس منصبِ جلیلہ کو حاصل کرنا ہے تو کامیابی ہے۔ اگر نہیں کرنا تو پھر ذلت کی زندگی، اُس کے بعد پھر مسلسل عذاب۔ کیونکہ اللہ پاک نے جو جہت مقرر کی، جو شخص اُس پر عمل درآمد نہیں کرتا اللہ پاک اُس کو "فاخرج منھا" قرار دے کر نکال دیتا ہے۔ پھر اُس کے واسطے دُنیا اور آخرت کی رسوائیاں مقدر ہو جاتی ہیں۔ جس نے اللہ پاک کی نمائندگی کا فریضہ ادا کرنا ہے۔ جو طالب علم کسی ادارے میں داخل ہو، اُس کے تمام تر اصولوں پر عمل کرے تو وہ کسی نہ کسی دن ڈگری لے کر نکلتا ہے، دوسروں کے واسطے فائدہ مند ہوتا ہے۔ اگر نہ کرے تو اُس کو سزا یافتہ قرار دیا جاتا ہے، وہ صرف تعلیم کے واسطے ہی نا اہل نہیں ہوتا بلکہ اُس کو بے شمار نعمتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اِس لیے یہ طریقہ ہمارے واسطے لازمی ہے۔ اِس میں تواضع یا عجز وانکسار یہ انسان کی دریا دلی کی طرف راستہ کھلتا ہے۔ تاکہ اُس کے اندر accommodation دوسروں کو سنبھالنے، اُن کو برداشت کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائے۔ عجز وانکسار ایک ایسی نعمت ہے جس کے ذریعے انسان دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اپنے آپ کو تو سنوارتا ہی ہے اُس کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ جو شخص تکبر اختیار کرتا ہے وہ کسی کے واسطے فائدہ مند نہیں اور خود بھی ذلت کا شکار ہوتا ہے۔ لیکن جس کے اندر عجز وانکسار اور تواضع ہے، یہ میں تواضع کے سلسلہ میں گزارشات پہلے بھی کر چکا ہوں، لیکن جو کچھ پوائنٹ باقی تھے، اگرچہ اِس پر کہنے کے لیے بہت کچھ ہے، سارا کچھ ہی ضروری ہے، کیونکہ یہ بندگی کی جڑ ہے، اگر یہ نہیں تو بندگی نہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تواضع کے بارے میں بہت سارے ارشادات فرمائے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی نازل فرمائی کہ آپ ﷺ تواضع اختیار کریں اور کوئی شخص ایک دُوسرے پر زیادتی نہ کرے۔ تواضع عجز وانکسار کو کہتے ہیں۔ یہ حقیقتاً اپنی presentation اپنے آپ کو ظاہر کرنا ہے اپنے رب کے سامنے اور اپنے اللہ کی مخلوق کے سامنے۔ ہم نے اللہ کے سامنے جو آداب بجالانے ہیں، تواضع میں وہ آداب شامل ہیں، اور جو آداب

مخلوق کے ساتھ ضروری ہیں وہ بھی شامل ہیں۔ تواضع کے ظاہری اور باطنی پانچ پانچ اصول جو میں نے گزارش کیے تھے اُن میں سے ظاہری سچ بولنا، سخاوت کرنا، جسمانی طور پر تکبر سے بچنا، جیسا کہ میں نے تکبر کی نشانی پر بتایا تھا کہ متکبر اپنے آپ کو دوسروں سے اونچا بٹھاتا ہے۔ کسی محفل میں جا کر بیٹھے تو اپنے آپ کو اونچا اِس واسطے بٹھاتا ہے کہ میں دوسروں سے اونچا ہوں۔ ماسواء اُن ذکر کی محافل میں جن میں امام منبر پر بیٹھتا ہے، دوسروں کو اپنی طرف سے کوئی تکلیف نہ دینا، کسی انکار کے بغیر خود مخلوق کی تکلیف برداشت کرنا۔ یہ ظاہری اصول ہیں، باطنی اپنے آقا کریم ﷺ کے ساتھ محبت کرنا، اپنے عمل پر اللہ کی بارگاہ میں ہمیشہ توبہ استغفار کرتے رہنا کیونکہ ہمارے اعمال ہماری نگاہوں میں چاہے اچھے ہیں یا بُرے ہیں لیکن درحقیقت یہ اللہ کو پتہ ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جن کو اللہ پاک کا قُرب نصیب ہو جائے اُن میں ایک صِفت پیدا ہوتی ہے دَوامُ الالتجاء۔ وہ ہر وقت اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے عجز و انکسار اور اپنی کم مائیگی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ دَوامُ الالتجاء۔ اللہ کی بارگاہ میں التجاء کرتے ہیں کہ یا اللہ ہم کم تر ہیں آپ ہماری غلطیاں معاف فرمادیں۔

"میں نیواں میرا ماہی اُچا میں کی کریار مناواں ہُو"

یہ دَوامُ الالتجاء ہے۔ اپنے رب سے حیاء کرنا۔ جب انسان کسی مَعصِیت کا ارتکاب کرنے لگے تو یہ محسوس کرے کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اُس سے حیاء کرلے اور اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اُمید رکھنا اور اپنے آقا ﷺ کی جدائی کا خوف رکھنا یہ باطنی اصول ہیں۔ یہ باطن کا اصول ہے، حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ تواضع کی تین علامتیں ہیں۔ اپنے نفس کو حقیر جاننا تاکہ نفس کا عیب معلوم ہو سکے۔ توحید کی حرمت کے واسطے لوگوں کا احترام کرنا۔ اِس کا معانی یہ ہے کہ جو شخص اللہ پاک کی کبریائی اور اُس کی عظمت کو مانتا ہے وہ اُس کی بنائی ہوئی ہر مخلوق کی عزت کرتا ہے۔ جو شخص اپنے رب کے ساتھ پیار کرتا ہے اُس کی بنائی ہوئی ہر مخلوق کی عزت کرتا ہے۔ حضرت ابو طالب حارث مکیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن سفر میں تھے، ایک جگہ بیٹھے تو ایک ناپاک جانور گزرا۔ جس کو قُرانِ پاک نے حرام قرار دیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا سلامتی کے ساتھ جاؤ۔ اُن کے حواریوں نے کہا کہ یا حضرت یہ تو ناپاک جانور ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ پیدا تو اُس نے ہی کیا ہوا ہے۔ صرف ہمیں کھانے سے منع کیا ہے۔ لیکن نفرت نہ کرنے سے منع نہیں کیا۔ نفرت نہ کرنا یہ عجز و انکسار کی شرط ہے۔ بہرحال توحید کی حرمت کے واسطے مخلوق کی تعظیم کرنا، سچی بات اور نصیحت کو اپنے سے چھوٹے یا بڑے ہر کسی سے قبول کرنا۔ جو لوگ اپنے تئیں اپنے آپ کو عاقل سمجھتے ہیں اگر اُن کو اُن کی کوئی غلطی بتائی جائے، انسان خطا کا پتلا ہے، کسی وقت بھی کوئی بھی غلطی اُس سے سرزد ہو سکتی ہے اگر اُس سے کوئی چھوٹا بندہ اُس کی کوئی غلطی اُس کو بتادے تو وہ اُس پر چڑھائی کرتا ہے اُس سے ناراض ہوتا ہے، یہ تکبر ہے۔ ہر شخص سے سچی بات یا نصیحت کو قبول کرنا یہ تواضع کی علامت ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ سے پوچھا گیا کہ انسان کب متواضع ہوتا ہے تو آپؒ نے جواب دیا کہ جب وہ اپنی ذات پر اپنا کوئی حق نہ سمجھے۔ اپنے آپ کو اللہ کی مخلوق کے واسطے وقف کر دینا۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنے نان نفقہ کی ذمہ داری یا اپنے بال بچے کی ذمہ داری پوری نہ کرے وہ اپنی جگہ درست ہے لیکن وہ کرتے ہوئے ایثار کا راستہ اختیار کرے۔ آج جو میں نے گزارشات کرنی ہیں، اُن میں یہ جو ایثار کا نقطہ ہے یہ بھی گزارش کرنے والا ہے۔ لیکن اِس سے پہلے ایک فرق بتانا ہے کہ عجز و انکسار اور عزت اور ذلت۔

عجز وانکسار ہمیشہ عزت کے راستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ذلت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے ناواقف ہو کر اُس کو اغراض ومفاد کے حصول کے واسطے خوار کرے۔ دُنیاوی اغراض اور مفاد کے واسطے کم تر کر دے۔ جو شخص بغیر کسی تفریق کے اللہ کے راستہ کسی کی تعظیم یا عزت کرتا ہے اُس کی بھی عزت ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص کسی اپنی ذاتی غرض یا مفاد کے واسطے کسی شخص کے سامنے عجز وانکسار یا تواضع کرے اُس عمل کو تواضع نہیں کہا جاتا بلکہ اُس عمل کا نام خوشامد ہے، اُس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ ذلت کی صورت میں نکلتا ہے۔ انسان خوشامد کرتا ہے، جس کی وہ خوشامد کرتا ہے اُس کی نظروں میں وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ یہ ذلت اور عجز وانکسار کے اندر فرق ہے۔ عجز وانکسار میں فقط رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے، اُس کی وجہ سے بندہ مخلوق کے ساتھ عجز کا اظہار کرتا ہے، انکساری اختیار کرتا ہے یا اُس کی تعظیم و تکریم کرتا ہے فقط اللہ کی رضا کے واسطے۔ لیکن خوشامد کی صورت میں انسان کسی کے سامنے عجز وانکسار کرے اپنی کسی ذاتی غرض یا مفاد کے واسطے ایسی صورت میں اُس کا نتیجہ ذلت ہوتا ہے، اِس عمل کو خوشامد کہا جاتا ہے۔ عجز وانکسار اور ذلت میں یہ فرق ہے۔ بہر حال اِس کا علاج جو پچھلی دفعہ میں نے عرض کیا تھا، دوبارہ گزارش کر دوں کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ بندہ تواضع کی حقیقت کو اُس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اُس کے دل میں نورِ مُشاہدہ کی تابانی نہ ہو۔ کیونکہ جب نورِ مُشاہدہ روشن ہو جائے اُس کو اُس کے ساتھ نفس میں گداز، رقت، حلاوت اور کیف و سرور پیدا ہو جاتا ہے ایسے دل سے تکبر نکل جاتا ہے اور اُس میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص مخلوق کا اور حق تعالیٰ کا مطیع بن جاتا ہے اِس لیے کہ اُس کے آثار و وجود اِس گداز کے باعث مٹ جاتے ہیں۔ اُس میں جو انانیت تھی وہ ختم ہو جاتی ہے۔ یہ چیز نورِ مُشاہدہ کہلاتی ہے۔ یہ علاج پچھلی دفعہ بھی میں نے گزارش کیا تھا لیکن مختصراً بیان کیا تھا۔ نورِ مُشاہدہ۔ مُشاہدہ کہتے ہیں دیکھنے کو۔ مُشاہدہ کے معانی کے واسطے ایک طویل موضوع ہے لیکن سمجھانے کے واسطے مُشاہدہ دیکھنے کو کہتے ہیں۔ شاہد اسی سے نکلا ہے جس کو گواہ کہتے ہیں۔ نورِ مُشاہدہ۔ کس کو دیکھنے سے یہ نور حاصل ہوتا ہے، اللہ رب العزت کی ذَاتِ اَقدَس کا مُشاہدہ، مخلوق کا نہیں بلکہ خَالِق کا مُشاہدہ۔ خَالِق کا مُشاہدہ حاصل کرنیکی جستجو اُس کی بنیاد توبہ ہے۔ سب سے پہلی سیڑھی توبہ ہے۔ جس کے ساتھ انسان کے دل میں عجز وانکسار شروع ہوتا ہے۔ توبہ بندہ اُس وقت ہی کرتا ہے جس وقت وہ اپنے آپ کو غلط سمجھتا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو اچھا سمجھے اُس سے توبہ نہیں ہو سکتی۔ جس شخص نے اللہ کی بارگاہ میں شرمسار نہیں ہونا اُس کو توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ جس کے دل میں عاجزی آتی ہے وہ ہی توبہ کرتا ہے۔ حقیقتاً عجز وانکسار ہی توبہ کی بنیاد ہے۔ جب انسان توبہ کر لیتا ہے اُس کے بعد اُس کی اللہ تعالیٰ تک رسائی کے راستہ کا آغاز ہوتا ہے، اِس میں جو جو منازل گزرتی ہیں اُن سے واقف ہونا ضروری ہے۔ یہ ہی ہدایت کا راستہ ہے۔ اور ہر تان یہاں پر ہی آکر ٹوٹتی ہے، یہ سبق مُرشد کامل کے بغیر اور کسی سے مل ہی نہیں سکتا۔ حضرت سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں کہ!

”تسبیح پھری تے من ناپھریا کی لینا تسبیح پھڑ کے ہو

چلے کیتے کجھ نہ کھٹیا کی لینا چلیاں وڑھ کے ہو

جاگ بناں دودھ جمدے ناہی باہو بھاویں لال ہوون کڑھ کڑھ کے ہو“

جب مُرشد کامل مل جائے تو پھر اُس سے یہ دولت تو زندگی میں حاصل کرلیں۔ کچھ ملے یا نہ ملے اُس سے ہدایت تو ضرور حاصل کرنی چاہیے۔ دُنیا تو مُرشد کے پاس جانے سے خود بخود ہی حاصل ہو جاتی ہے اُس سے رہنمائی کا سوال کرنا چاہئے۔ یہ رہنمائی اِسی طریقے سے ملتی ہے اِس کو مجمع عام میں اِس طرح سے تو بیان نہیں کیا جا سکتا یہ ایک علیٰحدہ موضوع ہے۔ نورِ مُشاہدہ کے سلسلہ میں ایک تفصیلی لیکچر رمضان شریف میں گزارش کر چکا ہوں اعتکاف والوں کی موجودگی میں۔ وہ بہت سارے لوگوں نے سنا ہو گا جتنے بھی لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اِن میں سے کافی لوگوں نے سنا ہو گا۔ جن کو اِس کی تشنگی ہو وہ میرے ساتھ ملیں تو انشاء اللہ اُن کو گزارش کر دی جائے گی یا دے دیا جائے گا۔ اِس سے اُس نورِ مُشاہدہ کی ابتداء ہوتی ہے۔ میں فقط ایک لفظ میں بات ختم کرتا ہوں کہ اسم اللہ کے مُراقبے سے اِس کا آغاز کیا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ نورِ مُشاہدہ ملے گا۔ فرماتے ہیں کہ جب نورِ مُشاہدہ کی تابانی ہوتی ہے اُس سے نفس میں گداز پیدا ہوتا ہے۔ اُس گداز سے تکبر کی صفائی ہو جاتی ہے اُس میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے ، بندہ مخلوق اور حق کا مطیع بن جاتا ہے۔ اُس نورِ مُشاہدہ کو حاصل کرنا یہ تواضع کا ٹریٹمنٹ ہے۔ جو شخص اسمِ اللہ کا مُراقبہ کرے گا اُس کو خود بخود اِس کی برکتیں حاصل ہو جائیں گی۔ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اَقدس اِس سلسلہ میں ہمارے واسطے ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتی ہے، باوجود اِس کے کہ آپ ﷺ سردارِ انبیاء، اللہ پاک کے محبوب ہیں اور چونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں لہذا وہ بخشے ہوئے ہوتے ہیں لیکن حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول پاک ﷺ کو اپنے کمرے میں نہ پایا تو مجھے یہ خیال گزرا کہ شاید آپ کسی اور حجرے کے اندر تشریف لے گئے ہوں چنانچہ میں اُٹھی، میں نے تمام حجروں کے اندر آپ ﷺ کو تلاش کیا لیکن آپ ﷺ کسی حجرے کے اندر موجود نہیں تھے۔ اُس کے بعد میں سرکار ﷺ کی تلاش میں مسجد کے اندر گئی تو میں نے آپ کو مِثل بوسیدہ کپڑے کے، پرانا کپڑا جس طرح پڑا ہوتا ہے، مِثل بوسیدہ کپڑے کے سجدے کے حالت میں اِس طرح پایا کہ آپ ﷺ زبان مبارک سے یہ لفظ ادا فرما رہے تھے کہ یا اللہ میرا دل اور میرا خیال بھی تیرے حضور میں سر بسجود ہے۔ میرا دل تجھ پر ایمان لایا اور میری زبان اِس کا اقرار کرتی ہے۔ اب میں تیرے حضور میں حاضر ہوں، اے حرمت والے، اے بڑے بڑے گناہوں کو بخشنے والے رب میں تیرے سامنے موجود ہوں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اللہ کی بارگاہ میں یہ التجاء، مناجات فرما رہے تھے۔ یہ نبی پاک ﷺ کی تواضع تھی کہ باوجود اِس کے کہ ساری نعمتیں ہونے کے باوجود،

" اِدھر مخلوق میں شامل اُدھر اللہ سے واصل"

یہ تواضع حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا شعار رہا ہے، اِس کا ایک حصہ ایثار ہے۔ ایک حصہ دوسروں سے اذیت برداشت کرنا۔ اِس کے بارے میں میں نے پچھلی دفعہ گزارش کی تھی اور دُوسرا ایثار۔ ایثار یہ ہے کہ انسان دُوسرے کے واسطے اپنی ضرورت کو قُربان کر دے۔ حضرت شیخ بایزد بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ بلخ کے ایک نوجوان نے مجھے لاجواب کر دیا، وہ اِس طرح کہ وہ نوجوان حج کے سفر میں ہمارے ساتھ تھا۔ اُس نے میرے سے پوچھا کہ زُہد کس کو کہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ ہمیں جو کچھ مل رہا ہے وہ کھا لیتے ہیں نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔ اُس نوجوان نے کہا کہ ہمارے بلخ کے کتے بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ یہ سُن کر میں نے پوچھا تمہارے نزدیک زُہد کی کیا تعریف ہے۔ اُس نے کہا کہ جب ہمیں کچھ نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں اور کچھ مِل جائے تو ایثار کرتے ہیں۔ "مِل جائے تو کھا لیتے ہیں، نہ ملے تو صبر کرتے ہیں"۔ نوجوان نے کہا کہ جانور بھی تو ایسے

ہی کرتے ہیں۔ اُنہوں نے پوچھا کہ پھر تم کیا کرتے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ جب کچھ نہ ملے تو ہم شکر کرتے ہیں اور کچھ مل جائے تو ایثار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اُس کی یہ بات سن کر میں شکست خوردہ ہو گیا۔ یعنی جو شخص اپنے آپ کو یقیناً زاہد و عالم اور عبادت گزار سمجھتا ہو اُس کے واسطے بہت بڑی بات ہے۔ حضرت شیخ ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ایثار کی تین نشانیاں ہیں کہ جمع کردہ چیز کو خرچ کرتا ہے، گمشدہ چیز کی تلاش نہیں کرتا اور اپنی غذا اور خوراک دوسروں کو کھلا دیتا ہے۔ جو شخص صاحب تواضع ہو وہ جمع کردہ چیز کو خرچ کرتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر اُس کو روک کر نہیں رکھتا۔ گمشدہ چیز کی تلاش نہیں کرتا، اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیتا ہے۔ اپنی غذا اور خوراک دوسروں کو کھلاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے بنو نوزیر کی جنگ میں فرمایا، اَنصار کو حکم دیا کہ مُہاجرین کو اپنے مالوں اور گھروں میں شریک کر لیں، پھر تم سب بھی مال غنیمت میں اُن کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ انصار نے جواب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے مالوں اور اپنے گھروں میں سے برابر کا حصہ دیں گے، اِس کے علاوہ مال غنیمت اُن کا ہی حق ہو گا، ہم اُن کے لیے اپنی طرف سے اپنا حق اِیثار کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مزید کچھ روایات بھی آپؒ نے گزارش کی ہیں۔ میں اُن میں سے چند ایک گزارش کر دیتا ہوں کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بار گاہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے کسی صحابی کو کسی شخص نے ایک بھنی ہوئی بکری کی سری دی اُس دن جب کہ اُن کے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ لیکن اُنہوں نے یہ تحفہ اپنے ہمسائے کو بھیج دیا، اُنہوں نے اپنے ہمسائے کو بھیج دیا، سات گھروں سے پھر کر وہ سری پھر اُسی صحابی کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ایثار تھا۔ ایک ایثار جو ہم نے اپنی درسی کتابوں میں بھی پڑھا تھا۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جنگِ یرموک میں میں اپنے برادرزاد کی تلاش میں میدانِ جنگ میں پھر رہا تھا۔ میری چھاگل میں تھوڑا سا پانی تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید اُس میں زندگی کی تھوڑی سی رمق ہو تو میں اُس کو پانی پلا دوں گا، وہ زخمی حالت میں پڑا ہو گا۔ آخر کار میں اُس کے پاس پہنچ گیا، میں نے اُس کو کہا کہ کیا تمہیں پانی کی ضرورت ہے، اُس نے اشارے کے ساتھ جواب دیا کہ ہاں مجھے پانی چاہیے۔ جوں ہی میں اُس کو پانی پلانے لگا۔ ساتھ کے زخمی نے آہ بلند کی، میرے بھائی نے اُس کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے پانی اُس کو پلا دے۔ جب اُس کے پاس پانی لے کر پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا، جب میں واپس آیا تو وہ بھی دم توڑ چکا تھا، شہید ہو چکا تھا۔ تو اُن دونوں میں سے کوئی بھی پانی نہ پی سکا۔ لیکن دونوں نے ایک دُوسرے کے واسطے ایثار کیا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک روایت حضرت ابی ہریرہؓ نے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ کی بار گاہِ اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں سخت بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلایا جائے۔ نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے پوچھا آج اِس شخص کو کون اپنا مہمان بنائے گا۔ ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں اِس کو اپنا مہمان بناؤں گا۔ وہ ساتھ لے کر اپنے گھر گئے، اپنی بیوی کو کہا کہ یہ شخص حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا مہمان ہے، اِس کی تواضع کی جائے۔ بیوی نے کہا کہ ہمارے پاس صرف بچوں کی خوراک کے سوا کچھ نہیں، اِس کو کہاں سے دیں گے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ تم بچوں کو کسی طرح سمجھا کر سُلا دو اور پھر چراغ جلا دو، شام کا وقت ہو چکا تھا۔ جب مہمان کھانا کھانا شروع کرے تو تم بتی کو گُل کر دینا اور ہم لوگ اپنا منہ اِس طرح چلائیں گے کہ ہم بھی ساتھ کھانا کھا رہے ہیں اور ایسا ہی ہوا، جب وہ شخص کھانا کھانے لگا، بتی بند کر دی گئی اور جب چراغ روشن ہوا تو مہمان سیر ہو کر کھانا کھا چکا تھا، شکم سیر ہو چکا تھا

،جب صبح ہوئی تو یہ انصاری رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سرکار ﷺ نے جیسے ہی اُن کو دیکھا تو تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ رات کو فلاں اور فلاں کی بیوی کے طرزِ عمل کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور اُن کے لیے یہ آیت نازل فرمائی ہے!

"وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (الحشر:9)

وہ لوگ اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہیں اور اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ اُن کو خود ضرورت ہوتی ہے۔ اِس طرح کے اور بھی بہت سارے واقعات ہیں۔ انشاء اللہ بشرط توفیق آئندہ۔ آج جس موضوع کی ابتداء کی گئی وہ ایثار ہے، ایثار کے واسطے بھی تواضع کی ضرورت ہے۔ اِس کے بغیر ایثار ممکن نہیں۔ تواضع تمام ترخوبیوں کی جڑ ہے، جب تک انسان کے اندر عجز و انکسار پیدا نہ ہو اور تکبر نہ جائے اُس کی عبادت در حقیقت عبادت قرار ہی نہیں پاتی۔ جو شخص متکبر ہوتا ہے وہ ہر کسی کے ساتھ غصہ کرتا ہے، اگر وہ اُس پر غالب آسکتا ہو اور اگر غالب نہ آسکتا ہو، کمزور ہو تو پھر مایوس ہو کر وہ اُس سے دلبر داشتہ ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اُس کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔ عجز و انکسار کے بغیر نہ دعا ہے نہ عبادت ہے اور نہ ہی بندگی ہے۔ بندگی حقیقتاً انسان کا اللہ تعالیٰ کا ترجمان ہونا ہے۔ جو شخص اللہ کا ترجمان ہو گا اللہ پاک اُس کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان وسیلہ بنادے گا۔ جس شخص کے پاس اللہ کی مخلوق آئے اور اُس کے ساتھ اُس کو کام پڑے اُس شخص کو صاحبِ نعمت شمار کیا جاتا ہے۔ اِس واسطے کہ اُس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان وسیلہ بنایا ہے، اُس کے ذریعے اللہ اپنی نعمتیں اپنی مخلوق کو عطا کرتا ہے۔ جس شخص کے اندر عجز و انکسار نہیں ہو گا اُس کو اللہ تعالیٰ اپنا نمائندہ کبھی بھی نہیں بنائے گا۔ اگر کامیاب زندگی اختیار کرنی ہے، اللہ کا نمائندہ بننا ہے تو پھر عجز و انکسار کا حصول کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی بات مزید سمجھ میں نہ آئی ہو تو پوچھی جاسکتی ہے۔ آج کا دن لیٹ ہونے کی وجہ تو چندی جمعرات تھی۔ ہمیں یقیناً لاہور سے ہو کر حاضری دے کر واپس آنا ہوتا ہے۔ دُوسرا موسم کی خرابی۔ جس کی وجہ سے روانگی بھی لیٹ ہوئی اور واپسی بھی لیٹ ہوئی، محفل بھی لیٹ ہوئی۔ بہر حال یہ اللہ کے کام ہیں ہر چیز اُس کے اَمر کے ساتھ ہوتی ہے۔ میں تمام شرکاء محفل سے معذرت کا طالب ہوں اِس واسطے کہ آج ہمیں غیر معمولی طور پر کچھ دیر ہو گئی۔ اللہ رب العزت اِس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ تواضع کے سلسلہ میں کوئی ایسی بات جو وضاحت طلب ہو؟۔ اس سلسلہ میں ایک اور روایت بھی عرض کر دوں کہ غزوہِ حنین میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا، آپ ﷺ صفیں درست کروا رہے تھے۔ اِس دوران ایک شخص نے بھاری جوتے پہنے تھے۔ اُس کا پاؤں اچانک حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پائے اقدس پر آگیا، نبی کریم ﷺ نے اُس کو کوڑا رسید فرمایا اور فرمایا تم نے مجھے بہت تکلیف دی۔ وہ شخص جس کا نام عبد اللہ بن ابی بکر وہ کہتے ہیں کہ میں رات بھر اپنے نفس کو ملامت کرتا رہا کہ میری وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچی اور میں نے بڑی بے چینی سے رات گزاری۔ صبح کے وقت ایک آدمی میرے سے پوچھنے لگا کہ فلاں شخص کہاں ہے۔ میں نے کہا کہ وہ تو میں ہوں۔ مجھ سے کل یہ خطا سرزد ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے ساتھ لیا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں لرزاں و ترساں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا تم ہی وہ شخص ہو جس نے جوتے کے ساتھ میرا پاؤں دبا کر مجھے اذیت پہنچائی تھی اور میں نے تمہیں کوڑا مارا تھا۔ اُس کے بدلے میں یہ اسی 80 بھیڑیں ہیں یہ لے لو، یہ تمھاری ہیں، نبی پاک ﷺ کا طریقہ کار یہ رہا ہے۔ ایثار اور تواضع۔ یہ انسان کا جوہر

اور کسی بھی صاحبِ ایمان کا زیور ہے۔ اگر یہ نہیں تو نہ شخصیت ہے، نہ عبادت ہے اور نہ بندگی ہے۔ اللہ کریم ہمیں اِس صفت سے مُتصِف فرما دے۔ یہ میں بار بار اس واسطے بیان کرتا ہوں کہ اِس کی بڑی قلت ہے۔ ہمارے اندر اِس صفت کی بہت زیادہ قلت ہے۔ اگر یہ پیدا ہو جائے تو بخدا زندگی سنور جائے گی۔ جو شخص خود سنورے گا یہ یقین ہے کہ اُس کے گردو پیش کے لوگ بھی سنور جائیں گے۔ جہاں جہاں کوئی رہتا ہے اُس کا گردو پیش خود بخود درست ہوتا چلا جائے گا۔ ''کاش کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات''۔ میں اپنے سمیت سب لوگوں کو یہ گزارش کرتا ہوں کہ ہم ایک دُوسرے کے واسطے دعا بھی کریں اور جستجو بھی کریں کہ ہمارے اندر اللہ تعالیٰ عجز و انکسار کی صفت پیدا کر دے۔ عجز وانکسار کی نشانی حضرت امام غزالیؒ نے بڑی سخت بتائی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو گالی دی جائے اور اُس کو غصہ نہ آئے تو وہ سمجھ جائے کہ اُس کے اندر یہ صفت پیدا ہو گئی ہے۔ اگر اُس کے دل میں غصہ آئے اور وہ تپش میں آجائے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابھی ایمان سے دور ہے۔ اللہ کریم ہمیں اِس کوشش میں کامیابی عطا فرمائے۔ اگر یہ کامیابی ہو گئی تو سمجھ لیں کہ آپ نے بہت بڑا قلعہ فتح کر لیا ہے۔ اللہ کریم ہمیں اِس قلعہ کو فتح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وماعلینا الا البلاغ المبین۔

میں آخر میں پھر اپنے ساتھیوں جو درویش ساتھی جو میرے ساتھ ہوتے ہیں اُن سے گزارش کرتا ہوں کہ جب بھی وہ آنے والوں کے ساتھ گفتگو کریں تو اُن کی زبان میں مٹھاس ہو اور اُن کے چہروں پر مسکراہٹ ہو۔ کیونکہ یہ بھی ایک بہت بڑی عزیمت ہے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص دُوسرے کو سلام کرتا ہے اُس وقت اُس کو سو نیکیاں عطا کی جاتی ہیں۔ اُن کی تقسیم اِس طرح ہوتی ہے کہ اُن میں سے جو زیادہ خندہ پیشانی والا اور ہنس مکھ ہو گا اُس کے سلام پر اُس کو نوے نیکیاں ملیں گی اور جو ترش رو ہو گا اُس کو دس نیکیاں ملیں گی۔ اِس طرح کس قدر نعمتیں ہیں جو انسان اپنی محض تھوڑی سی غفلت کی وجہ سے ضائع کر بیٹھتا ہے۔ اللہ پاک اِس چیز کی توفیق عطا فرمائے کہ!

''نال سلوک دے بول وے ماہی''

اپنے انداز میں ہم یہ چیز پیدا کر لیں کہ باوجود اِس کے کہ ہمارا اندر انگ انگ تکلیف کے ساتھ بھی بھرا ہوا ہو لیکن ہمارے چہرے پر مسکراہٹ ہو اور زبان میں مٹھاس ہو۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔ آمین۔ وماعلینا الا البلاغ المبین۔ (دعا)

درس تصوف:23

موضوع: تصوف اور تعمیرِ کردار

دورانیہ،48منٹ۔ تاریخ:23:11:2014

بمقام۔ مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب، کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِن مجالس کی غرض وغائیت تعمیرِ کردار ہے اس سلسلہ میں ہم نے کشف المحجوب شریف سے استفادہ کیااور اس کے ایک باب تصوف سے اپنی گفتگو کی ابتداء کی، صاحبِ کشف المحجوب شریف حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی تصنیف میں درج فرمایا ہے کہ تصوف وہ راستہ ہے جو تعمیرِ کردار کی ضمانت دیتا ہے۔ تعمیرِ کردار کے سلسلہ میں گفتگو فرماتے ہوئے حضرت داتا گنج بخشؒ نے قرآن پاک کی درج ذیل آیہ مبارکہ کا حوالہ پیش کیا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (الشمس:10،9)

کامیاب ہو گیا وہ جس نے نفس کو سنوار لیا اور ناکام رہا وہ جس نے اِس کو خاک میں ملا دیا آپؒ نے فرمایا کہ تزکیہِ نفس اللہ تعالیٰ کے اِس حکم سے تعبیر ہے، اس کے امام حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جو لوگ اس طریقہ کار پر عمل پیرا ہوئے اور جن لوگوں نے حضور ﷺ کا ظاہری زمانہِ اقدس پایا اُن کو صحابہؓ کہا گیا۔ اُس کے بعد آنے والوں کو اہلِ تصوف کہا گیا یہ اہلِ تصوف وہ لوگ ہیں جو اپنے کردار کی تعمیر کے سلسلہ میں جستجو کرتے ہیں اور بالاخر ایک نہ ایک دن اپنی منزل پالیتے ہیں اِس سلسلہ میں جو گزارشات کی گئیں اُن میں اس سلسلہ میں پیش آنے والی مختلف منازل اور درجوں کے متعلق بتایا گیا، خدمتِ خلق اور اعلیٰ اخلاق اس کے امتیازی درجوں میں سے ہیں، اخلاق کے سلسلہ میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے تصوف کو حُسن الخلق فرمایا "التصوف حسن الخلق" آپؒ نے فرمایا کہ تصوف نام ہی حسنِ اخلاق کا ہے، مزید فرمایا کہ اخلاق دو قسم کا ہے ایک اخلاق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور ایک اُس کی مخلوق کے ساتھ ہے ہم نے گزشتہ دو نشستوں میں اخلاق کے سلسلہ میں تواضع یا عجز و انکسار کے بارے میں گفتگو کی لیکن ابھی تک اِس موضوع کا مکمل احاطہ نہیں کیا جا سکا۔ آج اس سلسلہ میں مجھے جو گزارشات کرنی ہیں حقیقت ہے کہ ایسی محافل عموماً منعقد ہوتی ہیں لیکن رَفتہ رَفتہ ان کی غرض وغائیت موجود نہیں رہتی اور گُفتن، نشستن، برخاستن تک محدود رہ جاتی ہیں، کہ آئے، بیٹھے، سنا اور چلے گئے، ایک کان سے سُنا اور دُوسرے سے نکل گیا، ان محافل کا اصل مقصد یہ ہے کہ بشمول میرے جتنے افراد اس میں شامل ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت میں اپنی حالت بدلنے کا موقع نصیب فرمائے، ہماری محافل کا مقصد ایک دہائی دینا اور فریاد کرنا بھی ہے کہ ہم آپس میں ایک دُوسرے کو بھی سنائیں اور اللہ کریم کی بارگاہ میں التجا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے باطن کی سختی دور فرمائے، ہمارے نفس کو ہمارے قابو میں دے دے اور ہمارے کردار کی بہتری فرمائے، اِن محافل کا یہی مقصد تھا اور ہے، اِس

خدشہ کے پیشِ نظر کہ کہیں یہ محافل ایک معمول کی کارروائی میں نہ بدل جائیں کہ آئے بیٹھے سنا اور چلے گئے اور بس معاملہ ختم ہو گیا، اس سے اجتناب کے لیے آج کے موضوع میں عوارف المعارف میں تواضع کے سلسلہ میں حضرت شہاب الدین سہر وردیؒ کی گفتگو سے کسبِ فیض کیا جائے گا۔ انہوں نے جو اِس کا Treatment یا اِس کا جو علاج بتایا ہے وہ زیرِ گفتگو لایا جائے گا، آپؒ نے فرمایا کہ یہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ کوئی شخص تواضع کی حقیقت تک اُس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اُس کے دل میں نورِ مشاہدہ کی تابانی نہ آئے، جب نورِ مشاہدہ کی تابانی ہوتی ہے تو اُس سے نفس میں ایک گداز پیدا ہوتا ہے، اُس گداز سے طبیعت کی سختی اور تکبر کی صفائی ہو جاتی ہے اور اس میں خود بخود نرمی اور انکسار پیدا ہو جاتا ہے، انسان اپنے خالق کا مطیع ہو جاتا ہے اور مخلوق کے ساتھ اُس کا معاملہ دُرست ہو جاتا ہے تواضع کہتے ہیں عجز و انکسار کو اور عجز و انکسار عبادت کا مفہوم ہے جب تک یہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی اُس وقت تک نہ تو انسان کا کردار سنور سکتا ہے اور نہ اُس کی کوئی عبادت عبادت کہلا سکتی ہے حضور ﷺ نے فرمایا ”لاصلوۃ الا الخشوع“ کہ نماز نہیں، جب تک اُس میں عجز و انکسار پیدا نہ ہو اِس چیز کا آنا عبادت کے واقعہ ہونے کے لیے لازم و ملزوم ہے۔ عبادت کی قبولیت تو اللہ پاک کی مرضی پر منحصر ہے لیکن عبادت کہا اُس عمل کو جاتا ہے جس کے اندر

عجز و انکسار پایا جائے۔ ہم میں ہر کوئی اپنے باطن میں جھانک کر دیکھے کہ کیا ان دو محافل کا ہم پر جیسا اثر ہونا چاہیے تھا ویسا اثر ہوا یا نہیں ہوا، اُس میں مختلف رکاوٹیں پیش آئیں اور اُس میں سب سے بڑی رکاوٹ انسان کا نفسِ امارہ ہے حضرت داتا گنج بخشؒ نے نفس کے بارے میں بہت کچھ لکھا لیکن آج کے موضوع میں مجھے صرف اُس کا اجمالاً تذکرہ کرنا ہے کہ یہ وہ رکاوٹ ہے جو تعمیر کردار میں عملاً ہمارے مدِ نظر ہے اور ہمارے راستہ میں سدِ راہ بنی ہوئی ہے، جب تک یہ رُکاوٹ نہ ہٹے تب تک تعمیرِ کردار کی منزل کا حصول ممکن نہیں محض گفتگو کرتے چلے جانا کہ آج یہ کام کر لیا، کل یہ کر لیا تھا، اِس کا کوئی فائدہ نہیں، اِس سے قبل بھی یہ سب کچھ کتابوں میں لکھا ہوا ہے، ہماری محافل کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو یاد دہانی کروائیں کہ ہم صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں، Deviation کا شکار ہیں اور ہم نے اپنے آپ کو اُس پر چلنے کے لیے تیار کرنا ہے اُس پر گامزن ہونا ہے اور اپنی منزل کو حاصل کرنا ہے اور ہر حال میں کرنا ہے کہ اگر ہم نہ کریں گے تو اللہ پاک نے فرما دیا ہے کہ!

”وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا“ (الشمس:10)

وہ ناکام ہوا، برباد ہوا جس نے اُس کو خاک میں ملا دیا اِس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ تخت یا تختہ۔ تیسری کوئی صورت نہیں البتہ اس کے لیے انسان کی عمر اُس کی مہلت ہے لیکن کسی کو کیا پتہ کہ کون سا لمحہ اُس کی زندگی کا آخری لمحہ ہو اِس لیے ہمیں اِس منزل کو ہر حال میں حاصل کرنا ہے۔ عجز و انکسار ایک ایسی نعمت ہے کہ اگر ہمیں یہ حاصل ہو جائے تو ہماری عبادت حقیقت میں عبادت میں بدل جائے گی اور اس میں وہ لذت اور حلاوت اور گداز پیدا ہو جاتا ہے جو انسان کو دُنیا و مافیہا کے غموں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

”أَلاَ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ“ (یونس:62)

اللہ کریم نے اہلِ ایمان کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

”اللّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُواْ“ (البقرۃ:257)

اللہ ہر اُس شخص کا دوست ہے جو صاحبِ ایمان ہے اور اُس کی یہ کیفیت بتائی کہ اُس پر غم اثر انداز نہیں ہوتا اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس پر کوئی غم آتا نہیں ہے اُس شخص پر بھی غم اُسی طرح آتے ہیں جس طرح ہر کسی پر آتے ہیں لیکن اُن کی قوتِ برداشت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اُن پر کوئی غم اثر انداز نہیں ہوتا گویا اُن کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ طوفان آیا ہی نہیں اور طوفان آکر چلا بھی جاتا ہے۔

''ہم ساحل پر ہوتے اور کشتی ڈوبتی اپنی''

اس کیفیت کو حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ صرف سننے یا کہنے سے ممکن نہیں اِس کے لیے ہمیں مُصمم ارادہ اور اُس پر عمل درآمد کی ضرورت ہے۔ اس عمل درآمد میں جو چیزیں سدِراہ آتی ہیں اُن میں سب سے زیادہ اہم نفس ہے کہ نفس امارہ انسان کو سخت کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پیروی کے راستہ میں رکاوٹ بنتا ہے حضرت شیخ شہاب الدین سُہروردیؒ نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ تواضع کے دو رخ ہیں ایک یہ کہ انسان اللہ پاک کے احکام کی پابندی کرے اور دُوسرا یہ کہ اپنے نفس کو عزمتِ الٰہی کے لیے پست کر دے پس اگر اُس کا نفس کسی ایسی چیز کی خواہش کرے جو اُس نے اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ دی ہے تو وہ اپنے نفس کو اُس خواہش سے روک دے۔ یہاں پہنچ کر عملی طور پر رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے، ہم نے اِس رکاوٹ کا جائزہ لینا ہے، اِس رُکاوٹ کو دور کرنا ہے ہم یہ اردہ کر چکے ہیں کہ ہم تعمیرِ کردار کی منزل پر چل پڑے ہیں اور اپنی منزل کو حاصل کرنا ہے۔ چہ جائیکہ میں مختلف کتابوں سے مختلف ابواب پڑھتا چلا جاوں، اس طرح سنانے کا کوئی فائدہ نہیں، ہمیں تواضع کے حصول کی جو بڑی رکاوٹ ہے اُس کا جائزہ لینا ہے اور اُس کے توڑ کی کچھ تدبیر کرنی ہے تاکہ ہماری یہ رکاوٹ دور ہو جائے **اور** حقیقتاً ہم صرف اس موضوع کو ہی نہ سنیں بلکہ اِس منزل کو حاصل بھی کریں ہماری اِن محافل کا یہی مقصد ہے اور اِس خدشہ کے پیشِ نظر کہ کہیں یہ معمول کی بیٹھک Routine Sittings میں نہ بدل جائیں میں اپنے مرتب شدہ پروگرام کو تبدیل کر کے وہ عوامل جو اِس راستہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں اُن کے بارے میں کچھ گزارشات کرنا چاہتا ہوں اور یہ صرف گزارشات نہیں بلکہ ہمیں اِن کو انتہائی سنجیدگی سے لینا چاہیے میں اپنے آپ کو بھی شامل کر کے اور جتنے بھی حاضرین ہیں اُن کو بھی مخاطب کر کے گزارش کرتا ہوں کہ ہم اِس حقیقت سے بے خوف نہ ہوں کیونکہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے ایک بزرگ جو اُن کے ساتھی بھی تھے اُن کا ایک واقعہ بیان فرمایا وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ابتداءحال سے ہی نفس کی بُرائیوں سے واقف تھا اور اُس کی چالوں کو جانتے ہوئے اُس سے سخت دشمنی رکھتا تھا وہ مزید بتاتے ہیں کہ ایک روز لومڑی کے بچے جیسی کوئی چیز میرے حلق سے نیچے نکلی اور اللہ کے فضل سے میں نے یہ جان لیا کہ یہ نفسِ امارہ ہے یہ ایک مثال ہے جو انہوں نے پیش کی ہے، پھر فرمایا کہ میں اس کو پاوں کے نیچے روندنے لگا مگر روندنے سے یہ اور بڑا ہوتا چلا جاتا میں اُس کو جتنی چوٹیں لگاتا وہ بڑھتا چلا جاتا میں سوچنے لگا کہ یہ کیا واقعہ ہے اور میں نے اس سے پوچھا کہا اے خماں سب چیزیں تکلیف اور چوٹ سے ہلاک ہو جاتی ہیں اور تو ہے کہ بڑا ہوتا چلا جا رہا ہے اِس کی کیا وجہ ہے اُس نے جواب دیا کہ میری پیدائش ہی اُلٹی ہے جس چیز سے دُوسری چیزوں کو تکلیف ہوتی ہے مجھے اُس سے راحت ملتی ہے اور جو اشیاء دوسروں کے لیے باعثِ راحت ہوتی ہیں میرے لیے باعثِ رنج ہوتی ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ

نفسِ امارہ کو قابو کرنا از حد مشکل ہے اور اس کا علاج دُوسری تمام تر چیزوں سے مختلف ہے یہ ہی موضوع حضرت سلطان باہو صاحبؒ نے بیان فرمایا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ!

" صورت نفس امارہ دِی جیویں کوئی کتا گُلہڑ کالا ہُو

کُوکے، نوکے، لہو پیوے، منگے چرب نوالا ہُو"

ان سب چیزوں کے مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں اس رکاوٹ کو دور کرنے کی ضرورت ہے، صرف رکاوٹ ہی نہیں بلکہ اِس کا علاج بھی گزارش کروں گا انشاء اللہ اگر اُس پر عمل کیا جائے تو اللہ پاک نصیب کرے۔ ہمیں ضرورت اِس بات کی ہے کہ اللہ پاک کو ہم پر ترس آ جائے اگر اللہ پاک نصیب فرمائے تو اِس دشمن پر قابو پایا جا سکتا ہے حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس سلسلہ میں اللہ پاک کے فرمان کا ذکر فرمایا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

" وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى " (النازعات:41،40)

"مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ" کے الفاظ کے جو ترجمے لکھے گئے ہیں اُن میں لکھا گیا ہے "کہ جو ڈرا اپنے رب سے" ان الفاظ سے مقصد واضح نہیں ہوتا ہے حضرت داتا صاحبؒ نے اِس آیہ مبارکہ کا جو معنی بیان فرمایا ہے وہ اِن ترجموں سے کچھ مختلف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اِس آیہ مبارکہ کے معنی ہیں "کہ جو شخص اپنے رب کے حضور مجرمانہ حیثیت کے ساتھ کھڑا ہونے سے ڈرا"۔ اِس آیہ مبارکہ کی حقیقت سمجھانے کے لیے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ "خَافَ" کے معنی اللہ تعالیٰ کی کبریائی اُس کی عظمت، اُس کی بڑائی کا اظہار، جو شخص اللہ پاک کی کبریائی کو دل سے تسلیم کر لیتا ہے اُس کے اندر یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے کہ اُس کا اپنے اللہ کے ساتھ بندگی کا ایک خاص تعلق بن جاتا ہے۔

"وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى" (النازعات:40)

یہ نعمت جب مل جاتی ہے تو نفس کو رکاوٹ ڈالنا آسان ہو جاتا ہے۔ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ اُس نے اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہونے میں حیاء کی وہ اپنے نفس کو رکاوٹ ڈال سکتا ہے اور اُس پر قابو پا سکتا ہے۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى اور اپنے نفس کو اُس کی خواہش سے روک دیا بلاشبہ اُس کا ٹھکانہ جنت ہے اس سلسلہ میں آپؒ نے فرمایا کہ خواہش نفس کی دو اقسام ہیں پہلی لذت و شہوت کی خواہش دُوسری مخلوق کے اندر عزت، مرتبہ اور اقتدار کی خواہش آپؒ نے فرمایا کہ جو شخص لذت و شہوت کا خواہش مند ہوتا ہے وہ کم خطرناک ہوتا ہے وہ میخانوں میں ہوتا ہے اور لوگ اُس کے فتنے سے محفوظ رہتے ہیں جو تباہی ہوتی ہے اُسی کی اپنی ذات کی ہوتی ہے مخلوق اُس کے فتنے سے محفوظ رہتی ہے۔ جو شخص جاہ و مرتبہ کا تابع ہوتا ہے وہ عبادت خانہ اور خانقاہوں میں رہتا ہے اور خلق کے لیے باعثِ فتنہ ہوتا ہے کہ خود بھی گُمراہ ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی گُمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے، یہ زیادہ خطرناک ذریعہ ہے، آپؒ نے ہر طبقہِ زندگی کو مخاطب فرمایا ہے۔ خصوصاً وہ لوگ جو اس سلسلہ میں لوگوں کی امامت کے منصب پر فائض ہوتے ہیں، اُن کے لیے نفس زیادہ خطرناک ہوتا ہے کہ وہ نفس نہ صرف اُن کے کردار کو خراب کرتا بلکہ

مخلوق خدا کے لیے بھی مُضر ثابت ہوتا ہے آپؒ حضرت ابراہیم خباصؒ کا واقعہ بیان فرمایا ہے آپؒ نے فرمایا کہ ایک دن میں نے سنا کہ ملکِ روم میں ایک پادری ستر سال سے ترک دُنیا کر کے کلیسا میں بیٹھا ہے میں نے سوچا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ رہبانیت کی شرط چالیس ہے یہ شخص کِن اصولوں کے تحت ستر سال سے کلیسا میں بیٹھا ہے لہذا میں نے اُس کو دیکھنے کا اردہ کر لیا۔ جب میں اُس کے کلیسا کے قریب پہنچا تو اُس نے کھڑکی کھولی اور مجھ سے کہنے لگا کہ اے ابراہیم مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ جس مطلب کے لیے تم یہاں آئے ہو میں ستر سال سے یہاں رہبانیت کے لیے نہیں بیٹھا ہوں بلکہ میرے پاس ایک کتا ہے جو حرص سے بھرا ہوا ہے میں اس لیے کلیسا میں بیٹھا ہوں کہ اُس کی نگرانی کروں اور اُس کا شر لوگوں سے دفعہ کروں حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اُس سے یہ بات سنی تو کہا اے رب العلمین تو بڑا قادر ہے کہ گُمراہ بندے کو بھی عین گُمراہی میں بھی تو نیکی کا راستہ عطا کر دیتا ہے۔ اُس پادری نے حضرت ابراہیمؒ سے کہا کہ کب تک تم لوگوں کی تلاش کرو گے جاو اور اپنے آپ کی طلب کرو۔

” ایہہ تَن تیرا رَب سَچے دا حُجرا وِچ پا فَقیرا جَھاتی ہُو
نہ کر مِنتاں خَواج خِضر دِیاں تیرے اندر آب حیَاتی ہُو“

جاو تم اپنے آپ کی طلب کرو اور جب تم نے اپنے آپ کو پالیا تو تم اُس کی نگہبانی کرو کیونکہ نفس کی خواہش ہر روز تین سو سات معبودں کا لباس پہنتی ہے اور انسان کو گُمراہی کی دعوت دیتی ہے یہ نفس کی شرارتوں کے سلسلہ میں آپؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ آپؒ نے حضرت جنیدِ بغدادیؒ کا قول لکھا ہے اُن سے پوچھا گیا کہ وصلِ حق کیا چیز ہے آپؒ نے فرمایا کہ خواہش نفس کی پیروی کا ترک کرنا۔ حکایات میں آیا ہے کہ حضرت ذوالنون مصریؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑ رہا تھا انہوں نے اُس سے پوچھا کہ تم نے یہ درجہ کیسے پایا اُس نے جواب دیا کہ میں نے خواہشِ نفس کی پیروی نہیں کی لہذا میں ہوا پر سوار ہو گیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ جو شخص شہوت کے کسی ایک جز میں بھی مبتلا ہو جائے وہ معرفتِ الٰہیٰ سے پردے میں کر دیا جاتا ہے اور اگر بندہ تکلف سے اُس کو اپنے سے دور کر دے تو یہ بندے کے لیے ممکن نہیں اس کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اپنے رب کے سپرد کر دے نفس کی خواہش کا توڑ یہی بتایا گیا ہے اور فرمایا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تائید کے ساتھ تمام آفات سے محفوظ رہ سکتا ہے مجاہدہ اور ریاضت اس میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ!

”گوڈے گٹے مَل مَل دُھوویں تیرے مَنوں نہ گئی پلِیتی ہُو“

آپؒ نے فرمایا کہ ڈھانکنے والی چیز سے مکھیوں کو دور کرنا مکھیوں کو اُڑانے کی نسبت زیادہ آسان ہے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا جائے یہ زیادہ بہتر ہے کہ انسان ہر آفت کا مقابلہ کرتا رہے۔ اس سلسلہ میں جو میرا موضوع ہے وہ کچھ طوالت طلب ہے، اُس کی ابتدا ہم آج کریں گے لیکن وہ آئندہ محفل میں بھی جاری رہے گا۔ یہی ایک واحد طریقہ ہے جس کے ساتھ ہم اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور اُس کے قُرب کا حصول ممکن ہے۔ اگر اُس کا قُرب نصیب ہو جائے تو اُس کے سامنے کوئی بھی چیز ٹھہر نہیں سکتی دشمن اپنے سے کمزور پر غلبہ پاتا ہے، اپنے سے طاقتور پر اُس کا کوئی زور نہیں چلتا، جس نے طاقتور سے دوستی کر لی اُس کا دشمن اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اگر وہ دوستی نہ بنے تو کردار کا سنورنا

عملی طور پر ناممکن ہے پڑھتے جائیں، سُنتے جائیں اور واہ واہ کرتے جائیں توبظاہر کام چلتا رہتا ہے لیکن حقیقت میں نہیں چلتا۔ اس سلسلہ میں میں اپنے آپ کو بھی مخاطب کر کے کہتا ہوں اور اپنے سب ساتھیوں کو بھی عرض کرتا ہوں کہ اس سلسلہ میں فقط صرف ایک ہی راستہ ہے اور بار بار میں اُس کا تذکرہ کرتا رہتا ہوں اللہ کریم نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا!

”أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى“ (العلق:14)

کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے اِس کیفیت کو اپنے اندر سمولینا یہ معرفت الہیٰ سے تعبیر ہے یہ جو میں نے الفاظ استعمال کیے ہیں نہ تو میں نے نفس کی مکمل طور پر تشریح کی ہے اور نہ ہی معرفت کے بارے میں تفصیل بیان کی ہے، ابھی ہم اِس کی ابتداء کر رہے ہیں، حضرت داتا گنج بخشؒ نے اِس پر بہت کچھ لکھا ہے انشاء اللہ وقت آنے پر وہ بھی گزارش کیا جائے گا، بشرطِ توفیق۔ لیکن ابھی ہم اِس کی ابتدا کرتے ہیں کہ ہم اپنے رب کا قُرب جب تک پا نہیں لیتے اُس وقت تک ہماری تمام تر جدوجہد ناکام اور نامُراد ہے۔ کیونکہ ہر چیز کے مقابلے کے لیے اُس سے طاقتور چیز کا حصول ضروری ہے ہم اپنے آپ کو جتنا مرضی ریاضتوں مجاہدوں، تنگی اور مشکلوں ڈالیں جسم پر اثر ہے گا نفس کا کچھ نہیں بگڑے گا وہ اپنی جگہ پر ویسا ہی رہے گا۔ جیسا میں پہلے عرض چکا ہوں کیونکہ نفس نے کہا کہ جو چیزیں دوسروں کو ختم کرتی ہیں مجھے وہ تقویت دیتی ہیں لہٰذا اُس کو عام تحریکوں سے ختم نہیں کیا جا سکتا اُس کے لیے زبردست قسم کا وسیلہ اختیار کرنا ضروری ہے، اس بات کو نہ صرف ذہن نشین کیا جائے بلکہ اِس پر عملدرآمد بھی کیا جائے اِس سلسلہ میں میں نے رمضان شریف میں ایک تفصیلی لیکچر دیا تھا۔ اُس میں جو نکات تھے اُن کو بھی گزارش کروں گا انشاء اللہ۔ قُرانِ پاک کی جو آیت تلاوت کی گئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

”أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى“ (العلق:14)

کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے اس چیز کو اپنے سمونے کے لیے جس مشرب کی ضرورت ہے اس کا نام مراقبہ ہے یہ وضاحت ضروری ہے کہ اِس عمل کا نام مُراقبہ ہے، جب تک اِس پر عمل درآمد نہیں ہوتا تب تک انسان کا باطن تمام تر تقریروں، تحریروں، تسبیحوں، ریاضتوں، چلوں ، وظائف اور مجاہدوں سے بلکل مُستثنیٰ ہے اُس کو کوئی اثر نہیں ہوتا، کوئی فرق نہیں پڑتا لاکھ بار سمجھائیں تو بھی اُس کو کوئی فرق نہیں پڑتا میں پہلے بھی عرض چکا ہوں کہ شیر اگر بھوکا ہو اُس کے سامنے گوشت ہو تو اُس کو جس طرح مرضی روکا جائے وہ اسی کی طرف لپکے گا کیونکہ یہ شیر کی صفت ہے کہ وہ گوشت کی طرف لپکتا ہے اِسی طرح انسان کے نفس میں یہ سرشت موجود ہے کہ جب بھی اُس کو کسی قسم کی بھی خواہشِ نفسانی ملے گی وہ شیطان کو بھی دعوت دے گا اور انسان کو بھی اُس راستہ چلا دے گا شیطان اُس کا مددگار ہوتا ہے۔ اگر اُس کو موقع ملے تو وہ کبھی بھی مَس نہیں کرتا یہ ہو نہیں سکتا کہ اُس کو موقع بھی مِلا ہو اور وہ چھوڑ دے، چاہے نیکی کے جتنے مرضی دعوے ہوں چاہے جتنا مرضی جبہ اور دستار ہو، یہ چیزیں انسان کے باطن پر اثر نہیں کرتی ہیں۔ ہم نے مُراقبہ پر عمل پیرا ہونا ہے تب ہم اپنے آپ پر کنٹرول پاسکتے ہیں۔

مُراقبہ کا معنی نگہداشت کرنا، پاسبانی کرنا، اس کے لیے رقیب کا لفظ استعمال ہوتا ہے اہلِ محبت اِس لفظ سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ رقیب وہ ہوتا ہے جو محبت کرنے والے کے کاموں اور اُس کی حرکتوں کو نوٹ کرتا ہے اور اُن کی طرف خاص نظر رکھتا ہے۔ مُراقبہ اِسی لفظ سے نکلا ہے، اِس کا مطلب ہے نگہداشت کرنا، پاسبانی کرنا کہ انسان کے اندر یہ چیز راسخ ہو جائے کہ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے، اگر یہ حالت مل جائے تو باخدا اِس کے اندر اِس قدر پُر لطف حلاوت ہے کہ یہ سوچ بھی انسان کو سرشار کر دیتی ہے کہ!

"اللہ مجھے دیکھ رہا ہے"

حضور ﷺ نے فرمایا نماز اِس طرح پڑھ کہ گویا تو اللہ کو دیکھتا ہے یا اللہ تجھ کو دیکھتا ہے ان دونوں کیفیات میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے یہی ایمان کی علامات ہیں اِس چیز کا جب تک حصول نہیں ہوتا تعمیرِ کردار ایک قصہ پارینہ ہے، عجز و انکسار کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس سلسلہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کا جائزہ لیں اور ان کو دور کرنے کی سعی کریں اِس سلسلہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں میں سب سے اہم رکاوٹ خواہش نفسانی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اِس پر قابو پائیں اِس سلسلہ میں جو طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے اُس کا نام مُراقبہ ہے۔ حضرت ابنِ مبارکؒ نے فرمایا کہ ہمیشہ ایسے رہو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور حضرت ابو عثمان مغربیؒ آپ وہ بزرگ ہیں جن کے ہاں اسی طرح تصوف کی تعلیم دی جاتی تھی جیسی حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت شیخ شہاب الدین سُہروردیؒ اور دیگر بزرگوں نے دی تھی آپؒ نے فرمایا جو چیزیں انسان راہِ حق میں اپنے نفس پر لازم کرتا ہے ان سب میں سے سب سے بہترین مُراقبہ ہے اِس میں یہ ہے کہ انسان کو اِس بات پر یقینِ کامل ہو جائے کہ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ جو لوگ اہلِ اللہ ہیں اُن کے پاس رہنے والے آہستہ آہستہ اِس کیفیت کے حصول تک پہنچے ہیں، حضرت داتا گنج بخشؒ نے ایک مثال دی آپؒ نے فرمایا کہ ایک مُرید اپنے مُرشد کا منظورِ نظر تھا اور مُرشد ہمیشہ اُس پر مہربان ہوتا تھا دُوسرے مریدوں نے عرض کی کہ حضرت اِس پر اتنی شفقت ہوتی ہے ہم پر اتنی نہیں ہوتی اِس کی کیا وجہ ہے جب انہوں نے دُوسرے مریدوں کو مبتلائے رشک دیکھا، یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ انہوں نے دُوسرے مُریدوں کو مبتلائے رشک دیکھا نہ کہ مبتلائے حسد، کیونکہ اہل اللہ آپس میں ایک دُوسرے سے حسد نہیں کرتے ہیں۔ جب شیخ نے اپنے مُریدوں کو مبتلائے رشک دیکھا تو ایک دن ہر مرید کو ایک ایک پرندہ اور چُھری دی اور فرمایا کہ اِس کو ایسی جگہ لے جا کر ذبح کرو جہاں کوئی بھی نہ دیکھ رہا ہو لہذا ہر کسی نے تنہائی تلاش کی اور دوسروں کی نظر سے چھپ کر پرندہ ذبح کر کے لے آیا لیکن وہ مُرید اپنا پرندہ زندہ ہی واپس لے آیا، مُرشد نے پوچھا کہ تم نے اُس کو ذبح کیوں نہیں کیا کہنے لگا مجھے کوئی جگہ ایسی نہیں ملی جہاں مجھے اللہ تعالیٰ نہ دیکھ رہا ہو مجھے ہر جگہ حق تعالیٰ دیکھتا ملا۔ پھر مُرشد نے اپنے دُوسرے مُریدوں سے کہا کہ تم خود ہی اِس کے مرتبے کا اندازہ کر لو کہ یہ شخص ہر لمحہ مشاہدہِ الٰہی میں رہتا ہے اور کسی طرف منطبق نہیں ہوتا جب کہ تمہاری خود بینی نے تمہیں اللہ تعالیٰ سے پردے میں رکھا ہوا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کا پتہ ہی نہیں چلا کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے، یہ جس طرف بھی گیا ہے اِس کو پتہ چل گیا ہے کہ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے تمہیں تمہاری خود بینی نے اللہ سے پردے میں رکھا ہے۔ "أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى" (العلق:14) کے سلسلے میں یہ ہی چیز حضرت شیخ شہاب الدین سُہروردیؒ نے فرمائی ہے، میں نے اس سلسلہ میں جس بھی ولی اللہ کے فرمودات دیکھے ہیں، اُن میں یہ ہی بات ملی ہے کہ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے آپؒ نے فرمایا کہ انسان تواضع کی حقیقت کو اُس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اُس کے دل میں نورِ مشاہدہ کی روشنی نہ آجائے نورِ مشاہدہ یہ ہے کہ اُس کو اپنا رب اپنی طرف دیکھتا محسوس ہو اور اُس سے اگلی منزل یہ ہے کہ وہ اپنے رب کو دیکھے وہ بھی حاصل ہو جاتی ہے، ہمیں اُس کو حاصل کرنا ہے، اُس کے حصول کے لیے میں اُن چیزوں پر زیادہ زور دے رہا ہوں جو بنیادی نوعیت کی حامل ہیں، دُوسری مثال جو حضرت داتا گنج بخشؒ نے دی ہے وہ حضرت یوسفؑ کا واقعہ ذلیخہ ہے، جب ذلیخا نے خِلوت میں حضرت یوسفؑ کو اپنی جانب بُلایا تو اُس بت کو ڈھانپ دیا جس کی وہ پوجا کیا کرتی تھی، حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ تم اِس پتھر کے بُت سے اتنی شرم رکھتی ہو اور تیرا کیا خیال ہے کہ میں اُس ربِ عالم سے شرم نہیں رکھتا جو سب آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور وہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ مُراقبہ یہ ہے کہ انسان میں یہ کیفیت جاگزیں ہو جائے اور لمحہ بہ لمحہ اُس کو اپنا رب اپنے قریب محسوس ہو۔

''أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى'' (العلق:14) اور''وَنَحْنُ أَقْرب إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ''(ق:16)

اور ہم آپ کی شہ رگ سے بھی زیادہ آپ کے قریب ہیں۔ اہلِ تصوف کی مُراقبے سے مُراد وہ حالتِ قلبی ہے جو ایک قسم کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے، اِس حالت کے ساتھ کچھ اعمال دل کے اندر اور کچھ اعضاء میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ وہ حالتِ قلبی ہے کہ انسان کا قلب اپنے حاضر کو دیکھتے رہنے سے مُراد اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھنا نہیں بلکہ اُس کا اِدراک کرنا۔ باطن کی آنکھ سے دیکھنا ادراک کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر باطن کی آنکھیں عطا کر دے تو پھر دیکھنے کا لطف ہی اور ہے۔ اللہ کریم نے قُرانِ پاک میں دو الفاظ استعمال فرمائے ہیں ایک بصارت اور دُوسرا بصیرت، بصارت ظاہری آنکھوں کا دیکھنا ہے اور بصیرت دل کی آنکھوں کا دیکھنا ہے۔ قلب کا اپنے حاضر کو دیکھنا، اس کی طرف مشغول ہونا، اس کی طرف التفات کرنا، اس کی طرف متوجہ رہنا اور اس بات کا اُس کے دل میں جاگزیں ہو جانا کہ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے بلکہ میرے باطن کے احوال اور دل کی گہرائیوں میں چھپے رازوں سے بھی آشنا ہے، جب یہ معرفت یقینی ہو جاتی ہے اور شک سے خالی ہو جاتی ہے تو دل پر غالب ہو کر اُس کو نفس کی شراتوں سے محفوظ اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دیتی ہے آج کی گزاشات میں اسی پر ختم کرتا ہوں تاکہ اِس موضوع کو ہم آہستہ آہستہ سمجھ سکیں اور اِس پر عمل درآمد ہمارے لیے آسان ہو جائے اللہ کی جناب میں یہ دعا بھی کریں اور التجا بھی کہ اللہ پاک ہم کو عملاً تعمیرِ کردار کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری محفلیں، رات کو اپنے گھروں سے آکر مسجد میں بیٹھنا محض اِس لیے کہ ہم یہ گوہرِ نایاب حاصل کر لیں۔ باخدا! یہ حاصل کیا ہوا صرف ایک شخص کے کام نہیں آئے گا بلکہ روشن چیز کی روشنی جس چیز پر پڑتی ہے وہ روشن ہو جاتی ہے یہ اُس شخص کے پورے گردو پیش کو روشن کرے گا اور بڑھتے بڑھتے پوری کائنات میں اپنی روشنی پھیلا دے گا۔ انشاء اللہ ارادہ بلند ہونا چاہیے۔

''نگاہ بلند سخن دل نواز جاں پُرسوز
یہی ہے رَختِ سفر میر کارواں کے لیے''

ہمیں اپنے ارادوں کو بلند رکھنا ہے، ہم ایک بڑی منزل کے سوالی ہیں اور اُس کے راہی بننا چاہتے ہیں یا اللہ تو ہمیں اِس منزل کے لیے قبول فرما اللہ پاک کے پاس کوئی مشکل نہیں علامہ اقبال نے کہا کہ!

''آج بھی ہو گر ابراہیم کا سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا''

انشاءاللہ ہم کوشش کریں کہ نفس کی سازشوں کی جو خندق ہے اُس کو پار کریں اور اُن لوگوں میں شامل ہو جائیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، جن کو اُس نے اپنے مقربین میں شامل کیا ہے۔ اللہ پاک نے ہر بندے کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ جو بھی جستجو کرے وہ اُن میں شامل ہو سکتا ہے۔ اللہ کرے کہ آج بھی ابراہیم کا سا ایماں ہمارے دل میں پیدا ہو جائے ہم یہ خواہش تو کریں، اللہ کریم کی بارگاہ میں آرزو تو کریں اللہ پاک اتنا سخی ہے کہ کسی بھی آرزو کرنے والے کو خالی نہیں موڑتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کریم کو کسی کے اُٹھے ہاتھوں کو خالی موڑنے سے حیا آتی ہے کیوں نہ ہم اپنے مالک سے یہ عظیم منزل حاصل کریں کہ!

'' فنا اتنا تو ہو جاؤں میں تیری ذاتِ عالی میں
جو مجھ کو دیکھ لے اُس کو تیرا دیدار ہو جائے''

ہمیں چاہیے اپنے کردار کو مزید سنواریں کہ جو شخص ہمارے ساتھ ملے اُس کا کردار بھی سنور جائے اللہ کریم اِس آرزو کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ انشاءاللہ اگلا موضوع آئندہ نشست میں گزارش کیا جائے گا آج میں نے اِس موضوع کی اہمیت اور ضرورت کے بارے میں گزارشات کی ہیں، کیونکہ یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ ہماری نشستیں یکسانیت کا شکار ہونے لگی ہیں اور ہم بھی نشستن، گفتن، برخاستن کی جو عالم گیر حقیقت ہے اُس کا شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو جھنجوڑنا ہوگا، خود کو درست کرنا ہوگا اللہ کریم ہماری اِس خواہش کو قبول فرمائے۔ اللہ کریم ہمیں ہماری منزل کے حصول کے لیے راستہ آسان فرمادے ہم تعمیرِ کردار کے راہی بننا چاہتے ہیں، اُس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ انسان تواضع کی حقیقت تک اُس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اُس کے دل میں نورِ مشاہدہ کی روشنی نہ آجائے، ہم نورِ مشاہدہ کہ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے اور میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں اِس کا حصول تو کریں تاکہ ہم حقیقت میں صاحبِ کردار بننے کی جستجو کرسکیں اور اس کے اہل قرار پائیں اللہ کی نگاہ میں ہم اِس بات کے اہل ہو جائیں، اللہ کریم جو کہا اور جو سُنا گیا ہمیں اُس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ پاک ہماری اِس شدید آرزو کو اپنی بارگاہ عالی میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ یہ آتش ہمارے اندر بھڑکے اور اِس کے شعلے اللہ تعالیٰ کو اطمینان دلا دیں کہ ہم حقیقت میں حصولِ کردار کے طالب ہیں۔ اللہ پاک نصیب فرمائے۔ اب کسی شخص نے اس سلسلہ میں کوئی سوال کرنا ہو تو اُمید ہے کہ جن جذبات کا میں نے اظہار کیا ہے وہ آپ نے محسوس کیے ہوں گے، میرے پاس اِس سے زیادہ الفاظ نہیں ہیں۔ جذبات ہیں لیکن وہ سُلگ رہے ہیں اور اُن کو آپ تک پہنچانے کا اور کوئی ذریعہ نہیں، مجبوری ہے کہ میں یہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ استعمال کروں ان الفاظ کے ساتھ میرے جذبات کی ترجمانی تو نہیں ہوتی لیکن شاید یہ الفاظ آپ کو دلوں کے اندر ایک ہیجان برپا کریں کہ ہم اپنی زندگیوں میں کچھ حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ صرف پیدا ہوئے، کھایا پیا، خواہش پوری کی اور گزر گئے یہ کوئی مقصد نہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم دُنیا میں کچھ نہ کچھ کر کے جائیں ہمیں اپنی زندگی پر کوئی حسرت باقی نہ رہے اگر اللہ نے ہمیں دُنیا میں بھیجا ہے تو اتنا تو کر کے جائیں کہ ہمیں اپنی زندگی پر کوئی حسرت نہ رہے۔ اللہ پاک اِس آرزو کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے آج کی محفل یہ محفل میری اسی گریہ زاری اور رونے دھونے پر مشتمل تھی، اللہ رب العزت انشااللہ یہ جذبات آپ تک بھی پہنچائے۔

"میرے دل کو ہے تیری دید کی آرزو
رخ سے پردہ اٹھانا تیرا کام ہے"
"مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں
میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ"

آمین۔ وماعلینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درسِ تصوف:24

تاریخ:21-11-2013

بمقام: آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحبؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوف کے سلسلہ میں جو گزشتہ محافل منعقد ہوئیں میں اُن کا میں مختصر اعادہ کر کے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتا ہوں کہ تصوف نام ہے اُس لائحہ عمل اور طریقہ کار کا جو تعمیرِ کردار کی ضمانت دیتا ہے۔ تعمیر کردار کے لیے اللہ کریم نے جو راستہ متعین فرمایا ہے اُس کے بارے میں ارشاد فرمایا!

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (الشمس:10،9)

وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا اور ناکام ہوا وہ جس نے اِس کو خاک میں ملا دیا۔ تزکیہ نفس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعار رہا اور اُس کے بعد اولیا اللہ نے اِس کی علم برداری سنبھالی۔ اُن کی وجہ سے آج ہم بھی مسلمان ہیں اور شعائرِ اسلام ادا کرتے ہیں اور بحمد اللہ ایمان کی رسائی ہمارے دلوں تک ہے تو اس سِلسلہ کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ آنے والی نسلیں بھی کماحقہٗ اِس نعمت سے سرفراز ہو سکیں۔ چونکہ یہ مشیت الٰہی اور اللہ پاک قانون ہے کہ جو قومیں اُس کے اِس لائحہ عمل کو پس پشت ڈال دیتی ہیں اللہ پاک اُن کی جگہ پر اور قوم لے آتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اِس موقع کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ!

”نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں“

لہٰذا اپنی بقا، اپنے معاشرے کی بقا اور اسلامی معاشرے کی خدمت کے لیے اگر اللہ کریم ہمارا انتخاب فرمالے تو یہ عین سعادت ہے اس لیے اِس لائحہ عمل کو اختیار کرنا، اِس کی ترویج کرنا اور اِس کو دوسروں تک پہنچانا یہ ہر شخص کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ ہر اُس شخص کی جس نے اللہ کو اپنا رب جان لیا اور نبی ﷺ کو اپنا رسول مان لیا۔ اس سِلسلہ میں میں نے گزارش کیا تھا کہ ہم نے تصوف اور تعمیر کردار کے سِلسلہ میں جن اہم معاملات کے بارے میں گفتگو کی اُن میں خدمتِ خلق اور اعلیٰ اخلاق شامل ہیں اور اخلاقِ حسنہ میں تواضع کے سِلسلہ میں گفتگو ہو رہی تھی لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر ہم نے اِس سِلسلہ کو اسی طرح جاری رکھا تو یہ خدشہ ہے کہ ہماری یہ محافل یکسانیت کا شکار ہو کر صرف نشستن، گُفتن، اور برخاستن تک ہی محدود نہ رہ جائیں کہ آئے سنا، چلے گئے اور بات ختم ہو گئی۔ باخدا ہم نے اِن محافل سے کچھ حاصل کرنا ہے ہم نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ ہم نے اپنی زندگیاں اُس طریقہ کار کے مطابق گزارنی ہیں، ہم اللہ پاک سے اِس طریقہ کار کا حصول چاہتے ہیں اور

اپنی ذات کو اِس پر عمل درآمد کے لیے پیش کرتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو اور اپنے سب ساتھیوں کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ "چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے" اگر اِس نظامِ زندگی نے جاری رہنا ہے تو ہمیں اِس طریقہ کار کو اپنانا ہے، اگر نہیں اپنائیں گے تو دوسری صورت میں پہلے گزارش کر چکا ہوں۔ اِس یکسانیت اور اُس کے جو نقصانات ہیں اُن کا سب سے بڑا ماخذ، سب سے بڑا سدِ راہ اور اِس سلسلہ کی سب سے بڑی رکاوٹ انسان کا اپنا نفسِ امارہ ہے۔ جو ہر شخص کے اندر موجود ہے اللہ کریم نے فرمایا!

"وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّي" (یوسف:53)

حضرت یوسفؑ کی زبان سے یہ لفظ ادا ہوئے۔ بیشک نفسِ امارہ بُرائی کی طرف رُجحان دیتا ہے، یہ اچھائی اور تعمیر کردار کو روکنے کے لیے سب سے اہم رکاوٹ ہے اِس کو عبور کرنا شیطان سے زیادہ مشکل ہے۔ اگر انسان نفسِ امارہ پر قابو پالے تو شیطان سے خلاصی ممکن ہے۔ نفسِ امارہ پر قابو پانا سب سے زیادہ مشکل ہے، تمام تر احکامات الٰہی، عبادات، ایمان، ادب یہ سب کچھ نفسِ امارہ پر قابو پانے کے بعد ممکن ہے اُس کے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا ہم اپنی گفتگو میں جہاں دیگر موضوعات زیرِ بحث لائے ہیں وہاں اس پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی، میری دلی خواہش ہے کہ جن موضوعات پر گفتگو کی گئی اُن پر عمل بھی کیا جائے۔ ہم اگر اپنے اندر جھانک کر دیکھیں تو ہم اپنے نہاں خانہ دل میں کچھ مواقع محفوظ رکھتے ہیں۔ ہم اللہ پاک کے ساتھ مکمل طور پر سمجھوتا نہیں کرتے۔ انسان دل ہی دل میں کچھ مواقع اپنے نفس کے لیے محفوظ رکھتا ہے اور کبھی بھی اپنے دل کی گہرائی سے اِن کو ترک کرنے کی جستجو نہیں کرتا، تاکہ زندگی میں جہاں بھی اُن کی ضرورت ہو اُن کو بروئے کار لائے اور جس جگہ نفس کو یہ مواقع مل جاتے ہیں تو پھر وہ کُھل کھیلتا ہے اِس رکاوٹ کو اپنے راستہ سے مکمل طور پر ہٹانے کے لیے اور نفس پر مکمل طور غالب آنے کے لیے جس عمل کی ضرورت ہے اُس عمل کے بارے میں میں نے گزشتہ نشست میں گزارش کی تھی اللہ کریم نے ارشاد فرمایا!

"أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى" (العلق:14)

کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ حقیقت انسان اپنے دل میں جاگُزیں کر لے تو نافرمانی کی طرف بڑھنا اُس کے لیے ممکن نہیں رہتا یہ کِس طرح ممکن ہے کہ اللہ کو دیکھتے ہوئے کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو اور کوئی شخص اُس کی نافرمانی کرے یہ ہی وہ مراقبہ ہے جس کے بارے میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا!

"وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً" (المزمل:8)

اللہ کریم کے نام کو یاد کر اور سب سے کَٹ کر اُس کا ہو جا۔ سب سے کٹ کر اُس کا ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کی دُنیا اُس سے چھوٹ جاتی ہے۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی انسان اللہ کا ہو جاتا ہے اور اُس کی زندگی میں اللہ کی نافرمانی کا گزر نہیں رہتا، ہم نے دل کی گہرایوں میں نفس کو جو مواقع فراہم کر رکھے ہیں، ہم کوشش کے باوجود اُن کو اپنے دل سے نکال نہیں سکتے، وہ پھر کسی نہ کسی جگہ آکر جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اُس سے مستقل نجات کے لیے ایسی مشق کی ضرورت ہے کہ نہاں خانۂ دل میں نفس کی پاسداری اور حفاظت کے جو خصوصی خانے بنے ہوئے ہیں وہ ختم

ہو جائیں۔ان خصوصی خانوں کو ختم کرنے کی عملی صورت صرف اور صرف مراقبہ ہے، آئیں ہم سب مل کر اِس عملی رکاوٹ کو ختم کریں کیونکہ اگر نفس کی رکاوٹ دور ہو جائے تو پھر عبادت کی منازل آسان ہو جاتی ہیں۔ تعمیر کردار کی منزل قریب آجاتی ہے، کامیابیاں ہی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں اور جو لوگ اِس گھاٹی سے گزر جاتے ہیں پھر اُن کے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے۔اس سِلسلہ میں میں نے مراقبے کی تعریف کے بارے میں گزارش کی تھی کہ مراقبہ کا معنی نگہداشت کرنا ہے، اپنے دل کی نگہداشت کرنا کہ ماسوااللہ اور کوئی چیز اُس پر اثر انداز نہ ہو، جتنی بھی منفی قوتیں ہیں سب کو روک دیا جائے۔ مراقبہ کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی عبادت اِس طرح کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو یا گویا وہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔ مختلف بزرگوں نے اپنی اپنی زبان میں اِس کو Define کیا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ مراقبہ کرو تو یہ جانو کہ جس قدر ہم کسی چیز کو دیکھ سکتے ہیں اللہ کریم اُس سے کہیں زیادہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔اِس سِلسلہ میں ایک مثال گزارش کی تھی اُس مثال کو حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب میں درج کی ہے کہ ایک مرید اپنے مُرشد کا منظورِ نظر تھا جس پر وہ ہمیشہ مہربان ہوتا تھا یہ سلوک دیکھ کر دُوسرے مرید رشک کا شکار ہوئے حسد کا نہیں رشک کا شکار ہوئے۔ یہ دیکھ کر مُرشد نے ایک دن اپنے ہر ایک مرید کو ایک ایک چھری اور ایک ایک پرندہ دیا اور کہا کہ اِس پرندے کو وہاں پر جاکر ذبح کرو جہاں پر کوئی بھی نہ دیکھ رہا ہو سب لوگ دوسروں سے نظر بچا کر اپنا اپنا پرندہ ذبح کرکے لے آئے لیکن وہ مرید پرندے کو زندہ ہی واپس لے آیا اُس پوچھا گیا کہ تم نے اِس کو ذبح کیوں نہیں کیا تو اُس نے کہا کہ مجھے کوئی بھی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں کوئی مجھے دیکھ نہ رہا ہو۔ میں جدھر بھی گیا میں نے اللہ کو دیکھتا پایا لہٰذا میں اپنے پرندہ کو زندہ ہی واپس لے آیا، اُس وقت شیخ نے اپنے باقی مریدوں سے فرمایا کہ آپ اِس کے مرتبے کا اندازہ لگائیں کہ یہ ہر لحہ مشاہدہِ الٰہیٰ میں رہتا ہے اور کسی طرف بھی التفات نہیں کرتا مگر تمہاری خود بینی نے تمہیں اپنے آپ میں مگن اور اللہ تعالیٰ سے پردہ میں رکھا ہوا ہے۔ مراقبہ درحقیقت اُس نگہداشت کا نام ہے کہ ماسوا اللہ انسان اور ہر چیز سے بے نیاز اور مُستغنی ہو جائے اور اہلِ تصوف کی مراقبہ سے مُراد وہ حالت ہے جو ایک قسم کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے اِس کو حالتِ قلبی کہتے ہیں، اِس حالت سے کچھ اعمال دل کے اندر اور کچھ اعضاء میں پیدا ہوتے ہیں۔ حالتِ قلبی یہ ہے کہ قلب کا اپنے حاضر کو دیکھتے رہنا اُس کی طرف مشغول رہنا اُس کا ملاحظہ کرنا اُس سے التفات کرنا، اُسی کی طرف متوجہ ہونا۔ تجھے دیکھنا، تیری سننا اور تجھ میں ہی گم رہنا کہ!

”اِک توں ہویں تے میں اکھ ہو واں اِک پل تیرے توں نہ وَکھ ہو واں“

یہ مراقبہ ہے،اِس میں معرفت یہ ہے کہ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے اور نہ صرف مجھ کو دیکھ رہا ہے بلکہ میرے باطن کے احوال اور قلب کے چھپے بھیدوں سے بھی واقف ہے ابھی تو میں صرف تھیوری پیش کر رہا ہوں عملی پہلو بھی انشاءاللہ گزارش کروں گا جس وقت انسان کو یقین ہو جاتا ہے تو اُس وقت یہ خیال دل پر غالب ہو کر دل کو اللہ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور ہر کسی سے بے نیاز کر دیتا ہے۔اِس سِلسلہ میں حقیقت ہے کہ ظاہری آنکھوں کا دائرہ کار محدود ہے جب انسان اپنی ظاہری آنکھ کو بند کرکے آگے چلتا ہے تو پھر اُس کے سامنے حقائق منکشف ہوتے ہیں علامہ اقبال کی زبان میں عرض کرتا ہوں کہ!

''ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی

ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی

ہو دید کا ہو جو شوق تو آنکھوں کو بند کر

ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی''

اپنے دل سے جو دیکھا جاتا ہے اُس کی اڑان بہت اونچی ہوتی ہے، حضرت سلطان باہو صاحب فرماتے ہیں کہ!

''اے تن تیرا رب سچے دا حجرا ہو وچ پا فقیرا جھاتی ہو

نہ کر منتاں خواج خضر دیاں تیرے اندر آب حیاتی ہو''

مراقبے میں انسان اپنے دل کی حالت تبدیل کر بیٹھتا ہے جس وقت انسان مراقبہ کرتا ہے یہ ایک قلبی حالت ہے، اُس کو ایک قسم کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اُس حالت اور اُس معرفت کے نتیجے میں کچھ اعمال اُس کے دل میں اور کچھ اعضاء کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ کیا پیدا ہوتے ہیں یہ ''راہ پیا جانے تے واہ پیا جانے'' انشاء اللہ اشارۃً ضرور عرض کروں گا اگرچہ اُس کی تفصیلات بیان کرنے کی اتنی ضرورت نہیں کیونکہ اِس راہ گزر کا راہ رو اُس کے مالکِ کریم کے فضل کے ساتھ خود بخود اِس راستہ کے اونچ نیچ سے آگاہ ہوتا چلا جاتا ہے بہر حال جو گزارشات کرنی ہیں وہ میں مختصراً بیان کرتا ہوں کہ عموماً تین قسم کا مراقبہ ہوتا ہے۔ پہلا مراقبہ شریعت، دوسرا مراقبہ طریقت اور تیسرا مراقبہ حقیقت یا مراقبہ ابتدائے طلب۔ جن لوگوں نے میرے پہلے درس سنے ہیں، اُن کو یاد ہو گا کہ میں نے اِس سے قبل اِس سلسلہ میں تین قسمیں بیان کی تھیں پہلی مُراقبہ ابتدائے طلب، دوسری مُراقبہ اظہارِ طلب اور تیسری مُراقبہ حق یہ تین ہیں۔ اس میں سب سے پہلا مُراقبہ شریعت یا مراقبہ ابتدائے طلب اس میں تین چیزیں آتی ہیں کہ جس شخص کو یقین ہو جائے کہ اللہ میرے حال سے باخبر ہے وہ مجھ کو دیکھ رہا ہے لیکن اُس کی عظمت و جلال اسی کو خشیت بھی کہا جاتا ہے اور یہ ہی

''خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ'' (النازعات:40)

اللہ کا ڈر کوئی ڈنڈے والا کام نہیں، اگر ہم اپنی حدود میں رہ کر اور اپنی ذہنی استطاعت کے ساتھ اُس کی تشریح کریں تو قُرانِ پاک کی بے ادبی ہوتی ہے خشیت اللہ کریم کی ہیبت و جلال کا انسان کے دل پر نقش ہو جانا اور اگر اِس کا پریکٹیکل کرنا ہو تو کل میں نے دوستوں سے گزارش کی تھی کہ مسجد پاک بگھہ شریف تشریف لے جائیں اور اُس کا وہ راستہ جو مسجد شریف کے اندر جا رہا ہے اُس راستہ پر چلتے جائیں اور جہاں وہ راستہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے وہاں پر مسجد کے مناظر انسان کے قلب پر مکمل طور پر حاوی ہو جاتے ہیں اُس سے پہلے مسجد اور اُس کے گرد و پیش کی تمام چیزیں نظر آ رہی ہوتی ہیں یہ خشیت ہے کہ انسان جب اللہ کریم کی ہیبت و جلال کو محسوس کر لیتا ہے اُس وقت اُس کو پھر اُس کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا اور یہ مراقبہ آپ اُدھر عملی طور پر کر کے دیکھ سکتے ہیں اور اگر کسی کو سمجھ نہ آئے تو میں انشاء اللہ حاضر ہوں بہر حال اِس میں

سب سے پہلا مراقبہ مراقبہ شریعت ہے کہ انسان تین چیزوں کا خیال کرے پہلی اطاعتِ الہیٰ اللہ پاک کے جو احکام بجالائے وہ حضورِ قلب سے ہوں اور اُن میں ریاکاری یا کسی قسم کا تصنع اور کسی قسم کا مفادنہ پایا جائے اطاعتِ الٰہی فقط برائے رضائے الٰہی ہو۔ یہ مراقبہ شریعت ہے، مثال کے طور پر انسان نے نماز پڑھنی ہے اُس سے چند لمحے پہلے توجہ کر کے تمام طرف سے توجہ ہٹا کر اپنے دل کو اِس بات پر تیار کر لے کہ رب کا دربار سجا ہوا ہے اور میں اُس کے حضور پیش ہونے لگا ہوں، ایسی حالت میں کسی اور طرف توجہ کرنا گویا یہ اللہ کریم کی بے ادبی کرنا ہے یہ خیال اور تصور کی بات ہے اور اسی طرح دوسرا مُراقبہِ معصیت اگر اُس سے اللہ کے احکام کی بجا آوری میں کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو یا کوئی نافرمانی ہوئی ہو تو دل کے اندر اللہ کی بارگاہ میں شرمسار ہو اور اُس کے حضور اُس کی معافی طلب کرے۔ معافی طلب کرنے کے بعد اُس کا کفارہ ادا کرنے کا ارادہ کرے کہ میں نے یہ غلطی کی ہے اِس کی پاداش میں میں اپنی طرف سے صدقہ کروں گا، عبادت کروں گا، روزہ رکھوں گا، نفل پڑھوں گا یا کیا عبادت کروں کہ میری اِس غلطی کے بجائے نیکی اُس پر غالب ہو جائے کیونکہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ اپنی غلطیوں اور نافرمانیوں کو طواد سے مٹانا چاہیے کہ انسان اگر کوئی غلطی کر بیٹھے تو اُس کے مقابلے میں اللہ کے حضور کوئی نیکی کرے تا کہ اُس کی غلطی اللہ کے حضور معاف ہو جائے یہ اُس غلطی کا کفارہ ہو گا۔ یہ کفارہ صدقے کی صورت میں، نوافل، روزے یا کسی بھی نیک عمل کی صورت میں کیا جا سکتا ہے یہ مراقبہِ معصیت ہے کہ انسان اپنی غلطی کا جائزہ لے اور اُس غلطی کے لیے ایک ایسا عمل سوچے جو اُس غلطی کو اللہ کی بارگاہ میں چھپالے۔ تاکہ اُس غلطی کی معافی کی کوئی صورت نکل سکے یہ مراقبہِ معصیت ہے مراقبہ شریعت کے تین حصے ہیں پہلا مراقبہِ اطاعت، دُوسرا مراقبہِ معصیت اور تیسرا مراقبہِ مباح یعنی وہ چیزیں جن کی اگرچہ پابندی نہیں یا منع نہیں کیا گیا لیکن انسان اپنے رب کو خوش کرنے کے لیے یہ ارادہ کرے کہ میں نے یہ کام کرنا ہے۔ مثال کے طور پر نفلی عبادت کہ اگرچہ وہ فرض نہیں اور اُس کے نہ کرنے سے انسان گنہگار نہیں ہوتا لیکن ایسی عبادت کر گزرے جو اللہ کو راضی کرتی ہو تا کہ وہ اُس کی نظروں میں پسندیدہ ہو جائے یہ مراقبہِ شریعت کا تیسرا حصہ ہے۔ مراقبوں میں سب سے پہلے نمبر پر مراقبہ شریعت آتا ہے، اُس میں اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں ہیں اور جو اللہ کے احسان ہیں ان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر کسی پر اللہ کی رحمت ہوئی یا اللہ پاک نے اُس کو کچھ عطا فرمایا اور اُس پر کرم کیا ہے تو اُس کو چاہیے کہ وہ اُس کا شکرانہ ادا کرے۔ اگر اللہ نے اُس کو یہ نعمت عطا کی کہ وہ اپنے اچھے اور برے کو پہچان سکتا ہے تو اُس کو چاہیے کہ وہ اضافی عبادت کرے تا کہ وہ اللہ کی نظروں میں مقبول اور پسندیدہ ہو جائے۔ یہ مراقبہ شریعت کے تین درجے ہیں، اطاعت کا مراقبہ کہ بندے نے اللہ پاک کی بارگاہ میں جو عبادت یا فرمانبرداری کرنی ہے لازم ہے کہ اُس میں اخلاص ہو، دُوسرا مُراقبہِ معصیت کہ انسان سے اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی تو اُس کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرے کہ اُس کی غلطی اللہ کے حضور معاف ہو جائے بندے کو چاہیے کہ صدقہ کرے یا عبادت کرے اور اللہ کو راضی کرے تا کہ اُس کی غلطی معاف ہو جائے اِس سلسلے میں سوچنا یہ مراقبہ معصیت ہے اور تیسرا مراقبہ مراقبہِ مُباح ہے۔ یہ مراقبہِ شریعت کے تین درجے ہیں۔ اِس کے بعد دُوسرا مراقبہ ہوتا ہے مراقبہِ اظہارِ طلب، اللہ کی جناب میں اپنے شوق، اس کو دیکھنے یا اُس کے قُرب کی آرزو کرنا یہ بھی بہت ضروری ہے حقیقی مراقبہ سے پہلے یہ دو مراقبے

اُس کا پرٹوکول ہیں مراقبہِ طریقت یامراقبہِ اظہارِ طلب اللہ تعالیٰ کی بار گاہ میں اپنی طلب کا اظہار کرنا اُس کی بار گاہ میں اِس چیز کو باور کرانا کہ یا اللہ میں تجھے دیکھنے کا طالب ہوں ”یُرِیدُونَ وَجْهَهُ“ (الانعام:52) یااللہ میں تیرا مشتاقِ دیدار ہوں، اللہ پاک نے قرآنِ پاک میں اِس کا ذکر فرمایاہے، میں اِس آیہ مبارکہ کو پیچھے سے ملاکر پڑھتاہوں اللہ کریم نے اشاد فرمایا!

”وَلاَ تَطْرُدْ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ“ (الانعام:52)

اے میرے محبوب ﷺ اُن لوگوں جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اُس کے مشتاقِ دیدار ہیں اور اُس کو دیکھنے کی جستجو کرتے ہیں۔ اللہ پاک یہ توقع فرماتا ہے کہ میرا بندہ مجھ کو دیکھنے کی جستجو کرے اور میرا مشتاقِ دیدار ہو۔ اُس کو یہ شوق ہو کہ یا اللہ تم مجھ کو اپنا آپ دیکھا دے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ!

”کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں“

” توسامنے آ میں سجدہ کروں پھر لطف ہے سجدہ کرنے کا
تو اور کہیں میں اور کہیں تیرے نام کو سجدہ کون کرے“

انہوں نے یہ بھی کہاہے کہ!

”میں جو سربہ سجدہ ہوا کبھی تو حرم سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں“

ہمیں چاہیے کہ اللہ کی جناب میں اِس طلب کا اظہار کریں کہ ” توسامنے آ میں سجدہ کروں پھر لطف ہے سجدہ کرنے کا“ یااللہ میں تجھ کو دیکھنے کا مشتاق ہوں تم اپنا آپ مجھ کو دکھادو۔

” میرے دل کو ہے تیری دید کی آرزو رُخ سے پردہ ہٹانا تیرا کام ہے
تیرے درپہ آنا میرا کام تھا میری بگڑی بنانا تیرا کام ہے“

میرے دل کو ہے تیری دید کی آرزو رُخ سے پردہ ہٹانا تیرا کام ہے اللہ پاک کے دیدار کی طلب کرنا یہ مراقبے کا دُوسرا حصہ ہے اِس کو اظہارِ طلب یامراقبہِ طریقت کہاجاتاہے کہ اس کی تلاش میں انسان رہبر کو ملتاہے اور اُس کے دامن سے وابستہ ہو جاتاہے کہ آپ میرا رب کو دیکھنے کا کوئی بندوبست کر دیں۔

” مانا کے تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ“

شوق اور انتظار کا مطلب یہ ہے کہ انسان طریقت کے سلسلہ میں داخل ہو، شیخِ کامل سے وابستہ ہو جائے، اُس کے اشارے پر چلے اور اپنی جستجو کو جاری رکھے کہ!

کھولی ذوقِ دید نے آنکھیں تیری اگر
ہر راہ گزر میں نقشِ قفِ پائے یار دیکھ"

اگر تجھ کو دیکھنے کا شوق ہے تو پھر ہر راستہ پر اپنے محبوب کے نشان تلاش کر نقشِ قفِ پائے یار دیکھ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں اُن کو خود بخود سمجھ آئے گی اللہ کی جناب میں کسی نہ کسی طرح اپنی طلب کا اظہار کرنا ہے کیونکہ وہ عجز و انکسار کو پسند کرتا ہے ہمارا جو موضوع چل رہا ہے تواضع یا عجز و انکسار مختلف بزرگانِ دین نے مختلف راستے اختیار کیے ہیں حضرت سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

"میں کوجی میرا دلبر سوہنا میں کیوں کر اُس نوں بھاواں ھُو
وہڑے ساڈے وڑ دا ناہیں پئی لکھ وسیلے پاواں ھُو
نہ میں سوہنی نہ دولت پلے کیوں کر یار مناواں ھُو
اے دکھ ہمیشہ رہسی باہو توڑے رونڈڑی ہی نہ مر جاواں ھُو"

اظہارِ طلب کے مختلف طریقے ہیں کہ انسان کے دل میں یہ آرزو اپنی شدت کو پہنچے کہ میرے مالک میں تجھے دیکھنے کا مشتاق ہوں۔

"مانا کے تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ"

ہم اللہ پاک کو اپنا شوق دکھائیں تو صحیح۔ اگر انسان اپنے ہی آرام کو ہی ڈھونڈتا رہے تو پھر شوق کہاں سے دکھانا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں رات کو جاگنے والے آنکھوں میں آنسو لیے راتوں کو اللہ پاک کی بارگاہ میں یہ ہی التجا کرتے ہیں میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ! کہ یا اللہ میں نے ساری رات آنکھیں کھولے تیری جستجو میں گزاری، اللہ پاک نے اُن کی اِس جستجو کو پسند فرمایا ہے اور فرماتا ہے کہ!

"وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ" (الذاریات:18)

میرے ایسے بھی بندے ہیں جو آدھی رات کو اٹھ کر میری بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں گڑ گڑاتے ہیں روتے ہیں اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگ کر اپنے آپ کو کم تر ظاہر کرتے ہیں کہ کسی طرح سے بھی مجھ کو تَرس آجائے اور یقیناً اللہ پاک ان کو ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے اور اس کے تَرس کرنے کی توقع رکھنی چاہیے۔ یہ دُوسرا مراقبہ اظہارِ طلب یا مراقبہِ دید اِس کی جستجو کرنا۔ وہ ساتھی جو زیادہ تر اِس مقام پر ہیں کہ وہ اِس چیز کی جستجو کریں کہ اُن میں یہ شوق پیدا ہو کہ وہ اپنے مالک کا قُرب حاصل کر سکیں قُربِ الٰہی بہت بڑی دولت ہے۔ اگر یہ کسی کو نعمت نصیب ہو جائے تو پھر وہ کہتا پھرتا ہے کہ "اب میری نگاہوں میں جچتا نہیں کوئی" اُس کے بعد پھر کوئی اور اُس نظروں میں جچتا ہی نہیں اللہ پاک حقیقت ہیں اور محبوب ﷺ اُس کا اظہار ہیں یہ بھی مدِ نظر رکھا جائے کہ!

"اب میری نگاہوں میں جچتا نہیں کوئی
جیسے میری سرکار ﷺ ہیں ایسا نہیں کوئی"

اللہ ہم سب کو اِس مراقبے میں پورا اُتارے تو پھر اگلی منزل شروع ہوتی ہے میں بہت مختصر کرکے مراقبے کو گزارش کو رہا ہوں تاکہ جو مخصوص چیزیں ہیں وہ ذہن نشین ہو جائیں کیونکہ اِس کی ضرورت ہر جگہ پیش آنی ہے ابتدا سے لے کر انتہا تک اہل اللہ اللہ پاک کے طالب اپنی زندگی سنوارنے والے اپنے کردار کو درست کرنے والے تمام تر منزلیں اِس مراقبے کے ذریعے طے کرتے ہیں۔ یہ مراقبہ ایک قسم کی سواری یا ایک چینل ہے جس سے گزر کر ہم نے اپنے رَب کے قُرب تک پہنچنا ہے ، اگر یہ نعمت نصیب ہو جائے تو وہ شخص دُنیا میں رحمت العالمین ﷺ کا نمائندہ ہو جاتا ہے اور ایسی نمائندگی اُس کے لیے ہی فائدہ مند نہیں بلکہ اُس کے گرد و پیش رہنے والی مخلوق کے لیے بھی اَز حد فائدہ مند ہے۔ اِس چیز کا دل میں مصمم ارادہ کر لیا جائے کہ ہم نے نفس کی یہ حد توڑنی ہے اُس پر غلبہ پانا ہے اور اُس کا ذریعہ فقط مراقبہ ہے۔ مراقبہِ شریعت، مراقبہِ طریقت اور تیسرا مراقبہِ حق کہ جب دل عظمتِ الہیٰ سے مستغرق ہو جائے، اُس کو اپنے رب کی دید میں لطف حاصل ہونے لگے پھر وہ غیر اللہ کی طرف التفات نہیں کرتا اور اُس کا تصور بھی نہیں کرتا اور اپنے رب کے جمال میں مگن رہتا ہے۔ دُنیا کی کوئی بھی چیز اُس کے اِس تعلق کو توڑ نہیں سکتی نفس کی کوئی خواہش اُس پر غالب نہیں آسکتی۔ یہ ہی وہ مراقبہ ہے جو انسان کو محفوظ عن الخطا کر دیتا ہے۔

”اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا “ (البقرۃ:257)

اللہ تعالیٰ اُن کا دوست ہو جاتا ہے جو صاحبِ ایمان ہو جاتے ہیں صاحبِ ایمان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اُس کے اندر دونوں میں سے ایک حالت موجود ہوتی ہے۔ کہ یا اللہ حاضر یا اللہ ناظر، اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے یا میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں اِن دونوں میں سے ایک حالت موجود ہوتی ہے یہ ایمان کی شرط ہے اور جب تک یہ شرط مکمل نہ ہو ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ہم نمازِ جنازہ کی دُعا دیکھیں اُس میں ہر مسلمان یہ دُعا کرتا ہے کہ یا اللہ ہم میں سے جس کو بھی زندہ رکھنا ہے اُس کو اسلام پر زندہ رکھنا اور جب اُس کی موت آئے تو ایمان پر ایمان پر آئے۔ ایمان تک وہی شخص پہنچے گا جس کے اندر اِن دونوں حالتوں میں سے ایک حالت ہو گی کہ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے یا میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں یہ اندازہ فرمائیں کہ یہ کتنا ضروری کام ہے اگر دُنیا سے انسان بے ایمان ہی چلا گیا پھر وہ جیسا آیا ویسا نہ آیا اُس کا آنا بے سُود ہے اور پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ !

” أُوْلَئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ“ (الاعراف:179)

وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں ، مراقبہِ حق ایسی ضروری چیز ہے کہ اس کے بغیر گزارا نہیں حضرت امام ابو القاسم قشیریؒ حضرت داتا علی ہجویریؒ کے اساتذہ کرام میں سے ہیں آپؒ نے اُن کا اسمِ گرامی اپنی کتاب میں اُستاد ابو القاسمؒ لکھا ہے آپؒ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن خفیف نام کے ایک بزرگ تھے اُنہوں نے فرمایا کہ لوگوں نے مجھے ایک جوان اور ایک بوڑھے شخص کے بارے میں بتایا کہ وہ مقامِ ثور پر رہتے ہیں اور ہر وقت مراقبے میں رہتے ہیں میرے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ میں اُن کی زیارت کروں لہٰذا میں وہاں پر پہنچا اور دیکھا کہ دو شخص قبلہ رُخ بیٹھے ہوئے تھے میں نے اُن کو تین مَرتبہ سلام کیا لیکن انہوں نے کوئی جواب دیا آخر میں نے اُن کو خدا کا واسطہ دیا اور کہا کہ میرے سلام کا جواب تو دیں، اُن میں سے جوان شخص نے سر اُٹھایا اور کہا کہ اے ابنِ خفیف یہ دُنیا بہت کم ہے اور ہمیں

تھوڑی مدت میں بہت کام کرنا ہے کیا تم اُس کام سے فارغ ہو گئے ہو کہ ہمیں سلام کرنے چلے آئے ہو یہ کہہ کر وہ پھر مُراقبہ میں چلے گئے وہ فرماتے ہیں مجھے بھوک اور پیاس نے بہت تنگ کر رکھا تھا مگر اُن کی بات سن کر مجھے اپنی بھوک اور پیاس بھول گئی اور میں محو ہو کر وہیں ٹھر گیا، ظہر اور عصر کی نماز اُن کے ساتھ ہی پڑھی اور کہا کہ مجھے نصیحت کریں اُنہوں نے کہا کہ اے ابنِ خفیف ہم خود اہلِ مصیبت ہیں ہم کسی کو بھلا کیا نصیحت کریں گے۔ میں تین دن وہاں رہا اور اِس دوران ہم میں سے کسی نے نہ کچھ کھایا نہ پیا اور بالا آخر میں میں نے سوچا کہ میں اِن کو قسم دی کہ یہ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ ابنِ خفیفؒ فرماتے ہیں کہ میں تین دن بھوکا پیاسا اِس انتظار میں رہا کہ میرے ساتھ کوئی بات کرے لیکن کوئی ایک لفظ تک نہیں بولا، بالاخر میں نے سوچا کہ میں اِن کو قسم دیتا ہوں کہ میرے ساتھ کوئی بات کریں مجھے کوئی نصیحت کریں، میں آپ لوگوں سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے کتنا فاصلہ طے کر کے آیا ہوں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا اُن میں سے نوجوان نے اچانک سر اُٹھایا جیسے اُن کو میری دلی کیفیت کا اندازہ ہو گیا ہو، اُنہوں نے کہا کہ میری بات سُنو اگر تم صحبت کے متلاشی ہو تو کسی ایسے بزرگ کی تلاش کرو جس کا دیدار تم کو حق کی یاد دلا دے اللہ کی ہیبت و جلال کا نقش تمھارے دل پر پختہ کر دے اور وہ بزرگ ایسا ہو کہ تمھیں نصیحت کرے تو زبانِ کردار سے کرے نا کہ زبانِ گفتار سے کرے۔

”بٹھا کر تو نے عرش پر رکھا ہے اے واعظ
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے“

اُنہوں نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر آپ ہدایت کے متلاشی ہیں تو کسی ایسے بزرگ کی تلاش کریں جس کا دیدار آپؒ کو اللہ پاک کی یاد دلائے۔ اِس نصیحت کا ایک ایک لفظ غور طلب ہے کہ جو عقیدہ اُن بزرگوں کا تھا وہی عقیدہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تھا جنہوں نے حضور ﷺ کا دیدار کرتے ہوئے کئی ڈنگ کھائے تھے اور یہ عقیدہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا تھا جنہوں نے دیدار مصطفیٰ ﷺ کرتے ہوئے نمازِ عصر ترک کر دی تھی۔ انہوں نے بھی یہ ہی نصیحت کی کہ ایسے بزرگ کی تلاش کرو جس کا دیدار تمھیں حق کی یاد دلا دے اور اللہ رب العزت کی ہیبت و جلال کا نقش تمھارے دل پر پختہ ہو جائے۔ وہ بزرگ تمھیں زبانِ گفتار کے بجائے زبانِ کردار سے نصیحت کرے، اُس کی نگاہ اثر کر جائے۔

”کام کرتی ہے ساقی کی نذر
میکدے میں گردشِ جام برائے نام ہے“

جو میں نے واقعہ عرض کیا ہے اِس میں کئی راز موجود ہیں، جو لوگ اِس راستے پر چل رہے ہیں اُن کو سمجھ آ گئی ہو گی جو اِس راہ پر گامزن نہیں ہیں وہ کم از کم مراقبہِ طریقت، مراقبہِ اظہارِ طلب وہ کرتے رہیں تا کہ اللہ پاک اُن کے دلوں کو اِس قابل کر دے کہ اُس کے بعد وہ مراقبہِ دید کے قابل ہو جائیں۔ جب مراقبہِ دید شروع ہوتا ہے پھر انسان کو اِس قدر انوارِ الٰہی نصیب ہوتے ہیں کہ زبان اُن کو بیان کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتی، طلب ہوتی ہے تو یاد پیدا ہوتی ہے اور یاد رفتہ رفتہ اُس کی دید کے قابل کرتی ہے پھر انسان آہستہ آہستہ اُس کے قُرب میں آ جاتا ہے۔ جو

شخص ایک دفعہ اللہ پاک کے قُرب کا حصول کر لیتا ہے نفس پھر اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتانہ ہی شیطان اُس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ جب تک یہ حصار نہیں ہو گا اُس وقت تک کہی ہوئی بات اثر کرتی ہے اور نہ ہی سُنی ہوئی بات اثر کرتی ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ صاحب فرماتے ہیں کہ !

"یار یگانہ مل سی تینوں جے دل دی بازی لائیں ھُو

عشق اللہ دے وچ ہو مستانہ ھُو ھُو صدا لائیں ھُو

نال تصور اسم اللہ دے دم نوں قید لگاویں ھُو

ذاتِ نال جا ذاتی رلیا تد باھُو نام صدائیں ھُو

"اِک توں ہویں تے میں اَکھ ہو واں

اِک پل تیرے توں ناں وَکھ ہو واں"

"تصور میں تیرا رہنا عبادت اُس کو کہتے ہیں"

یہ گفتگو کرتے ہوئے میں بار بار اِس لیے رُک رہا ہوں کہ اِس میں بہت سارے حقائق ایسے ہیں جو مجمع عام میں بیان نہیں کیے جاسکتے، میں نے آج جو واقعہ آپ کے گوش گزار کیا ہے اُس میں بہت سے سبق ہیں لیکن پہلے مراقبہ ابتدائے طلب، مراقبۂ شریعت اور دوسرا مُراقبہ طریقت یا مُراقبۂ اظہار طلب اِس کی سب کو اجازت ہے تمام لوگ یہ مراقبے کریں کیونکہ اِس کے بعد مُراقبہ اسمِ ذات شروع ہوتا ہے۔ اُس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ نشست میں بیان کی جائے گی کیونکہ وقت کافی ہو چکا ہے۔ آج تقریباً دو ہزار [2000] افراد سے ملاقات کی جس کی وجہ سے نشست تھوڑا تاخیر سے شروع ہوئی۔ گزشتہ دو جمعرات ملاقات نہیں ہو سکی کیونکہ پہلی نوچندی جمعرات تھی جس میں میں حاضر نہیں تھا اور دوسری محرم الحرام کی جمعرات ہونے کی وجہ سے ٹریفک موجود نہ تھی جس کی وجہ سے لوگ تشریف نہ لا سکے، جس وجہ سے آج کافی رش تھا، جو گفتگو عرض کی ہے یہ حقیقت کی طرف آنے کی ایک قسم کی ترغیب ہے اگر کسی نے اخلاق اختیار کرنے ہیں تو اُس کو شیطان پر غلبہ حاصل کرنا ہو گا اُس کے بغیر ممکن نہیں۔ اِس سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ اعلیٰ اخلاق کی یہ نشانی ہے کہ انسان کو اگر کوئی شخص گالی دے تو وہ بندہ غصہ میں نہ آئے، اگر کوئی اُس سے غیر مناسب بات کرے تو وہ جواب میں اُس سے اچھی بات کرے، اگر کوئی اُس کو گھور کر دیکھے تو وہ اُس کو ہنس کر دیکھے، کوئی سلام نہ کرے تو وہ اُس کو سلام کرے۔ اگر یہ چیز نہیں آتی تو اِس کا مطلب ہے کہ ابھی انسان میں عجز و انکسار نہیں آیا ہے۔ اگر انسان کو عجز و انکسار نصیب نہ ہو تو اُس کی عبادت صرف ایک دکھاوا ہے، عبادت کو درست کرنے کے لیے عجز و انکسار کی ضرورت ہے جب تک انسان کے اندر "میں" رہے گی اُس وقت تک اُس میں عجز و انکسار نہیں آسکتا اور عبادت ممکن نہیں۔ اِس کی جستجو کرنے کے لیے شیطان پر صرف غلبہ کافی نہیں بلکہ جو دشمن نفس امارہ کی صورت میں ہمارے اندر بیٹھا ہے اُس کو فتح کرنا نہایت ضروری ہے یہ جہادِ اکبر ہے۔

اِس کا ہتھیار صرف ایک ہی ہے اور وہ مُراقبہ ہے۔ مُراقبۂ شریعت اور مُراقبہ طریقت، مُراقبہ ابتدائے طلب اور مُراقبۂ اظہار طلب یہ دو مُراقبے میں نے گزارش کیے اور تیسرے کے متعلق صرف ایک واقعہ سُنایا ہے، اُن بزرگوں نے ابنِ خفیفؒ سے کہا تھا کہ اگر تم متلاشیِ حق ہو تو ایسے

بزرگ کی صحبت تلاش کرو جس کا دیدار تمھیں حق تعالیٰ کی یاد دلا دے اور اُس کی ہیبت و جلال کا نقش تمھارے دل پر پختہ ہو جائے اور وہ بزرگ ایسا ہو کہ زبان کے بجائے کردار سے نصیحت کرے، ہمیں اِس چیز کو حاصل کرنا ہے اور اِس کے لیے مراقبہِ اسمِ ذات ضروری ہے۔ اِس سِلسلہ میں جہاں تک میں بیان کر سکوں گا وہاں تک عرض کروں گا۔ باقی جس کو شوق ہوا اللہ پاک اُس کو خود بخود بھیج دے گا۔ اُس کا اُس کے بعد کے مراحل تعلیم کر دیئے جائیں گے۔ اللہ پاک کی جناب میں دُعا ہے کہ میری یہ جستجو قبول فرمائے اور اللہ پاک ہم سب کو حقیقت کی طرف مائل کر دے کیونکہ یہ سب کچھ آپس میں ملا ہوا ہے اگر یہ چیز نہیں ہوتی تو انسان کو ایمان حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو عبادت کا کوئی فائدہ نہیں "لاصلوۃ الی الخشوع" فرمایا نماز خشوع کے بغیر نہیں ہے۔ خشوع کے بغیر عبادتیں صرف رسمی کارروائیاں ہوتی ہیں۔ اِس کے لیے ہمیں لازمی کوشش کرنا ہو گی۔ اِس معاملے میں جو کچھ بیان کر سکتا تھا میں نے وہ بیان کر دیا ہے۔ مُراقبہ کی اہمیت اُس کا ما حصل کہ مُراقبہ کرنے سے ہم نے کیا منزل حاصل کرنی ہے اور مُراقبہ حق کی ابتداء اور اُس کے طریقہ کار کے متعلق بشرطِ توفیق آئندہ بیان کروں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ آج وقت کافی ہو چکا ہے باامر مجبوری میں اسی عبادت میں مصروف ہوں کیونکہ جو شخص آس لے کر آجاتا اُس کو اگر نہ ملا جائے تو یہ کفرانِ نعمت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص پر اللہ پاک اپنی نعمت فرماتا ہے اُس کے ساتھ مخلوق کو وابستہ کر دیتا ہے۔ جس کے پاس مخلوق آئے اُس کے پاس اللہ پاک کی کوئی نعمت ہوتی ہے اور اُس پر لازم ہے کہ وہ اُس نعمت کی پاسداری کرے۔ اللہ کریم جو کہا جو سُنا اپنی بارگاہِ عالی میں قبول و منظور فرمائے، اللہ پاک ہمیں حقیقی ایمان نصیب فرمائے۔ ایمان کے حصول کا فقط راستہ مُراقبہ ہی ہے۔ مُراقبہ کی جستجو کرنی، اپنے دل میں یہ پختہ ارادہ کر لیا جائے کہ یہ گھاٹی ہر صورت گزرنی ہے، اِس کو پار کر کے حقیقت تک پہنچنا ہے، دُنیا میں آئے اللہ رب العزت نے نعمتیں عطا کی ہیں، آنکھیں دیکھتی، کان سُنتے، زبان بولتی، پاوں چلتے، ہاتھ پکڑتے ہیں اِس کے باوجود ہم اُس کی نعمت کی ناشکری کریں تو اللہ پاک فرماتا ہے۔

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" (ابراہیم:7)

اگر تم شکر کرو گے تو میں تمھیں اور عطا کروں گا اگر تم ناشکری کرو گے تو یہ جان لینا کہ میرا عذاب بڑا شدید ہے۔ اللہ پاک کی جناب میں دُعا ہے کہ اللہ پاک ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ وماعلینا الی البلاغ المبین۔ میرا یہ سب کچھ عرض کرنا اور اِس پر اتنا اصرار کرنا محض اِس لیے ہے کہ میرے سمیت ہم سب کے عمل درست ہو جائیں، فقط اپنے علم کا اظہار کرنا یا تقریر سُنانا اِس کی نہ کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی اِس کی کوئی ضرورت ہے۔ اللہ پاک شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ وماعلینا الی البلاغ المبین۔ اگر کسی کا کوئی سوال ہو تو پوچھ سکتا ہے۔

جتنے لوگ اِس محفل میں حاضر ہیں اگر اِس راستے کو چند لوگ بھی طے کر لیں تو بات بن جائے گی، حضرت سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں کہ!

"اِک نگاہ جے عارف ویکھے لکھ ہزاراں تارے ہُو

لکھ نگاہ جے عالم ویکھے کسے نہ کدی چاڑے ہُو"

اللہ پاک ہمیں اپنی معرفت اور اپنے دین کی طلب عطا کرے تا کہ ہمارے ساتھ ساتھ دوسروں کی قسمت بھی سنور سکے۔ اللہ پاک ہمارے اِس شوق کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ نہ ہو کہ ہم آتے رہیں، بیٹھتے رہیں اور محض سُنتے رہیں کیونکہ اگر یہ رسمی صورت اختیار کر جائیں تو پھر ایسی محافل ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم نے کچھ حاصل کرنا ہے اور کوئی منزل ہمارے پیشِ نظر ہے تو پھر اس معاملے میں یہ نشست بڑا اہم کردار ادا کرے گی۔ انشاء اللہ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اِس پر عمل درآمد کریں اور اگر اِس سلسلہ میں کوئی رکاوٹ پیش آئے گی تو چاہیے آپ محفل میں سوال کریں اور اگر آپ محفل میں سوال نہیں کر سکتے تو اِس مقصد کے لیے میں علیحدگی میں بھی حاضر ہوں، ہم جمعہ والے دن پاک۔بیگھ شریف میں آوٹ ڈور کے بعد چیمبر میں اِس سلسلہ میں خصوصی محفل بھی رکھتے ہیں۔ جو افراد طلب کے متلاشی ہیں اُن کو اُس محفل میں موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی بات کر سکیں۔ اللہ کرے کہ ہم میں یہ طلب پیدا ہو۔ اگر کسی کا کوئی سوال ہو تو پوچھ سکتا ہے۔

سوال: جناب مُراقبہ کا طریقہ کار کیا ہے اُس کی وضاحت فرمادیں؟

جواب: میں نے مُراقبہ کا طریقہ کار عرض کیا ہے کہ پہلے مُراقبہ شریعت، دوسرا مُراقبہِ طریقت میں نے شریعت کے مُراقبے کے تین حصے بتائیں ہیں، پہلا اطاعت کا مُراقبہ دوسرا معصیت اور تیسرا اُمباح کہ جو اللہ پاک نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں ہمیں چاہیے کہ اُن کے شکرانہ کا کوئی طریقہ کار سوچیں یہ ایک مُراقبہ کے تین پہلو ہیں دوسرا مُراقبہ مُراقبہ اظہارِ طلب اللہ پاک کی بارگاہ میں اپنا شوق دکھانا، اپنے انتظار کو اُس کے حضور پیش کرنا، راتوں کو اُس کے حضور جاگ کر، آنکھوں میں آنسو لا کر، اپنے گناہ یاد کر کے، بندہ اُس کی بخشش کا تصور کرے یہ ہی مُراقبہ اظہار طلب ہے۔

" مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں

میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ"

تیسرا مُراقبہ حق ہے جن کو اِس سلسلہ میں سبق دیا گیا ہے اُن کو تو اُس کی سمجھ آگئی ہو گی۔ باقی افراد کے مُراقبہِ حق کے واسطے ابتدائی سبق آئندہ نشست میں گزارش کروں گا۔ اِس میں اور کوئی چیز آپ نے پوچھنی ہو تو پوچھیں، اِس کا طریقہ کار میں نے تفصیل کے ساتھ عرض کر دیا ہے، اس سلسلہ میں اگر کوئی اور سوال ہو تو وہ کیا جا سکتا ہے، انسان پہلے یہ دو مُراقبے کرنے شروع کرتا ہے تو اُس کے بعد آہستہ آہستہ اُس کا شوق بڑھتا ہے۔ اگر اللہ پاک نے کسی کو اِس راہ پر گامزن کر دیا ہے تو وہ یہ جانتا ہے کہ انسان اسی طرح اِس راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ پہلی سیڑھی پھر دوسری سیڑھی، ہم اظہارِ طلب کر کے دیکھیں تو سہی، رات کو اُٹھ کر اُس کی بارگاہ میں کھڑے تو ہوں، اُس کی بارگاہ میں کھڑے ہوں۔

"وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ" (الذاریات:18)

" میں کو جی میرا دلبر سوہنا میں کی کریار مناواں ہو"

ہم کسی نہ کسی طرح اللہ ربِ کریم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کریں۔ جب کوئی شخص اپنے عیب یاد کر کے اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور شرمسار ہوتا ہے تو اللہ پاک بڑی آسانی کے ساتھ اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ انسان جب بھری ہوئی آنکھوں سے اُس کے حضور التجاء

کرتا ہے کہ مولا تم سب سے برتر و اعلیٰ ہو اور میں سب سے کمزور اور گناہ گار ہوں، یا اللہ مجھے معاف فرما دے۔"میں کو جی میرا دلبر سوہنا" آپ یہ کوشش کریں آپ کو انشاء اللہ اِس کا ریٹرن آئے گا۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ!

"أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ" (البقرۃ:186)

جب بھی کوئی اُس کو پکارنے والا پکارتا ہے تو وہ اُس کی پکار کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ طلب کے آغاز کا طریقہ ہے، آپ اِس کی کوشش کریں اللہ پاک متوجہ ہو گا اور انشاء اللہ مُراقبہِ حق کا دروازہ کھل جائے گا۔ اللہ کریم جو کہا جو سُنا اُس پر عمل کو توفیق عطا فرمائے۔ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ جتنے لوگوں نے سُنا اُن کے دل میں کچھ نہ کچھ کسک اُٹھی ہے، مجھے اُمید ہو گی کہ انشاء اللہ ہم کبھی کبھی منزل تک پہنچیں گے۔ الحمد للہ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو اِس راستے کے مسافر بن چکے ہیں، اللہ کرے اُن کا یہ سفر بخیر و خوبی انجام پائے اور اللہ کریم اُن کو منزل مقصود عطا کرے۔ مجھے اُن لوگوں کی دلجوئی بھی مقصود ہے۔ جو لوگ اِس طرف آنا چاہتے ہیں وہ جستجو کریں اور مُراقبہ اظہارِ طلب کی طرف زیادہ توجہ دیں۔ اللہ پاک کو اپنی بندگی کا یقین دلانے کی کوشش کی جائے۔

"وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ" (الحجر:99)

اللہ پاک جگہ جگہ فرماتا ہے کہ آپ اپنے رب کریم کے ساتھ اپنا اخلاص ثابت کریں تاکہ پھر وہ آپ کو اپنے قُرب کی لذت کے ساتھ سرشار کر دے۔ اِس کا واحد یہ ہی طریقہ ہے اور یہ جان لیں کہ اللہ پاک دلوں کی گہرائی سے بھی واقف ہے۔ ہم اُس سے کچھ بھی چھپا نہیں سکتے، اُس نے فرشتوں کو بھی پکڑ لیا تھا!

"وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ" (البقرۃ:33)

وہ جانتا ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپا رہے ہو۔ یہ اللہ پاک نے فرشتوں سے فرمایا تھا، اللہ پاک ہر چیز سے واقف ہے ہمیں اُس کے سامنے اپنا اخلاص ثابت کرنا ہے اور یہ کام ہمیں ہر صورت میں کرنا ہے، اِس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہمیں کوشش کرنا چاہیے، اللہ کرے کہ اُس کو یقین آ جائے، اللہ کریم کو یقین آ جائے گا تو وہ اپنی رحمت کے دوازے کھول دے گا۔ مُراقبہِ حق اُسی وقت اپنی تعمیل کو پہنچتا ہے جس وقت بندے میں طلب ہوتی ہے۔ یہ موضوع ایسا ہے کہ اِس کو کبھی بھی مجمع عام میں بیان نہیں کیا گیا۔ میں جہاں تک بیان کر سکتا تھا اُس کو رمضان شریف میں مجمع عام میں بیان کیا ہے، آئندہ نشست میں کوشش کی جائے گی کہ اِس کی ابتدائی باتیں عرض کر دوں باقی طلب پر منحصر ہے۔ کہتے ہیں کہ!

" یہ اپنے خون کی حدت ہے اے ساقی
نشہ شراب میں ہوتا تو ناچتی بوتل"

اگر انسان کے اپنے مَن میں طلب ہو گی تو کام آگے چلے گا اگر اپنے مَن میں ہی طلب نہ ہو تو مُراقبہ چھوڑ کر "اسمِ اعظم" کا وظیفہ کرتے رہیں تو بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ سلطان باہوؒ صاحب فرماتے ہیں کہ!

"تسبیحی پھری تے مَن نہ پھریا کی لینا تسبیحی پھڑ کے ہُو
چلِے کٹے کجھ نہ کھٹیا کی لینا چلیاں وڑ کے ہُو"

اِس میں سب سے ضروری طلب ہے اور اُس طلب کا اللہ پاک کے حضور اظہار کرنا ہے۔ کہتے ہیں کہ!

"چلے بھی آو کہ گلشن کا کاروبار چلے"

اللہ پاک ہر کسی کو دعوت دے رہا ہے کہ!

"آج بھی ہو گر ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا"

"ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہ روئے منزل ہی نہیں"

بقول علامہ اقبالؒ اللہ پاک ہر وقت مائل بہ کرم ہے، ہر وقت منتظر ہے کہ کوئی اُس سے حقیقت کی طلب کرے۔ لیکن۔۔۔ کوئی۔۔۔ کوئی۔۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کی طرف حال حال کسی کی توجہ جاتی ہے۔ ہمیں ہماری دنیا کی مصروفیات چھوڑتی ہی نہیں اور اِس سلسلہ میں نفس سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اگر نفس پر قبضہ ہو جائے تو پھر انشاء اللہ اگلی منزل آسان ہو جاتی ہے اور اُس کی ایک ہی صورت ہے کہ مُراقبہ اظہارِ طلب کو پختہ کیا جائے۔ رات آئے انسان میٹھی نیند سویا ہوا اور جب گھڑی بتائے کہ پچھلی رات ہو گئی ہے تو بندہ اُٹھ کھڑا ہو اور اُٹھ کر اللہ کی جناب میں کھڑا ہو جائے۔ اللہ پاک اگلی منزل آسان فرمادے گا۔ انشاء اللہ۔ اللہ کرے یہ ہمت پیدا ہو جائے، اگر انسان اتنا کرلے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ بندہ ایک قدم اللہ کی طرف چلتا ہے اللہ پاک دس قدم بندے کی طرف بڑھتا ہے۔ اللہ پاک توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درسِ تصوف۔25

دورانیہ۔50منٹ۔تاریخ۔2013-11-28

بمقام۔مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ چند محافل میں ہم نے اپنی اصلاحِ نظام کی گفتگو سے تھوڑا اعراض کرتے ہوئے اِس میں حائل مختلف رکاوٹوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔اِس میں سب سے بڑی رکاوٹ جو تعمیرِ کردار میں پیش آتی ہے اُس کا نام نفسِ امارہ ہے۔اپنی اِن محافل کی اِس غرض وغائیت کو دہراتے ہوئے یہ عرض کروں کہ ہماری اِن محافل کا مقصد اِس نظام اِصلاح کی تائید،ترویج، تصدیق اور اِس پر عمل درآمد کی کوشش ہے، یہ اِن محافل کی غرض وغایت ہے۔وہ نظامِ اِصلاح جس کا آغاز اُمتِ مسلمہ میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے ہوا۔تزکیہ نفس کے اِن تمام سَلاسَل اور اِن تمام منازل کے امام حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ ہیں۔حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب شریف میں اُن کا ذکر فرمایا ہے۔اِس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جِد و جہد جس کا آغاز اِس کائنات میں پہلے مسلمان نے کیا تھا، اُس کی ترتیب،اُس کا تسلسل صحابہ کرامؓ نے بھی جاری رکھا اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ اقدس کے بعد اولیا اللہ کے ذمہ یہ کام آیا۔تعمیرِ کردار حقیقت میں زندگی کا ما حَصل ہے۔اللہ کریم نے ارشاد فرمایا۔اس آیت کو بار بار دہرایا جاتا ہے اگرچہ قُرانِ پاک میں اور بہت ساری دیگر آیات بھی اس مضمون کی موجود ہیں لیکن اِس میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بتادیا گیا ہے کہ!

”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا “ (الشمس9،10)

دو ہی راستہ ہیں، اپنے نفس کو سنوارنا یا اُس کو برباد کر دینا۔کامیاب وہ ہی ہیں جنہوں نے سنوار لیا اور جو نہ سنوار سکے وہ گویا اِس دُنیا میں آکر بھی ناکام لوٹے۔کوئی شخص بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ وہ کسی جگہ جائے اور ناکام لوٹ آئے۔چہ جائیکہ کوئی شخص دُنیا میں آئے اور یہاں سے ناکام لوٹ جائے۔تعمیرِ کردار اپنے نفس کو سنوارنے کا نام ہے۔اِس سلسلہ میں جو طریقہ کار متعین کیا گیا ہے اُس کا نام تصوف ہے۔ہم نے تصوف کی تعلیمات کے احیاء اور اپنے قلوب کی روشنی اور اپنے گرد و پیش کی اصلاح کے واسطے اِن محافل کا اجراء کیا۔کم از کم ہم میں سے ہر ایک بندہ یہ سوچے کہ اگر میں اپنے نفس کی درستگی میں کوئی کردار ادا کر سکا تو میں اِس دُنیا سے ناکام نہیں جاؤں گا۔ہر کوئی اگر یہ سوچنا شروع کر دے تو معاشرہ اصلاح پا جاتا ہے۔نظام قدرت یہ ہے کہ اِس کائنات میں ہر قبیل کے لوگ پائے جاتے ہیں۔لیکن جنہوں نے اِس حقیقت کو اپنا لیا اُن کی وجہ سے یہ دُنیا قائم ہے۔قُرانِ پاک میں اِس بات کی وضاحت فرمائی گئی کہ اگر تم یہ کام چھوڑ دو گے تو میں تمہاری جگہ اور قوم لے آؤں گا۔

"مٹتے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے"

قدرت کا نظام جاری رہتا ہے، جو اِس نظام میں حائل ہو اُس کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جاتا ہے۔ لہذا اپنی بقا اور اپنے گردو پیش کی بقا کے واسطے اِس نظام کی اصلاح اور اُس کا تسلسل ضروری ہے اور اِس کے جاری رہنے کے واسطے جستجو کرنا ہماری زندگی کا اہم ترین فریضہ ہے۔ اگر ہم اِس کو سرانجام نہ دے سکیں تو دُوسری صورت میں اللہ کریم کا یہ فرمان تلوار کی طرح لٹک رہا ہے کہ!

"نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے"

نتیجتہً ہمیں اپنے دل کی گہرائی سے یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ ہمیں نظامِ تصوف کی اصلاح اور اُس کے جاری رکھنے کے واسطے اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ وہ لوگ جن کے ذمہ اللہ پاک یہ کام لگاتا ہے وہ ہم کیوں نہ بن جائیں۔ ہمارے ذمہ ہی یہ کام کیوں نہ لگ جائے۔ کیونکہ اِس میں ہماری اپنی بھی بقاء ہے اور اُمتِ مسلمہ کی اصلاح بھی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ تڑپ رکھتے ہوئے اِن محافل کا اجراء کیا گیا۔ حقیقتاً آستانوں کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ نظامِ اِصلاح کو جاری رکھیں اور قیامت تک یہ نظام چلتا رہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا"قیامت اُس وقت نہیں آئے گی کہ جب تک اِس کائنات ارضی پر ایک شخص بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہو گا۔" اللہ اللہ کرنا اور اللہ اللہ بتانا ہمارے پر فرض عین ہے۔ اپنی اور اِس کائنات کی بقا کے واسطے ضروری ہے۔ لہذا تعمیرِ کردار میں ہم نے مختلف معروف اولیا اللہ کی کتابوں کو ریفرنس کے طور پر رکھتے ہوئے اِس میں تعمیرِ کردار کے سلسلہ میں اخلاق پر گفتگو شروع کی تھی۔ اعلیٰ اخلاق میں ایک اخلاق تواضع اور عجز و انکسار ہے۔ یہ ایک ایسا اخلاق ہے جو بندگی کے واسطے ضروری ہے۔ انسان کی تمام تر ظاہری اور باطنی عبادات کا دارومدار عجز و انکسار، تواضع پر ہے۔ گفتگو کے دوران مجھے یہ خدشہ ہوا کہ یہ تعمیری نکات ہیں اگر ہم اپنی رفتار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے، سُنتے ہوئے چلے جائیں گے تو ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے واسطے ایک معمول بن جائے۔ اِس کا جو اصل مقصد ہے کہ ہمارے دلوں کے بند دروازے کھٹکھٹائے جائیں وہ کھلیں اور ان کے اندر عشقِ الٰہی کا شعلہ بھڑکے۔ اگر یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو پھر نشستن، گفتن، برخاستن اس کے سوا کہ بیٹھے، آئے، سنا اور چلے گئے تو کام ختم ہو گیا۔ یہ کافی نہیں۔ لہذا میں اپنے موضوع سے اعراض کرتے ہوئے ان رکاوٹوں کا بیان کر رہا ہوں جو اِس سلسلہ میں پیش آتی ہیں، اِس سلسلہ میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ نفس امارہ ہے۔ اُس پر گفتگو کی، اُس کی ٹریٹمنٹ یا علاج کے واسطے جو بہترین طریقہ کار استعمال ہوتا ہے اب اُس پر یہ گفتگو چل رہی ہے۔ یہ گفتگو ہی نہیں رہنی چاہیے۔ میری اللہ کی بارگاہ میں التجاء ہے کہ جو میں نے پہلے دن عرض کی تھی کہ اگر ہم رات کے اِس پہر اپنے گھروں میں سے نکل کر اللہ کے گھر آ بیٹھے ہیں۔ تو ہم یہ بھی آرزو رکھتے ہیں کہ!

"مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں"

یا اللہ ہم بے مایہ ہیں، بے خانماں اور بے شمار قسم کی مصائب و آلام اور پریشانیوں میں اُلجھے ہوئے ہیں، لیکن!

"تیری اک نگاہ کی بات ہے میری زندگی کا سوال ہے"

"مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں

میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ"

یہ شوق اور انتظار دکھانا اللہ کی ذات کو مقصود ہے۔ اِس عمل کو اگر ہم مُراقبہ کہیں تو وہ بجا طور پر درست ہو گا۔ مُراقبے کی تعریف یہ ہے کہ انسان نگہداشت کرے۔ مُراقبے کا معانی نگہداشت کرنا ہے۔ کس چیز کی نگہداشت کرنا، اپنے دل کی نگہداشت کرنا۔ جس سے ماسوا اللہ ہر اُس اثر یا اثرات سے جو نفسِ امارہ کو ہوا دیں۔ نفسِ امارہ اور اس کے حواریوں سے اپنے دل کو محفوظ رکھنا، اُس کو محسوس کرتے ہوئے اُس کے توڑ کی کوشش کرنی اِس عمل کو مُراقبہ کہا جاتا ہے۔ جب میں نے مُراقبہ کی تعریف بیان کی تھی وہیں پر اُس کی کلاسیفکیشن بھی بیان کی تھی۔ مُراقبے کی تین اقسام ہیں۔

مُراقبہ شریعت

مُراقبہ طریقت اور

مُراقبہ حقیقت

یہ وہ ٹرمیں ہیں جو آپ کو شاید کسی کتاب میں یا کسی اور جگہ نہ ملیں۔ کیونکہ ہر دور میں آنے والا اِس راستہ کا راہی اپنا راستہ خود تلاش کرتا ہے۔ اُس کا شوق اُس کو خود بخود راستہ سُجھاتا ہے۔ بہر حال اِس تمام تر رہنمائی کا ماخذ، منبع قرآن و حدیث ہے۔ قُرانِ پاک، حدیث پاک اور سُنت رسول ﷺ ہے۔ مُراقبہ جو سب سے ضروری ہے اگرچہ مُراقبات تو بہت زیادہ اور بے شمار ہیں، جس وقت بندہ حقیقت کے دائرے میں قدم رکھتا ہے تو پھر مُراقبوں کی سب ڈویژن شروع ہوتی ہے۔ لیکن ابتدائی اقسام تین ہی ہیں۔ مُراقبہ ہم قُرانِ پاک کے اِس فرمان کے مطابق!

"أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى" (العلق:14)

کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ ہمیں اِس حقیقت کو مد نظر رکھنا ہے۔ اپنے نہاں خانہ دل کو اپنے اللہ کے واسطے سنوار کر رکھنا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا کہ!

"وہ آئیں نہ آئیں یہ اُن کی رضا

دَر کُھلا چاہیے، گھر سجا چاہیے"

اپنے دل کا گھر سجانا ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ رب العزت پوری کائنات میں نہیں سما سکتا۔ لیکن حدیث پاک ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ میں بندہ مومن کے دل میں آجاتا ہوں۔ اِس کا مطلب حلول کرنا نہیں بلکہ اللہ پاک کے نور کی تجلی بندہ مومن کے قلب کو روشن کر دیتی ہے۔ تو پھر وہ دیکھتا ہے "انہ ینظر بنور اللہ" تو وہ اللہ رب العزت کے نور کی مدد کے ساتھ دیکھتا ہے۔ محسوس کرتا ہے تو اُس کی طاقت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ اُس کا کچھ کہنا، کچھ کرنا اللہ پاک کی رضا کے تابع ہو جاتا ہے۔ مُراقبے کے سلسلہ میں میں نے اُس کی تین قسمیں بیان کی تھیں۔ مُراقبہ شریعت، مُراقبہ طریقت اور مُراقبہ حقیقت۔ پہلی دو قسمیں جب کوئی شخص مُرشد کامل کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے تو پھر اُس کے پاس آتے جاتے پہلی دو شرطیں وہ طے کر لیتا ہے۔

"ریاضت نام ہے تیری گلیوں میں آنے جانے کا

تصور میں تیرا رہنا، عبادت اِس کو کہتے ہیں"

تصور میں تیرا رہنا یہ مُراقبے کا آخری حصہ ہے۔ تیسرا حصہ ہے۔ پہلی دو قسمیں میں نے پچھلی دفعہ گُزارش کی تھیں۔ مُراقبہ شریعت میں تین چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو اللہ پاک کے امر ہیں، جو اُس کا احکامات ہیں اُن کو بجالایا جائے، انسان چند لمحے بیٹھ کر اُن کی طرف توجہ کرے کہ میں نے جو کچھ بھی کام کیا ہے کیا وہ اللہ پاک کے حکم کے مطابق کیا ہے۔ اگر کیا ہے تو پھر کیا اُس میں خلوص تھا یا کہ نہیں۔ اُس کی طرف غور کرنا یہ بھی مُراقبے کا حصہ ہے۔ دُوسرا یہ کہ اُس نے جو کچھ منع کیا ہے، یعنی مُنکرات اُن سے بچنے کی جستجو کرنا اور اگر کر چکا تو پھر اُس کی بارگاہ میں معافی کی درخواست کرنا اور بخشش کی التجاء کرنا یہ مُراقبہ شریعت کا دُوسرا حصہ ہے۔ تیسرا یہ کہ جہاں پر نہ کوئی نافرمانی ہوتی ہو اور نہ ہی فرمانبرداری وہاں یہ دیکھ کر کہ فلاں کام اللہ کو پسند ہے، رضاکارانہ طور پر کرنا، اِس کو ہی نفلی عبادت کہتے ہیں، خوش کرنے کے واسطے، اچھے نمبر حاصل کرنے کے واسطے وہ کرنا، اُس کے باعث غور و فکر کرنا کہ میں کون سا ایسا کام کروں جو میرے مالک کو اچھا لگ پڑے۔

"میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ"

اِس پر عمل بھی کرنا ہے۔ کہ کون سا ایسا کام کروں جو اُس کو پسند آجائے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کو مچھلی پسند تھی۔ بڑے عرصے کے بعد کسی طرح ایک مچھلی آپ تک پہنچی، مدینہ طیبہ سے سمندر بہت دور ہے، وہاں تک مچھلی کا پہنچنا جدید ترین ذرائع میں تو ممکن ہے مگر اُس دور میں بڑا مشکل تھا۔ کسی طرح ایک مچھلی آپ تک پہنچی، آپؓ روزے کے ساتھ تھے۔ مچھلی پکائی گئی اور دستر خوان پر رکھ دی گئی۔ افطاری کا وقت قریب آیا، ایک سوالی نے صدا دی کہ میں بھوکا ہوں، روزہ کھولنے میں ابھی چند گھڑیاں باقی تھیں، آپؓ نے فرمایا یہ مچھلی اٹھاؤ اور اُس صدا دینے والے کو دے دو۔ یہ دیکھنا کہ میرے رب کو کیا پسند ہے۔

" لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ "(ال عمران:92)

آپ اُس وقت تک بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک وہ کچھ اللہ کو نہ دے دیں جو آپ کو خود پسند ہو۔ اُس کو وہ کچھ دینا جو آپ کو خود پسند ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ مَرتبہ حاصل کیا اُس پر بھی غور و فکر کرنا چاہیے۔ یہ بھی مُراقبے کی ایک قسم ہے۔ پہلے بندہ سوچتا ہے، پھر اُس کا دل کرتا ہے، پھر وہ اُس پر عمل کرنے لگ پڑتا ہے۔ اِس سوچ کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ ہماری شریعت میں اللہ پاک کسی نیک عمل کے سوچنے پر بھی اُس کا اجر عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ اگر تم کوئی منکرات یا نافرمانی کا کام کرتے ہو تو جب تک کر نہ لو اُس کی سزا نہیں۔ لیکن اگر اچھے عمل کا ارادہ بھی کرو گے تو اللہ پاک تمہیں اُس عمل کا اجر عطا فرما دے گا۔ تو یہ بھی مُراقبہ ہے۔ یہ مُراقبہ شریعت ہے۔ اِس کے بعد مُراقبہ طریقت کہ اللہ کی جناب میں اپنی طلب کا اظہار کرنا۔ یہ ہی میں نے پچھلی دفعہ گزارش کی تھی کہ!

"میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ"

اپنی طلب کا اظہار کیا جائے۔ اللہ کی جناب میں اپنی جستجو پیش کی جائے، اُس کی تعریف کرکے اپنے آپ کو قُرب کے قابل بنایا جائے۔

"کھولی ہیں ذوقِ دید نے تیری آنکھیں اگر

ہر راہ گزر میں نقش کف پائے یار دیکھ"

جو بھی راستہ تمہیں نظر آئے وہاں اپنے مالک کی قدرت کے نشان طلب کر۔

"کھولی ہیں ذوق دید نے تیری آنکھیں اگر

ہر راہ گزر میں نقش کف پائے یار دیکھ"

"اِس تجسس میں تیری ہر شے پر یوں نظریں جماتا ہوں

کہ جانے کون سی شے میں تیرا دیدار ہو جائے"

اللہ پاک کی صناعی اور اُس کی صفتوں پر توجہ دی جائے۔ دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی کم مائیگی کا اظہار کرے۔

"میں کُو جھی میرا دِلبر سُوہنا میں کی کَر یار مَناواں

وِیڑھے سَاڈے وَڑ دا نَاہیں پَئی لکھ وَسیلے پَاواں"

رات کو اٹھ کر کئی درد والے اُس کی جناب میں التجائیں کرتے ہیں۔ وہ صرف التجائیں نہیں بلکہ اُس کی طرف سے طلب کا شوق ملتا ہے۔ جوں جوں بندہ اُس کی طرف ایک ایک قدم چلتا ہے اُس طرف سے اللہ کی ذات پاک دس دس قدم نزدیک ہوتی ہے۔ یہ حدیث پاک ہے کہ بندہ اگر اللہ کی طرف ایک قدم چلتا ہے تو اللہ پاک دس قدم اُس کی طرف آتا ہے۔ اللہ کی طلب اور اُس کی شوقِ دید!

"يُرِيدُونَ وَجْهَهُ" (الکھف:28)

اللہ پاک نے اِس حقیقت کو قُرانِ پَاک میں بیان کیا ہے کہ میرے ایسے بھی چاہنے والے ہیں جو میرے مشتاق دیدار ہیں "يُرِيدُونَ وَجْهَهُ" (الکھف:28) اُس کا چہرہ دیکھنے کے مشتاق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک ﷺ کو فرمایا اُن پر نگاہ شفقت فرمائیں۔ اُن کی طرف توجہ فرمائیں۔ اِس میں دو صورتیں نکلتی ہیں۔ ہم عملی پہلو پر بات کرتے ہیں، تھیوری کی ہمیں زیادہ ضرورت نہیں، عملی پہلو جو ہم کرسکتے ہیں یہ کہ نیند آئی رات کا پچھلا پہر ہے۔ اپنی نیند کو مالک کے واسطے قُربان کر کے اُٹھ بیٹھے، سردی کا موسم ہوتے ہوئے طہارت کریں اور مصلے پر آبیٹھیں، اُس کی بارگاہ میں کھڑے ہو جائیں اور پھر اُس کی بارگاہ میں اپنی مناجات پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ اِس پورے عمل کے دوران بندے کو اپنے کرم کی نگاہ کے ساتھ دیکھ رہا ہوتا ہے۔ پسند کرتا ہے کہ میرا بندہ میرے واسطے گرم بستر چھوڑ کر، اپنے آرام کو چھوڑ کر اُٹھ آیا ہے پھر وہ بھی نزدیک آتا ہے۔

"تو سامنے آ میں سجدہ کروں پھر لطف ہے سجدہ کرنے کا"

یقین فرمائیں کہ جب تک یہ مُراقبہ درست نہ ہو عبادت کے اندر ذوق و شوق پیدا ہی نہیں ہوتا، لذت ہی نہیں آتی۔ اِس واسطے اس کے لیے جستجو کرنی ضروری ہے۔ ہر سلسلہ طریقت، ہر وہ شخص جو رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے وہ مُراقبہ تعلیم کرتا ہے۔ مُراقبے کے بغیر انسان کے دل میں لذت ایمانی تو کیا ایمان کا ذرہ بھی حاصل ہونا مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں جو دُوسرا مُراقبہ ہے، وہ اظہارِ طلب یا مُراقبہ طریقت ہے یہ اللہ کی

ذات کے بارے میں جستجو کرنا ہے کہ ایسے وقت جب انسان کا دل نہ کر رہا ہو وہ اپنے آپ کو کھینچ کر اپنے رب کی بارگاہ میں لے جائے۔ اللہ پاک کرم کی نظر کرتا ہے اور پھر کوئی اِکرَاہ نہیں رہتا، کوئی جبر یا زبردستی نہیں رہتی۔ بلکہ اُس میں ایک لذت آجاتی ہے، سرور ملتا ہے، پھر بندے کا اُس کے بغیر اگر کچھ وقت گزر جائے تو اُس کے بغیر پھر اُس کا گزارہ بھی نہیں ہوتا۔ جب اللہ پاک کی رحمت آنے لگ جائے، تو اُس کو حاصل کرنے کے واسطے بندہ حریص ہو جاتا ہے اور خود بخود توجہ کرتا ہے۔ اِس میں دو طریقے آسان ہیں۔ ایک تو یہ کہ استغفار کی جائے۔

”وَبِالأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ“ (الذاریات:18)

اُس وقت جب اور کوئی چیز انسان کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرواتی ہو اُس وقت وہ اللہ کی جناب میں اپنی خطائیں، اپنے گناہ، اپنے عیب یاد کر کے اُس کے حضور پیش کرے۔ اللہ پاک کو بڑی خوشی ہوتی ہے کہ میرا بندہ میرے آگے عجز وانکسار کر رہا ہے۔ یہ عبادت کا جوہر ہے اور کہتے ہیں کہ!

”راہ پئیا جانے تے واہ پئیا جانے“

جس وقت بندہ اِس عمل کو کرتا ہے تو اُس کی آنکھیں چھلک پڑتی ہیں اور رب کی رحمت قریب آجاتی ہے۔ اِس قدر انسان کی طبیعت کو اللہ پاک طمانیت عطا کرتا ہے کہ پھر وہ ہی بات کہ ”واہ پئیا جانے“۔ بات زبانی بیان کرنے سے ہوتی نہیں۔ بہر حال یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ اللہ کی جناب میں بندہ اپنے عجز وانکسار کا اظہار کرے، اُس کو اپنی خطائیں پیش کر کے اُن کی معافی کی التجاء کرے۔ اللہ پاک اِس عمل سے خوش ہوتا ہے۔ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اللہ کی جناب میں استغفار کرتا ہے تو اللہ کو اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی اُس مسافر کو ہوتی ہے جس کی آنکھ لگی تھی اور اُس کا سواری کا جانور غائب ہو گیا اور پھر وہ اُس کو تلاش کر کر کے موت کے قریب پہنچ گیا اور اِس حالت میں بے ہوش ہو کر گر گیا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو اُس نے دیکھا کہ اُس کی سواری کا جانور جس پر اُس کا پانی اور خوراک موجود ہے اُس کے سامنے کھڑا ہے۔ اِس بندے کو جتنی خوشی ہوتی ہے اللہ پاک کو اُس سے زیادہ خوشی اُس گناہ گار پر ہوتی ہے جو اپنے گُناہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کر کر کے اُن کی معافی کی التجاء کرتا ہے۔ جب اللہ پاک راضی ہو جائے اور اُس کو پیار کرے تو پھر انسان کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ یہ مُراقبہ اظہارِ طلب ہے۔ دُوسرا اِس کا طریقہ جس میں یہ بھی آجاتا ہے اور ایک اور اِس سے بھی بہتر ہے۔

”وَلاَ تَطْرُدْ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ“ (الانعام:52)

کہ اے میرے محبوب ﷺ آپ ﷺ اُن لوگوں سے اعراض نہ فرمائیں جو میرے مشتاق دیدار ہیں اور صبح شام مجھے پکارتے ہیں۔ انسان کو جب بھی وقت ملے اللہ کے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ درود پیش کرے۔ یہ موضوع میں پہلے بھی کسی اور موضوع میں گزارش کر چکا ہوں۔ درود شریف کا پڑھنا انسان کے دل میں عجز وانکسار یعنی عبادت کا جوہر پیدا کر دیتا ہے۔ درود پاک کی کثرت ایسے طریقے کے ساتھ کہ گویا سرکار ﷺ سامنے تشریف فرما ہیں اور میں ان کی بارگاہ میں ہدیہ درود پیش کر رہا ہوں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ رب العزت حقیقت

ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس کا اظہار ہیں۔ اِس میں دوئی نہیں لائی جا سکتی۔ کبھی ایسا ہوا ہے کہ دھوپ ہو اور سورج نہ ہو یا سورج ہو اور دھوپ نہ ہو۔ جہاں پر اللہ ہے وہیں پر رسول ﷺ ہیں اور جہاں پر رسول ﷺ ہیں وہیں پر اللہ پاک موجود ہے۔ جو نادان اِس میں فرق ڈالتے ہیں انہیں خبر نہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ کا ایجنڈا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے مرکز سے دُور کیا جائے۔ جہاں پر رسول پاک ﷺ کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے، ادراک ہوتا ہے، وہیں پر ہی اللہ پاک کی موجودگی کا بھی ادراک ہوتا ہے۔ آپ اپنی نماز میں ہی دیکھ لیں ''التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات السلام علیک ایھا النبی'' اللہ پاک کی ذات کو مخاطب ہوتے ساتھ ہی نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کیا جارہا ہے۔ تمام مسلمان کرتے ہیں اور یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ پڑھنی خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے۔ اللہ کے سواء اور کسی کا درمیان میں ذکر نہیں۔ رسول پاک ﷺ اللہ کا اظہار ہیں۔ جس وقت بندہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں درود پاک کا نذرانہ پیش کرتا ہے اُس وقت وہ حقیقتاً اللہ پاک کی نگاہوں میں ہوتا ہے۔ اُس وقت بھی اُس پر عجز و انکسار، محبت، وارفتگی، شوق، حلاوت اور سرور کی گھڑیاں وارد ہو جاتی ہیں۔ یہ مُراقبہ اپنی انتہا تک پہنچتا ہے۔ مُراقبہ طریقت یا مُراقبہ اظہارِ طلب اِن دو کوششوں کے ساتھ بہت زیادہ بہتری آتی ہے۔ تیسری جو میں نے عرض کی کہ جس وقت کوئی شخص اِس راستہ پر چلتا ہے، جس وقت اُس کے دل کو لگ جاتی ہے۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ نے فرمایا!

''ایمان سلامت ہر کوئی منگے عشق سلامت کوئی ھُو

میرا عشق سلامت رَکھ میاں باھو ایمانوں دیاں دَروھی ھُو''

تو جب کوئی اِس راستہ پر آجاتا ہے تو پھر خود بخود اُس کا یہ کام بھی جاری ہو جاتا ہے کہ!

''میں کو جھی میرا ماہی سوہنا میں کی کَر یار مَناواں''

لیکن ابتداء میں اِس کے واسطے یہ دو طریقے ہیں۔ یہ عملی طریقہ ہے۔ پچھلی دفعہ مجھ سے کسی نے سوال کیا تھا تو میں یہ عملی طریقہ مُراقبہ طریقت یا مُراقبہ اظہارِ طلب کا عرض کر رہا ہوں۔ اِس کی ہر ایک کو اجازت ہے۔ آپ اِس کو جب بھی کریں گے انشاء اللہ اِس کا آپ پر اثر ضرور ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بندہ آگ کے پاس بیٹھے اور اُس کو گرمی نہ لگے، برف کے پاس بیٹھے اور اُس کو ٹھنڈ نہ لگے۔ یہ کریں گے تو اثر ضرور ہوگا۔ لیکن ایک شرط ہے کہ اگر نسبت حاصل کر لی جائے تو پھر۔ رسول پاک ﷺ کی نسبت رہبر کامل سے ملتی ہے اور اگر وہ نصیب ہو جائے تو پھر یہ جلدی نصیب ہو جاتی ہے۔ جو لوگ اپنے شیوخ کے پاس حاضر ہوتے ہیں، اُن کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، اُن کے ساتھ ملنا، اُن کی یاد اُن کے دل میں آجاتی ہے تو یہ دونوں مُراقبے ساتھ ساتھ طے ہو جاتے ہیں۔ اِس کے بعد پھر مُراقبۂ حق کا آغاز ہوتا ہے۔ اِس سلسلہ میں بھی میں کچھ الفاظ عرض کر دوں۔ اِن دونوں کو دُہرانا ضروری تھا، میں نے محسوس کیا کہ پچھلی دفعہ شاید میں یہ بات مکمل طور پر آپ تک نہیں پہنچا سکا۔ کیونکہ مجھ سے جو سوال کیا گیا اُس سے مجھے احساس ہوا کہ اِس میں شاید پوری طرح وضاحت نہیں ہو سکی۔ بہر حال مُراقبے کا طریقہ کار یہ ہے کہ جس طرح دل کرے بیٹھ سکتے ہیں۔ ویسے تو مُراقبے میں دوزانو بھی بیٹھا جاتا ہے، چار زانو بھی اور عموماً جو لوگ اِس راہ کے راہی ہیں وہ اپنے ساتھ کوئی

چادر وغیرہ رکھتے ہیں تا کہ جب اُن کا دل شوق میں آئے تو وہ کپڑا لے کر اپنے گردوپیش سے کٹ جائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

"وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً" (المزمل:8)

اپنے رب کو اِس طرح یاد کر کہ سب سے کَٹ کر اُس کا ہو جا۔ ہر طرف سے کٹ کر اُس کی طرف متوجہ ہو جا۔ اِس کے واسطے جتنے بھی اِس راہ کے راہی ہیں انہوں نے تخلیہ خانے بنائے ہوئے ہیں اور اگر وہ نہ مل سکیں تو پھر انہوں نے اپنے پاس کوئی چادر رکھی ہوئی ہوتی ہے تا کہ ایسا وقت آئے تو وہ مخلوق سے کٹ جائیں۔ بہر حال یہ جس طرح بھی ہو اور اگر نہ بھی ہو۔ یہ سارے تکلفات ہیں اگر یہ نہ بھی ہوں تو بھی مُراقبہ ہو جاتا ہے۔ جب بھی توجہ ہو گی مُراقبہ خود بخود شروع ہو جائے گا۔ توجہ کرنا یہ ضروری ہے۔ اِس کے بعد پھر اِس کا اگلا حصہ شروع ہوتا ہے کہ!

"تو سامنے آ میں سجدہ کروں، پھر لُطف ہے سجدہ کرنے کا"

اُس کو سامنے لانے کے واسطے مُراقبہ کا تیسرا حصہ۔ دو حصے تو میں نے عرض کر دیئے۔ اُن کے ساتھ شوق پیدا ہوتا ہے، اِس کے ساتھ آہستہ آہستہ خود بخود دل میل کھاتا ہے، اِس کے بعد پھر تیسرا حصہ شروع ہوتا ہے۔ اُس کے بارے میں کچھ تعارفی الفاظ آج ادا کر دیتا ہوں باقی انشاءاللہ آئندہ۔ مُراقبہ دل میں جس چیز کی طرف دھیان دیا جائے اُس کا غلبہ پیدا کرتا ہے۔

"بلھے شاہ توں اُڈدیاں پھڑ دا ایں

جیڑا وچ بیٹھا اُس نوں پھَڑ دا ہی نہیں

اے تَن تیرا رب سچے دا حُجرہ وچ پا فقیرا جھاتی ہو"

اِس میں رَفتہ رَفتہ آگے بڑھنا ہوتا ہے۔ میں اِس کی اہمیت کے بارے میں گزارش کر دوں کہ مُراقبہ انسان کے دل میں ہر اُس چیز جس کو وہ چاہتا ہے اُس کا غلبہ پیدا کرتا ہے۔ اِس میں مثال ہے کہ انسان کو یقین ہے کہ اللہ پاک اُس کو دیکھ رہا ہے۔ یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے کہ اللہ پاک حاضر ہے اور اللہ پاک ناظر ہے۔ اِس میں کسی فرقے یا طبقے کو کوئی شک نہیں۔ اِس کے باوجود ہم گناہ کر گزرتے ہیں۔ یقیناً اُس وقت ہمارا یہ ایمان کمزور ہوا ہوتا ہے کہ اللہ پاک ہمیں دیکھ رہا ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ کو دیکھتے ہوئے کوئی بندہ اُس کی نافرمانی کرے یا اُس کو احساس ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو پھر اُس کی نافرمانی کرے۔ اُس وقت جب کوئی شخص بادشاہ کی نظروں میں ہو یا بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو اُس وقت اُس کے فرمان کی پاسداری نہ کرے یا نافرمانی کرے یہ ممکن نہیں۔ جو شخص اِس مُراقبہ مُراقبہِ حقیقت کو اپنا شُعار بنا لے وہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور ایمان سے آگے عشق کی وادیوں میں قدم رکھتا ہے۔ جب تک یہ طے نہ ہو اُس وقت تک تعمیرِ کردار ممکن نہیں۔ کیونکہ تعمیرِ کردار اور اعلیٰ اخلاق کی میں نے پچھلی دفعہ بھی نشانی عرض کی تھی کہ حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کو گالی دے اور اسے غصہ نہ آئے تو وہ سمجھ لے کہ اُس میں اِخلاق موجود ہے۔ یہ بڑا مشکل ہے۔ وہ منہ سے کچھ نہ کہے لیکن اُس کے اندر تپش ضرور پیدا ہو گی اور اُس کی کن پڑیاں سرخ ہو جائیں گی۔ یہ چیز کنٹرول کرنا مُراقبے کے بغیر ممکن نہیں۔ جتنے بھی سَلاسَلِ طریقت ہیں سب حق کے راستہ ہیں،

سب میں اِس مُراقبے کو اہمیت حاصل ہے۔ مُراقبے کے واسطے رہبر کا ہونا لازم ہے۔ رہبر کامل ہر کسی کو اُس کی فطرت کے مطابق یہ مُراقبہ تعلیم کرتا ہے۔ اسی طرح جس طرح دوائیوں کی کتابوں میں دوائیاں لکھی ہوئی ہوتی ہیں لیکن کوئی بھی بندہ دوائیوں کی وہ ہی کتابیں پڑھ کر ڈاکٹر نہیں بن سکتا جب تک وہ کسی ڈاکٹری کے ادارے میں داخل ہو کر کسی اُستاد کا شاگرد نہ ہو اُس وقت تک ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ دوائیوں کی کتابیں وہ ہی پڑھتا ہے جو وہ پڑھ رہے ہیں لیکن ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اُس میں حضرت سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

"مُرشد باجھوں فقر کماوے وچ کفر دے اڈے ہُو
شیخ مشائخ ہو بہندے وچ حجرے غوث قطب بن اڈے ہُو
تسبیحاں پھڑ بہن مسیتی جیویں موش بھوے وڑھ کھڈے ہُو
رات اندھیری مشکل پینڈا باہو سہ آون ٹُھڈے ہُو"

اِس راستہ میں بہت ساری اونچ نیچ ہوتی ہیں۔ رہبر کامل اُس راہ کے راہی کو جگہ جگہ رہنمائی کرتا ہے، اِس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اُس کو ملے بلکہ جہاں پر بھی ہو! "مُرشد وسے سے کوہاں تے"

وہ جہاں پر بھی ہو اُس کی رہنمائی کرتا ہے۔ اِس میں جو طریقہ کار استعمال ہوتا ہے اُس کے بارے میں بھی حضرت سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

"مُرشد ہادی سبق پڑھایا بن پڑھیوں پئیا پڑھیوے ہُو
اُنگلیاں وِچ کَناں دے دِتیاں بن سُنیو پیا سُنیوے ہُو
نین نیناں وَل تکدے بن ڈِٹھیو پئیا دَسیوے ہُو
باہُو ہَر خَانے وِچ جَانی وَسدا اَکِن سر ہو رَ رکھیوے ہُو"

یہ طریقہ کار ہے، اِس کے بغیر اِس پر عمل درآمد ممکن نہیں ہوتا۔ مُراقبہ حقیقت میں مُرشد کامل ہر کسی کی طبیعت، اس کے رُجحان، اُس کی فطرت اور اُس کی اڑان کے مطابق اُس کو مُراقبے تعلیم کرتا ہے، اُس کو اس راستہ پر لے کر چلتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ خار زار ہے جہاں پر رہبر کا ہونا ضروری ہے۔ اُس کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ لیکن اِس کی جو نشانیاں ہیں، اِس کی ایسی چیزیں ہیں جو ہر ایک میں کامن ہیں، جو ہر کسی نے کرنی ہوتی ہیں اُن کے بارے میں میں انشاء اللہ کچھ مزید گزارشات آئندہ محفل میں۔ کیونکہ زیادہ گفتگو پچھلا کہا ہوا بھلا دیتی ہے۔ آج جو کچھ عرض کیا وہ ایک تو ہم نے اپنی ان محافل کی مکمل غرض و غایت کا اظہار اور اِس کے بعد جو پیچھے موضوع بیان ہو رہا ہے اُس کی کچھ Revision دُہرائی کی ہے، چونکہ بہت سارے لوگ نئے شامل ہوتے ہیں اُن کے واسطے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اُن کو سیاق و سباق سے آگاہ کیا جائے۔ وہ Revision گزارش کی ہے۔ اُس کے بعد جو پچھلے دو مُراقبوں کے بارے میں گزارش کیا تھا۔ شریعت، طریقت اور مُراقبہِ حقیقت۔ میں نے محسوس کیا کہ مُراقبہِ شریعت اور مُراقبہِ طریقت کو ہر کسی نے فالو نہیں کیا لہذا اُس کی دوبارہ بیان کیا گیا ہے۔ اُس کے بعد مُراقبہِ حقیقت کے

سلسلہ میں اُس کی کچھ ضروریات کے بارے میں اشارہ کیا ہے۔جب تک دل میں حق کا غلبہ نہیں ہو گا ہم منکرات اور اللہ کی نافرمانی سے بچ نہیں سکتے۔ تعمیرِ کردار کے واسطے نفس پر کنٹرول شرط ہے، نفس پر کنٹرول حاصل کرنے کے واسطے یہ مُراقبہ ہی واحد طریقہ کار ہے۔اِس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں کہ!

”گوڈے گٹے مَل مَل دھویں تیرے مَنوں نہ گئی پلیتی ہُو

یہ من سے پلیتی پھر بھی نہیں جاتی چاہے بندہ جتنی چاہے محنت کر لے۔

تسبیح پھری پر مَن نہ پھریا کی لینا تسبیح پھڑ کے ہُو

چلے کیتے کجھ نہ کھٹیا کی لینا چلیاں وڑھ کے ہُو

سے واری حج مکے کیتا فیر وی دل دی دوڑ نہ مکے ہُو“

اِس کے واسطے جب تک مُراقبے پر عبور حاصل نہیں ہوتا اُس وقت تک اگلی منزل کا حصول دشوار ہے۔ مُراقبے کی تین اقسام میں سے دو دوبارہ بیان کی گئیں اور تیسری کے چند ایک نقات بیان کیے گئے۔اِس میں وہ چیزیں جو کامن ہیں وہ انشاء اللہ آئندہ محفل میں گزارش کی جائیں گی۔اللہ کرے ہر کوئی اِس پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ پھر اُس کو اُس کے حسبِ رجحان تعلیم کیا جائے گا، یہ آپ کا خادم انشاء اللہ اِس کام کے واسطے دن رات حاضر ہے۔ اِس کے واسطے میں انشاء اللہ علیحدہ وقت بھی دوں گا۔ دُنیاوی عرضوں کے واسطے علیحدہ وقت دینا ممکن نہیں لیکن یہ چونکہ سرکاری ڈیوٹی ہے۔ اِس کام کے واسطے خادم کو Entitle کیا گیا ہے، ذمہ داری لگائی گئی ہے۔اِس واسطے اگر علیٰحدہ وقت کی ضرورت ہو تو میں از خود اس کے واسطے علیٰحدہ وقت عرض کرتا ہوں۔ بہر حال انشاء اللہ آئندہ محفل میں اِس کے بارے میں مزید گزارشات کی جائیں گی۔کچھ وقت کیوں کہ ہماری دہرائی revision پر لگ جاتا ہے، یہ اِس واسطے ضروری ہے کہ ہر محفل میں نئے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔فری آئی کیمپس ہوتے ہیں۔ جمعرات کو لسِٹ ہوتی ہے، مریضوں کے ساتھ کافی سارے لواحقین موجود ہوتے ہیں وہ بھی یہاں موجود ہوتے ہیں اُن کی بھی رہنمائی ہو جائے تو بہت بہتر ہے اور دُوسرا یہ کہ ایک ہی دن جمعرات کا ہے، اُس دن آستان کی ساری ڈیوٹیاں ہوتی ہیں۔ صبح وظائف سے لگ کر پھر مخلوقِ خدا کے ساتھ ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آج بھی تقریباً 1750 افراد سے زائد کے ساتھ ملاقات کی، ابھی ایک اور کام اس سلسلہ میں باقی رہتا ہے وہ آپریشن لسٹ ہے، اُس کے بعد پھر وظائف کا وقت شروع ہو جائے گا۔اِس واسطے بَامرِ مجبوری، میرا جی تو چاہتا ہے کہ جتنے شوق اور محبت کے ساتھ احباب آئے ہیں میں ہر کسی سے فرداً فرداً ملاقات کروں اور ملوں لیکن آپ میری اِس آرزو کو قبول فرمائیں کہ for the public interest، عوام الناس کے مفاد میں مجھے بَامرِ مجبوری محفل کے بعد جانا ہوتا ہے کہ لسٹ کی تیاری اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے تا آنکہ اگلا پیریڈ وظائف کا شروع ہو جاتا ہے۔ بہر حال اللہ کریم جو کچھ کہا گیا اور جو کچھ آپ نے سنا قبول فرمائے۔ لیکن بخدا میری یہ عرض ہے کہ یہ ہماری عملی جستجو ہے، اِس میں قدم بڑھانے کی کوشش کی جائے اور اپنا دل مضبوط کر لیا جائے۔ میں نے پچھلی دفعہ بھی عرض کی تھی اور آج بھی عرض کرتا ہوں کہ!

یہ نظام جو انتہائی بدحالی کا شکار ہو چکا ہے، اگر ہم اِس کو سہارا نہیں دیں گے تو اللہ پاک اپنے اِس کام کے لیے کوئی اور قوم لے آئے گا، یہ نظام اُس کا ہے اور اُس نے اِس کو چلانا ہے لیکن ہم اپنے آپ کو اپنے رب کی بارگاہ میں اِس کے لیے ثابت کریں کہ!

" مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں

میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ"

یہ شوق اور انتظار دکھانا ہے۔ صرف سننے تک محدود نہ رہے۔ میں اپنے آپ کے ساتھ مخاطب ہو رہا ہوں۔ ہر کوئی اپنے آپ کے ساتھ مخاطب ہونے کا حق رکھتا ہے۔ میں اپنے آپ کے ساتھ مخاطب ہو کر اپنے آپ کو کہتا ہوں کہ اِس شوق اور اِس طلب کو اللہ کی جناب میں ثابت کرنا ہے۔ I must prove my sincerity to Almighty. میں اپنے رب کو اپنے خلوص کا یقین دلاؤں۔ اللہ پاک قُرانِ پاک میں فرماتا ہے کہ!

"وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ" (الحجر:99)

اپنے رب کو اتنا پوجو کہ اُس کو یقین آ جائے۔ اُس کو یقین دلانا ہے۔ آؤ مل کر اپنے مالک کو یقین دلائیں کہ یا اللہ ہم بھی تیرے چاہنے والوں میں سے ہیں۔ انشاء اللہ ہم ایک قدم اُس کے طرف چلیں گے تو وہ دس قدم ہماری طرف آئے گا۔ اللہ کریم ہماری اِس آرزو کو قبول و منظور فرمائے، اگلی محفل میں انشاء اللہ انشاء اللہ بشرط توفیق مُراقبہِ حقیقت کے کچھ خدوخال کے بارے میں عرض کروں گا اور پھر جیسا بھی امر ہوا۔ اللہ رب العزت جو کچھ کہا گیا اور سنا گیا اِس کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ آمین۔ وما علینا الی البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف۔26

دورانیہ۔54منٹ۔ تاریخ۔2013-12-05

بمقام۔ مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ محافل میں تزکیہ نفس بطور تعمیرِ کردار کے سلسلہ میں گفتگو کی گئی، حضور داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں اِس سلسلہ میں قُرانِ پاک کا جو ارشاد قلمبند فرمایا ہے اُس کا حوالہ دیا گیا!

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" (الشمس:9،10)

کامیاب ہوا وہ جس نے اپنے کردار کو سنوار لیا اور ناکام ہوا وہ جس نے اُس کو خاک میں ملا دیا۔ اِس سلسلہ میں آپؒ فرماتے ہیں کہ جب اسلام کی ترویج کا عمل شروع ہوا اُس وقت ہی تعمیرِ کردار کی ابتداء ہوئی، یہ طریقہ اور اِس کے امام اُمتِ مصطفی ﷺ کے اندر حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے بعد آنے والے لوگوں میں جب یہ طریقہ کار پہنچا تو اُس کو تصوف کا نام دیا گیا۔ اُس دور میں بھی اِس کے عوامل اور مندرجات بالکل وہی تھے جو اُن کے بعد آنے والے بزرگوں نے بھی جاری رکھے یہ قیامت تک اسی طرح چلتے رہیں گے۔ ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ تعمیرِ کردار کے سلسلہ میں بزرگان دین نے اپنی تصوف کی کتابوں میں جو ترتیب بیان فرمائی ہے اُس میں ہم عوارف المعارف از حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ یہ تصوف کی ٹیکسٹ بک، نصابی کتاب ہے۔ اِس کو بطور ریفرنس، بطور حوالہ اِس کتاب کو سامنے رکھتے ہوئے اِس کی ترتیب پر ہم چل رہے ہیں۔ اِس کی ابتداء خدمتِ خلق سے کی گئی، اُس کے بعد حُسنِ اخلاق کا اظہار۔ ہم نے ایک قول جو حضرت داتا گنج بخشؒ اور دیگر بہت سارے بزرگوں نے بھی بیان فرمایا ہے ۔"التصوف حسن الخلق"۔ تصوف نام ہی حُسنِ اخلاق کا ہے۔ تعمیرِ کردار میں حُسنِ اخلاق بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اخلاق دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک اللہ کے ساتھ، ایک اللہ کی مخلوق کے ساتھ۔ اللہ کے ساتھ جو اخلاق ہے وہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا بندہ ہوتے ہوئے اُس کی طرف سے وارد ہونے والی ہر خوشی اور غم کو بخوشی قبول کر لے۔

"سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار ہو"

مخلوق کے ساتھ حُسنِ اخلاق یہ ہے کہ کسی قسم کی جفا یا مخلوق کی طرف سے کسی قسم کی زیادتی کا جواب اسی پیمانے کے ساتھ نہ دے بلکہ میں نے ایک مقولہ گزارش کیا تھا کہ اندھیرے کو ہمیشہ روشنی سے دور کیا جاتا ہے۔ اندھیرے کو اندھیرے کے ساتھ کبھی بھی دور نہیں کیا جاسکتا، اُس سے اندھیرا اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کی طرف سے بد اخلاقی کا مظاہرہ ہو تو اُس کو اخلاق کے ساتھ درست کیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ اخلاق کے

سلسلہ میں ہم نے جو مختلف عنوان بیان کیے اسی زمرے میں ایک عنوان اُس حالت کا تھا جو اخلاق کا الٹ ہے۔ وہ غصہ، کینہ اور حسد ہے۔ غصہ بنیاد ہے جب کسی شخص کی توقع پوری نہ ہو۔ اگر وہ جس طرح چاہتا ہے اُس طرح اُس کی توقع پوری نہ ہو تو پھر اُس میں دو طرح کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر وہ کچھ کر سکتا ہے تو پھر یہ غصے کی صورت میں ہوتے ہیں اور اگر کمزور ہے یا اُس کا جواب نہیں دے سکتا تو مایوسی کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اخلاق کو قطع کرتی ہیں۔ حُسنِ اخلاق اِس سے مکمل طور پر مسخ ہو جاتے ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس۔ گفتگو جاری رہی ،اِس دوران یہ محسوس کیا گیا کہ ہماری یہ نشستیں محض نشستن، گفتن اور برخاستن۔ بیٹھے، گفتگو کی اور اُٹھ کر چلے گئے۔ اِس حد تک نہ رہ جائیں بلکہ اِس کا ہمارے کردار پر کوئی اثر بھی ہو، ہم اِن نشستوں سے کچھ حاصل بھی کریں، اس سلسلہ میں میں نے گزارش کی تھی کہ ہر اچھی چیز کو اپنانے کے سلسلہ میں جو چیز مانع ہے اُن میں دو نام سر فہرست ہیں۔ ایک شیطان اور دُوسرا نفسِ امارہ۔ شیطان کا مقابلہ کرنا بہ نسبت آسان ہے لیکن کیونکہ نفسِ امارہ انسان کے اندر چھپا ہوا ہوتا ہے کہ!

”بلھے شاہ اڈدیاں پھڑ دا ایں

جیہڑا اوچ بیٹھا اے اوہنوں پھڑ داہی نہیں“

اِس کو سب سے پہلے اپنی نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ نفسِ امارہ انسان کے کسی عمل کے ساتھ قابو میں نہیں آسکتا۔

”گوڈے گٹے مل مل دھویں تیرے منوں نہ گئی پلیتی ہو“

جُبہ و دستار، تقریر و تحریر نفس پر کچھ اثر نہیں کر سکتے۔ ریاضتیں، مُجاہدے، ارشادات یہ نفس پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ اِس کو جب بھی موقع ملتا ہے یہ کُھل کھیلتا ہے اور کی ہوئی محنت برباد کر دیتا ہے۔ یہ صرف حصولِ کردار کے راستہ میں رکاوٹ ہی نہیں بلکہ کیا ہوا بھی ضائع کر دیتا ہے۔ لہذا اِس دشمن کی پہچان اور اِس کا توڑ کرنا ضروری ہے۔ اِس مقصد کے واسطے ہم دور و نزدیک سے آکر مسجد میں بیٹھتے ہیں کچھ گھڑیاں۔ کچھ ایسا ہو کہ ہم کچھ حاصل کر سکیں اور ہماری اندر کی حالت بدلے۔ اگرچہ کہ کسی نے کہا ہے کہ!

”کام کرتی ہے ساقی کی نظر میکدے میں گردش جام برائے نام ہے“

لیکن ہر پریکٹیکل کے ساتھ تھیوری کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ عملاً جو کچھ ہو رہا ہے اگر انسان کا شعور اُس سے باخبر ہوگا تو اُس کی مدد کر سکے گا، کم از کم جو کچھ حاصل کیا اُس کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم نے نفس کے توڑ کے واسطے جو ہتھیار سب سے زیادہ مؤثر اور جس کا وجود شروع سے لے کر اب تک ہر سلسلہ طریقت میں بنیادی اہمیت کا حامل رہا ہے، اُس کے بارے میں کچھ گفتگو کی تھی اور یقیناً سننے والوں نے اُس پر غور بھی کیا ہوگا کہ اُس ہتھیار کے ساتھ اِس دشمن جس کے بارے میں حضرت سلطان باہو صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ!

”صُورت نَفس اَمارہ دِی جیویں کوئی کُتا گلھڑ کالا ہُو

کُو کے، نوکے، لُہو پیوے، منگے چَرب نوالہ ہُو“

اِس کا توڑ کرنا ممکن ہو جاتا ہے وگرنہ تمام تر کوششیں اُس وقت رائیگاں جاتی ہیں جہاں نفس کو موقع ملتا ہے تو پھر یہ نہ سمجھانے سے سمجھتا ہے، نہ ریاضات اُس کا کچھ بگاڑ سکتی ہیں اور نہ تسبیحاں اِس پر کوئی اثر کرتی ہیں۔ ہر بزرگ نے یہ ہی کہا ہے کہ!

"تسبیح پھری تے من نہ پھریا کی لینا تسبیح پھڑ کے ہُو

چلے کٹے کُجھ نہ کھٹیا کی لینا چلیاں وڑ کے ہُو"

جب تک یہ چیز پختہ نہ ہو جائے کچھ حاصل نہیں ہوتا، انسان اپنے نفسِ امارہ پر عمل دخل نہ تو اپنے ارادے سے کر سکتا ہے اور نہ اُس کے اندر اتنی طاقت ہے۔ ہم قُرانِ پاک کی آیات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں، اللہ پاک نے ارشاد فرمایا، حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے۔

"وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّي" (یوسف:53)

بے شک میں نفس کو بری الذمہ قرار نہیں دیتا، بے شک نفس امارہ بُرائی کی طرف رُجحان کرتا ہے، بے شک یہ اپنی حرکت کرنے سے نہیں رہتا۔ اللہ پاک نے قُرانِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے لیکن ایک صورت ہے۔ "إِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّي" اگر میرا رب میرے پر رحم کرے۔ اب اپنے رب کو اپنے آپ پر رحم کرنے پر آمادہ کرنا، اللہ اپنی مرضی والا ہے، کسی کے کہنے کا اُس پر کیا اثر۔

"اللَّهُ الصَّمَدُ" (اخلاص:2) اللہ بے نیاز ہے۔

تمام دُنیا اور دُنیا کے تمام عوامل ایک طرف کھڑے ہو جائیں اور اللہ رب العزت کو مائل کرنے کی کوشش کریں تو یہ ممکن نہیں۔ لیکن اللہ پاک نے جو طریقہ کار ہمیں بتایا ہے اُس پر عمل کرنے سے یہ ممکن ہو سکتا ہے، یہ طریقہ کار فقط انسان کے واسطے ہے اللہ پاک نے اُس وقت جب فرشتوں نے یہ عرض کی تھی کہ یا اللہ یہ زمین میں خون بہائے گا، فساد کرے گا آپ اِس کو اپنا نمائندہ بنانے لگے ہیں۔ ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اُس وقت اللہ پاک نے!

"وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا "(البقرۃ:31)

" كُلَّهَا " مفسرین نے اکثر تمام اسماء لکھے ہیں۔ لیکن اگر ہم نصِ قرآنی دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ تمام اسماء کی مقدار اِس قدر زیادہ ہے کہ یہ گنی ہی نہیں جا سکتی۔ اللہ کریم کے سوا مخلوقات کی تعداد ہی نہیں گنی جا سکتی۔ ہر مخلوق کے واسطے اللہ پاک نے علیٰحدہ علیٰحدہ عبادت تجویز فرمائی ہے۔

"قَدْ عَلِمَ صَلاَتَهُ وَتَسْبِيحَهُ"(النور:41)

ان کو علیٰحدہ علیٰحدہ اپنے اسماء سے واقف کیا ہے۔

"وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا" (البقرۃ:31)

اس سے مُراد یہ تھی کہ اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو جو اسمائے پاک تعلیم فرمائے تھے اُن کے تمام تر عواملِ خفیہ اور ظاہر، باطناً اور ظاہراً اُن سب سے اُن کو آگاہ کر دیا تھا، اُن اسمائے الٰہی میں سے ایک اسمِ اللہ ہے۔ یہ اُس وقت اسم اعظم کا درجہ رکھتا ہے جب انسان کی

زبان، اُس کا سانس، اُس کا قلب اور اُس کی رُوح، چار چیزیں، بیک وقت اُس کا ذکر کرتی ہیں۔ تو اُس وقت یہ اسم اعظم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

"وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً "(المزمل:8)

یاد کر اپنے رب کے نام کو۔ یہ وہ نام ہے۔

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ◉ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى"(الاعلیٰ:15،14)

"ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ" یاد کیا اپنے رب کو اُس کے نام کے ساتھ۔ "فَصَلَّى" کے بارے میں انشاءاللہ بعد میں ربیع الاول کے نزدیک بیان کریں گے لیکن "اسْمَ رَبِّهِ" کا ذکر قُرانِ پاک میں جگہ جگہ آتا ہے۔ اللہ پاک کے اِس نام سے مُراد اللہ پاک کا اسمِ ذات proper noun اسمِ معرفہ ہے۔ آج جو میں نے گزارش کرنی ہے یہ گزشتہ سے پیوستہ سے متعلق ہے، میں اِس موضوع کو آہستہ آہستہ اِس واسطے بیان کر رہا ہوں کہ شاید ہمارا دل اِس کو اپنانے پر آمادہ ہو جائے۔ ہر سودے کو جب کسی دُکان والے نے گاہک کو دینا ہوتا ہے تو وہ اُس کو اُس کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ اُس کے بارے میں اُس کے تمام اثرات اور عوامل سیاق وسباق سب اُس کو بتاتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ گاہک اُس کو لینے پر آمادہ ہو گیا ہے تو پھر وہ اُس کو اصل چیز سے آگاہ کر دیتا ہے۔ میں نے پچھلی دو محافل میں مُراقبے کے سلسلے میں جو گزارشات کی ہیں اُن کو بھی دُہرا لیں۔ اب تک جو میں نے دُہرایا ہے وہ پچھلی تمام محافل کی گفتگو تھی کہ ہم اپنے تعمیرِ کردار کے واسطے اور یہ ضروری ہے اِس واسطے کہ اللہ پاک نے قُرانِ پاک میں فرمایا ہے کہ اگر تم میرے کہنے پر نہیں چلو گے تو میں تمہیں لے جاؤں گا اور تمہاری جگہ اور قوم لے آؤں گا۔ اپنے نفس کی تعمیر، تعمیرِ کردار، اپنے نفس کی اصلاح یہ صرف ہماری بقا کے واسطے ہی ضروری نہیں بلکہ ہمارے معاشرے کی بقاء کے واسطے بھی ضروری ہے۔

مِن حیثُ القوم اِس کی ضرورت ہے، اگر ہم اِس کو پس پشت ڈال دیں گے، ہماری عبادات صرف رسمی حیثیت اختیار کر لیں گی کہ جیسی پڑھی، ویسی نہ پڑھی تو پھر معاشرے میں تبدیلی آتی ہے۔ اللہ پاک نے اپنے دین کو قائم رکھنا ہے۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ لوگ میرے احکامات پر کماحقہ عمل نہیں کر رہے۔ پہلے اُن کے اندر مصلح بھیجتا ہے، اِس کے باوجود اگر اُن کو اثر نہیں ہوتا تو پھر اُن کو ختم کر دیا جاتا ہے۔

"نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے"

علامہ اقبال نے کہا ہے۔ اِس مٹنے سے پہلے ہمیں اِس چیز کا مصمم ارادہ کرنا ہے کہ کیوں نہ ہم وہ لوگ بن جائیں جو نہ صرف اپنے قلوب کو بطور شمع روشن کریں بلکہ ایک ایک شمع کے ساتھ لاکھوں شمعیں جلتی چلی جائیں۔ کیونکہ روشن چیز کی روشنی جس پر پڑتی ہے وہ بھی روشن ہو جاتی ہے۔ کمرے میں اگر بلب جل رہا تو کمرے کی ہر چیز اپنے رنگ میں ہے۔ اگر سب بلب بجھ جائیں تو اندھیرا چھا جائے گا، ہر چیز کالی ہو جائے گی۔ بلب نے اپنے آپ کو روشن کیا تو پھر کمرے کی ہر چیز خود بخود اپنے اپنے رنگوں میں روشن ہو گئی۔ اِس واسطے اپنے قلوب کو روشن کرنا ہماری مجبوری ہے، بلکہ یہ ہماری بقا کا مسئلہ ہے۔ ہماری زندگی کا سوال ہے۔ اِس کو اپنانا ضروری ہے۔ لہٰذا یہ کام ضرور کرنا ہے۔ ہر دفعہ میں تمہید میں کافی وقت لگا دیتا ہوں، اِس واسطے کہ کسی نہ کسی طرح قلوب اِس طرف مائل ہو جائیں۔ اگرچہ Educate ہو رہے ہیں، اِس چیز کی معلومات تو حاصل ہو

رہی ہیں لیکن مصمم ارادہ بھی پیدا ہو اور پھر اُس پر عملدرآمد بھی ہو۔ ساقی کی نظر اپنی جگہ لیکن میکدے میں گردشِ جام کا بھی ایک اپنا انداز ہے۔ مُراقبے کی میں نے تین قسمیں گزارش کی تھیں۔ تصوف کی جو بنیادی معلومات گزارش کی جارہی ہیں، یہ ساری interpretation تصوف کی تمام معروف مستند کتابوں سے استفادہ کے بعد، بحمدللہ پوری ریسرچ کے ساتھ، مکمل طور پر ایک بیلنس کے ساتھ گزارش کی جارہی ہیں، جو باتیں آپ سے گزارش کی جارہی ہیں یہ کسی ایک کتاب میں ایسے نہیں۔ مُراقبے کی تین قسمیں بیان کی تھیں۔ مُراقبہ نگہداشت کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

"کَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا" (النساء:1)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مُراقبہ کے بارے میں اور بہت سارے ارشادات فرمائے ہیں۔ مُراقبہ نگہداشت کو کہتے ہیں۔ توجہ کرنا، دھیان رکھنا۔ محبت والے رقیب کے لفظ کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ رقیب کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ مُحب کے محبوب کے پاس آنے جانے پر کڑی نظر رکھتا ہے۔ مُراقبہ اپنے دل کی نگہداشت کرنا ماسوااللہ ہر کسی influence یا اثر سے اپنے دل کی نگہداشت کرنا ہے۔ مُراقبے کے دو معانی نکلتے ہیں۔ ایک اپنی نگہداشت اور دوسری اپنے مطلوب اور اپنے مقصود کی طرف متوجہ ہونا۔ دو چیزیں ہیں ایک اپنی نگہداشت کرنا۔ اپنے گھر ایک کے سوا کسی اور کو داخل نہ ہونے دینا۔

" ایہہ تَن تیرا رَب سچے دَا حُجرہ وِچ پَا فَقیرا جھاتی ھُو
نہ کَر مِنتاں خَواج خِضر دِیاں تیرے اندر آب حیَاتی ھُو"

اس میں میں نے تین قسمیں گزارش کی تھیں۔ مُراقبہِ شریعت، مُراقبہِ طریقت اور مُراقبہِ حقیقت یا مُراقبہِ ابتدائے طلب پہلی، دوسرا مُراقبہ اظہارِ طلب اور تیسرا مُراقبہِ حق۔ پہلے دو مُراقبے گویا لباس اور بدن ہیں۔ شریعت حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت performance ادائیگی، اللہ کے ساتھ جو انسان کا تعلق خاطر ہے اُس کا اظہار کس طرح کرنا ہے یہ شریعت ہے۔ اُس سے آگے چل کر مُراقبہِ طریقت کہ!

"وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ" (التوبہ:119)

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا!

"أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ" (الانعام:90)

جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تم اُن کی ہدایت کی پیروی کرلو۔ اُن کی ہدایت کی پیروی کرلو۔ یہ مُراقبہِ طریقت ہے، اسی سلسلہ میں میں نے ایک واقعہ گزارش کیا تھا وہ دوبارہ عرض کر دیتا ہوں تاکہ بات پھر واضح ہو جائے۔ حضرت امام ابو القاسم قشیریؒ اور دیگر بزرگان دین نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے، میں نے پچھلی دفعہ یہ واقعہ بیان کیا تھا پھر کر دیتا ہوں، تمہید باندھنی بہت ضروری ہوتی ہے۔ اصل جو بات کرنی ہے اُس سے پہلے مکمل طور پر ہمارے پیش نظر ہو کہ ہم کس منزل کی طرف جارہے ہیں۔ اِس میں انہوں نے ایک بزرگ اس کا واقعہ بیان فرمایا

ہے۔ عبد اللہؒ ابن خفیف کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ عبد اللہؒ ابن خفیف فرماتے ہیں کہ لوگوں نے مجھے مقامِ ثور پر ایک جوان اور بوڑھے کے بارے میں بتایا جو ہر وقت مراقب رہتے تھے۔ میں اُن کو ملنے کے لیے پہنچا اور دیکھا کہ دو شخص قبلہ رخ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک جوان ہے اور ایک بوڑھا ہے۔ میں نے اُن کو تین مَرتبہ سلام کیا لیکن انہوں نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر میں نے اُن کو خدا کا واسطہ دیا کہ میرے سلام کا جواب تو دیں۔ جوان نے سر اٹھایا اور کہا کہ اے ابن خفیف یہ دُنیا بڑی قلیل عرصہ ہے، اِس تھوڑی سی مدت میں ہم نے بڑا کام کرنا ہے، کیا تم اُس کام سے فارغ ہو گئے ہو۔ کہ تم ہمیں سلام کرنے چلے آئے ہو۔ یہ کہہ کر وہ پھر مُراقبے میں چلا گیا۔ ابن خفیف کہتا ہے کہ مجھے بھوک اور پیاس نے تنگ کیا ہوا تھا۔ لیکن اُس نوجوان کی بات سن کر میں اپنی بھوک اور پیاس بھول گیا۔ تین دن اور رات میں اُن کے ساتھ رہا اِس دوران انہوں نے میرے ساتھ کوئی کلام نہ کیا۔ میں اُن کے ساتھ نمازیں پڑھتا رہا۔ لیکن ہر نماز کے بعد وہ مُراقبے میں چلے جاتے تھے۔ ہم میں سے کسی نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ آخر میں نے تیسرے دن سوچا بھوک اور پیاس سے مجبور ہو کر کہ میں اُن کو خدا کی قسم دوں کہ مجھے کوئی نصیحت تو کر دیں۔ میں ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ جوان نے اچانک سر اٹھایا، گویا اُس نے میری بات بوجھ لی ہو۔ اور کہنے لگا کہ اگر صحبت کے متلاشی ہو تو کسی ایسے بزرگ کی صُحبت تلاش کرو جس کا دیدار تمہیں حق تعالیٰ کی یاد دلا دے اور اُس کی ہیبت و جلال کا نقش تمہارے دل پر پختہ ہو جائے۔ وہ بزرگ ایسا ہو کہ وہ تمہیں زُبانِ گُفتار کی بجائے زبانِ کردار سے نصیحت کرے۔ یہ کہہ کر پھر مُراقبے میں چلا گیا۔ یہ مُراقبہ طریقت ہے کہ انسان کسی اللہ والے کی صُحبت اختیار کرے، اُس کے ساتھ اپنا ناطہ جوڑ لے اور اُس کے بعد پھر طلب میں مصروف ہو جائے۔ کہ!

"ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی
ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی"

جب اپنے اِس ذوق میں انسان کو آگاہی ہو جائے اور اُس کی روٹین بن جائے کہ جب وہ مُراقبے میں بیٹھے تو اُس کی طلب عود کر آئے اور وہ اپنے مالک کی طلب میں مصروف ہو جائے۔ اِس سلسلہ میں میں نے دو کام بتائے تھے۔ ایک درود پاک کی کثرت اور دُوسرا استغفار۔ یہ دو چیزیں پریکٹیکلی اللہ تعالیٰ کی رحمت کو انسان کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ وہ لوگ جو وابستگان نہیں ہوتے اُن پر بھی اثر ہوتا ہے اور جو وابستگان ہوتے ہیں، جن کو نسبتِ رسول ﷺ شیخِ کامل سے مل جاتی ہے اُن پر زیادہ اثر ہوتا ہے۔ پھر جب یہ دونوں مُراقبے مُراقبہ شریعت کہ میں نے آج اپنے رب کی کتنی نافرمانی کی، اُس کی فرمانبرداری کہاں کہاں کی، اِس کے علاوہ اُس کو منانے کے واسطے میں نے ایسا کون سا کام کیا جو فرض تو نہیں تھا، سُنت بھی نہیں تھا لیکن اُس کو خوش کرنے کے واسطے کیا ہو۔ یہ مُراقبہ شریعت ہے۔ مُراقبہ طریقت یہ ہے کہ!

"بٹھا کر عرش پر رکھا ہے تو نے اے واعظ

خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے"

اپنے رب کے حضور بندہ یہ التجاء کرے کہ

"مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں

میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ"

یہ شوق اور انتظار دکھانا یہ مُراقبہ اظہارِ طلب ہے۔ پچھلی رات، نیند آئی ہوئی ہے، بستر گرم ہے، رات سرد ہے لیکن بندہ اٹھ کر مصلے پر آکھڑا ہو، علیٰ ھذا القیاس۔ ہر بندے کو اِس چیز سے آگاہی ہے کہ اللہ پاک کو متوجہ کرنا ہے تو میں کیا کیا کروں۔ کیا جتن کروں۔ اللہ ہر زبان سمجھتا ہے، ہر عمل کو جانتا ہے، دل میں آئی چھوٹی سے چھوٹی بات فوری طور پر بوجھ لیتا ہے۔ اُس کو کسی نہ کسی طرح اپنی طرف متوجہ کرنا ہے کہ!

"میں کو جھی میرا دلبر سوہنا میں کی کر یار مناواں

ویڑھے ساڈے وڑدا ناہی میں پئی لکھ وسیلے پاواں"

اس طرح کی محبت کی عرضیاں علیٰحدہ بیٹھ کر کرے۔ دَوامُ الالتجاء۔ حضرت امام غزالیؒ نے اِس کیفیت کو دَوامُ الالتجاء فرمایا ہے۔ یہ کوشش ایسے وقت جب اُس کو کوئی Disturb نہ کرے یا کسی بھی طرح کا کوئی اور مصروفیت والا کام نہ ہو، اِس کام کے لیے پچھلی رات سب سے زیادہ مؤثر ہے۔ اُس وقت سب دُنیا والے میٹھی نیند کے مزے میں ہوتے ہیں۔ کسی قسم کی interference نہیں ہوتی۔ سڑکوں پر ٹریفک کم ہو جاتی ہے۔ بازار سُونے ہو جاتے ہیں۔ گلیاں سُنسان ہو جاتی ہیں۔ گھر میں خاموشی ہوتی ہے۔ ایسے وقت اپنے مالک کے حضور حاضر ہو کر پکارے!

"ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً" (الاعراف:55) "ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ" (غافر:60)

تم مجھے پکارو تو سہی میں تمہاری پکار پر پہنچوں گا۔ اُس وقت بندہ اپنے مالک کو پکارے تو وہ اُس کی پکار پر پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں بتا میرے بندے بتا تو نے مجھے کیوں یاد کیا ہے۔ اُس منزل کی طرف جانا ہے۔ تیسرا مُراقبہ مُراقبۂ حق ہے، اُس کو مُراقبۂ حقیقت بھی کہا جاتا ہے۔ اسم اللہ۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ قلبِ انسانی کی مثال ایک حوض کی طرح ہے۔ جس میں مختلف اطراف سے مختلف نالیاں داخل ہو رہی ہیں، ان نالیوں میں سے اِس حوض میں مختلف قسم کے Fluids، جو سیال چیزیں پانی یا علیٰ ھذا القیاس جو بھی بہہ کر آ رہی ہیں وہ آتی ہیں۔ دل کی مثال ایک حوض کی طرح ہے۔ اِس میں مختلف نالیاں کھلتی ہیں۔ وہ نالیاں انسان کے حواسِ خمسہ۔ پانچ نالیاں تو یہ ہو گئیں۔ دِیکھنا، سُننا، چکھنا، سُونگھنا اور لمس یہ پانچ حواس اِن کے ذریعے انسان کے دل پر اثر ہوتا ہے۔ کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اُس کا دل خوش ہوتا ہے۔ کسی چیز کو دیکھتا ہے تو دل رغبت کرتا ہے، علیٰ ھذا القیاس۔ پانچ نالیاں تو یہ ہو گئیں۔ چھٹی نالی اُس کی شیطان کی طرف سے آتی ہے۔ شیطان اُس کو مختلف قسم کے گویا سبز باغ دکھاتا ہے۔ اُس کی طرف سے مختلف قسم کے اثرات دل تک پہنچتے ہیں۔ ساتویں نالی نفس کی طرف سے آتی ہے۔ نفسِ امارہ۔ یہ اندر ہی

موجود ہے۔ اِس کی ڈھال سب سے زیادہ تیز ہے۔ باقی تمام پائپ بند کیے جاسکتے ہیں لیکن کیونکہ یہ اندر ہے اِس واسطے بندہ اِس کو بند نہیں کر سکتا۔ باہر کے دروازے، کھڑکیاں سب کچھ بند کر لے گا لیکن جو اندر بیٹھا ہے اُس پر کنٹرول کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اِس کے واسطے اپنے دل کو immune کرنا ہے کہ وہ پائپ جو اُس ڈھال کی طرف سے آرہا ہے وہ اندر سے بند ہو جائے۔ کوئی بھی چیز اُس کی طرف سے دل میں داخل نہ ہو سکے۔ اپنے دل پر اِس طرح قبضہ کر لیا جائے کہ اِن تمام عوامل کا اثر انسان کے دل پر نہ ہو۔ ابھی اور بھی نالیاں ہیں، آٹھویں، نویں، دسویں، علیٰ ھذا القیاس۔ اِن نالیوں کا اس راستہ پر چلنے والے کو ساتھ ساتھ پتہ چلتا ہے۔ جو بنیادی طور پر مبتدی ہے، ابتداء کرنے والا ہے اُس کے واسطے یہ سات زیادہ اہم ہیں۔ اُن میں سے جو اثرات آرہے ہیں وہ دل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اُن کو روکنا اگرچہ مشکل ہے۔ حواسِ خمسہ، آنکھ بند کر لی، منہ بند کر لیا، کان بند کر لیا یا انسان لمس نہ کرے۔ اِن سے عارضی نجات تو ہو گئی۔ لیکن نفسِ امارہ سے پھر بھی ممکن نہیں۔ وہ تو اندر بیٹھا ہوا ہے، اُس کی طرف سے لحہ بہ لحہ انسان کے دل پر یورش ہوتی رہتی ہے۔ اب دل کی ایسی پالش کرنی ہے، ایک ایسی چمک کے ساتھ روشن کرنا ہے کہ نفس کی طرف سے آنے والی یہ نالی بھی بند ہو جائے۔ اُس کے واسطے مُراقبہ حقیقت ہے۔ یہ "اسم اللہ" کے ساتھ پیوستہ ہے۔ اس واسطے میں نے ابتداء میں "اسم اللہ" کے بارے میں گزارش کی تھی۔ اللہ کریم نے فرمایا!

"وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً " (المزمل:8)

یاد کر اپنے رب کے نام کو اور سب سے ٹوٹ کر اُس کا ہو جا۔ جب تک اسم اللہ کا مُراقبہ نہیں ہوتا، کہتے ہیں کہ!

"بن مُرشد پھڑیا بلھیا ایویں کہیئے عبادت کیتی"

بندہ لاکھ دفعہ سجدے کرے، نمازیں پڑھے، تسبیحاں پھیرے، حج کرے۔

سے واری حج مکے کیتا دل دی دوڑ نہ مکے ہُو

جب تک اُس دارالخلافہ، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہے، اگر وہ درست نہ ہو تو کچھ بھی درست نہیں۔ وہ مقام مقامِ قلب ہے۔ یہ واضح رہے کہ یہ anatomical heart وہ دل جو تمام جانوروں کے اندر پایا جاتا ہے، میری مُراد اُس دل سے نہیں۔ یہ قلب اُس سے مکمل طور پر مختلف ہے، غیر مرعی ہے، Non-organic ہے۔ اِس کا جسم نہیں ہوتا۔ یہ مقام ہے، اگرچہ جسم انسانی کے اندر ہے لیکن اِس مقام کی ایک جگہ ہے، اُس سے بھی آگاہ ہونا ضروری ہے کہ انسان کی چھاتی میں دو نشان قدرتی پائے جاتے ہیں۔ بائیں طرف اِس نشان کے نیچے مقامِ قلب ہے۔ Anatomical Heart جو جانوروں والا دل ہے یہ اُس مقام سے اوپر ہوتا ہے جو دھڑکتا محسوس ہوتا ہے۔ بعض اوقات کسی شخص کو اختلاجِ قلب ہو جائے تو کہنے والا کہتا ہے کہ اُس کا قلب جاری ہو گیا ہے۔ بخدا قلب اِس طرح کبھی جاری نہیں ہوتا، یہ انتہائی نادانی اور جہالت کی حد تک نادانی ہے کہ قلب کو مرعی بنا دیا جائے۔ قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ قلب انسانی اپنے مالک کے جلوے میں مگن ہو جائے، یہ قلب جاری ہونا ہوتا ہے۔ قلب جاری ہونے کا ساتھ والے کو بھی

نہیں پتہ چلتا۔ آج جو میں نے گزارش کی مُراقبہ حقیقت کے بارے میں ہے۔ اس موضوع کو آہستہ آہستہ اِس لیے بیان کر رہا ہوں کہ، ہر دفعہ پیچھے سے تمہید باندھ کر، کہ شاید یہ بات سُنتے سُنتے اللہ کی رحمت کسی قلب پر آجائے اور وہ اُس راستہ پر راغب ہو جائے۔ بخدا اگر ایسا ہو جائے تو اللہ رب العزت کی رحمت کے ساتھ اُس شخص کو بے پناہ نعمتیں اور فیوض و برکات الٰہی نصیب ہوتے ہیں۔ اُس کی زندگی سنور جاتی ہے۔ گویا اُس کو حیاتِ دوام، ہمیشہ کی زندگی عطا ہو جاتی ہے۔ ہمیشہ کی زندگی۔ اِس واسطے ضروری ہے کہ اللہ رب العزت ہماری توجہ اُس مُراقبے کی طرف کر دے۔ اُس کی رحمت اور کرم کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بغیر اُس کی مرضی سے اتنی اعلیٰ ہستی کو دعوت دی جائے اور وہ چلا آئے۔ وہ اپنی مرضی کے ساتھ آتا ہے، ہم یہ جستجو ہی کرتے ہیں لیکن اُس کے ساتھ ساتھ اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض بھی کرتے ہیں کہ یا اللہ اس سلسلہ میں ہم سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ ہم کر رہے ہیں، میرا شوق دیکھ۔ یا اللہ میں جو کچھ بھی آپ کی طلب کے لیے کر رہا ہوں، آپ میرے پر رحم کر دو، میرے پر مائل ہو جاو، میرے پر ترَس کھالو اور اپنے قُرب کی لذت مجھے نصیب کر دو۔ پہلے مقامِ قلب سے آگاہ ہونا ہے، اُس کے بعد اِس قلب کو اسمِ اللہ کے ساتھ روشن کرنا ہے۔ تا کہ حواسِ خمسہ، شیطان اور نفس کے اثرات سے یہ محفوظ ہو جائے۔ اُس کے بغیر یہ ممکن نہیں کہ یہ گھر جو ہے یہ اللہ رب العزت کے واسطے ہے۔ کہتے ہیں کہ!

"مسجد ڈھادے، مندر ڈھادے، ڈھادے جو کچھ ڈھیندا

اک بندے دا دل نہ ڈھاویں، رب دلاں وچ رہندا"

اگرچہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حد نہیں، حد میں نہیں آسکتا لیکن حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ میں پوری دُنیا میں نہیں سما سکتا لیکن بندہ مومن کے دل میں تجلی افروز ہوتا ہوں۔ میں سمانے کا لفظ استعمال نہیں کرتا۔ تجلی افروز۔ اللہ رب العزت کی تجلی جب قلب پر نازل ہوتی ہے، قلب کی صورتِ حال تبدیل ہو جاتی ہے۔ قلبِ انسانی چونکہ اُس کا حاکم ہے لہٰذا اُس کی پوری حکومت ہو جاتی ہے۔ پھر نفس کا زور نہیں چلتا۔ اگر نفس کا زور نہیں چلے گا تو پھر ہی اخلاق پیدا ہوں گے۔ میں نے اخلاق کی نشانی یہ بتائی تھی جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمائی کہ اگر کسی کو گالی دی جائے اور اُسے غصہ نہ آئے تو وہ سمجھے کہ اخلاق اُس میں آنے شروع ہو گئے ہیں۔ اگر ہم اپنے حالات کی طرف دیکھیں تو بخدا غصہ تو کیا اندر کی حالت ہی بدل جاتی ہے۔ انسان کے اندر کرودھ اور بے شمار دیگر مَسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اکثر اوقات اُس کا ری ایکشن جسم کے ذریعے وارد ہوتا ہے۔ آؤ کہ "اسمِ اللہ' کے ساتھ بسم اللہ کریں کہ اپنے قلب کو اسمِ اللہ کے حوالے کر دیں۔ اُس کی ابتداء زبان کے ساتھ کرنی ہے۔ اُس کے بعد سانس کے ذریعے "اسمِ اللہ" کی ادائیگی کرنی ہے، اُس کے بعد اگلا کام ہے۔ آج میں صرف پہلی دو چیزیں گزارش کرتا ہوں باقی میں اگلی محفل کے لیے چھوڑتا ہوں۔ تا کہ بات صحیح سمجھ میں آتی چلی جائے۔ پہلے زبان کے ساتھ جیسے آپ سب نے محفل ذکر میں اللہ کا ذکر کیا اسی طرح اپنی ہر نماز کے بعد، چاہے آواز کے ساتھ اور چاہے آواز کے بغیر اپنی تسبیح پر "لا الہ الا اللہ" جتنی دفعہ بھی آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے، اُس کے بعد زبان کے ساتھ "اللہ ھو" کا ذکر کرنا ہے۔ یہ مُراقبہ نہیں یہ ابتداء ہے۔ یہ چونکہ بہت

سارے لوگ کر رہے ہیں۔ اُس کے بعد سانس کا ذکر کہ اپنے سانس کے ساتھ اسم اللہ۔ سانس اندر جائے تو ''اللہ'' اور سانس باہر آئے تو ''ہو''۔ اس سلسلہ میں بھی میں کئی دفعہ گزارش کر چکا ہوں، یہ کیونکہ موضوع ہی ایسا ہے کہ اِس کو بار بار بیان کرنا ضروری ہے کیونکہ جب تک انسان کا قلب ساتھ شامل نہ ہو تمام تر عبادتیں صرف رسمی حیثیت رکھتی ہیں۔ انسان نماز کی ادئیگی کے بعد بھی ایسے ہی ہوتا ہے جیسے پہلے تھا۔ اگر کوئی نماز پڑھے اور اُس میں اُس کو پتہ نہ چلے تو پھر ایسی نماز مشکوک ہو جاتی ہے۔ بہر حال پڑھنی تو ضروری ہے لیکن نماز ایسی پڑھیں جو واقعی ہمارے رَگ وپے پر اثر کرے۔ سانس کے ساتھ ذکر ''ذکر پاس انفاس'' کہلاتا ہے۔ زبان نے خاموش رہنا ہے۔ سانس اندر جائے تو ''اللہ'' اور سانس باہر آئے تو ''ہو'' یہ inspiration اور aspiration ۔ سانس اندر جائے تو inspiration اور سانس باہر تو aspiration ۔ اس اللہ ہو کا اللہ کے ہاں ایک دفعہ شمار نہیں ہوتا۔ انسان کے پھیپھڑوں کے اندر تقریباً نولاکھ تھیلیاں ہیں۔ جن کے اندر ہوا بھرتی ہے اور پھر وہ خالی ہوتی ہیں۔ ہر سانس کے ساتھ اُن کے اندر ہوا بھرتی ہے اور پھر یہ خالی ہوتی ہیں۔ جب سانس اندر جائے گا تو ان تھیلیوں کے اندر ہوا جائے گی اور ہر تھیلی کے منہ کے اوپر ایک چھوٹا سا ساؤنڈ باکس ہے۔ آواز پیدا کرنے کا ایک آلہ ہے۔ جس کی آواز ڈاکٹروں کی اسٹھیتھوسکوپ کے ساتھ سُنی بھی جاسکتی ہے۔ جب اِن نولاکھ تھیلیوں میں سے علیٰحدہ علیٰحدہ آواز گزرتی ہے تو علیٰحدہ علیٰحدہ آواز پیدا ہوتی ہے اور ہر آواز ایک مرتبہ اسم اللہ کہنا شمار ہوتی ہے۔ ایک دفعہ سانس کے ساتھ اسم اللہ کہنا، زبان کے ساتھ نہیں۔ سانس کے ساتھ ''اللہ'' کہنا اور پھر ''ہو'' کہنا نولاکھ دفعہ شمار کیا جاتا ہے۔ سانس اندر جائے ''اللہ'' اور سانس باہر آئے تو ''ہو''۔ جتنے دوست سن رہے ہیں اُن سب کو میری طرف سے اِس کی اجازت ہے۔ عموماً یہ مُراقبے اِس طرح تعلیم نہیں کیے جاتے۔ لیکن وقت کے مطابق، حالات کے مطابق، ضرورت کے مطابق یہ ضروری ہوگیا ہے کہ ہم اِس طریقے سے collectively ، مجموعی طور پر اِس کی تعلیم دیں۔ ''اسم اللہ''۔ سانس اندر جائے تو ''اللہ'' اور سانس باہر آئے تو ''ہو''۔ جب یہ نولاکھ تھیلیوں میں سے ہوا گزرے گی تو پھر نولاکھ دفعہ پڑھنا شمار ہوگا۔ لیکن ہمیں اِس سے غرض نہیں۔ ہم نے مالک کو کسی نہ کسی طرح راضی کرنا ہے۔ اس بات پر کہ!

''تو سامنے آ میں سجدہ کروں پھر لطف ہے سجدہ کرنے کا''

اور

''کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں''

ہم نے اُس کو کسی نہ کسی طرح مائل کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ شاید وہ ہماری اِس بات پر ترس فرمالے اور ہم پر کرم کر کے ہمارے دل کو اپنی تجلی عطا کر دے۔ تاکہ ہماری قسمتیں بدل جائیں۔ ہماری عبادتوں میں اخلاص پیدا ہو، ہمارے اندر عشق کا سوز آجائے۔

''وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً '' (المزمل:8)

سب سے ٹوٹ کر اُس کا ہو جا۔ جب تک اِس میں عشق نہ ہو اُس وقت تک یہ حقیقت ممکن نہیں۔ اس واسطے اسم اللہ کے سواء اور کوئی راستہ ہے ہی نہیں۔ یہ ہی قُرانِ پاک میں بھی تعلیم کیا گیا، یہ ہی حدیث پاک میں تعلیم کیا گیا، یہ ہی بزرگان دین ہر دور میں تعلیم کرتے رہے اور قیامت تک کیا جاتا رہے گا۔ آؤ کیوں نہ ہم بھی اِس دھارے میں شامل ہو جائیں کہ!

"چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے"

ہم اِس نظام زندگی کا حصہ بن جائیں۔ ہم ہی وہ کیوں نہ ہوں جن کو اللہ تعالیٰ معاشرے میں روشنی پھیلانے کا ذریعہ بنا دے۔ اللہ رب العزت ہمارا کہا، سنا اور ہماری کوششیں، ہمارے ارادے اپنی بارگاہِ عالی میں قبول و منظور فرمائے۔ آج کی گزارش مُراقبہِ حقیقت کی ابتداء میں اسمِ ذات اللہ کی ادائیگی کا طریقہ اور ابتداء۔ اِس کے بعد بتایا جائے گا کہ اِس کو کس طرح دل پر وارد کرنا ہے۔ انشاء اللہ۔ اِس کا دل میں ذکر کِس طرح کرنا ہے یہ ہم آئندہ محفل پر چھوڑتے ہیں۔ کافی وقت ہو چکا۔ تھوڑا تھوڑا کر کے عرض کر رہا ہوں تا کہ ذہن نشین ہو تا چلا جائے اور عمل درآمد آسان رہے۔ اللہ کرے جو کچھ کہا گیا، جو کچھ سنا گیا اُس پر عمل کی توفیق ہو۔ اب اگر کسی شخص نے اس سلسلہ میں سوال کرنا ہو تو وہ کر سکتا ہے۔ میں پوری اُمید لے کر حاضر ہو تا ہوں کہ انشاء اللہ ضرور ایک وقت آئے گا کہ اللہ رب العزت انشاء اللہ ہم سب کو یہ کیفیت نصیب کر دے گا۔ جو دوست اتنی محبت کے ساتھ آئے ہیں، سخت سردی اور رات کے اِس وقت، اپنے گھروں کو چھوڑ کر، اپنے آرام کو تیاگ کر، اللہ کے گھر آکر بیٹھے ہیں، مجھے اللہ پاک سے اُمید ہے کہ وہ اتنا سخی ہے کہ وہ کبھی بھی خالی نہیں موڑتا۔ انشاء اللہ ضرور اللہ پاک کی رحمت ہو گی۔ اللہ کریم آپ سب کے اِس شوق کو برقرار رکھے۔ ہم نے اُس منزل کو حاصل کرنا ہے۔ انشاء اللہ اللہ رب العزت ہمیں اِس کے قابل بنائے۔ آج کی گزارشات کا میں یہیں اختتام کرتا ہوں۔ اسمِ اللہ کے بارے میں طریقہ انشاء اللہ آئندہ محفل میں بشرطِ توفیق گزارش کیا جائے گا۔ آج جو کچھ میں نے عرض کیا وہ مُراقبہِ حقیقت کی ابتداء اُس میں اسمِ اللہ، یہ اسم اعظم بن جاتا ہے جب آپ اِس کو زبان، سانس، قلب اور رُوح کے ساتھ بیک وقت ادا کریں۔ اسمِ اعظم وہ اسم ہے جس کے ذریعے اللہ رب العزت کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ قسمت سنورتی ہے، دل میں جو خیال آئے اللہ پاک اُس کو پورا کر دیتا ہے اور دُنیا بدل جاتی ہے۔ اللہ رب العزت انشاء اللہ انشاء اللہ اِس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درس تصوف۔ 27

دورانیہ۔59منٹ۔ تاریخ۔12-12-2013

بمقام۔مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب ،کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ رب العزت نے انسان کو اِس کائناتِ اَرضی میں اپنے ترجمان اور اپنے نمائندے کی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے۔ یہ ارشاد فرما کر کہ!

”فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ“ (الحجر:29)

اُس وقت جو مخلوقات موجود تھیں اُن کو حکم دیا گیا جب میں ایک خاک کا پتلا بناؤں، اُس میں اپنی طرف سے رُوح پھونکوں، تم سب اُس کے سامنے سجدے میں چلے جانا۔ اور یہ ارشاد فرمایا!

”إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“(البقرة:30)

میں اس کائنات ارضی پر اپنا ایک ترجمان، Representative، نمائندہ بنا رہا ہوں۔ وہ نمائندگی اِس واسطے تھی کہ نہ صرف مقاصد فطرت کی نگہبانی کرے بلکہ اللہ کے پیغام کو اُس کی مخلوق تک پہنچائے، اُس کی قدرتوں سے مخلوق کو فیضیاب کرے۔ اسی واسطے علامہ اقبال نے خوب کہا ہے کہ!

خدائے لَم یزل کا دَستِ قدرت تو، زُباں تو ہے
یَقیں پیدا کر اے غافِل کہ مَغلوبِ گُماں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے
حنا بندے عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تیری نسبتِ ابراہیمی، معمارِ جہاں تو ہے
تیرے سینے میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کیسے
ضمیرِ لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے

انسان کو اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کا شرف عطا کیا گیا ہے۔ اللہ پاک نے قُرانِ پاک میں اِس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ میں نے دیگر مخلوقات سے پوچھا کہ کیا تم میری اِس امانت کو اٹھاسکتے ہو۔سب نے معذوری کا اظہار کیا!

"وَحَمَلَهَا الإِنْسَانُ" (الاحزاب:72)

اور انسان نے اِس کو اٹھالیا۔جب اُس نے اللہ پاک کی اِس نمائندگی کا شرف حاصل کر لیا تو پھر مقاصدِ فطرت کی نہ صرف نگہبانی بلکہ اُس کی آبیاری انسان کے ذمہ ٹھہری۔اِس کے واسطے انسان کو اپنے کردار کی تعمیر کی ضرورت پیش آتی ہے۔سپاہی اُس وقت تک میدان جنگ میں لڑ نہیں سکتا جب تک کہ وہ خود تربیت یافتہ نہ ہو۔اللہ تعالیٰ کی اِس نمائندگی کے شرف کو حاصل کرنے کے واسطے جو خصوصیات انسان کے اندر موجود ہونی چاہیں ان کو اگر collectively ، مجموعی طور پر بیان کیا جائے تو اُس کے واسطے اصطلاح "تعمیرِ کردار" کی استعمال کی جاتی ہے۔ اِس کی طرف اللہ رب العزت نے نہ صرف توجہ دلائی بلکہ اِس کا حکم فرمایا ہے۔اِس کو ضروری قرار دیا ہے۔

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" (الشمس:9،10)

انسانوں کی دو قسمیں اللہ تعالیٰ نے متعارف introduce فرمائی ہیں۔جن میں سے ایک گروہ وہ ہے جس نے اپنے نفس کو،اپنے کردار کو سنوار لیا۔دُوسرا وہ جس نے اُس کی پرواہ نہ کی۔وہ ناکام ہوا،جس نے اپنے آپ کو سنوار لیا وہ کامیاب رہا۔اُس کے سنوارنے کے واسطے جو راستہ اختیار کرنا ضروری تھا اُس کے بارے میں حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ تعمیر کردار اور تزکیہ نفس کے امام حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ ہیں ، یہ سلسلہ چونکہ اسلام کی ابتداء سے اُن سے شروع ہوا، آگے چل کر صحابہ کرامؓ کے بعد جن لوگوں نے اِس ذمہ داری کو اٹھایا ان کو اہل تصوف کہا گیا۔حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کی تعلیم ہر دور میں ضروری رہی۔تصوف اُس Law of Ethics ،اُس طریقہ کار کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ اپنے نفس کو سنوارا جاسکتا ہے۔تاکہ انسان اللہ پاک کی نمائندگی کا شرف حاصل کر سکے کہ!

"خدائے لَم یزل کا دَستِ قدرت تو،زُباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مَغلوبِ گُماں تو ہے"

خُدائے لَم یزل کا جو شخص دست قدرت بننا چاہتا ہے، جس کو اللہ پاک نے ضروری قرار دیا ہے،اگر کوئی اِس کو نہیں اپناتا تو پھر اللہ پاک اُس کو انسانیت سے فارغ کر دیتا ہے۔فرمایا!

"أُوْلَئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ" (الاعراف:179)

جو لوگ اپنے نفس کو سنوارتے نہیں وہ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔جانوروں کی زندگی بھی کسی نہ کسی اصول "پچ" کی ہوتی ہے لیکن جو شخص اپنے نفس کے ہاتھوں مغلوب ہو جاتا ہے وہ اُن سے بھی گیا گزرا ہے۔علمِ تصوف کے بارے میں حضرت داتا گنج بخشؒ

فرماتے ہیں کہ اِس کی اصل قوی ہے، اِس کی شاخ بارآور ہے اور تمام مشائخ اپنے مُریدوں کو علمِ تصوف حاصل کرنے پر اُبھارتے اور اُس پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلاتے رہے، وہ نہ خود نفس کے تابع رہے، نہ لغو طریقہ پر چلے اور نہ ہی اپنے مُریدوں کو ایسا کرنے کی ترغیب دی۔ بہت سے مشائخ طریقت نے تصوف پر کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ یہ تصوف کا علم تعمیرِ کردار کے واسطے واحد ذریعہ ہے۔

”فَأُوْلَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُوْلَٰئِكَ رَفِيقًا“(النساء:69)

ان لوگوں کا راستہ اپنانا، اس کی کوشش کرنا یہ علم تصوف ہے۔ علم تصوف کے سِلسلہ میں ہم ان بزرگوں کی تصنیفات کو بطور ریفرنس لے کر اپنے کردار کی تعمیر اور اپنے گردوپیش تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی جستجو، کہ شاید اللہ پاک ہمارا بھی ان میں شمار کرلے جن کے بارے میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ!

”خُدائے لَم یَزَل کا دَستِ قُدرت تو، زُباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافِل کہ مَغلُوبِ گُماں تو ہے
حنا بندے عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تیری نسبتِ ابراہیمی، معمارِ جہاں تو ہے“

اِس جہاں میں روشنی پھیلانے کا سبب بننے پر اگر اللہ پاک ہمیں اِس قابل کر دے تو نہ صرف اِس میں ہماری بقا ہے بلکہ اِس معاشرے کی اور ہماری قوم کی بھی بقاہے۔ اس سلسلہ میں ہم نے اِن محافل کا آغاز کیا تھا۔ میں ہر دفعہ سیاق وسباق اس لیے گزارش کرتا ہوں کہ آئی کیمپس چل رہے ہیں اور ہر محفل میں پہلے سے آنے والوں کے ساتھ دیگر بہت سارے نئے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔ اُن تک اِس چیز کو پہنچانے کے لیے کہ اِن محافل کی غرض وغایت اور مقصد کیا ہے۔ ہم اپنے سیاق وسباق کو ہر دفعہ دہراتے ہیں، تعمیرِ کردار میں اخلاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اِخلاق پر گفتگو کرتے ہوئے یہ چیز محسوس کی گئی کہ ہماری محافل یکسانیت کا شکار ہو کر صرف نشستن، گفتن، برخاستن تک محدود نہ رہ جائیں۔ یہ صرف ہمارے لیے کارروائی نہ بن جائے۔ لہٰذا ہم اپنا جائزہ بھی لیں اور اپنے اندر پوشیدہ وہ منفی طاقت جو اِخلاق اپنانے میں مزاحم ہو سکتی ہے، ہمارا راستہ روک سکتی ہے، اُس پر قابو پانے کی کوشش کریں، اِس میں سب سے زیادہ اہم اور مؤثر نفسِ امارہ ہے۔ باقی چیزوں پر انسان کسی نہ کسی طریقے سے کنٹرول کر سکتا ہے لیکن نفسِ امارہ اندر موجود ہے۔ اِس پر انسان اپنی ظاہری قوت کے ساتھ کسی طرح بھی غلبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ ہمارے حواسِ خمسہ، ہمارے نفسِ امارہ تک پہنچتے ہی نہیں۔ یہ وہ دشمن ہے جو ہر جگہ مزاحم ہوتا ہے۔ اور ہر کوشش کو ناکام کر دیتا ہے۔ اِس پر فتح حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر رُوحانیت پیدا کریں اور وہ رُوحانیت اِس قدر قوی ہو جائے کہ انسان کے

اندر موجود نفسانیت پر غالب آجائے۔ کیونکہ نفسانیت انسان کے فطری رجحان کے ساتھ میل رکھتی ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا فرمایا، اُس کے بعد!

"ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ" (التین:5)

پھر ہم نے اُس کا رجحان پستیوں کی طرف اور ظلمتوں کی طرف کر دیا۔ اِس رجحان سے بچنے کے واسطے اور اپنے آپ کو اِس ڈھلوان سے واپس لانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم پانی کے الٹے رُخ چلیں، پانی کے الٹے رُخ چلنے سے مُراد ہے، نفس کے خلاف کرنا ایسا ہی کہ جیسے کوئی شخص پانی کے بہاؤ کے مخالف چلے۔ یہ انسان کے ظاہری جتنے بھی حواس ہیں اُن کے واسطے ناممکن ہے۔ ہم اس سلسلہ میں گفتگو کر رہے تھے کہ مُراقبہ ایک واحد طریقہ ہے۔ مُراقبہ نگہداشت کو کہتے ہیں۔ کہ انسان ہر چیز سے ماسواء اللہ اپنے دل کی نگہداشت کرے۔ اِس میں میں نے تین قسم کے مُراقبے عرض کیے تھے۔ ایک مُراقبہِ شریعت، ایک مُراقبہِ طریقت۔ یہ دو مُراقبے جب کوئی شخص رہبر کامل کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے خود بخود شروع ہو جاتے ہیں۔ اُس کے پاس آنا جانا انسان کے اندر اِن مُراقبات کو راسخ کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ!

"ریاضت نام ہے تیری گلیوں میں آنے جانے کا
تصور میں تیرا رہنا عبادت اِس کو کہتے ہیں"

اب آگے مُراقبہ حقیقت اِس کو مُراقبہِ حق بھی کہا گیا ہے۔ یہ مُراقبہ دل پر اللہ رب العزت کے قُرب کو نافذ کرتا ہے یا دل کو اللہ کے قُرب کے لیے تیار کر دیتا ہے۔ یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب دل تمام تر دُنیاوی لذتوں، خواہشوں اور جتنی بھی مصروفیات ہیں اُن سے مُستغنی ہو جائے، بے نیاز ہو جائے۔ یہ بے نیاز ہونا ایسا ہی ہے جیسے مثال دی جاتی ہے کہ شیر کی خوراک گوشت ہے۔ جب گوشت اُس کے سامنے ڈال دیا جائے، پھر اُس کو جو بھی دلائل دئے جائیں، بھوکا شیر گوشت کی طرف جھپٹنے سے رہ نہیں سکتا۔ اسی طرح نفسِ امارہ جب اُس کو موقع میسر آجائے تو اُس کا رجحان بُرائی کی طرف فطری ہے۔ اِس کو انسان سمجھا کر، عبادتوں سے، ریاضتوں سے، چِلوں کے ساتھ، روزوں سے روک نہیں سکتا۔ یہ فطری رجحان ہے۔ جیسا کہ حضرت سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

"گوڈے گٹے مل مل دُھویں تیرے منوں نہ گئی پلیتی ہُو"

دل انسانی جسم کا مرکز ہے۔ دارلخلافہ ہے، کیپٹل ہے۔ اگر وہاں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہدایت نافذ ہو جائے تو پھر نہ شیطان کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ نفسِ امارہ اِس کو روک سکتا ہے۔ یہ وہ گھر ہے جس میں ایک ہی رہ سکتا ہے۔ دو نہیں رہ سکتے۔ جس طرح ایک کمرے میں اندھیرا اور روشنی بیک وقت سما نہیں سکتے۔ اگر روشنی ہو گی تو اندھیرا نہیں ہو گا، اگر روشنی نہیں ہو گی تو اندھیرا ہو گا۔ اسی طرح نہاں خانہ دل میں فقط ایک ہی سما سکتا ہے۔ اگر نفس ہو گا تو پھر ہدایت کی روشنی نہیں ہو گی، اگر ہدایت کی روشنی آگئی، اللہ کا نور پہنچ گیا تو پھر نفس کا زور نہیں چل سکتا۔ آؤ کہ اِس نہاں خانہ دل کو اس کے اصل مکیں کے واسطے تیار کریں۔ مُراقبہ حق حقیقتاً اِس چیز کی مشق ہے کہ اپنے دل کو اِس کے حقیقی مکیں کے واسطے تیار کیا جائے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ میں ان کے الفاظ اس واسطے استعمال کرتا ہوں کہ اس میں بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ!

"وہ میرا رونق محفل کہاں ہے، میری بگڑی، میرا حاصل کہاں ہے
مقام اُس کا ہے دل کی خلوتوں میں، خدا جانے مقامِ دل کہاں ہے"

آؤ دیکھیں کہ مقامِ دل کہاں ہے۔ اُس کی خلوتوں کے اندر کون رہنا چاہیے، اُس کو کس طرح حاصل کرنا ہے۔ حقیقت ہے کہ اِس کے آگے جو خارزار شروع ہوتا ہے اُس کا تعلق انسان کی انفرادی جستجو کے ساتھ ہے، مجموعی طور پر اِس طرح بیان کرنا بڑا مشکل ہے۔ لیکن جہاں تک میرا بس چلتا ہے وہاں تک انشاء اللہ ہم اس نہاں خانہِ دل کے دروازے تک تو پہنچتے ہیں۔ اگر کوئی اُس کے اندر داخل ہو گیا تو پھر ایک نئی سلطنت شروع ہو جائیگی۔ اِس کے واسطے بھی یہ خادم حاضر ہے۔ لیکن جو شخص اُس کے اندر داخل ہو گا اُس کے واسطے جو اِس راستہ کی رکاوٹیں یا مَسائل آئیں گے اُن کو انفرادی طور پر علیحدگی میں مل کر بیان کیا جائے گا۔ بشرطیکہ کوئی چلے سہی۔ اگر کوئی چلے گا تو اُس کو رکاوٹ آئے گی، جو رکاوٹ آئے گی اُس کا بھی پھر حل نکالا جائے گا۔ لیکن پہلے ابتداء کرنی ہے، اِس نہاں خانہِ دل میں کون سی ایسی مشق ہے جس کے ذریعے ہم اِس کو اللہ کی طرف مائل کر سکتے ہیں۔ اللہ کریم نے ہمیں قُرانِ پاک میں ایک رہنما اصول دیا ہے۔ مُراقبہِ حق کی ابتداء مُراقبہ اسمِ ذات سے ہوتی ہے۔ اللہ پاک کے پاک نام سے ہوتی ہے۔ اللہ کریم نے قُرانِ پاک میں کئی جگہ پر اِس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔ اس میں سے میں ایک آیت سورۃ مزمل کی بھی ہے، اِس آیت کے ذریعے بھی اِس کا اظہار ہوتا ہے۔

"وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً" (المزمل:8)

یاد کر اپنے رب کے نام کو اور سَب سے جُدا ہو کر اُس کا ہو جا۔ اللہ کے ہم تب ہی ہو سکتے ہیں جب ہم اللہ کے اِس پاک نام اسمِ معرفہ، proper noun، اسمِ ذات "اللہ" کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لیتے ہیں۔ یہ پہلی منزل ہے، جو اِس پر چلے گا اُس پر نئی دُنیا آشکار ہو گی۔ تعمیرِ کردار کی سلطنت کا یہ دروازہ ہے۔ سب سے پہلے انسان اپنے دل میں اپنی غلطیوں کوتاہیوں کی اللہ کی بارگاہ میں معافی طلب کرے۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات کو یہ statement دے کہ یا اللہ میر اِس مشق سے مقصود تیری ذات ہے، تیری رضا مقصود ہے۔ اِس کے سوا میں اِس سے کوئی دُنیاوی مقصد حاصل نہیں کروں گا۔ اگر کوئی اسم اللہ کو کسی دُنیاوی مقصد کے لیے استعمال کرے تو یہ استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسا شخص عطف کا شکار ہو جاتا ہے، اُس کی شخصیت مسخ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ چیز ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ہم نے فقط زندگی کے حقیقی مقصد کے واسطے "اسم اللہ" کو شعار بنانا ہے۔ اِس کے واسطے اگر کوئی اور دُنیاوی مقصد سلیکٹ کیا گیا تو اُس کے ساتھ شخصیت مسخ ہو جاتی ہے۔ انسان ویسا نہیں رہتا جیسا کہ اُس کو ہونا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں بے شمار خصوصیات پوشیدہ کر رکھی ہیں۔ علامہ اقبال کی زبان میں عرض کرتا ہوں کہ!

"کانپتا ہے دل تیرا اندیشہ طوفاں سے کیا
ناخدا تو، بحر بھی تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو
دیکھ آکر کوچہ چاک گریباں میں کبھی
قیس تو، لیلیٰ بھی تو، صحرا بھی تو، مجنوں بھی تو
وائے ناکامی کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا
مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو
شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو
خوف باطل کیا ہے کہ غارت گرِ باطل بھی تو"

یہ ساری طاقتیں تب ہی آتی ہیں کہ انسان کے دل میں یہ اسم اللہ شُعلہ زن ہو۔اس چیز کو حاصل کرنا ضروری ہے کہ !

''بے خبر تو جوہر آئینہ ایام ہے

تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے''

اِس لیے اپنی اِس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے انشاء اللہ اسم اللہ کے مُراقبے کی ابتداء کرنی ہے۔ یہ راہ حق کا دروازہ ہے اور پہلی منزل ہے۔''اسم اللہ''۔ جیسا کہ میں نے پچھلی دفعہ گزارش کیا تھا کہ ذکر، ذکر یاد کو کہتے ہیں اور ذکر زبان کے ساتھ بھی ہوتا ہے، سانس کے ساتھ بھی ہوتا ہے، ذکر دل کے ساتھ بھی اور ذکر رُوح کے ساتھ بھی ہے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجان آبادیؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ زبان ذکر کرے اور شیخ کامل توجہ فرمائے تو ذکر پاس انفاس یعنی سانس کا ذکر اُس کی ابتداء ہوتی ہے، سانس کا ذکر کرتے کرتے انسان کا قلب بھی ذکر کرنے لگ پڑتا ہے۔ جس کو قلب جاری ہونا کہا جاتا ہے۔ جب قلب ذکر کرتا ہے تو اُس ذکر کے دوران رَفتہ رَفتہ، آہستہ آہستہ اللہ رب العزت کی کرم نوازی کے ساتھ اور رہبر کی توجہ کے ساتھ رُوح بھی ذکر کرنا شروع کر دیتی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب انسان اِس مقام پر پہنچتا ہے تو وہ جس چیز کے پاس سے بھی گزرتا ہے تو اُس کو اُس میں سے اُس کے ذکر کی آواز آتی ہے۔

''فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ'' (البقرۃ:152)

اللہ پاک نے فرمایا تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ جب اللہ کسی کو یاد کرتا ہے تو پوری کائنات اُس کے اُس ذکر کی مُطابَعت کرتی ہے، اُس کو follow کرتی ہے۔ لہٰذا ہم ذکر پاس انفاس، پچھلی دفعہ میں نے گزارش کیا تھا کہ سانس اندر جائے تو ''اللہ'' اور سانس باہر آئے تو ''ہو''۔ یہ صرف اتنا کرنا ممکن نہیں۔ چند لمحے کریں گے تو پھر یاد نہیں رہے گا، توجہ ہٹ جائے گی۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ قلب کو بھی اُس میں شامل کیا جائے۔ قلب کا مقام میں نے گزارش کیا تھا کہ سینے پر جو دو قدرتی نشان ہیں، بائیں طرف اُن کے نیچے مقامِ قلب ہے۔ سات مختلف مقام ہیں جن کو لطائفِ ستہ کہا جاتا ہے۔ باقی تمام مقامات فرداً فرداً تعلیم کیے جاتے ہیں۔ لیکن مقامِ قلب کے واسطے شاید شاید، ویسے تو حقیقت یہ ہے کہ اِس کی تعلیم بھی سالہا سال ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد تنہائی میں کی جاتی رہی ہے۔ لیکن خاص ماحول میں کسی حد تک اِس کو کہنے کی اجازت ملی اور اتنا عرض کرتا ہوں کہ قلب کو ساتھ شامل کرنا ہے اپنے ذکر پاس انفاس کے اندر۔ اپنے قلب پر اندر کی طرف سے، کیونکہ ہم نے اکتسابِ فیض کرنا ہے، اکتسابِ فیض کرنا ہے تاکہ اپنے دل کی تاریکیوں کو دور کریں۔ اپنے قلب میں اسمِ اللہ کو اپنے خیال میں ملاحظہ کرنا ہے۔ لیکن اگر اِس کو باہر سے پڑھیں گے تو یہ سیدھا لکھا ہوا ہوگا اور اگر اندر سے پڑھیں گے تو پھر الف بائیں طرف ہوگا۔ انسان اپنے خیال میں اپنے دل کے پیچھے اتر جائے اور ''اسم اللہ'' کو بائیں طرف خیال کرے، اسی طرح جس کو شوق ہو۔ اگر کسی کاغذ پر اسم اللہ لکھا ہو اور کوئی بندہ اُس کاغذ کے پچھلی طرف بیٹھ جائے جس طرح اُس کو نظر آئے گا، اُس طرح اِس کی طرف دھیان کرنا ہے تاکہ اِس اسم میں سے فیضانِ الٰہی انسان کے اندر داخل ہو جائے۔ اپنے تصور میں اپنے خیال میں اِس کی طرف دھیان کر کے پھر سانس کے ساتھ ''اللہ ہو'' کہنا ہے۔ اِس چیز کی اگر سمجھ نہ آئے

تو پھر بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ اپنے قلب کے اندر کی طرف اتر کر سامنے اسم اللہ رکھنا ہے، اس طریقہ کے ساتھ کہ الف بائیں طرف ہو۔ یعنی اسم اللہ کو اگر باہر سے دیکھیں تو سیدھا اور اندر کی طرف سے دیکھیں تو اِس کی پچھلی طرف۔ جیسے انسان کا ہاتھ اگر اس کو اوپر سے سامنے رکھیں تو سیدھا ہے اور اگر اندر کی طرف سے دیکھیں تو چھوٹی انگلی بائیں طرف ہوتی ہے۔ چھوٹی انگلی الف کے مطابق کر لیں اور انگوٹھا "ہ" کے مطابق، یہ اندر سے دیکھنا ہے، اِس کا خیال کر کے کہ یہ اسم اللہ ہے، اِس میں اللہ کی طرف سے نور آ رہا ہے اور میرے اندر داخل ہو رہا ہے۔ پہلے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہ التجاء کرنی ہے کہ یا اللہ میرا مقصد تیری ذات ہے اور میں تیری رضا پر راضی ہوں۔ یہ کہہ کر پھر اسم اللہ شروع کرنا ہے۔ سانس کے ساتھ "اللہ ہو"۔ جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں۔ اس کی تمام سننے والوں کو اجازت ہے۔ جس وقت یہ کیا جائے گا تو اِس میں جو رکاوٹیں آئیں گی، وہ انشاء اللہ میرے سے پوچھ سکتا ہے، اُس کے واسطے میں اُس کو علیحدہ وقت دینے کے لیے تیار ہوں۔ جو کرے گا اس کو ہی رکاوٹیں بھی آئیں گی، اِس کی مشق جاری رکھیں اِس واسطے کہ یہ پہلی دفعہ کرنے سے نہیں ہوتا۔ اِس کی مشق ایسے ہی کرنی ہے جیسے ایک قطرہ پانی کا پتھر کے اوپر گرتا ہے اور گِر گِر کر پتھر میں سوراخ کر دیتا ہے۔ قطرے کی حیثیت کیا اور پتھر کتنا سخت ہے۔ لیکن اگر پتھر کے اوپر قطرہ مسلسل گرتا رہے تو پتھر میں سوراخ کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگر اِس اسمِ اللہ کو بندہ سانس کے ساتھ کرتا رہے تو پھر یہ قلب بغیر توجہ کے بھی ذکر میں مصروف ہو جاتا ہے۔ سانس کا ذکر اِس وقت تک رہے گا جب تک انسان زندہ ہے اور قلب کا ذکر ہمیشہ رہنے کے واسطے ہے۔ بندہ اگر اِس دُنیا سے پردہ بھی کر جاتا ہے، اگر اِس کا قلب جاری ہو چکا ہے۔ بقول علامہ اقبال کے انہوں نے بڑی خوبصورت بات کی ہے کہ!

"ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما"

وہ شخص کبھی نہیں مرتا جس کا قلب اللہ کے ذکر کے ساتھ زندہ ہو جائے۔ بلھے شاہ صاحبؒ بھی کہتے ہیں کہ!

"بلھے شاہ اساں مرنا ناہیں گور پووے کوئی ہور"

اللہ والوں کی قبریں بھی جیتی رہتی ہیں۔

" نام فقیر تنہاں دا باہو قبر جنہاں دی جیوے ہو"

جس کا دل اللہ کے اِس اسمِ اللہ کے ساتھ زندہ ہو جائے، اُس کو پھر موت نہیں آتی۔ اُس کا فقط مقام بدلتا ہے اور وہ دُنیا سے پردہ کرتا ہے لیکن اُس کا اپنے آپ سے کبھی بھی پردہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اِس منزل کے واسطے جستجو کرنی ہے۔ اور مشق کی ابتداء "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ" اللہ رب العزت کے نام سے کرنی ہے۔ یہ اُس نام کے ذکر کا اثر ہوگا کہ دل باقی جتنے بھی تمام influences ، اثرات ہیں اُن سے آزاد ہو جائے گا۔ "وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً" اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ ایسا شخص نفس کی سازشوں، اُس کے حملوں اور اُس کی خرابیوں سے محفوظ رہے گا۔ وہ معصوم عَن الخطاء تو نہیں ہوتا لیکن محفوظ عَنِ الخطاء ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں آگے رُوح کا ذکر وہ بعد کی بات ہے۔ یہ مُراقبات حق میں پہلا مُراقبہ ہے اور راہِ حق کی پہلی سیڑھی ہے۔ تعمیرِ کردار کی منزل کا پہلا دروازہ ہے۔ اِس مُراقبہ حق کی ابتداء کی جائے اور ہمت کرنی ہے۔ کیونکہ یہ ہی

سارا کچھ نہیں ہے۔ اِس میں جو بھی اثرات بندے پر وارد ہوں یا جو کچھ اُس کو نظر آئے اُس کو پوشیدہ رکھے۔ اپنے تک رکھنا ہے۔ اللہ پاک اِس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ اُس کے راز سے کسی اور کو آگاہ کیا جائے۔ ماسوا اُس کے جو تعلیم دینے والا ہے۔ اِس سے ابتداء ہے اور جو شخص اِس پر صبر کرے گا اُس کے واسطے بے شمار نعمتوں کے دروازے کھلیں گے۔ بقول علامہ اقبالؒ!

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں — ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں — یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر — عالم اور بھی ہیں، چمن اور بھی ہیں
اگر کھو گیا ایک نشیمن تو کیا غم — مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا — تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں — یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں"

اللہ کرے کہ اللہ پاک ہم سب کو اِس منزل میں کامیابی نصیب فرمائے۔ انشاء اللہ رہنمائی میسر ہو گی، جو بھی کوئی اللہ کے کرم سے آگے چلے گا۔ اِس عمل کے واسطے یہ گزارش کر دوں کہ وضو شرط نہیں۔ اگر زبان کے ساتھ ذکر کرنا ہے تو پھر وضو شرط ہے۔ جگہ کی پاکیزگی شرط ہے لیکن اگر سانس کے ساتھ ذکر کرنا ہے تو اُس کے واسطے نہ کپڑے کا پاک ہونا شرط ہے، نہ جگہ کا پاک ہونا شرط ہے اور نہ وضو شرط ہے۔ اِس میں بندے کی نہ زبان چلے گی، نہ آواز آئے گی۔ یہ سانس کے ساتھ کرنا ہے۔ جب یہ چلنے لگ پڑتا ہے تو پھر سوئے ہوئے اور جاگے ہوئے چلتا رہتا ہے۔ جب یہ اللہ ہو دل پر اثر انداز ہو جاتی ہے تو پھر جینے مرنے کا بھی فرق ختم ہو جاتا ہے۔

" نام فقیر تنہاں باہو قبر جنہاں دی جیوے ہو"

اونچی منزل کی طرف آپ کی توجہ کروا رہا ہوں اللہ پاک کی بارگاہ میں اِس اُمید اور آس کے ساتھ کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ میں سے کوئی ایسی سلیکشن فرما دے جن کو اللہ تعالیٰ اِس راستہ پر گامزن کر دے۔ لہٰذا اِس منزل پر چلتے ہوئے

"راہ تو، راہ رو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو"

سب کچھ اِس کے اندر ہی مل جاتا ہے۔ اللہ نصیب کرے، اللہ اِس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ سب کچھ اِس کے اندر ہی میسر ہے اور رَفتہ رَفتہ انشاء اللہ

"خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خَلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی"

جس وقت اِس ''اسمِ اللہ'' کو رواں کرنا ہے، اللہ پاک اِس کی توفیق عطا فرمائے، اگر یہ حاصل ہو گیا تو یہ خود بخود چلتا رہے گا۔ پہلے جس طرح کہ میں نے مثال دی کہ جس طرح پانی کا قطرہ پتھر پر پڑ تا رہتا ہے تو اُس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ لیکن گر تا رہتا ہے اور اُس میں سوراخ کر دیتا ہے۔ اِس ذکر کو بغیر نتائج کی پرواہ کیے جاری رکھنا ہے تا آنکہ دل اپنے آپ ''اسم اللہ'' پر خوگر ہو جائے۔ جب یہ منزل مل جاتی ہے تو بڑی کمال کی چیز ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ ''راہ پئیا جانے تے واہ پئیا جانے''۔ جوں جوں اِس میں کوئی آگے چلے گا اِس کو جو بھی رکاوٹیں آئیں گی انشاء اللہ اُن کی رہنمائی کا بھی اللہ پاک نے بندوبست فرمایا ہوا ہے۔ لیکن جو چلے گا اُس کو رکاوٹ آئے گی۔ اللہ کی جناب میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت حوصلہ، ہمت، صبر اور استقلال عطا فرمائے اور اللہ پاک اِس راستہ پر چلنے کی ہمت دے اور شوق عطا کرے۔ اِس کے بعد پھر مُقامِ رُوح آتا ہے، پھر اُس سے آگے ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ آج میں نے صرف مُقامِ قلب اور مُقامِ قلب کے ذکر کے بارے میں گزارش کی۔ اُس کے بعد جو مقامات ہیں وہ ہر کسی کو اُس کی حالت کے مطابق علیحدگی میں تعلیم کیے جاتے ہیں۔ تمام سَلاسَل جو اللہ کی طرف رجوع کرواتے ہیں سب کی پہلی سیڑھی یہ ہی ہے۔ اِس سے آگے چل کر راستے پھر فرق فرق ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ کسی کی انفرادی طبیعت کے رُجحان اور اُس کے مزاج کے مطابق اُس کو تعلیم کیا جاتا ہے۔ انشاء اللہ '' وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ''اس کا قُرانِ پاک میں بڑا عیاں، کھلم کھلا اور بھی بہت ساری جگہوں پر'' قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ''(الاعلیٰ:14،15) یہ'' اسْمَ رَبِّهِ''اللہ پاک نے اپنے نام کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ نام وسیلہ ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں، یہ نام اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف رجوع کرنے کا وسیلہ ہے۔ آج جو میں نے مُراقبہ تعلیم کیا اِس کو مُراقبہ اسمِ ذات کہا جاتا ہے، اِس سے آگے چل کر پھر دیگر مُراقبات ہیں وہ پھر انشاءاللہ۔ ''راہ پئیا جانے تے واہ پئیا جانے''۔ اللہ پاک جس کو نصیب کرے، انشاء اللہ اُس کو پھر اگلی منزلیں بھی اللہ پاک عطا فرمائے گا۔ آج کی میری گزارش یہاں تک تھی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں التجاء ہے کہ اللہ کریم اِس کی توفیق بخشے، شوق عطا فرمائے۔ انشاءاللہ۔ کہ!

''خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری میں فقیری''

سارا کچھ اِس منزل میں سے حاصل ہوتا ہے، دین بھی اور دُنیا بھی۔ اللہ رب العزت قبول و منظور فرمائے۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔

اب کسی نے اس سلسلہ میں کوئی سوال کرنا ہو

سوال: اگر اِس ذکر کو بندہ باادب، باوضو اور پاک صاف ہو کر کرے تو کیا اِس کے نتائج تیزی سے حاصل ہوتے ہیں؟

جواب۔ یہ تو آپ کے شوق پر منحصر ہے۔ جتنا شوق ہو گا اُتنا جلدی آپ اپنی منزل پر پہنچیں گے۔ باادب تو اللہ کی جناب میں متوجہ ہونا ہے۔ لیکن اِس میں یہ رعایت اس لیے دی گئی کہ اِس ذکر نے ہر وقت چلنا ہے۔ اِس نے ہر وقت چوبیس گھنٹے چلتے رہنا ہے۔ اِس میں کیونکہ انسان کی زندگی کے مختلف معاملات ہوتے ہیں اُن سب کو اُس نے کرنا ہوتا ہے لہذا ابتداء میں ہی یہ بتا دیا جاتا ہے کہ اِس میں حدیں کوئی نہیں۔ بہر حال

اِس راستہ پر کوئی چلے تو یہ بڑی خوبصورت منزل ہے۔ دُنیا اُس کی نظروں میں اور کی اور ہو جاتی ہے۔ اِس سے آگے میں یوں بر سرِ عام بیان نہیں کر سکتا۔ کوئی چلے گا اُس کو کسی جگہ رکاوٹ آئے گی پھر انشاء اللہ اُس کو رہنمائی مل جائے گی۔ اللہ کرے کہ "اسمِ اللہ" کے ساتھ مَس اور اِس ذکر کا شوق پیدا ہو، ذکرِ قلبی کی ابتداء "اسم اللہ" کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ اتنا کیا جائے، جس وقت بھی ذہن میں نہ رہے اور جوں ہی ذہن میں آئے آپ جس حال میں بھی ہوں اِس کو شروع کر دیں۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کا قول ہے کہ "دست بکار دل بہ یار" ہاتھ کام کی طرف ہو اور دل اپنے مالک کی طرف متوجہ ہو۔

"وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ" (المزمل:8)

اللہ کے اسم کو یاد کرتے ہی چلے جائیں، اُس کا ذکر کرتے ہیں چلے جائیں۔ جب کبھی آپ باوضو اور پوری فارم میں ہوں تو بے شک زبان کے ساتھ بھی کریں، دل کے ساتھ بھی کریں اور زبان کے ساتھ بھی کریں۔ لیکن ہر حالت میں اِس کا کرنا آہستہ آہستہ ضروری ہوتا ہے۔ یہ کس حد تک ضروری ہوتا ہے اس سلسلہ میں میں حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ایک شخص اُن کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ راستہ میں اُس کو نیند آ گئی۔ گرمی کا موسم تھا وہ ایک درخت کے نیچے سو گیا۔ جب وہ جاگا تو اُس نے دو چڑیوں کو آپس میں گفتگو کرتے ہوئے سنا کہ آج بہاؤالدینؒ فوت ہو گئے ہیں۔ بڑا حیران ہوا کہ ایک تو چڑیاں انسان کی زبان بولنے لگی ہیں اور دوسرا یہ کہ اِن کو بہاؤالدینؒ کی خبر کیسے ہو گئی۔ خیر اُس نے سوچا کہ میں اب چل پڑا ہوں تو مجھے چلتے رہنا چاہیئے۔ جب وہ اُن کے آستان پر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت بہاؤالدین اپنے آستان پر موجود ہیں اور مُریدین کو درس دے رہے ہیں۔ بڑا حیران ہوا کہ اب چڑیاں بھی جھوٹ بولنے لگی ہیں۔ آپؒ نے اُس کی حیرانگی پہچان لی اور فرمایا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، چڑیوں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اصل میں اُس وقت بہاؤالدین اللہ کی یاد سے غافل ہو گیا تھا۔ ساری کائنات کی مخلوق نے یہ سمجھ لیا تھا کہ آج بہاؤالدین فوت ہو گیا ہے۔ تو جس وقت بندہ اُس ذکر میں آتا ہے تو اُس کا لمحہ لمحہ، اُس کا رواں رواں اللہ کی یاد میں مصروف ہو جاتا ہے اور پھر!

"الف اللہ تے چنبے دی بوٹی من میرے مُرشد لائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا تے جان پھلن تے آئی ہو
لوں لوں دے وچ لکھ لکھ چشماں اک کھولاں تے اک کجاں ہو"

جس وقت یہ ذکر شروع ہوتا ہے تو اُس کی عجیب و غریب کیفیت ہوتی ہے۔ اللہ کرے کہ یہ نصیب ہو کہ تعمیرِ کردار کے واسطے اپنے دل کو اللہ کے سپرد کرنا ضروری ہے۔ اگر آپ اِس نہاں خانہ دل میں اللہ پاک کی تجلیات کے خواہش مند ہیں تو اِس کو اسمِ اللہ کے حوالے کر دیں۔ تا کہ نفس کا زور نہ چلے۔ اِس کے سوا نفس کسی بھی صورت کنٹرول نہیں ہو سکتا۔ اِس کا ایک واحد یہ ہی دشمن ہے، اگر اِس نے ڈیرہ لگا لیا تو پھر نفس کا زور نہیں چلے گا۔ اسی واسطے حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ!

"باجھ فقیراں کسے نہ ماریا چور اندر دا باہو"

یہ اندر کا چور صرف اِسی طریقہ سے مرتا ہے، یہ راہ بتانا اس واسطے ضروری ہے کہ اس کے بغیر نہ عبادت میں ذوق پیدا ہوتا ہے، نہ نماز خیالات سے پاک ہوتی ہے اور نہ انسان کا دل نفس امارہ سے فارغ ہوتا ہے۔ یہ اس واسطے ایک انتہائی ضروری منزل ہے، تمام سَلاسَل طریقت میں "اسم اللہ" سے ابتداء ہوتی چلی آئی ہے چودہ سو سال سے۔ کیونکہ اب حالات ایسے ہیں کہ یہ مجموعی طور پر بتانا ضروری ہو گیا ہے۔ اِس قدر ڈیوٹیوں اور ذمہ داریوں کی وجہ سے فرداً فرداً کسی کو بتانا ممکن نہیں۔ جن لوگوں کو تعلیم کیا جا چکا ہے ان کو پتہ ہے کہ "اسم اللہ" کی کیا بہار ہے۔ اللہ کرے ہر کسی کو اس کا شوق پیدا ہو۔

"وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ" (المزمل:8)

یاد کر نام اللہ کے کو اور پھر سب سے ٹُوٹ کر اُس کا ہو جا۔ پھر انسان دُنیا میں رہتے ہوئے بھی اور دُنیا کو استعمال کرتے ہوئے بھی وہ دُنیا کا نہیں رہتا بلکہ رب کا ہو جاتا ہے۔ اللہ نصیب کرے۔ بیعت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ بِک جانا۔ انسان اللہ کی راہ میں اپنا سودا کر دیتا ہے۔ یہ سودا تکمیل تک نہیں پہنچتا جب تک انسان نفس کے مقابلے میں اللہ رب العزت کی تجلیات کو اپنے دل میں محسوس نہیں کرتا۔ اللہ کریم نصیب فرمائے۔

آپ نے بہت اچھا سوال کیا تھا۔ کسی اور کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو وہ پوچھ سکتا ہے۔

جناب جو تین منازل ہیں فنا فِی الشیخ، فِی الرسول اور فنا فِی اللہ اُس مُراقبہ کے ذریعے بندہ کس منزل کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

یہ ذکر آپ کو اللہ کے نزدیک لے جاتا ہے۔ اسی ذکر میں یہ تمام منازل طے ہوتی ہیں۔ یہ terminology ہے اور بندے کو بعض اوقات اِس سے سمجھ نہیں آتی۔ یہ ٹرمینالوجی حقیقت میں تھوڑی سی مختلف ہے۔ جس وقت آپ اِس ذکر میں روانہ ہوں گے تو تمام منازل اِس کے اندر ہی ہیں، تمام راستے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ ایک سے دُوسری، دُوسری سے تیسری اور اِس میں انوکھا طریقہ ہے کہ طالب خود آکر اپنے رہبر کو بتاتا ہے کہ اب میرے ساتھ ایسے ہو رہا ہے۔ پھر وہ اُس کو تعلیم کرتا ہے کہ اِس کی یہ احتیاطیں ہیں۔ یعنی تعلیم کرنے سے پہلے یہ حالتیں وارد ہو جاتی ہیں۔ جوں جوں انسان اِس طرف چلے۔ اِس میں یہ یاد رکھنا کہ صرف performance ضروری نہیں ہے، اِس سے مطلب یہ ہے کہ اِس پر جو عمل درآمد ہے وہ اتنا ضروری نہیں جتنا کہ دل کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ جتنا آپ کے اندر شوق پیدا ہو گا اُتنا جلدی آپ اپنی منزل پر پہنچیں گے۔ اِس میں شوق کی ضرورت ہے۔ جتنا شوق پیدا ہو گا اتنی جلدی یہ منازل طے ہوں گی۔ اِس کے واسطے صرف performance ضروری نہیں کہ آپ بیٹھ کر سانس کے ساتھ ذکر شروع کر دیں، صرف اس کے ساتھ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اِس کے ساتھ ساتھ آپ کے دل میں اُس کے قُرب کا شوق بھی ہونا چاہیے، اُس کی طرف بڑھنے کی جستجو بھی ہونی چاہیے۔ یہ اللہ نصیب کرے تو پھر انشاءاللہ یہ خود بخود چلتا جاتا ہے کہ!

"شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو
خوف باطن کیا ہے کہ ہے غارت گرے باطل بھی تو"

اِس میں یہ شعلہ اپنے اندر روشن ہو جائے اور ایک پل چین نہ لینے دے۔ اپنے آپ "اللہ ہو" ہوتا رہے۔ اِس میں شروع میں تھوڑا سا تکلف کرنا پڑے گا، پھر انشاء اللہ تعالیٰ خود بخود یہ کام شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ پاک نصیب میں کرے۔ جن لوگوں کو تعلیم کیا گیا ہے اُن کو بخوبی علم ہے۔ آپ نے اگر اس سلسلہ میں کوئی رہنمائی لینی ہے تو پاک.سیگھ شریف جو لوگ آرہے ہوتے ہیں، اگر مجھے بتایا جائے تو میں اُن کو چٹ لکھ دیتا ہوں۔ میں ساری رات جس کمرے میں ہوتا ہوں وہاں پر بُلا لیتا ہوں۔ وہاں مزید صرف اِس راہ کے لیے۔ دُنیاداری کی باتیں کرنے کا میرے پاس وقت ہی نہیں کیونکہ الحمدللہ سارا دن دعاؤں میں گزرتا ہے، مالک کی کرم نوازی ہے۔

"میں کہاں تھا اس کرم کے قابل حضور کی بندہ پروری ہے"

لیکن اصل کام جو اِس منصب پر متعین کیا جاتا ہے اُس کا اصل مقصد یہ ہی ہے کہ راہِ حق کی تعلیم کرنا ہوتا ہے۔ انشاء اللہ اِس کام کے لیے سر تا پا حاضر ہوں۔ اللہ کریم بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال: اسمِ اللہ کو کس طرح concentrate کرنا ہے؟

جواب۔ اسمِ اللہ کو اندر کی طرف سے concentrate کرنا ہے۔ کیونکہ آپ نے اکتساب کرنا ہے۔ اگر آپ باہر کی طرف سے کریں گے تو آپ کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ اگر آپ اِس کو اندر کی طرف سے کریں گے تو آپ کی اندر کی حالت بدلنی شروع ہو جائے گی۔ اِس میں آگے چل کر جو ایک بہت بڑی رکاوٹ آتی ہے، تو جب وہ آئے گی تو پھر میں عرض کروں گا۔ کیونکہ یہ اکیلا stable نہیں ہوتا جب تک کہ دُوسری کنڈیشن اِس کے ساتھ نہیں لگتی۔ وہ صرف اُس کو ہی بتائی جاتی ہے جو اِس کو پہلے شروع کرتا ہے۔ اللہ نصیب کرے الحمدللہ اب تو بہت سارے دوست ہیں جو اِس کو کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے رازداں اور بھی ہیں۔ اب اِس میں بہت سارے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اِس طرف راغب فرمایا ہے۔ میری اُن کے لیے دعا ہے کہ وہ اپنی اِس منزل پر اکتفانہ کرلیں اور آگے چلتے رہیں۔ اِس کو جب آپ شروع کریں تو یہ سوچ کر کریں کہ!

"جبریل زبوں سیدے یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ"

آپ نے اللہ کا قُرب حاصل کرنا ہے، اُس کی کائنات میں نہیں اترنا، بہت سارے نظارے اور دیگر چیزیں نظر آتی ہیں لیکن اُن سب سے قطع نظر جو مقصودِ کائنات ہے اُس کو حاصل کرنا ہے۔ عموماً شیوخ جو اِس کو تعلیم کرتے ہیں وہ اِس کا اہتمام بھی کر لیتے ہیں۔ اللہ رب العزت توفیق عمل عطا فرمائے۔

مجھے خوشی ہوئی کہ آپ شوق کا اظہار کر رہے ہیں۔ مجھے اُمید لگتی ہے کہ یہ قافلہ آگے بڑھے گا۔ اگر آگے بڑھے گا تو انشاء اللہ اُس کی رحمتیں بھی جاری ہو جائیں گی۔ بندہ ایک قدم اُس کی طرف چلتا ہے تو وہ دس قدم بندے کی طرف آتا ہے۔ یہ جو کچھ میں نے عرض کیا یہ سب کچھ قرآنِ پاک کی تعلیمات کی روشنی میں ہے۔ یہ اس کی تعلیم ہے!

"وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (المزمل:8) اور قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ" (الاعلیٰ:14،15)

اِس میں یہ ہی importance ہے کہ ہم نے "اسم اللہ" کو اپنے لیے چینل بنانا ہے۔ اِس کے ذریعے اللہ تک پہنچنا ہے۔ اللہ رب العزت قبول فرمائے۔ انشاء اللہ یہ گفتگو جاری رہے گی اور as a catalyst اِس کو جو چیز تیز کرتی ہے، پنجابی میں ایک لفظ کہتے ہیں [اَڈی دینا] یہ لفظ جانور کی رفتار تیز کرنے کے واسطے استعمال ہوتا ہے تو اِس کے واسطے سرورِ دوجہاں، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، نبیِ مکرم، نُورِ مُجسم، احمدِ مُجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ کی یاد، اُن کا ذکر اور اُن کی محبت اِس شعلے کو ہوا دیتی ہے۔ انسان اللہ کے قریب پہنچتا ہے۔ یہ رسول پاک ﷺ کا قُرب ہی حقیقت میں اللہ کا قُرب ہے۔ اس سلسلہ میں بھی ہم انشاء اللہ گفتگو کریں گے کہ تاکہ آپ کو اِس کی بھی ترغیب ہو۔ آپ جتنا سرکار ﷺ کا قُرب حاصل کر پائیں گے، آپ کو اُتنا ہی اللہ کا قُرب حاصل ہو جائے گا۔ یہ نعمتیں بیک وقت ملتی ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ سورج چڑھا ہوا ہو اور دھوپ نہ ہو۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ دھوپ ہو اور سورج نہ ہو۔ لہذا جہاں پر ذکرِ الٰہی ہے وہیں پر ذکرِ رسول ﷺ ہے۔ اُسی نماز میں جس میں ہم کہتے ہیں کہ پڑھنی خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے اُسی میں ہی کہتے ہیں۔ "السلام علیک ایھا النبی"۔ رسول ﷺ سے بالمشافہ مخاطب ہوتے ہیں۔ جہاں پر اللہ سے مخاطب ہو رہے ہیں، اُسی میں رسول ﷺ سے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ حقیقت ہے اور رسول پاک ﷺ اُس حقیقت کا اظہار ہیں۔ انشاء اللہ ہم اُن کی محبت کے سلسلہ میں بھی گفتگو کریں گے تاکہ اللہ پاک ہمیں اِس چینل کے ذریعے اُس منزل کو زیادہ جلدی سے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دورِ حاضر میں اتنی کھلی کھلی تعلیم شاید ہی کوئی اور دے۔ یہ ایک courage ہے، اللہ پاک میری اِس جسارت کو معاف فرمائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

درسِ تصوف:28

بتاریخ:19:12:2013

بمقام۔ مسجد آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب، کدھر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

حاضرین کرام اللہ پاک نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا!

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" (الشمس:9،10)

کامیاب ہو گیا وہ جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا اور ناکام ہو گیا وہ جس نے اس کو خاک میں ملا دیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی کتاب کشف المحجوب شریف میں فرماتے ہیں آیہ بالا حقیقت میں تزکیہ نفس اور تعمیرِ کردار کے متعلق ہے اور اِس کے امام حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی تزکیہ نفس کا سلسلہ جاری رہا اور اصحابِ صُفہ کا چبوترہ آج بھی اِس بات کی گواہی دیتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دور میں بھی صحابہ کرام آپ ﷺ کے پاس تشریف لا کر مستقل طور پر قیام پذیر ہوتے تھے۔ جو لوگ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہِ اقدس میں اپنا گھر بار چھوڑ کر سرکار ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور وہیں پر مستقل قیام کیا۔ آج شریعت مصطفی ﷺ ہمارے درمیان موجود ہے تو اس میں اُن لوگوں کا بڑا اہم کردار ہے انہوں نے بعد میں آنے والوں کے لیے ایثار کیا، اپنا گھر بار اور سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے راستہ کے لیے نبی مکرم ﷺ کے پاس مستقل قیام کیا۔ آج ہم میں شریعتِ مصطفی ﷺ کی موجودگی اُن کا صدقہ ہے۔ یہ سلسلہ صحابہ کرامؓ کے بعد بھی جاری رہا اور اِس نے قیامت تک جاری رہنا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا!

"اللّهُ إِلاَّ أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" (التوبہ:32)

اللہ پاک نے اپنے نور کو روشن رکھنا ہے اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے سینے یادِ الٰہی سے منور ہوتے ہیں اور اُن کے کردار میں سُنت مصطفی ﷺ کی جھلک نظر آتی ہے۔ جو لوگ اِس راستہ کو تزکیہ نفس اور تعمیر کردار کے لیے اپناتے ہیں حضرت داتا گنج بخشؒ نے اِس طریقہ کار کو تصوف کا نام دیا ہے، ہم بھی یہ جستجو کرنے کے خواہشمند ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی اُن لوگوں میں شامل فرمالے جنہوں نے اِس دُنیا میں آکر اپنے رب کو راضی کیا اور اِس حال میں دُنیا سے رخصت ہوئے کے اللہ کریم نے ارشاد فرمایا!

"يَاأَيَّتُهَاالنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۝ ارجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي"

(الفجر:27،28،29،30)

کیوں نہ ہم بھی اُن لوگوں میں شامل ہو جائیں جنھوں نے کامیاب زندگی گزاری، کیونکہ یہ زندگی ایک مَرتبہ ملی ہے دوبارہ نہیں ملنی۔ اللہ کریم قرآنِ پاک میں فرماتا ہے کہ جو لوگ اِس دُنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اُن کا دوبارہ آنا ممکن نہیں ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اِس دُنیا کو غنیمت جانتے ہوئے اپنا رب راضی کر لیں اور اللہ کریم کے ہاں اُس فہرست میں شامل ہو جائیں جو "اصحابُ الیَمِین" کہلاتے ہیں۔ اگر "السابقون" میں نہ بھی ہو تو کم از کم "اصحابُ الیَمِین" میں تو ہمارا شمار ہو جائے۔ "اصحابُ الیَمِین" وہ لوگ ہیں جن کو روزِ قیامت اُن کا اعمال نامہ اُن کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ ہمیں اِس سلسلہ میں جستجو کرنی ہے اور اپنے کردار کی تعمیر کرنی ہے۔ اِس سلسلہ میں باقاعدہ نشستوں کا اہتمام کیا گیا اور اُن میں گزارشات کی گئیں اور سُنی بھی گئیں کہ تعمیرِ کردار میں اخلاق کا بہت بڑا حصہ ہے۔ سیدنا علی ہجویری المعروف داتا صاحبؒ نے تصوف کی تعریف بھی یہی فرمائی ہے کہ "التصوف حسن الخلق" تصوف نام ہی حسنِ اخلاق کا ہے۔ آپؒ نے اخلاق کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، ایک اخلاق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور دوسرا اخلاق اُس کی مخلوق کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاق یقیناً حاصل ہوتا ہے لیکن اُس کے لیے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے اور تزکیہ نفس کے لیے مخلوق کے ساتھ اخلاق ضروری ہے، ہم مختلف عنوانات کے تحت اُسی سلسلہ میں گفتگو کر رہے ہیں، اِس تمام گفتگو کے دوران میں نے اپنے لیے یہ محسوس کیا کہ ہماری یہ محافل نشستن، گفتن، برخاستن کے عمل تک محدود نہ رہ جائیں اور یہ گفتگو کہنا اور سننا ایک رسمی کارروائی کی حیثیت اختیار نہ کر لے۔ اِس لیے وہ عوامل جو تعمیرِ کردار اور حُسنِ اخلاق میں مزاحم ہیں اُن کے متعلق بھی گفتگو کی۔ اِس سلسلہ میں سب سے بڑا مجرم نفسِ امارہ ہے۔ نفسِ امارہ ایسا مجرم ہے جو انسان کے اندر گھس کر بیٹھا ہے، بیرونی عوامل پر انسان مختلف طریقوں سے قابو پانے کی کوشش کر سکتا ہے اور اُس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو سکتا ہے لیکن نفسِ امارہ ہمارے اندر گھس کر بیٹھا ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ!

"صورت نفس امارہ دی کوئی کتا گلہڑ کالا ہُو
کوکے، نوکے، لہو پیوے، منگے چرب نوالا ہُو
کھبے پاسوں اندر بیٹھا جندے نال سنبھالا ہُو
ایہہ بدبخت اے وڈا ظالم باہو کَرسی اللہ ٹالا ہُو"

پھر فرمایا!

"ضروری نفس کتے نوں قیمہ قیم کچیوے ہُو
نال محبت ذکر اللہ دا دم دم پیا پڑھیوے ہُو"
"ذکر کولوں رب حاصل تھیندا اذاتو ذات کسیوے ہُو
دویں جہاں غلام اونہاں دے باہو جنہاں نوں ذات لبھیوے ہُو"

یہ سلطان باہوؒ کا اندازِ بیان ہے، ہمارا بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب تک انسان کسی حد تک نفسِ امارہ پر کسی حد تک قابو نہ پالے اُس وقت تک اُس کے کردار میں بہتری ممکن نہیں ہے۔ اُس کے لیے ضروری ہے کہ انسان اِس سے بچنے کے لیے کوئی سبیل کرے، سلطان باہوؒ نے فرمایا کہ!

" جو کوئی کرے اِس دی سواری اُس نام اللہ دالدا ہُو

الف ایہو نفس اے ساڈا بیلی جو نال ساڈے سدا ہُو"

ہمیں اپنے نفس کی تربیت اِس طریقے سے کرنی ہے کہ یہ ہمارے تعمیرِ کردار کے عمل میں مزاحم نہ ہو۔ اللہ کریم نے حضرت یوسفؑ کی زبان سے یہ فرمایا کہ!

"وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّي " (یوسف:53)

میں اپنے نفس کو بری الذمہ قرار نہیں دیتا بے شک نفسِ امارہ بُرائی کی طرف رحجان کرتا ہے، ماسوا اِس کے اللہ پاک میرے پر کرم فرمادے۔ اب ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی ایسا ربط بن جائے کہ اِس نفس پر قابو پایا جاسکے اِس کے علاوہ اور کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو اِس کے راستہ میں مزاحم ہوسکے اور اِس کے کام میں رکاوٹ پیدا کرسکے، اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمارے اندر موجود ہے اور انسان کا اپنے پر کوئی زور چل نہیں سکتا۔ اِس کی مثال ایسے ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ میری طبعیت خراب نہ ہو یہ اُس کے لیے اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک اُس پر کوئی بیرونی عوامل اثرانداز نہ ہوتے ہوں۔ لیکن نفس پر کوئی بیرونی عمل اثرانداز نہیں ہوتا، باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!" جو کوئی کرے سواری اِس دی اُس نام اللہ دالدا ہو" فقط اللہ پاک کے اسم کے ذریعے اِس پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اسم" اللہ "کا مُراقبہ ایک ایسا ذکر ہے جو ہمیں رَفتہ رَفتہ اللہ پاک کے قُرب کی طرف لے جاتا ہے۔ اِس سلسلہ میں اِس سے قبل تفصیلی گفتگو ہوچکی ہے، اب نئے شامل ہونے والوں کے لیے اِس کا اجمالاً ذکر کیا جارہا ہے۔ نفس کے راستہ میں رکاوٹ بننے کے لیے اللہ کی مدد ضروری ہے۔ اللہ کریم کے حضور اپنے نفس پر قابو پانے کے لیے التجاء کرنا اور اِس سلسلہ میں اللہ کریم سے ہی مدد حاصل کرنا۔ اسم "اللہ" کے مُراقبہ کے سلسلہ میں اِس سے قبل بھی گزارش کی تھی کہ ہمیں اپنے قلب پر اسم "اللہ" کو مرکوز کرنا ہے۔ قلب انسانی اُن مقامات میں سے ایک مقام ہے جس پر تجلیاتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ جس طرح انسان کا ایک ظاہری پتلا ہے اُسی طرح اُس میں ایک رُوحانی انسان بھی بستا ہے، انسان میں سات ایسے مقامات ہیں جن کا ربط اللہ رب العزت کے ساتھ ہوتا ہے اور انسان اپنی اُس حیثیت جس کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا!

"إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً " (البقرۃ:30)

میں اِس روئے زمین پر اپنا ایک نمائندہ بنانا چاہتا ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اُس طرف بڑھے، اِن مقامات کو لطائف ستہ کہا جاتا ہے، فی الوقت اُن مقامات میں سے جو مقام سب سے اہم ہے اور جس کی ہمیں ضرورت ہے وہ مقام قلب ہے۔ یہ رُوحانیت کا دروازہ اور اللہ رب العزت کے قُرب کی کنجی ہے۔ جیسا کہ میں نے اِس مُقام کے بارے میں اِس سے پہلے بھی گزارش کی تھی کہ مُقامِ قلب انسان کے سینہ پر موجود دو قدرتی

نشانوں میں بائیں جانب والے نشان سے نیچے موجود ہے۔جب آپ اِس کے ذکر تک پہنچتے ہیں تو یہ اُس وقت آپ کو آپ کے ذکر کا جواب دیتا ہے،اِس کی طرف سے انسان کو باقاعدہ جواب ملتا ہے، لیکن یہ وہ جانتا ہے جو اِس راستہ پر چلتا ہے اگر اِس کا ذکر یوں سرِ عام کر دیا جائے تو انسان مصنوعی طور پر خود کو اُس حالت میں لے جانے کو کوشش کرے گا جو کسی طور مناسب نہیں ہے۔ہمیں اِس مقامِ قلب پر اسم ''اللہ'' کو بھیجنا ہے کیونکہ اِس ذکر کے مختلف مراحل ہیں، پہلا زبان، دُوسرا سانس، تیسرا قلب اور چوتھا رُوح ہے۔میں نے اِس سے پہلے بھی گزارش کی تھی کہ مقامِ قلب تک میں مجمع عام میں گزارش کر سکتا ہوں، جب کوئی شخص مقامِ قلب تک پہنچے گا تو پھر اُس کے حسبِ مزاج اور حسبِ طبعیت اُس کی رہنمائی کی جائے گی۔ انشااللہ تعالیٰ۔ اللہ کرے یہ مقام سب کو نصیب ہو۔اسم ''اللہ'' کو اپنے خیال میں مقامِ قلب پر دیکھنا ہے اور اُس کے ساتھ ساتھ اِس کا ذکر کرنا ہے۔زبان سے ذکر کرتے ہوئے اکثر اوقات انسان اندر سے غافل ہو جاتا ہے، زبان چلتی رہتی ہے اور انسان کا دھیان کسی اور سمت لگ جاتا ہے،اِس کے بعد ایک ذکر آتا ہے جو سانس کے ذریعے کیا جاتا ہے اِس ذکر کو ''ذکرِ پاس انفاس'' کہتے ہیں، سانس اندر جائے تو ''اللہ'' اور سانس باہر آئے تو ''ہو'' اِس ذکر کا اثر زبان سے کیے جانے والے ذکر سے زیادہ ہوتا ہے۔میں اِس سے پہلے بھی یہ گزارش کر چکا ہوں کہ اِس طرح ایک دفعہ '' اللہ ہو'' کہنا(9) نو لاکھ دفعہ ''اللہ ہو'' کہنے کے مترادف ہے۔نولاکھ دفعہ کہنے کے مترادف ہونے کی اصل وجہ بھی گزارش کی تھی۔انسان کے پھیپڑوں کے اوپر نو لاکھ تھیلیاں ہیں جب ہم سانس لیتے ہیں تو ہر تھیلی میں سے سانس گزرتا اور اُس میں آواز پیدا ہوتی ہے۔ یہ آواز ڈاکٹر حضرات کے پاس موجود استریتھوسکوپ کے ذریعے مجموعی طور پر سنی جا سکتی ہے۔اگر انسان کی سانس کی نالیوں میں بلغم وغیرہ پھنس جائے تو پھر اُس آواز کے بجائے سیٹی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ایسی صورتِ حال میں کہا جاتا ہے کہ انسان کا سانس چیخنے لگ گیا وہ دراصل اُن ساونڈ باکس سے آنے والی آواز ہوتی ہے۔جب وہ آواز مشکل سے گزرتی ہے تو سانس چیختا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن عام حالات میں بھی اِن ساونڈ باکس سے آواز آتی ہے اور میڈیکل سائنس اِس آواز کو ایک باقاعدہ نام دیتی ہے۔میڈیکل سائنس سے متعلق گفتگو کرنا مقصود نہیں، یہ گزارش کرنا ہے کہ ہمیں اپنے سانس کے ذریعے ''اسم اللہ'' کا ذکر کرنا ہے اور اُس کے ساتھ ساتھ اپنے تصور میں اِس ''اسمِ ذات'' کو اپنے قلب پر محسوس کرنا ہے، اگر بیک وقت یہ دونوں نہیں کیے جائیں گے تو اِن اثر نہیں ہو گا۔اِس سلسلہ میں عرض کیا تھا کہ ہم نے چونکہ اکتسابِ فیض کرنا ہے، اللہ پاک کے انوار اور تجلیات کا حصول مقصور ہے۔اِس لیے ہمیں ''اسم اللہ'' کو اِس طرح سے دیکھنا ہے کہ جیسے اپنے ہاتھ کو اگر اندر کی طرف سے دیکھا جائے تو چھوٹی انگلی یعنی چھنگلی کی طرف ''اسم اللہ'' کا حرف ''الف'' آئے اور انگھوٹے پر حرف ''ہ'' آئے۔ یہ سبق میں اِس لیے گزارش کر رہا ہوں کہ اِس کو کرنے سے لازمی طور پر مثبت اثر بر آمد ہوتا ہے اور یہ پڑھنے سے رَفتہ رَفتہ انسان کی دُنیا بدل جاتی ہے۔کہتے ہیں کہ!

'' ہے پرواز دونوں کی اِسی ایک جہاں میں

کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور''

اِس عمل سے خود بخود انسان کی سوچیں بدلتی چلی جاتی ہیں اور اُس کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا قُرب نصیب ہوتا ہے، عبادت میں حلاوت اور لذت آنے لگتی ہے۔ ہمیں اِس عمل کی ابتداء کرنا چاہیے اور اللہ کرے کہ یہ سانس چلتے ہوئے ہماری یہ منزل طے ہو جائے۔ آپ جیسے جیسے آگے بڑھتے جائیں گے اللہ کریم نے اُس کی رہنمائی کا بندوبست فرمایا ہوا ہے۔ حضرت سلطان باہو صاحبؒ فرماتے ہیں کہ!

"الف اللہ چنبے دی بوٹی من میرے مُرشد لائی ہُو

نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رَگے ہر جائی ہُو

اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھولن تے آئی ہُو

جیوے مُرشد کامل باہو جئیں ایہہ بوٹی لائی ہُو"

جس وقت انسان یہ ذکر کرنے لگ جاتا ہے تو رَفتہ رَفتہ اِس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ " اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھُولن تے آئی ہو" اُس وقت قُربتِ الٰہی کے متعلق انسان کے جذبات شدید قسم کے ہو جاتے ہیں اور حلاوتِ ولذتِ عبادت خود بخود نصیب ہو جاتی ہے۔ مذکورہ بالا شعر میں اُسی صورتِ حال کا ذکر کرتے ہوئے جناب سلطان باہوؒ نے بیان فرمایا ہے۔ "اسم اللہ" کے ذکر کے بغیر ممکن نہیں کہ انسان اپنے نفس پر قابو پا سکے۔ اگر یہ کام ہو جائے تو اللہ پاک کے فضل اور کرم سے اگلی منازل آسان ہو جاتی ہیں اور انسان کی رُوحانیت جب بیدار ہوتی ہے تو وہ اپنے رب کے قُرب کو محسوس کر سکتا ہے۔ " اللہ لطیف" کا جو ترجمہ ہمارے مفسرین حضرات نے کیا ہے وہ اِس لفظ کا پورا حق ادا نہیں کرتا اور میرے خیال میں ہماری زبان میں اِس کا کوئی متبادل لفظ نہیں ہے۔ بحر حال جب انسان ذکرِ الٰہی کرتا ہے تو اُس کو اللہ پاک کے قُرب کا خود بخود ادراک ہونا شروع ہو جاتا ہے اور یہ احساس سے آگے کا مرحلہ ہے جو اللہ کریم نے فرمایا!

" وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً " (المزمل:8)

یاد کر نام اللہ کے کو اور سب سے کٹ کر اُس کا ہو جا۔ جب تک انسان اُس کا نہیں ہوتا اُس وقت تک اُس کو دُنیا میں بے شمار مَسَائل اور بے شمار آزمائشیں پیش آتی ہیں۔ بے شمار مصیبتیں اُس کا راستہ روکتی ہیں اور اُن میں سب سے بڑا دشمن اُس کا اپنا نفس ہے۔ کہتے ہیں کہ!

"سے ہزار کتاباں پڑھیاں پر قالب نفس نہ مَرداہُو

باجھ فقیراں کسے نہ ماریا باہو چور اندر داہُو"

ہمیں اِس اندر کے چور کو مارنے کے لیے اللہ پاک مدد لینی ہے، اللہ پاک کو اِس طرح یاد کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہماری رَگ رَگ میں رچ بس جائے۔

"لُوں لُوں دے مُڈھ لاکھ لاکھ چشمہ اِک کھولاں تے اِک کجاں ہُو"

جب سانس کے ساتھ "ذکرِ پاس انفاس" چلتا ہے تو بخدا بڑا لطف کا نظارہ ہوتا ہے۔ اِس میں جس کو رکاوٹ آئے وہ مُجھ سے بیان کرے، اللہ کی جناب سے آسانی کا راستہ مانگیں گے۔ انشا اللہ تعالیٰ۔ آج "اسم اللہ" کے سبق کو دوبارہ گزارش کیا گیا ہے یہ اِس سے قبل بھی بیان کیا جا چکا ہے،

''اسمِ اللہ'' کو اندر کی جانب سے دیکھنا ہے تا کہ ہم اکتساب کر سکیں، اِس طریقے سے الف بائیں جانب [لیفٹ سائیڈ] پر آئے گا۔ یعنی اگر ''اسم اللہ'' کسی کاغذ پر لکھا ہوا ہو تو اُس کاغذ کو پچھلی جانب سے دیکھنے پر جو ترتیب بنتی ہے اُس کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔ اپنے خیال میں اِس کو سفید روشنی کے ساتھ محسوس کیا جائے انسان جوں جوں سانس لے اُس کے ساتھ ساتھ انسان ''اسم اللہ'' کا تصور کرے۔ اگر بغیر تصور کے سانس کے ساتھ کوشش کی جائے گی تو یہ ذکر نہیں ہو گا، کیونکہ اِس میں انسان کے جذبات شامل نہیں ہوں گے۔ جب یہ '' ذکرِ پاس انفاس'' صحیح سے جاری ہو جاتا ہے پھر انسان سویا ہوا بھی ہو تو یہ ذکر جاری رہتا ہے اور جب تک انسان کا سانس چلتا ہے یہ ذکر جاری رہتا ہے۔ اس طرح انسان کا ایک لمحہ بھی عبادت الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا۔ جب یہ سانس سانس کے ساتھ سانس میں رَچ جاتا ہے تو اُس کے بعد پھر ''ذکرِ قلبی'' کا آغاز ہوتا ہے۔ مُقامِ قلب اللہ پاک کی انسان کے لیے خاص عنایت ہوئی تھی کہ اللہ پاک نے اپنی باقی مخلوقات کو بھی دعوت دی تھی کہ میری دعوت اُٹھالو مگر کسی نے بھی اِس کی خامی نہ بھری۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ میں نے یہ دعوت پہاڑوں کے سامنے بھی پیش کی!

'' لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ'' (الحشر:21)

ہم نے اِس قرآن پاک کو پہاڑوں پر بھی پیش کیا وہ اللہ کے ڈر سے کانپنے لگے۔

''وَحَمَلَهَا الإِنْسَانُ'' (الاحزاب:72)

مگر انسان نے اِس کو اٹھالیا، کِس انسان نے اِس ذمہ داری کو اُٹھایا، اُس انسان نے جو اِس چیز سے آگاہ ہوا۔ جس وقت قلب کے ذکر میں ''اسمِ اللہ'' شامل ہو جاتا ہے، اُس وقت کیفیت بلکل بدل جاتی ہے ایسے شخص کے لیے بقول علامہ اقبالؒ:

'' ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد''

باالفاظ دیگر بلھے شاہؒ صاحب فرماتے ہیں کہ!

''بلھے شاہ اساں مرنا ناہیں گور پوئے کوئی ہور''

بلھے شاہؒ کے کلام میں ''ہور'' سے مُراد یہ ہے کہ انسان کا جسم ضرور قبر میں جاتا ہے لیکن درحقیقت انسان کو آزادی مِل جاتی ہے، اُس کے لیے فناء اور بقا کے درمیان فاصلے مٹ جاتے ہیں۔

'' فناء کیسی بقا کیسی جب اُس کے آشناء ٹھہرے
کبھی اِس دَر پہ آٹھہرے کبھی اُس در پہ جا ٹھہرے''

اگر اِس عمل کی ابتداء کی جائے تو انسان کو خود بخود اِن باتوں کی سمجھ آنا شروع ہو جاتی ہے۔ اِس سلسلہ میں مختصر گزارشات پیش کی ہیں تا کہ حوصلہ پیدا ہو، ہمت بڑھے اور اِس سلسلہ میں قدم اُٹھایا جائے۔ جو لوگ سُن رہے ہیں اُن سب کو میں ذمہ داری کے ساتھ '' اسم اللہ'' کے ذکر کی اجازت دیتا ہوں، اِس میں یہ احتیاط ملحوظِ خاطر رہے کہ آپ نے اپنے قلب کے مقام پر اپنے سانس کے ساتھ جو ذکر ''اسم اللہ'' کرنا ہے اُس کو کسی دُوسرے کے ساتھ اپنے ذکر کو شیئر نہیں کرنا ہے، کیونکہ یہ آپ کے لیے اللہ پاک کا راز ہو گا۔ اللہ پاک کے راز سے کسی دُوسرے کو آگاہ کرنے والے کے متعلق کہتے ہیں کہ!

''بشر رازِ دلی کہہ کر ذلیل وخوار ہوتا ہے
نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گُل بیکار ہوتا ہے''

اِس لیے یہ احتیاط لازم ہے کہ اِس ذکر کو ماسوائے اِس ذکر کی اجازت دینے والے شخص کے کسی بھی دُوسرے بندے کے ساتھ شیئر نہیں کرنا، اگر کوئی اِس کو شیئر کر دے گا تو اللہ پاک اُس شخص سے اِس ذکر کو سَلب فرمالیتا ہے اور پھر ساری زندگی یہ بحال نہیں ہوتا ہے۔ یہ چیز مدِ نظر رکھی جائے اور بسم اللہ شریف پڑھ کر اِس ذکر کو شروع کیا جائے تاکہ ہم اِس دُنیا میں آنے کا مقصد پا سکیں۔

"إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً" (البقرة:30)

اللہ پاک نے ہمیں بہت بڑا عہدہ اور بہت بڑی ذمہ داری تفویض فرمائی ہے۔

اگر ہم دُنیا میں آکر اُس کو حاصل نہ کر سکے تو پھر "زندگی بے بندگی شرمندگی" زندگی رائیگاں گزر جائے گی، آئیں کہ ہم اِس چیز کا آغاز کریں، میں بار بار یہ گزارش کرتا ہوں کہ! "چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے" اللہ پاک سب کو اِس کی توفیق عطا فرمائے (آمین) "اسم اللہ" کا جو ابتدائی سبق دیا گیا ہے اِس کو سانس کے ساتھ کرنا اگر یہ ذکر زبان سے کیا جائے تو کپڑوں کی پاکیزگی اور وضو کی شرط ہے لیکن اگر سانس سے کرنے کے لیے وضو شرط نہیں ہے، کیونکہ سانس نے ہر وقت چلنا ہے اور اِس ذکر نے ہر وقت ساتھ جاری رہنا ہے اِس کے لیے وضو شرط ہے نہ جگہ کی پاکیزگی اور نہ ہی کسی خاص جگہ پر بیٹھنا ضروری ہے۔ آپ جس حال میں بھی ہوں اور جس وقت بھی آپ کو خیال آجائے آپ "اسم اللہ" کے اِس سلسلہ کو شروع فرما دیں، حضرت بلھے شاہؒ فرماتے ہیں کہ!

"میرا ایہہ چرخا نو لکھا کُڑے کتّدی کتّدی کتّاں بُڑے
ہر چرخے دے گیڑے میں تینوں یاد کر دی"

یہ نو لکھا چرخا ہے اِس میں نو لاکھ تھیلیاں ہیں آپ اگر اِس کو چلانا شروع کر دیں اور اللہ پاک کو یاد کرتے رہیں گے تو منزلِ مقصود آپ کے قدم چومے گی۔ انشااللہ تعالیٰ۔ اللہ رب العزت توفیق عطا فرمائے، اِس "اسم اللہ" کو فی الوقت سانس کے ساتھ کرنا ہے، اپنے قلب پر "اسم اللہ" کا تصور اندر کی طرف سے کرنا ہے، اِس کے لیے وضو شرط نہیں مگر رازداری اِس کی شرط ہے، اِس کو کسی بھی دُوسرے شخص کے ساتھ شئیر نہیں کرنا ہے۔ چاہے کوئی کتنا ہی عزیز اور رشتہ دار ہو، کیونکہ یہ اللہ اور بندے کا معاملہ ہے، اِس میں تیسرے کا گزر ممکن نہیں ماسوا اپنے اُستاد کے۔ یعنی اُس شخص کے جس نے آپ کو اِس کی اجازت دی ہے وہ بھی اِس لیے کہ وہ آپ کی رہنمائی کرے اور آپ کی رکاوٹیں دور ہوتی جائیں۔ آئیں اِس ذکر کا آغاز کریں تاکہ منزل حاصل ہو کیونکہ زندگی کا وقت بہت محدود ہے۔ کیا خبر کس وقت کسی کی گھنٹی بج جائے اور اُس کا پیغام آجائے، اُس وقت سے پہلے کہ جب یہ موقع آجائے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دل کو سنوار لیں، اللہ کریم نے فرمایا!

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" (الشمس:9،10)

آج کی نشست میں میرا موضوع کچھ الگ تھا لیکن جو کچھ گزارش کیا گیا یہ پہلے دروس کی دہرائی ہے، تاکہ جو لوگ اِن نشستوں میں پہلے شامل نہیں ہوئے وہ بھی اِس سے آگاہ ہو جائیں۔ حضرت سلطان باہوؒ صاحب فرماتے ہیں کہ!

''جتھے ہُو کرے روشنائی چھوڑ اندھیرا ویندا ہُو

میں قُربان تنہاں تی باہو جیڑا ہُو نوں صحیح کریندا ہُو''

آئیں ہم سب اللہ ہو کا ذکر کریں تاکہ ہماری منزل قریب آجائے اور ہمیں اللہ رب العزت کے قُرب کی لذتیں نصیب ہوں۔ آج گزشتہ دروس کی دہرائی کی گئی ہے، لیکن آج کا موضوع قرآن پاک کی یہ آیہ مبارکہ ہے۔ اللہ کریم نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا!

'' وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُوْلَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۞ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ جزاءُ الْمُحْسِنِينَ ۞

لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِی عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِی كَانُوا يَعْمَلُونَ'' (الزمر:33،34،35)

جو موضوع میں بیان کر رہا ہوں اِس پر ابھی بہت سی گفتگو باقی ہے۔ بحر حال اِس سبق کا آغاز کیا جائے تاکہ ہمارا سفر شروع ہو اور منزل کی طرف سفر کا آغاز ہو، ''اسمِ اللہ'' اللہ کے قُرب کی پہلی سیڑھی ہے۔ اِس کے ذریعے ہم مالکِ کائنات کے ساتھ اپنے ازلی رشتہ کو استوار کریں۔ اللہ کریم نے سب رُوحوں کو اکٹھا کر کے مخاطب فرمایا تھا!

''أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ'' (الاعراف:172)

کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ ہم سب کی رُوحوں نے یہ جواب دیا تھا کہ یا اللہ آپ ہی ہمارے رب ہو۔ اب اِس دُنیا میں ہمیں اپنے اُس جواب کی عملی تعبیر کرنی ہے اور اگر ہم نہ کر پائے تو اللہ پاک کی بارگاہ میں جھوٹے متصور ہوں گے اور منافقین میں شمار کیے جائیں گے۔ اِس لیے لازم ہے کہ ''اسمِ اللہ'' کا آغاز کیا جائے، اِس سلسلہ میں انسان کے اندر موجود مقامِ قلب حقیقتاً اللہ پاک کا relay station ہے، کیونکہ انسان اللہ پاک کا ماسٹر پیس ہے، اللہ رب العزت نے کسی بھی مخلوق کو اِس سے ممتاز نہیں کیا، چاہے وہ فرشتے ہوں، جنات ہوں یا دیگر کوئی بھی مخلوق۔ اللہ پاک نے انسان کو سب سے اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے۔ اللہ کرے کہ انسان اپنے اِس مقام سے باخبر ہو جائے۔ قرآن پاک کی جو آیات آج تلاوت کی گئیں وہ میلاد النبی ﷺ کے سلسلہ میں ہیں کیونکہ یہ بھی ایک اہم نقطہ ہے۔ علامہ اقبالؒ کے بقول!

'' بمصطفیٰ ﷺ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بو لہبی است''

خود کو اُن کے قدموں میں ڈال دو کہ سارا دین اُن کے ساتھ ہے، اگر تم اُن تک نہ پہنچ پائے تو پھر تمھارا دین نہیں بلکہ یہ بو لہبی ہے۔ اِس سلسلہ میں اللہ کریم فرماتا ہے'' وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ'' وہ ہستی جو تشریف لائی سچائی کے ساتھ'' وَصَدَّقَ بِهِ'' اور جس نے اُن کے تشریف لانے کا اظہار کیا، اُس کی تصدیق کی، اُس کی تعریف کی، اُس کا چرچا کیا، اُس کی خوشی منائی۔ ''جَاءَ بِالصِّدْقِ'' تشریف لائے سچائی کے ساتھ، اُن کے تشریف لانے کو appreciate کرنا، اُس کی تصدیق کرنا، اُس کا چرچا کرنا، اُس کی خوشی منانا یہ اللہ پاک کا پسندیدہ عمل ہے۔'' وَصَدَّقَ بِهِ أُوْلَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ'' وہ ہی تو وہ لوگ ہیں جو اللہ پاک کے ساتھ مخلص ہیں۔'' مُتَّقُونَ '' خلوص رکھنے والے، وہ ہی تو لوگ ہیں جو اللہ

پاک کے ساتھ مخلص ہیں، فقط اُسی کے ہیں۔" لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ" اِس عمل کا جو اللہ پاک نے انعام بیان فرمایا ہے، بخدا کسی بھی اور عمل کا اتنا انعام بیان نہیں فرمایا ہے۔ باقی جتنے بھی اعمال ہیں اُن کے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے کہ اُن اعمال کو سر انجام دینے والوں کو میں آخرت میں فلاں نعمت دوں گا، فلاں نعمت دوں گا۔ اِس کے لیے فرمایا" لَهُمْ " اُن کے لیے موجود ہے"مَا يَشَاءُونَ" جو کچھ بھی وہ چاہیں۔" عِنْدَ رَبِّهِمْ" اپنے رب کے پاس۔ جو کچھ انہوں نے چاہنا ہے، اللہ کریم وہ جانتا ہے اور اُس کے پاس وہ موجود ہے۔ یہ حقیقتاً ایک بلینک چیک ہے کہ مالک فرمارہا ہے، مانگ لو مجھ سے جو بھی مانگنا ہے، وہ ہی آپ کو مِل جائے گا۔" ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِين " یہ ہی تو جزا ہے جو احسان کرنے والوں کے لیے ہے۔ اللہ پاک نے"وَصَدَّقَ بِهِ" کو ایک ایسا عمل قرار دیا ہے کہ جو اللہ رب العزت کی ذات پر احسان ہے۔" ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِين" یہ ہی تو جزا ہے جو احسان کرنے والوں کے لیے ہے۔ سب پر اللہ پاک کا احسان ہے کہ اللہ پاک نے سب کو دُنیا جہاں کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، لیکن جو لوگ اللہ کے محبوب ﷺ کی دُنیا میں تشریف آوری پر خوشی مناتے ہیں، اُس کا چرچا کرتے ہیں، اُس کی تعریف کرتے ہیں، اُن کے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ لوگ تو میرے بھی محسن ہیں۔" لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِى عَمِلُوا" کہ اللہ پاک اُن کے بُرے سے بُرے عمل کو بھی معاف فرمادے گا، اُن کے بُرے سے بُرے فعل کو جو انہوں نے کیا، اللہ پاک اُن سے اُتار دیتا ہے، معاف کر دیتا ہے، اُن کے وہ گناہ اُن کے نامہ اعمال سے خارج کر دیتا ہے۔"وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِى كَانُوا يَعْمَلُونَ" اور اُن کو جزا دیتا ہے"وَصَدَّقَ بِهِ"کو اللہ پاک نے"أَحْسَنِ الَّذِى كَانُوا يَعْمَلُونَ" فرمایا ہے کہ یہ ایک ایسا عمل ہے، جس کی اللہ رب العزت جزا دے گا۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں التجاء ہے کہ اللہ پاک ہمیں اُن لوگوں میں شمار کرے جو اُس کے محبوب ﷺ کی تشریف آوری پر خوشی مناتے ہیں۔"جَاءَ بِالصِّدْقِ " سے مُراد نبی پاک ﷺ کا تشریف لانا ہے۔ باالفاظ دیگر میلاد النبی ﷺ پر خوشی کا اظہار کرنا یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے اور وہ گھڑی جس میں حضور علیہ صلوۃ والسلام کی ولادت ہوئی۔ جس طرح اللہ کریم نے لیلۃ القدر کو شرف بخشا، قرآن پاک ایک رات میں نازل ہوا تھا لیکن ہر سال جب وہ رات آتی ہے، اُس کو ہزار مہینے کی عبادت سے افضل قرار دے دیا گیا۔ صرف اُس ایک واقعہ کی وجہ سے لیلۃ القدر کو یہ اہمیت حاصل ہے۔ اِسی طرح جس لمحہ حضور علیہ صلوۃ والسلام کی ولادت باسعادت ہوئی، جو انوار و تجلیات اور جس طرح اللہ کی مخلوق نے اُس پر رضامندی اور خوشی کا اظہار کیا جو شخص اُس موقع پر اِس خوشی کا اظہار کرتا ہے اللہ پاک اُس کو بے پناہ اجر عطا فرماتا ہے۔" لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ" اُن کے لیے وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس۔ اللہ رب العزت جو کہا جو سُنا اُس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آخر میں مجھے یہ گزارش کرنا ہے کہ آج کل رات کو دھند ہوتی ہے جس سے رات کو چلنا، سفر کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ جو احباب موٹر سائیکل یا گاڑی پر تشریف لاتے ہیں اُن کے علم میں ہے کہ یہ معاملہ کِس قدر کٹھن ہے۔ میں اللہ رب العزت کے اُس حکم کے پیشِ نظر کہ اللہ پاک نے فرمایا"لا اکراہ فی الدین" کہ دین میں جبر نہیں، لہٰذا

جتنے دن دھند کی کثرت ہے، اتنے دن ہم اِس نشست کی تعطیل کرتے ہیں، ایک اندازہ کے مطابق 15 جنوری تک اِس بات کا اِمکان ظاہر کیا جارہاہے کہ رات کے وقت دھند ہو گی، ایسی صورتِ حال میں راستہ چلنا دشوار ہو تاہے اور آنے والوں کے لیے دقت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم اِن دنوں میں اِس محفل کو برخاست رکھتے ہیں، جوں موسم ساز گار ہو گا میں جمعہ کے روز اِس بات کا اعلان کردوں گا کہ آئندہ جمعرات نشست ہو گی۔ انشااللہ ۔ میلادالنبی ﷺ 15 جنوری کے قریب قریب آرہاہے، اُس کے بعد اگر موسم ساز گار ہوا تو کوشش کریں گے کہ یہ سلسلہ دوبارہ شروع کریں، ورنہ جمعہ کے روز اعلان کر دیا جائے گا کہ آئندہ جمعرات محفل ہو گی۔ انشااللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔ جو حضرات جمعہ میں تشریف نہیں لاتے وہ واپسی پر قاری غضنفر صاحب کو اپنا رابطہ نمبر دے جائیں اُن کو اُن کے رابطہ نمبر پر اطلاع کر دی جائے گی۔ انشااللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ جو کہا جو سُنا اپنی بارگاہ عالی میں قبول و منظور فرمائے۔ اللہ کریم "اسمِ اللہ" کے ذریعے اپنا قُرب نصیب فرمائے۔ جو میں نے سبق دیا ہے آپ اِس کو ہر جمعرات نشست جتنا وقت ضرور دیں اور کم از کم اتنا وقت اِسمِ اللہ کے ذکر میں گزاریں جتنا وقت یہ نشست جاری رہتی ہے۔ اللہ کرے یہ بیل منڈھے چڑھے۔ کوئی راستہ سجھائی دے۔ اللہ کرے کہ زلِ مقصود کی طرف ہمارا دھیان ہو جائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔ (دُعا)

حرفِ آخر

تصوف کے سلسلہ میں جاری دروس کا سلسلہ اِس کے بعد دوبارہ شروع نہیں ہو سکا، اس کے بعد جناب حضرت صاحبؒ نے سورۃ الفاتحہ شریف کے درس کا سلسلہ شروع فرمایا تھا جو انہوں نے آخری ایام تک جاری رکھا۔ اِس کے علاوہ جناب نے میلاد النبی ﷺ، واقعہ معراج النبی ﷺ اور واقعہ محرم الحرام پر خصوصی تحقیق فرمائی اور ان واقعات کے تناظر میں کئی پوشیدہ حقائق سے پردہ اُٹھا آیا ہے۔ اس سارے ذخیرہ کو ساتھ ساتھ محفوظ کر لیا گیا، اُس کو بھی وقت آنے پر قارئین کی نذر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ان دروس کے آخر میں جناب حضرت صاحبؒ کا آخری خطبہ اِس لیے شامل کر دیا گیا ہے کہ قارئین کو یہ سمجھنے میں آسانی رہے کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک قبلہ حضرت صاحبؒ کس تندہی کے ساتھ اصلاحِ معاشرہ کے لیے سرگرم رہے اور اپنے معتقدین کو کس محبت بھرے انداز میں اپنے رب کریم کی طرف راغب فرماتے رہے۔ یقیناً اللہ کریم نے اُن کی اس سعادت کو ہماری توقعات اور سوچوں سے بڑھ کر مقام عطا فرمایا ہو گا۔

جناب حضرت صاحبؒ کا بیان ان کی زبان مبارک میں ہی پیش کیا جاتا ہے۔

"نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم فَھُوَ سَیِّدُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَاَفْضَلُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔ عَلَیہِ اَفْضَلُ صَلٰوۃِ الْمُصَلِّیْنَ۔ وَاَزْکٰی سَلَامِ الْمُسَلِّمِیْنَ۔ وَاَطْیَبُ ذِکْرِ الذَّاکِرِیْنَ۔ وَاَفْضَلُ صَلَوَاتِ اللّٰہِ۔ وَاَحْسَنُ صَلَوَاتِ اللّٰہِ۔ وَاَجَلُّ صَلَوَاتِ اللّٰہِ۔ وَاَجْمَلُ صَلَوَاتِ اللّٰہِ۔ وَاَکْمَلُ صَلَوَاتِ اللّٰہِ۔ وَاَسْبَغُ صَلَوَاتِ اللّٰہِ۔ وَاَتَمُّ صَلَوَاتِ اللّٰہِ۔

حاضرین کرام! نعتِ رسول مقبول ﷺ کا سلسلہ جاری تھا، یہ بھی آقا کریم ﷺ کی نعت پاک ہے لیکن انداز کچھ مختلف ہے، میں اپنی گفتگو کا آغاز گزشتہ سال والی گزارشات سے کرتا ہوں اور آسانی کے لیے اردو زبان میں بات کروں گا کیونکہ بے شمار ایسے افراد موجود ہیں جو اردو زبان سمجھ سکتے ہیں، میں کچھ (International realities) عالمی حقائق کا اظہار کرنا چاہتا ہوں، تمام لوگوں تک یہ پیغام پہنچانا مقصود ہے کہ اس میگا پراجیکٹ کے پیچھے کیا پس منظر تھا، میں اپنی گزارشات اردو میں بیان کرتا ہوں، آپؒ نے فرمایا کہ!

زیر تعمیر مسجد پاک بیگھہ شریف جو اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔ یہ صرف عمارت ہی نہیں بلکہ فنِ تعمیر، فنِ خطاطی، قدرت کے جمالیاتی حسن، تاریخِ انسانی کی درخشندہ روایات، تہذیبوں کا ارتقاء، اسلامی نظریاتی پس منظر اور روحانی تقدس کا حسین مرقع ہے[19]۔

یہ تاریخی منصوبہ جس کے بارے میں معلومات کی جستجو کی جائے گی، جن لوگوں کے ہاتھوں یہ تکمیل پذیر ہو رہا ہے، انہیں ان حقائق کی کچھ خبر ہے۔

This Masjid is the combination of architecture, calligraphy, aesthetic beauty of nature, glorious traditions of human history, Evolution of the Eras, ideological background of Islamic culture, the spiritual grace and dignity.

اس مسجد کی تعمیر میں مذہب، فن، تاریخ اور روحانیت کا امتزاج نظر آتا ہے اور اس میں انسانی کردار اور مہذب معاشرہ

---

[19] یہاں جناب حضرت صاحبؒ نے چند لمحے توقف فرمایا اور فرمایا کہ حاضرین اپنے موبائل فون کے ریکارڈر آن کر لیں اور اس کے بعد دوبارہ خطاب شروع فرمایا۔

(Human Character and Civilized Community)کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرنے والے تین حقائق علم (Knowledge)، بصیرت (Concept)اور اوجِ تخیل (The approach)جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ ان تمام حقائق کے تناظر میں ایک ہی حقیقت واضح ہوتی ہے اور اسی کے بارے میں مجھے اشارۃً عرض کرنا ہے۔

اس لیے کہا کہ ان چیزوں کو آن دی ریکارڈ آجانا چاہیے کہ آنے والے وقت میں اس کے بارے میں جب جستجو کی جائے گی، تجسس کیا جائے گا، اُس وقت ان حقائق کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

تمام کثیر الجہتی مظاہر (Multi-dimensional Monuments)کی طرح اس کا بھی ایک ماضی(Past) ہے، ایک حال (Present) اور ایک مستقبل(Future) ہے۔

اس کے درخشاں ماضی کو زبان سے بیان کرنا دشوار ہے[20]۔ لیکن آنے والے ادوار کے مورخین کی رہنمائی کے لیے میں کچھ نکات گزارش کر دیتاہوں کہ "یہ خالق اور مخلوق کا معاملہ ہے، معبود اور عبد کا راز ہے، شہنشاہ اور گدا کی بات ہے، مسجود اور ساجد کا معاملہ ہے، غنی اور محتاج کا راز ہے، نبی ﷺ کی اپنے امتی پر عطا ہے، آقا ﷺ کا غلام پر کرم ہے، محبوب ﷺ کی محب کو محبت کی بھیک ہے، داتا کی فقیر پہ سخا ہے، مسیحا کی بیمار کو شفا ہے، اِدھر ادنیٰ ہے، اُدھر اعلیٰ ہے، اِدھر بے کس اُدھر مشکل کشا ہے، اِدھر اُمیدوارِ کرم اُدھر کرم کا ملجا و ماویٰ ہے، اِدھر غم زدہ اُدھر غمخوار ہے، اِدھر دلِ شکستہ اُدھر دلدار ہے، اِدھر شیدا اُدھر حسن کا تاجدار ہے، اِدھر پروانہ اُدھر شمع انوار ہے، اِدھر رحم کا ملتجی اُدھر رحمۃ اللعالمین ﷺ، اور کفِ پائے مصطفی ﷺ ہے اور اُس کو چومتا خاک کا ذرہ!

عزیزم محب اللہ اظہر کے الفاظ میں پھر وہ ہی نعت کے اشعار پیش کرتا ہوں۔

"دل میں طوفانِ خیالات لیے پھرتا ہوں
لب پہ صلوٰۃ کے نغمات لیے پھرتا ہوں
میں نے طیبہ میں گھٹا دیکھی ہے رحمت کی
اس لیے آنکھوں میں برسات لیے پھرتا ہوں
کچھ شب و روز مدینے میں گزارے تھے کبھی
اب تصور میں وہ دن رات لیے پھرتا ہوں
پھر مجھے در پہ حضوری کی تمنا ہے حضور ﷺ
پھر وہی شدت جذبات لیے پھرتا ہوں
اور جینے کا سہارا نہیں میرا کوئی

---

[20] جناب حضرت صاحبؒ نے گفتگو روک کر یہاں پر یہ سوال واضح فرمایا۔ کہ ہر کوئی پوچھتا ہے کہ مسجد شریف یہاں پر ہی کیوں تعمیر کی گئی اس کے کیا عوامل تھے؟ اس لیے ان عوامل کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے درد کی سوغات لیے پھرتا ہوں"

اور ایک پنجابی نغمہ سرا کے الفاظ میں!

"عشق جنہاندے خیال پیا اوہ تاں بُھل دیاں بُھل گئیاں
سرمہ پایا سی یار دے ویکھن نوں ہنجو ڈھل دیاں ڈھل گئیاں
مینڈی مہندی عِطر پھلیل والی زلفاں کُھل دیاں کُھل گئیاں
علی حیدر میاں سوہنا یار ملے ہڈیاں رُلدیاں رُلدیاں رُل گئیاں"

مسجد شریف کی تاریخ میں میں اتنا ہی بیان کر سکتا ہوں، اس سے زیادہ کے متعلق پیر مہر علی شاہ صاحب نے فرمایا!

"چپ کر مہر علی ایتھے جا نہیوں بولن دی"

اب اس مسجد مبارک کا حال کہ آغاز کار سے ہی مافوق الفطرت حالات و واقعات نے ہمیں خوش آمدید کہا، ہر مشکل آسان ہوتی چلی گئی، ہر مرحلہ طے ہوتا گیا، فنون و اسرار کے گویا خزانے کھل گئے، ہر کام میں تائید غیبی نظر آئی۔ تفصیل بیان کرنے کا وقت نہیں۔ انشاءاللہ مسجد کی تعمیر اور حقائق پر مشتمل ایک مجلہ طبع کیا جائے گا، آپ ضروری معلومات و حقائق اس میں ملاحظہ فرمائیں۔

میں کچھ ملکی اور بین الاقوامی ماہرین جنہوں نے دوران تعمیر مسجد کا دورہ فرمایا اور اپنے تاثرات بیان کیے، ان میں سے چند ایک بطور ریفرنس گزارش کرتا ہوں۔

Mr. Asim Zafar (project manager king Abdullah city riadh Saudi Arabia)

Being a highly technical engineer I found this design and construction very unique and remarkable, accuracy in embossing work is really state of art as I found no difference in different pieces of similar shape, calligraphy of Ayat mubarkah is an excellent example of precision work I cannot express in words how this design was initially found as these are multiple pieces of high quality engineering work.

ڈاکٹر شاہد احمد راجپوت، (ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ اسلامک آرٹ اینڈ آرکیٹیکچر، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد) رقمطراز ہیں کہ!

"مسجد پاک بیگھ شریف دیکھنے کا شرف ملا، چند چیزیں جو قابلِ ستائش ہیں اور ریکارڈ کی جانا چاہئیں ان میں عربی خطاطی[21]، خطاطی کے متعدد سٹائل اور طغریٰ کے نمونے قابلِ تعریف ہیں، فریم ڈیزائن کے نت نئے نمونے، پھول بوٹے، خطاطی کے امتزاج اور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اسم پاک کے ساتھ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے القابات کا گنبد کے اندر لکھنا بہت اچھا لگا، سمجھ میں نہیں آتا کہ تعریف میں کیا لکھوں،

بس یہ کہ زبان گنگ ہے، آنکھ حیران ہے کیا واقعی یہ کام انسان کر سکتا ہے؟ مسجد شریف کا ہر کونہ اندر اور باہر سے دعوت نظارہ تو دیتا ہے، لیکن گھنٹوں دیکھنے کے بعد بھی مزید دیکھنے کو دل کرتا ہے"

---

[21] یہاں جناب حضرت صاحبؒ نے اپنے ریمارکس دیئے کہ مسجد پاک بیگھ کے لیے جو شخص خطاطی کر رہا ہے اس کو خطاطی کا علم ہی نہیں تھا (اس سے مراد جناب حضرت صاحبؒ کی اپنی ذات تھی)

مقصود احمد ملک (ڈائریکٹر رینویشن آرکیالوجی) امتیاز عمر (قلعہ روہتاس)

" ہم تمام نے موقع پر مسجد جو عشق الٰہی کا فن پارہ ہے، پر کام ہوتے دیکھا، ان فرشتوں کی صفات والے کاریگر جو کہ سب اس کام میں ناتجربہ کار ہیں۔ میرا دماغ، میرا قلم اور میرا اس شعبہ کا تجربہ سب کام کرنے سے عاری ہیں، مختصر یہ ہے کہ یہ اللہ کی "عطا"، عشق رسول ﷺ اور ایمان کی قوت ہے جو اللہ اپنے فقیروں کو تفویض کرتا ہے، تو وہ اپنے کامل ایمان اور یقینِ محکم سے تاریخ رقم کرتے جارہے ہیں۔ اللہ ان کو ہر کام میں لامحدود برکت عطا فرمائے" [امین] فقط مقصود احمد ملک، شاہی قلعہ لاہور، عمر امتیاز، قلعہ روہتاس، ارشاد احمد سومرو، شاہی قلعہ

ان تمام تاثرات کا لب لباب یہی ہے کہ یہ تعمیر عقل و فہم سے بالا ہے اور جو بات عقل تسلیم نہ کرے اسی کو معجزہ کہا جاتا ہے، یعنی عاجز کر دینے والی، اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی تاریخ میں اس سے قبل اس قسم کی تعمیر وجود میں نہیں آئی۔ پوری آرکیٹیکچر اپنے دامن میں ایسی کوئی تعمیر نہیں دکھا سکتی۔

اس کے نتیجہ میں میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ روئے زمین پر قدرت خداوندی اور معجزات مصطفی ﷺ کی تاریخ کا ایک زریں باب ہے اور تاریخ کائنات اس بات کی مظہر ہے کہ تائید خداوندی ''واعلمو ان فیکم رسول اللہ ''[22] کے مصداق معجزات مصطفی ﷺ کا تسلسل جاری ہے، اور اس کی یہ مثال ہمارے ایمان کی مضبوطی کا ذریعہ بنے گی، یہی اس کا مستقبل ہے۔

آج کا پیغام یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام رحمۃ العالمین ہیں، معجزات مصطفیٰ ﷺ ایک قوم اور ایک علاقہ کے لیے نہیں ہوا کرتے بلکہ پوری کائنات ان سے فیض حاصل کرتی ہے، اربابِ دانش و ذی وقار سے درخواست ہے کہ مجھے کہنے دیجئے کہ اس معجزہ مصطفی ﷺ کے انوار سے شاید قدرت کو اپنی مخلوق کی بھلائی منظور ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اس خوش خبری کا خاکہ پیش کیا ہے، انہی کے الفاظ میں گزارش کرتا ہوں۔

"آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی"

معجزات مصطفی ﷺ ظہور پذیر ہیں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ!

"محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی۔

دیکھ کر رنگ چمن ہو نہ پریشان مالی
کوکب غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
رنگ گردوں کا ذرہ دیکھ تو عنابی ہے[23]

---

[22] اللہ پاک فرماتا ہے کہ آپ کو علم ہونا چاہیے کہ رسول پاک ﷺ آپ میں موجود ہیں۔

یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضاء دیکھ

مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرہ دیکھ

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں عشق محمد ﷺ سے اجالا کر دے"

علامہ اقبالؒ نے آنے والے وقت کی تصویر کھینچی ہے، جس مستقبل کی طرف مسجد پاک بیگھ شریف اشارہ کر رہی ہے، علامہ اقبال پہلے سے اُن حالات کا خاکہ پیش کر چکے ہیں، یہ اس کا سنگ میل ہے، مزید جو کچھ کوئی سمجھ سکتا ہے۔ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق۔ لیکن آنے والا وقت انشاللہ یہ ثابت کرے گا اور یہ ہی پیغام ہے کہ!

"قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں عشق محمد ﷺ سے اجالا کر دے"

"دو جہاں میں گر تمھیں مقصود آرام ہے

ان کا دامن تھام لو جن کا محمد ﷺ نام ہے"

انشاللہ! پھر عالم گیر بادشاہی آپ کے لیے ہے۔

وہ تمام لوگ میرے خصوصی شکریئے اور دعاؤں کے مستحق ہیں جنہوں نے مسجد کی تعمیر میں والہانہ تن دہی کے ساتھ حصہ لیا، محنت کی، بوجھ اٹھایا، موسم کی شدتیں برداشت کیں، بوجھل اوزاروں کو خون پسینہ ایک کر کے استعمال کیا، خوبصورتی، نفاست کے گُل کھلائے، ہر کام میں ادب کو ملحوظ خاطر رکھا[24] اور وہ بھی جنہوں نے اپنے جسم کے علاوہ فراخدلی سے مالی تعاون کیا۔ یہ وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرے گی اور جن کے لیے باری تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا۔

وَمِنَ الأَعْرَابِ مَن يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبَاتٍ عِندَ اللهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ أَلا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللهُ فِىْ رَحْمَتِهِ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيْم۔[25]

---

[23]-جناب حضرت صاحبؒ نے یہاں وضاحت فرمائی کہ گردوں آسمان کو کہتے ہیں اور عنابی اس رنگ کو کہتے ہیں جو روشن سرخی مائل ہوتا ہے، جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس وقت آسمان عنابی ہو جاتا ہے۔

[24]جناب حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

[25]القران الکریم، سورۃ التوبہ، (99) (ترجمہ) اللہ پاک نے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، جو خرچ کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے قرب اور رسول پاک ﷺ کی دعائیں سمیٹنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ خبردار ہو جاوہ عمل ان کے واسطے باعث قرب ہے، اور اللہ پاک ان کو اپنی رحمت کے اندر جلد داخل کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور کچھ گاؤں والے (لوگ) وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو خرچ کریں اسے اللہ کے قرب اور رسول ﷺ سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں۔ہاں ہاں وہ عمل ان کے لیے باعث قرب ہے۔اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

میں ان سب کو اللہ کریم کی طرف سے اُن کے اِس انتخاب پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

میں اُن تمام لوگوں کا بھی مشکور ہوں اور اُن کے لیے دُعا گو ہوں کہ آج اس مبارک موقع پر اللہ کریم ان کی جھولیاں مُراد سے مالا مال کر دے جو اس تقریب میں دامے، درمے، قدمے، سُخنِ شامل ہوئے۔ خصوصاً جنہوں نے سکیورٹی کی خدمات سرانجام دیں۔ جنہوں نے ساؤنڈ سسٹم، لائٹنگ، ڈیکوریشن، بیٹھنے والوں کے لیے بچھونے اور دریوں کا اہتمام کیا۔ وہ لوگ جنہوں نے مسجد شریف کو آنے والے راستوں کی درستگی کی۔ جنہوں نے موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے جگہ فراہم کی وہ ہمسائے جنہوں نے اپنی پلکیں آنے والوں کے لیے راہوں میں بچھائیں۔ خصوصاً دو مواضعات کے رہنے والے حضرات جن کا آپس میں گہرا رشتہ کئی سو سالوں سے چلا آتا ہے، میری مراد اہلیانِ کیرانوالہ شریف جن میں ممتاز حیثیت یہاں کی سادات فیملی کو حاصل ہے۔ ان کے چشم وچراغ جناب پیر علامہ سید شعیب شاہ صاحب مدظلہ العالی اور ان کے اہل خاندان، تمام سادات کیرانوالہ اور تمام اہلیان کیرانوالہ جن کی محبت اور شفقت (میرے جدِّ امجد) حضرت میاں نور محمدؒ چنابیؒ اور (جناب شاہ صاحب قبلہ کے جدِّ امجد) حضرت سید فاضل عبدالرسول چنابیؒ کی لازوال محبت کی یاد تازہ کرتی ہے اور دوسرا راجیکی شریف جو میرا آبائی گاؤں بھی ہے اور اہلیان راجیکی شریف کی محبت میرا سرمایہءِ افتخار بھی ہے۔

آخر میں مجھے آپ سے چند درخواستیں کرنی ہے پہلی یہ کہ اللہ کریم کے فرمان کے مطابق قبولیت کی گھڑی ہے۔

''وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم''[26]

ترجمہ۔اور جب اٹھاتا تھا ابراہیم اس گھر کی نیویں اور اسمٰعیل یہ کہتے ہوئے اے رب ہمارے ہم سے قبول فرما بیشک تو ہی ہے سنتا جانتا۔

یہ گھڑی اُس وقت تک جاری ہے جب تک مسجد کی تعمیر اپنی تکمیل کو نہیں پہنچ جاتی کیونکہ کسی بھی دیوار کا بالائی حصہ اُس کی بنیاد کے ارتفع کا تسلسل ہوتا ہے۔ یہ مسجد شریف اپنی تمام تر رعنائیوں اور تعمیراتی مراحل کے ساتھ آپ کے سامنے ہے، جب تک تعمیر جاری ہے قبولیتِ دُعا کا دروازہ کھلا ہے دل کھول کر اپنے اللہ سے مانگیں، بہت مانگیں وہ اتنا سخی ہے کہ اُس کے خزانوں میں کبھی کوئی کمی نہیں آتی[27]۔

---

[26]۔القران الکریم، سورۃ البقرۃ،2 (127)

[27]۔ مسجد پاک۔بیگھہ شریف کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے جناب حضرت صاحب اکثر ان آیات کا ذکر فرماتے 2014ء میں مسجد پاک۔بیگھہ کے یوم تاسیس کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے بھی جناب حضرت صاحب نے یہ آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی تھی

۔''فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ''

ترجمہ۔ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان میں اس کا نام لیا جاتا ہے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں ان میں صبح وشام (سورۃ النور۔36)

اس کے بعد فرمایا کہ اس آیہ مبارکہ کے مصداق مسجد پاک۔بیگھہ شریف اپنی تمام تر رعنائیوں اور تعمیراتی مراحل کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔لہذا رحمت کے دروازے کھلے ہیں ،دِل کھول کر اپنے اللہ سے مانگیں اور بہت مانگیں۔

”نگاہِ رحمت اُٹھی ہوئی ہے وہ سب کی بگڑی بنا رہے ہیں
کریم کا دَر کُھلا ہوا ہے، بھرے خزانے لٹا رہے ہیں
مانگ لو مانگ لو چشمِ تر مانگ لو دردِ دل اور حسنِ نظر مانگ لو
مصطفی ﷺ کی نگری میں گھر مانگ لو، مانگنے کا مزہ آج کی رات ہے“

جہاں اپنے اور اپنے پیاروں کے لیے دعا کریں وہاں اپنے وطن عزیز اور اُمتِ مسلمہ کے لیے ضرور دُعا کریں اور خصوصاً وہ منتخب لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اصلاح کا فریضہ سونپا ہے، اُن کے لیے دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو قدم قدم اپنے عزم پر قائم رکھے، آخر میں اگر ہو سکے تو اِس مسکین کے لیے بھی استقامت کی دُعا ضرور کر دیں۔

دوسری گزارش جو پچھلی مرتبہ بھی کی تھی وہ گزارش ابھی جاری ہے، میں نے عرض کیا کہ!

”قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے“

نماز تہجد آپ کے اندر عشق کی جوت جگائے گی، انشاءاللہ مسلمان اِس قابل ہو سکتے ہیں کہ بقول علامہ اقبال!

”آج بھی ہو گر ابراہیم کا سا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا“

زمانہ آپ کے ایمان کے جذبوں کا منتظر ہے، آیئے کہ رات کے پچھلے پہر اُٹھ کر اپنے رب کی بارگاہ میں اُس کے حبیب ﷺ کی سنت پر سربسجود ہو جائیں اور اللہ کریم کی بارگاہ سے عشق مصطفی ﷺ کی بھیک مانگ لیں[28]۔

”یہ دربار محمد ہے یہاں ملتا ہے بے مانگے
ارے نادان یہاں دامن کو پھیلایا نہیں کرتے
ارے او نا سمجھ قربان ہو جا ان کی چوکھٹ پر
یہ لمحے زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے“

ایک اور گزارش جو مجھے کرنی ہے، جتنے لوگ سُن رہے ہیں، خصوصاً آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب کدھر شریف سے وابستہ، ہمارا کام احیائے سنت مصطفی ﷺ ہے، ایک رُجحان چل نکلا ہے، کہ وہ بزرگ جو کبھی مصلے اور خانقاہ کی زینت تھے اُن کی تصویروں کی صورت میں اُن کو سرِ بازار آویزاں کیا جانے لگا ہے۔ لمحہ فکریہ ہے! ہمارا مقصد اور مدعا فقط حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس ہے، میرا مقصد تنقید نہیں، ہمارا زندگی کا مقصد آقا کریم ﷺ کا چرچا کرنا ہے اور ہمیں اپنے اس مقصد پر کاربند رہنا ہے۔ آستانہ عالیہ ڈیرہ حضرت میاں صاحب کدھر

---

[28]- نمازِ تہجد کے بارے میں جناب حضرت صاحبؒ کا یہ فرمان ہے کہ نماز تہجد کے بارے میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا۔
اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ۔(۔سورۃ المزمل۔20)
بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی آدھی رات کبھی تہائی اور ایک جماعت تمہارے ساتھ والی۔
وہ لوگ خوش نصیب ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس عظیم عبادت کے طفیل ”طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ“ فرما کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں شمار فرما دیا ہے اور ان کے لیے مدینہ طیبہ سے رشتہ استوار کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے۔ آیئے تہجد کو زینہ بنا کر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس سے وابستہ ہو جائیں۔

شریف سے وابستہ خصوصاً اور تمام احباب محبت عموماً، حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت رکھنے والی اس مسجد کی زلفوں کے تمام اسیروں سے میری درخواست ہے کہ اپنی زندگی کے مقصد سے وابستہ رہتے ہوئے ہمیں اس قباحت سے اجتناب کرنا ہے، بخدا میری تصویر سرِ بازار یا محافل میں لگانے سے گریز کیا جائے، اگر کہیں کوئی ایسا کرے تو اس کو محبت سے سمجھائیں کہ یہ اشتہار بازی آستان کے مشن کے خلاف ہے۔ پھر بھی کوئی شخص یا تنظیم اس حرکت سے باز نہ آئے تو اس کی اطلاع ہمیں دی جائے، ہمارے پاس پاکستان پینل کوڈ امینڈمینٹ 2002 اور 2006 ایکس ایل وی کے تحت قانونی چارہ جوئی کا راستہ بھی موجود ہے۔ ہم نے اپنی زندگیاں یہ کہہ کر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دامن رحمت سے وابستہ کر دی ہیں کہ! "میری آرزو محمد ﷺ میری جستجو مدینہ" ہم اپنی اس وابستگی کا اظہار ان دو شعروں سے کرتے ہیں۔ یہ دو شعر میرا سلوگن بھی ہیں ان کو اپنے دل میں جگہ دیں۔

"نقشہ تیرا دلکش ہے صورت تیری پیاری ہے
جس نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے سو جان سے واری ہے
کیا پیش کروں آقا کیا چیز ہماری ہے
یہ دل بھی تمھارا ہے یہ جان بھی تمھاری ہے"

ان گزارشات کے بعد آخر میں میں دست بستہ معافی کا طلبگار ہوں کہ دور نزدیک سے آنے والے بے شمار لوگوں کا اجتماع ہے۔ لاتعداد۔ جو مسجد شریف کی حدود کے اندر آسکے اور جو نہ آسکے وہ گلیوں اور سڑکوں پر کھڑے ہیں، ان سب کو میں خوش آمدید کہتا ہوں کہ میرے آقا ﷺ قریب و نزدیک کو نہیں دیکھتے اُن کی نگاہیں دلوں کی طرف ہوتی ہیں، آپ اپنے دل حاضر رکھیں جہاں بھی ہوں گے ان کی نگاہِ رحمت آپ پر ضرور پڑے گی، انشاءاللہ! وہ لجپال آقا ہیں اور سخیوں کے سخی ہیں، یہ دعا کرتا ہوں کہ جو بھی آیا ان میں سے کبھی کوئی بھی خالی نہ جائے، کسی کی جھولی خالی نہ رہے، جتنے بھی لوگ آئے اللہ پاک اُن کے دامن کو مراد سے مالا مال کر دے۔ لیکن یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ اتنے رش میں اگر کسی کی نادانستہ طور پر دل آزاری ہوئی ہو یا کسی کو اس کی پسند کے مطابق جگہ نہ ملی ہو میں اُس سے دست بستہ معافی کا طلبگار ہوں اور وہ اپنا شکوہ یہیں چھوڑ جائے، اپنے دل میں حُبِ مصطفی ﷺ بھر کر لے جائے کہ یہ خزانہ پھر نہیں ملنا، اپنے دل کو خالی کر کے اپنے دلوں کو اِس خزانے سے آج بھر لیں کہ یہ دل بھرنے کا وقت ہے۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ اِس آستان کا یہ جو لنگر ہے نہ ہم نے اِس کی تجویز دی نہ کسی سے کہا نہ کل تک مجھے خبر تھی کہ کِس نے کیا لانا ہے، یہ سرکار ﷺ کا ہی عطا فرمایا ہوا ہے اور یہ رزق اُن کی طرف سے ہی آیا ہوا ہے، انشاءاللہ یہ سب تک پہنچے گا، آپ اِس کو اِس دعا کے ساتھ کھائیں کہ اِس کو کھانے سے آپ کے اندر کی تمام روحانی اور جسمانی بیماریاں دور ہو جائیں۔

منتظمین سے میری درخواست ہے کہ نظم وضبط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے میری ان گزارشات کے بعد قصیدہ بردہ شریف پڑھا جائے گا اُس دوران تبرک کو پہنچانے والے حضرات اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ جائیں اور تشریف فرما ہو جائیں، اُس کے بعد ایک نعت پاک شروع ہو گی جس کے بول یا محمد ﷺ نور مجسم[29] یہ نعت پاک پڑھی جائے گی جب یہ نعت شروع ہو اُس وقت آپ تبرک کی تقسیم شروع کریں، کوئی شخص اُٹھ کر نہ مانگے کہ!

---

[29] جناب حضرت صاحبؒ نے یہاں وضاحت فرمائی کہ یہ ایک دلکش نعت ہے، لیکن آج مجھے اس کے اسرار بیان کرنے کی اجازت نہیں، اس نعت پاک کا بھی اس مسجد شریف کی تعمیر میں بہت اہم کردار ہے، لیکن کبھی اگر اجازت ملی تو اس کو احاطہ تحریر میں لایا جائے گا۔ انشاءاللہ۔

یہ دربارِ محمد ﷺ ہے یہاں ملتا ہے بن مانگے

ارے ناداں یہاں دامن کو پھیلایا نہیں کرتے

آپ کو آواز دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی آپ کے دامن میں خود بخود آئے گا، انشااللہ! آج رحمتوں کی گھڑی ہے میری دُعا ہے کہ جو بھی آئے رحمتیں اپنی جھولی میں بھی کرلے جائے، اتنی رحمتیں ہوں کے پورا سال ختم نہ ہوں، اللہ پاک کی ذات سب سننے والوں کو جو تشریف لائے اور جو آنا چاہتے تھے کسی مجبوری کی وجہ سے نہ آسکے، دور دراز سے چلے ہوئے بے شمار لوگ جو ابھی راستوں میں ہیں، اور پہنچ نہیں سکے میں اُن سب کے لیے دعا کرتا ہوں کہ آج اُن سب کی منظوری ہو جائے، (آمین)

کچھ لمحوں بعد قصیدہ بردہ شریف پڑھا جائے گا اِس دوران تبرک والے حضرات اپنے متعین مقامات پر تشریف لے جائیں، اُس کے بعد جب نعت مصطفی ﷺ یا محمد نور مجسم ﷺ شروع ہو گی اُس وقت تبرک پیش کرنے والے حضرات اپنے کام کا آغاز کریں گے۔ آپ نعت پاک سماعت فرمایئے گا، آپ کی جھولیاں بھرتی رہیں گی، جو بھی عرض کیا میرے آقا کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں قبول و منظور ہو، میں صرف یہ ہی عرض کرتا ہوں کہ!

تیری نگاہ نے سنوارا میرا اندازِ حیات

تیرا نہ ہوتا میں گر تو سگِ دنیا ہوتا

یہ نبی کریم ﷺ کا کرم ہے اور مالک کا ترس ہے اللہ پاک اس ترس کی ریت کو صدا اسلامت رکھے (امین) سب کی جھولیاں بھر دے میں انہی الفاظ پر اکتفا کرتا ہوں، قصیدہ شریف والوں کو التماس کرتا ہوں کہ وہ قصیدہ شریف پڑھیں، قصیدہ شریف کے بعد جناب مرزا عارف نعیم صاحب دوبارہ اپنی ذمہ داری سنبھالیں گے۔ میں ان کا تہہ دل سے مشکور ہوں، میں نے ان کے لیے اس لیے عطاء المصطفیٰ ﷺ کا لفظ استعال کیا تھا کہ آپ کو بھی علم ہے اور بہت سارے لوگ یہ جانتے ہیں کہ اب یہ آپ کی زندگی آپ کی نہیں، یہ عطائے مصطفیٰ ﷺ ہے، یہ زندگیاں جب مل جاتی ہیں تو یہ کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ وماعلینا الی البلاغ المبین۔"

یہ وہ آخری الفاظ ہیں جو جناب حضرت صاحبؒ نے عوام الناس کے سامنے اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے اور اِس کے بعد آپؒ ہمارے حواسِ خمسہ سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو گئے۔ "اناللہ وانا علیہ راجعون"